خواتین کے لیے صاف ستھرا تفریحی ادب

ماہنامہ

آنچل

کراچی

lpk.com aanchalnovel.com

NOVEMBER 2016

ماہنامہ
حجاب کراچی

ماہنامہ حجاب نومبر ۲۰۱۶ء کے شمارے کی ایک جھلک

صدف آصف، نادیہ فاطمہ کی قسط وار کہانیاں

مکمل ناول میں پڑھیں نازیہ کنول نازی، ندا حسنین، اریشہ غزل

شازیہ مصطفیٰ، عشنا کوثر سردار

سیدہ ضوباریہ، عائشہ ناز علی، سمیرا شریف طور، صائمہ قریشی، فاخرہ گل، نائلہ طارق

کے قلم سے خوب صورت ناولٹ

افسانوں کے ساتھ حاضر ہیں اقبال بانو، تمثیلہ زاہد، حنا اشرف، مونا شاہ قریشی

صباء عیشل، فرحین اختر، نظیر فاطمہ، سعدیہ عزیز آفریدی، افشاں شاہد، رفاقت جاوید

قارئین کے ذوق کے عین مطابق مستقل سلسلوں میں پڑھیے

بزم سخن، کچن کارنر، آرائش حسن، عالم میں انتخاب

شوخئ تحریر، حسن خیال، ہومیو کارنر، شوبز کی دنیا، ٹوٹکے

پرچہ نہ ملنے کی صورت میں رجوع کریں/ 0300-8264242
021-35620771/2

بانی مدیرہ زیب النساء
مدیر اعلیٰ مشتاق احمد قریشی
مدیرہ قیصر آرا
نائب مدیرہ سعیدہ نثار
مدیر خصوصی طاہر احمد قریشی
مدیرہ معاونین جویریہ احمد
روبینہ احمد

جلد	38
شمارہ	08
نومبر	2016

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

ماہنامہ آنچل کراچی

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹر
رکن چیمبر آف کامرس

aanchalpk.com
aanchalnovel.com
www.aanchalpk.com/blog
onlinemagazinepk.com/recipes
info@aanchal.com.pk
/women.magazine
/pkwomenmagazine

فہرست

ابتدائیہ

سرگوشیاں — مدیرہ — 14

حمد — ریاض حسین قمر — 15

نعت — سید عرفان رفیع — 15

درجواب آں — مدیرہ — 16

دانش کدہ

السلام علیکم — مشتاق احمد قریشی — 21

ہمارا آنچل

ثوبیہ جاناں / مسرت اسلم

دلکش مریم / کرن کوثر — ملیحہ احمد — 25

سلسلہ وار ناول

تیری زلف کے سر ہونے تک — اقرأ صغیر احمد — 73

شب ہجر کی پہلی بارش — نازیہ کنول نازی — 141

ناولٹ

بند لفافے — یاسمین نشاط — 45

خوشبوؤں کا موسم — شبانہ شوکت — 249

مکمل ناول

چراغ خانہ — رفعت سراج — 29

دھوپ اور آنگن — بشریٰ گوندل — 99

قسمتیں ہیں مسافر — مصباح علی سید — 167

ذرا مسکرا امیدِ گمشدہ — فاخرہ گل — 199

افسانے

اس طور ملے — اُم اقصیٰ — 63

آگاہی — عاصمہ عزیز — 129

زخم زدہ بت — قرۃ العین سکندر — 135

گیلے گال — نمرہ محمد — 163

جہیز — نورین مسکان سرور — 195

کمپرومائز — ثمینہ فیاض — 231

ارمانوں کی مالا — عذرا کنول — 239

روشنی کی لکیر — اقرا گلزار — 243

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ پریس

ہاکی اسٹیڈیم کراچی، دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400
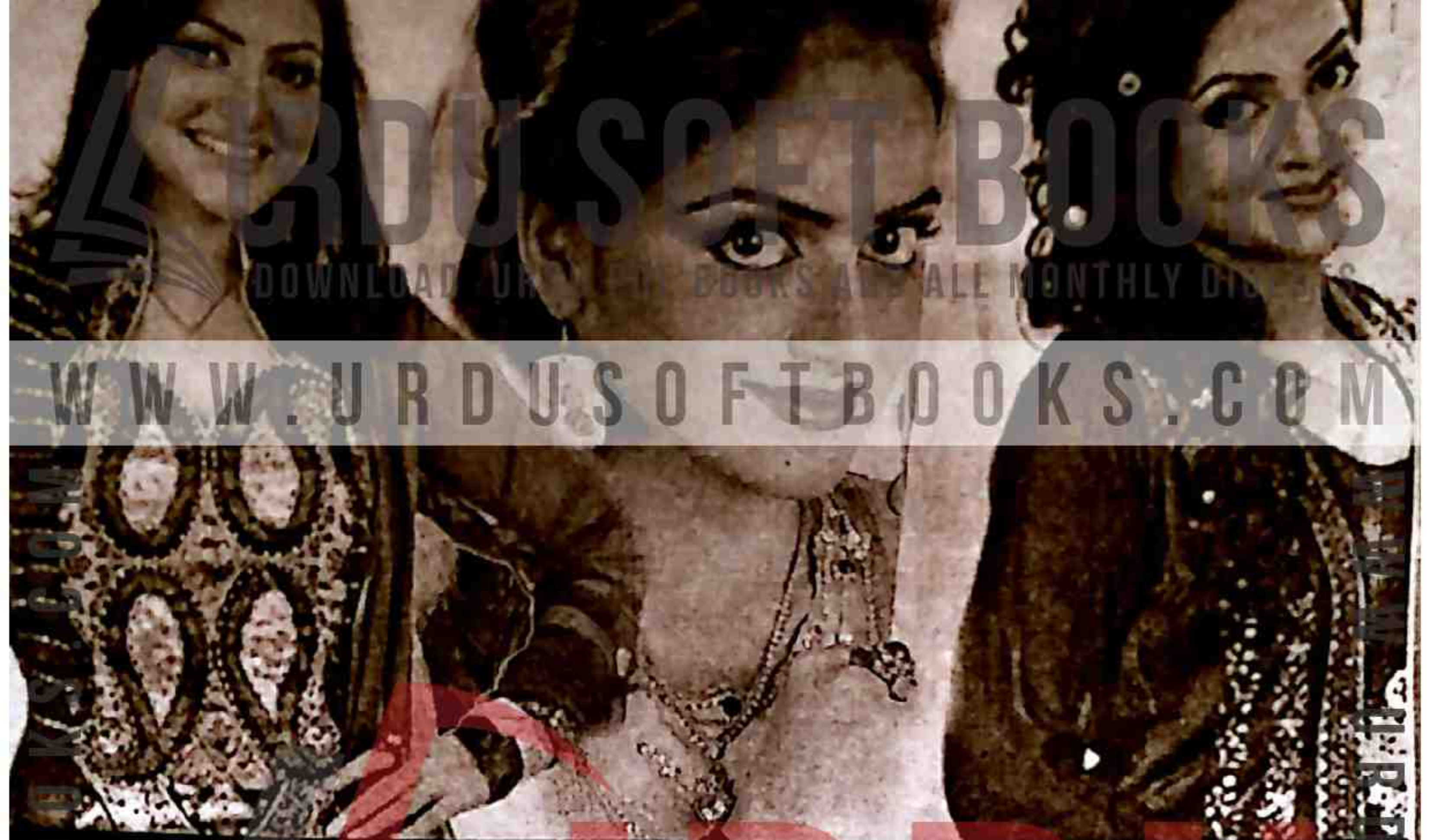
سرورق: شیزا خان ...... آرائش: روز بیوٹی پارلر...... عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے
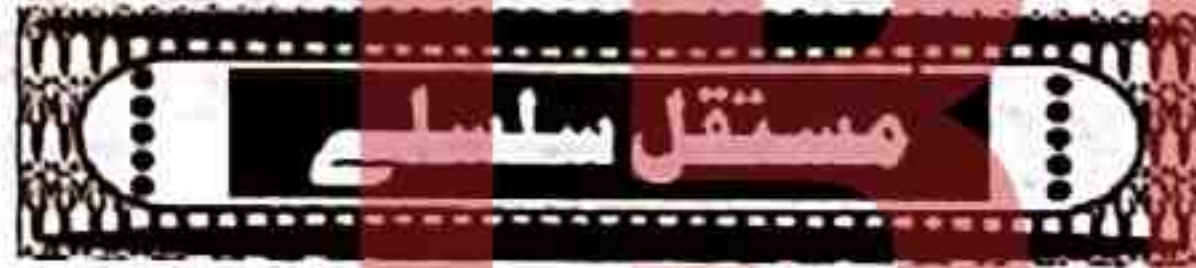
ہومیو کارنر	طلعت نظامی	272	یادگار لمحے	جویریہ سالک	297
بیاض دل	میمونہ رومان	274	آئینہ	شہلا عامر	301
ڈش مقابلہ	طلعت آغاز	276	ہم سے پوچھیے	شمائلہ کاشف	313
بیوٹی گائیڈ	روبینہ احمد	281	آپ کی صحت	ہومیو ڈاکٹر ہاشم مرزا	317
نیرنگ خیال	ایمان وقار	283	کام کی باتیں	حنا احمد	321
دوست کا پیغام آئے	ہما احمد	290	کترنیں	قارئین	000

خط وکتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 یکے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز۔ ای میل info@aanchal.com.pk

رسول اکرم ﷺ کا ان کے اہل بیت کے بارے میں پورا پورا لحاظ اور پاس رکھو (یعنی اہل بیت سے محبت ان کا احترام اور ان کی قدر دانی کرو)
(صحیح بخاری: 3713)

سرگوشیاں

مدیرہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
نومبر ۲۰۱۶ء کا آنچل حاضر مطالعہ ہے۔
ہم اللہ سبحان وتعالیٰ کا جتنا شکر کریں وہ کم ہے اللہ کا بڑا احسان اور فضل ہے کہ اس نے ہماری محنت میں برکت عطا فرمائی اور آپ کا حجاب الحمدللہ آپ کے معیار پر پورا اتر رہا ہے۔ ان شاء اللہ آنے والا نومبر کا شمارہ حجاب سال گرہ نمبر ہوگا یہ آپ کا تعاون اور حوصلہ افزائی ہی ہے کہ بالکل نئے ماہنامہ نے اتنے مختصر عرصے میں مقبولیت کی وہ منزل حاصل کی جس کے لیے سالوں انتظار کرنا پڑتا ہے ادارہ اور بذات خود میں تمام بہنوں کی تہہ دل سے مشکور ہوں اور امید کرتی ہوں کہ آپ کا بھرپور تعاون ہمیں آئندہ بھی حاصل رہے گا۔
وطن عزیز میں ہر طرف سیاسی ہلچل مچی ہوئی ہے ہر سیاسی جماعت کا اپنا ایجنڈا ہے جس پر وہ اپنے طریقوں سے عمل پیرا ہے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ہر سیاسی جماعت کی گو کہ منزل اقتدار ایک ہی ہے لیکن سب نے اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا رکھی ہے کسی معاملے پر اگر کبھی کہیں اتحاد ہو بھی جائے تو وہ جلد ہی ہوا میں اڑا دیا جاتا ہے کیونکہ اس اتحاد میں اس جماعت کے مفادات آڑے آ جاتے ہیں جتنی سیاسی جماعتیں ہیں اتنے ہی ان کے اپنے مفادات اور نظریات ہیں کچھ جماعتیں حکمران وقت کے ساتھ مل کر بھی منافقت کے رویے اپنائی ہیں ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ نہ تو حکمرانوں کو اور نہ ہی حزب اختلاف کی کسی جماعت کو وطن عزیز کی پرواہ ہے تو صرف اپنے اپنے ذاتی مفادات کی انہیں عوام سے اور ملک وقوم سے اتنی ہی ہمدردی ہے کہ وہ ان کے ووٹوں سے مسند اقتدار پر براجمان ہو سکیں اللہ اللہ خیر صلہ، ارے یہ میں بھی کیا باتیں لے کر بیٹھ گئی ہوں آئیں چلتے ہیں اپنے محبوب آنچل کی طرف ان تمام بہنوں کا تہہ دل سے شکریہ جنہوں نے عیدالاضحی پر مبارکباد کے پیغامات ارسال کیے اور بہت سی دعاؤں سے نوازا اور اپنی محبتوں چاہتوں کا اظہار کیا اور ہماری حوصلہ افزائی کی جزاک اللہ، اب چلیں آنچل کے شمارے کی جانب۔

❖❖ اس ماہ کے ستارے ❖❖

☆ بند لفافے — ہماری تقدیر بند لفافوں کی مانند ہے جسے تدبر بھی مات نہیں دے پاتی یاسمین نشاط کا بہترین ناولٹ۔
☆ اس طور ملے — جب ملن ہو مقدر میں تو رستے کہیں نہ کہیں ضرور مل ہی جاتے ہیں ام اقصیٰ کی منفرد کاوش۔
☆ دھوپ اور آنگن — محبت اور چاہت کے جذبات کی بہترین عکاسی کرتا بشریٰ گوندل کا خوب صورت مکمل ناول۔
☆ آگاہی — لمحہ آگاہی میسر آنے پر سود و زیاں کا بخوبی ادراک ہو جاتا ہے عاصمہ عزیز کا موثر افسانہ۔
☆ زعم زدہ بت — انا اور خود پسندی کا بت پاش پاش کرتی قرۃ العین کی اصلاحی تحریر۔
☆ گیلے گال — مفلس و مفلوک الحال طبقے کی بہترین عکاسی کرتی نمرہ محمد پہلی بار شریک محفل ہیں۔
☆ قسمتیں ہیں مسافر — بعض حادثات زندگی میں جمود پیدا کر دیتے ہیں ایسا ہی بہترین ناول مصباح علی کے دلکش پیرائے میں۔
☆ جہیز — سچے اور پاکیزہ رشتوں کا حصول ہر شے سے بڑھ کر ہے نورین مسکان سرور کا افسانہ۔
☆ کمپرومائز — زندگی کے تلخ حقائق سے کمپرومائز کیسے اور کیونکر کیا جائے جانیے ثمینہ فیاض کے سنگ۔
☆ ارمانوں کی مالا — اپنوں کے ہاتھوں ارمانوں کی مالا بکھرنے کی کہانی عذرا کنول کی زبانی۔
☆ روشنی کی لکیر — فضول و فرسودہ رسومات کے خلاف افرا گلزار کی عمدہ کاوش۔
☆ خوشیوں کا موسم — دکھوں کی فصل کاٹنے کے بعد خوشیوں کا موسم کیسے آیا شانہ شوکت کے انداز میں آپ بھی جانیے۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔
دعا گو
قیصر آرا

حمد

تیری قدرت کے کرشمے ہیں خداوند کریم
اک طرف صحرا کی گرمی اک طرف بادِ نسیم

کہساروں کو سجایا زیور اشجار سے
کوئی تیری شان دیکھے دیدہ بے دار سے

پتھروں سے پھوٹنا چشموں کا تیری شان ہے
خالق و مالک ہے سب کا یہ مرا ایمان ہے

یہ ندی نالوں کا بہنا دامنِ کہسار میں
شان پوشیدہ ہے تیری رونق گلزار میں

تو ہے سب کا خالق و مالک تو ہی معبود ہے
دونوں عالم میں مرے مولا تو ہی موجود ہے

تو ازل سے تا ابد بیدار ہے میرے خدا
تو ہی سب کے ظاہر و باطن کو ہے پہچانتا

ہر گھڑی ہر سمت تیری رحمتوں کا ہے نزول
تو خطا کاروں کی کرتا ہے دعاؤں کو قبول

ریاض حسین قمر

نعت

ہم مدینے کے مسافر ہیں مدینے جائیں گے
ہے یقیں سرکارؐ ہم کو بھی وہاں بلوائیں گے

جھوم کر ہم بھی پڑھیں گے اپنے آقا پر درود
تو ملائک بھی ہمارے ہمنوا بن جائیں گے

ہم کو لے جائے گی قسمت جب درِ سرکارؐ پر
روضۂ انور کو ہم تو دیکھتے رہ جائیں گے

وہ امام الانبیاء ہیں رحمت اللعالمین
مرتبے سرکارؐ کے ہم کیا بیاں کر پائیں گے

امت سرکارؐ جب گزرے گی پل سے حشر میں
دیکھنا جبرئیلؑ اپنے پَر وہاں پھیلائیں گے

بس خلوصِ دل سے عرفاں کر ثناء سرکارؐ کی
ایک دن شاہِ اُمم طیبہ تجھے بلوائیں گے

سید عرفان رفیع

editor_aa@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

وجہ اب

عنیقہ محمد بیگ...... کراچی

عزیزی انیقہ! سدا سہاگن رہو‘ یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ بھی اپنی زندگی کے نئے سفر پر گامزن ہیں اور پیا دیس رخصت ہوکر بزرگوں کی دعاؤں کے سنگ عروس البلاد پہنچ چکی ہیں۔ بے شک اب ذمہ داریاں اور مصروفیات بھی بڑھ گئی ہوں گی لیکن قوی امید ہے کہ پہلے کی طرح اب بھی اپنی مصروف گھڑیوں میں سے چند پل ہمارے نام کرتی رہیں گی۔ اپنی شادی کا احوال اور نئے سفر کی حسین شروعات کے خوب صورت لمحات کو شیئر کرنا چاہیں تو ضرور ارسال کردیں ماہنامہ آنچل و حجاب ان خوشیوں کے لمحات میں آپ کی خوشیوں کے احساسات کو دوچند کردے گا۔

ندا حسنین...... کراچی

ڈیئر ندا! شاد و آباد رہو‘ آپ کی والدہ کی علالت کے متعلق جان کر دل افسردہ ہوگیا‘ بے شک ماؤں کے وجود سے ہی گھر کی رونق اور خوشیاں قائم ہوتی ہیں اور اگر یہ مہربان وجود بیمار ہوجائے تو لگتا ہے گھر کی ہر شے میں اداسی و افسردگی کا غلبہ نمایاں ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کی والدہ کو صحت کاملہ عطا فرمائے اور آپ کی جنت ہمیشہ ایسے ہی آپ کے سنگ رہے اور آپ ان کی ڈھیروں خدمت کرکے اپنی عاقبت سنوارتی رہیں‘ آمین۔ قارئین سے بھی دعائے صحت کی اپیل ہے۔

فوزیہ سلطانہ...... تونسہ شریف

ڈیئر فوزیہ! خوش رہو‘ پہلی کامیابی پر ہماری جانب سے آپ کو ڈھیروں مبارک باد۔ لوگوں کا کام تو باتیں بنانا ہے بے شک تحریر عام ہی سہی لیکن ہر کوئی یہ عام سی تحریر بھی نہیں لکھ سکتا بہرحال آپ ہرگز افسردگی و مایوسی کو خود پر طاری مت کریں ایسی باتوں کو مثبت انداز میں لیں اور بہتر سے بہترین کے سفر کی جانب گامزن ہوجائیں۔ بے شک تخلیقی امر کوئی بھی ہو مشکل اور کٹھن ہی ہوتا ہے چاہے وہ ایک سطر ایک جملہ ہی کیوں نہ ہو۔ بہرحال آپ کی والدہ نے تو آپ کو سراہا اور پسند کیا اس سے بڑھ کر کسی کی تعریف و تحسین اہمیت نہیں رکھتی۔ امید ہے قلمی کاوش جاری رکھیں گی آپ اپنا مکمل پتا آفس کے نمبر پر رابطہ کرکے نوٹ کروادیں تاکہ آپ سے قلمی رابطہ بحال ہوسکے۔

آسمارہ انصاری...... لاہور

ڈیئر آسمارہ! جیتی رہو‘ آپ آج سے دس سال پہلے کی بات کررہی ہیں اور ان گزرے ماہ و سال میں گردش زمانہ کی بدولت بہت سے تغیرات رونما ہوئے جن میں لوگوں کی پسند و ناپسند کے معیار بھی بدلتے رہتے ہیں۔ آج زیادہ تر لوگ تخیل اور فینٹسی سے نکل کر معاشرے کی حقیقت اور سچائیوں کا سامنا کرنا چاہتے ہیں۔ حقیقی زندگی کے حقیقی مسائل کی ترجمانی دیکھنا پسند کرتے ہیں بہرحال آپ کی اپنی الگ سوچ ہے اور بہت سے لوگ اس کے حامل بھی ہیں کہ حقیقت کے تلخ حقائق کو فراموش کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ تفریح بھی ہونی چاہیے۔ آپ کی تجویز نوٹ کرلی ہے جلد عمل کرنے کی کوشش کریں گے‘ امید ہے آئندہ بھی رہنمائی و رہبری کا فریضہ سرانجام دیتی رہیں گی۔

جیا عباس کاظمی...... تلہ گنگ

پیاری جیا! سدا سہاگن رہو‘ بے شک آپ سے دیرینہ تعلقات اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ ہماری پرانی قارئین میں سے ایک ہیں۔ خط و کتابت کے سلسلے یہ نصف ملاقاتیں اگرچہ تعطل کا شکار رہیں مگر ہمارے اور آپ کے رشتے کو ان قلمی سہاروں کی ضرورت نہیں ہے آپ کے حالات کے متعلق جان کر تمام حقیقت کا ادراک بخوبی ہوگیا۔ اللہ سے دعا گو ہیں کہ آپ کو اپنے ہمسفر کے سنگ زندگی کی ڈھیروں خوشیاں نصیب فرمائے تاکہ کوئی تشنگی و محرومی باقی نہ رہے۔ آپ کے مرحوم بھائی کے لیے قارئین سے دعائے مغفرت کے ملتمس ہیں۔

سدرہ احسان...... سمبڑیال

عزیزی سدرہ! سدا شاد رہو آپ کا تبصرہ تاخیر سے موصول ہونے کی بناء پر شائع نہیں ہوسکا البتہ پیغام کے لیے ضرور کوشش کریں گے کہ جلد لگا سکیں۔ اس سلسلے کے لیے بہت سی ڈاک ہر ماہ موصول ہوتی ہے جبکہ صفحات کی کمیابی کی باعث کبھی بعض پیغامات شامل محفل ہونے سے محروم رہ جاتے ہیں بہرحال مایوسی ترک کردیں متعلقہ شعبے والوں کے پاس محفوظ ہوا تو ضرور شامل ہوجائے گا۔ آپ کی دیگر تحاریر نوٹ کرلی ہیں البتہ صحت کے مسائل کے لیے ''آپ کی صحت'' سلسلے میں الگ سے خط ارسال کردیں ڈاکٹر صاحب ازخود رہنمائی کردیں گے اور جواب آنچل کے صفحات پر آپ کو مل جائے گا۔

عائشہ رحمن ہنی...... ریالی مری

ڈیئر عائش! سدا آباد رہو آپ سے یہ نصف ملاقات بے حد اچھی لگی ابتدائی سطور پر لکھا شعر جس میں گلے اور شکوے کے تمام رنگوں کو آپ نے بخوبی سمیٹ دیا ہے بہرحال آپ کے خطوط اضافی تو نہ تھے البتہ بے خبر کا شکار ضرور تھا۔ اس بار جواب حاضر ہے امید ہے خفگی اور ناراضگی کے سائے چھٹ جائیں گے۔ آپ کی تحریر کے لیے معذرت خواہ ہیں' ابھی مزید محنت اور وسیع مطالعہ کی ضرورت ہے۔

شازیہ الطاف ہاشمی...... شجاع آباد

ڈیئر شازیہ! خوش وخرم رہو بزم آنچل میں آپ کی پہلی بار شرکت بے حد اچھی لگی۔ اس کے ساتھ ہی دو افسانے ''داغ'' اور ''دوست'' بھی موصول ہوئے' انداز تحریر میں پختگی تو ہے لیکن موضوع کا چناؤ کمزور ہے۔ البتہ دوست کے عنوان سے آپ کی تحریر قدرے بہتر ہے اس لیے منتخب ہوگئی ہے جبکہ دوسری تحریر کے لیے معذرت خواہ ہیں۔ آپ آئندہ بھی بزم آنچل میں شرکت کرسکتی ہیں۔

مشاعلی مسکان...... کمرمشانی

ڈیئر مشا! سدا خوش رہو' محبت اور چاہت کی خوشبو لیے آپ کا نامہ موصول ہوا۔ پہلی کامیابی کے ساتھ ہی ایک دوسری کامیابی بھی آپ کی منتظر ہے یعنی آپ کی تحریر سعادت قبولیت کا درجہ حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہری' آنچل یا حجاب جہاں بھی گنجائش ہوئی جلد لگانے کی کوشش کریں گے اس کامیابی پر ڈھیروں مبارک باد۔

ام ایمان قاضی...... کوٹ چھٹہ

ڈیئر ایمان! سدا آباد رہو آپ کا شکوہ بجا ہے کہ کہانیوں کی اشاعت میں تسلسل نہیں رہا' مگر ہر ماہ ایک کثیر تعداد میں بہنوں کی کہانیاں موصول ہوتی ہیں اور ہر کسی کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی تحریر جلد از جلد شائع کردی جائے' ایسے میں دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے۔ اسی شکوے کو دور کرنے کی خاطر ماہنامہ حجاب کا اجراء کیا گیا' بہرحال ناامید ہونے کے بجائے آنچل کے شجر سے پیوستہ رہیے' ضرور ایک دن آپ کے دامن میں بھی بہار آجائے گی۔ یعنی آپ کی تحریر آنچل میں بھی لگ جائے حجاب کی طرح۔

امبرینہ' رابعہ...... کراچی

عزیزی سسٹرز! جیتی رہو' پچھلے سات سال سے آپ آنچل کے ہمقدم ہیں' یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی۔ آپ لکھنا چاہتی ہیں ضرور لکھیں آنچل وحجاب دونوں کے لیے لکھیں' مستقل سلسلوں میں آپ ہر ماہ شامل ہوسکتی ہیں' اس کے لیے اجازت کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

ثانیہ مغل...... سرگودھا

ڈیئر ثانیہ! سدا ہنستی رہو' طویل عرصے کی غیر حاضری کے بعد ایک افسانے کے سنگ آپ کی شرکت اچھی لگی۔ ہم نے کب کہا ہے کہ آپ نہیں لکھ سکتیں' آپ اچھا اور بہت بہتر لکھ سکتی ہیں' اسی لیے آپ کی یہ تحریر قبولیت کا درجہ حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہری۔ ''سزا اور آزمائش'' کے عنوان سے یہ تحریر جلد حجاب کی زینت بن جائے گی' حجاب وآنچل کی پسندیدگی کے لیے مشکور ہیں' آئندہ بھی اسی طرح کے موضوعات پر قلم اٹھائیں۔

ارباب ہاشمی شام گاؤں نوتھیہ قریشیاں

پیاری ارباب! سدا شاد رہو' آپ کا شکایت نامہ موصول ہوا' اتنی بدگمانی ٹھیک نہیں۔ ڈاک اگر وقت پر مل جائے تو در جواب آں میں ضرور شامل کی جاتی ہے پھر

آپ ناامید کیونکر ہوئیں۔ آپ سے ذاتی دشمنی تو نہیں ہمارا دل تو وفاؤں کے معاملے میں خود کفیل ہے۔ آپ محروم اس لیے رہیں کہ ڈاک ہم تک پہنچی ہی نہیں، حجاب کے لیے بھی آپ کی نگارشات موصول نہیں ہوئیں۔ کوشش جاری رکھیں تحریر پڑھ کر جلد ہی اپنی رائے سے آگاہ کریں گے۔

اقراء لیاقت...... حافظ آباد

پیاری اقراء! جگ جگ جیو آپ کی دوست عاصمہ نسیم کی والدہ کی رحلت کا افسوس ہوا اس میں کوئی شک نہیں کہ والدین کی محبت کا نعم البدل نہیں، اس لیے ہر شخص والدین کی سلامتی کی دعائیں مانگتا ہے لیکن دنیاوی زندگی فانی ہے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کی دوست کے گھر والوں کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کی والدہ کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا کرے آمین۔

بلیو فیری...... کوٹلہ جام بھکر

پیاری ثریا! شاد و آباد رہو آپ کی شاعری موصول ہوئی، متعلقہ شعبہ کو بھیج دی گئی، ردو قبول کا فیصلہ وہیں طے پاتا ہے۔ آپ نامور شعراء کی شاعری پڑھیں، لکھنے میں بھی مدد ملے گی ساتھ ہی شاعری میں بھی نکھار آئے گا۔ امید ہے اس بات پر عمل کرتے ہوئے کوشش جاری رکھیں گی۔

ایماب علی...... گجرات

ڈیئر ایماب! جیتی رہو آپ کا نامہ موصول ہوا، جواب بھی حاضر ہے آپ کی تحریر باری آنے کے انتظار میں ابھی قطار میں ہے ان شاء اللہ جلد ہی پڑھ کر اپنی رائے سے آگاہ کریں گے امید اچھی رکھیں۔ "دو مٹی نہ بھر ول ہن" اس نام سے آپ کی کوئی تحریر موصول نہیں ہوئی البتہ "دل دریا سمندر ڈونگے" پر آپ کی گرفت کمزور ہی، اس کی بناء پر نا قابل اشاعت ٹھہری۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو اپنے مقصد میں کامیاب کرے آمین۔ امید ہے آپ کی شکایت دور ہوگئی ہوگی۔

روحی غفور...... شاہ کوٹ

ڈیئر روحی! سدا مسکراتی رہو آپ کا شکایت نامہ موصول ہوا، دیر سے موصول ہونے والی ڈاک ہم اسی شمارے میں شامل نہیں کر سکتے کیونکہ تکمیلی مراحل کی جانب بڑھ چکا ہوتا ہے اس لیے تاخیر سے ملنے والی تمام ڈاک ہم آئندہ کے لیے رکھ لیتے ہیں۔ ماہنامہ آنچل کی پسندیدگی کے لیے جزاک اللہ، تحریر بھیجنے کے لیے اجازت کی کیا ضرورت، شرائط مدنظر رکھتے ہوئے ایک سطر چھوڑ کر اور مختصر موضوع پر قلم بند کریں۔ جانی آپ کی تحریر پڑھ کر ہی اپنی رائے سے آگاہ کر پائیں گے۔

یاسمین کنول...... پسرور

ڈیئر یاسمین! سہاگن رہو آپ کے ماموں کی رحلت کے متعلق جان کر بے حد افسوس ہوا۔ بے شک والدین اللہ سبحان و تعالیٰ کی عظیم نعمت ہیں اور ان کا سایہ سر سے اٹھ جانا ایک بڑا سانحہ ہے۔ ان آزمائش کی گھڑیوں میں اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کو اور دیگر اہل خانہ کو صبر و استقامت عطا فرمائے، قارئین سے بھی دعائے مغفرت کے ملتمس ہیں، آنچل کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

پرنسز اقو...... تلہ گنگ

ڈیئر پرنسز! سدا آباد رہو سلطنت آنچل میں آپ کی تشریف آوری بے حد اچھی لگی۔ یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ نے آئی کام میں ٹاپ کیا ہے اللہ سبحان و تعالیٰ مزید کامیابیاں آپ کے دامن میں بھر دے اور آپ یونہی اپنے والدین کے لیے باعث فخر بنی رہیں۔ آپ کی چاہت و پُر خلوص جذبوں پر ہمیں کوئی شک نہیں، امید ہے آپ کو بھی یقین ہو جائے گا۔

عائشہ اختر بٹ...... سرگودھا

ڈیئر عائش! سدا مسکراؤ، آپ کا مفصل خط پڑھ کر بے حد اچھا لگا، بے شک آپ نے اپنے تمام احساسات وجذبات کا اظہار جس چاہت سے کیا ہے وہ قابل تحسین ہے۔ محبتوں کے قرض کو الفت چاہت سے چکا کر دستبردار ہو جائیے ویسے پیاری سی بھتیجی کی آمد پر ڈھیروں مبارک باد۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو زندگی کی بہت سی خوشیاں نصیب فرمائے، آمین۔ آپ کا میگزین موصول ہو گیا ہے پڑھ کر بہت پسند آیا۔ جزاک اللہ۔

ثمینہ سحر...... جام شورو

عزیزی ثمینہ! شاد و آباد رہو امید ہے اس نصف

ملاقات کے بعد بے حد خوش ہوں گی، ہمیں بھی آپ سے مل کر اچھا لگا اس سے پہلے کے خطوط ہم تک پہنچ ہی نہیں پائے لہٰذا جواب کیسے اور کیونکر ارسال کرتے ضرور محکمہ ڈاک کی غفلت کے نذر ہو گئے۔ آپ لکھنا چاہتی ہیں ضرور لکھیں اپنا مختصر افسانہ لکھ کر ارسال کر دیں جہاں بھی رہنمائی کی ضرورت ہے وہ آپ کو مل جائے گی اگر تحریر معیاری ہوئی تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

سید نیلم شاہ...... رحیم یار خان

ڈیئر نیلم! خوش رہو، حجاب کے لیے ارسال کی گئی تحریر "انقلاب لانا منع ہے" موصول ہوئی، پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ کی یہ تحریر پہلے کے مقابلے میں کمزور ہے اس لیے حجاب کے صفحات پر جگہ بنانے میں ناکام ٹھہری۔ اشاعت شدہ تحریر کو سامنے رکھ کر پھر قلم اٹھائیں، ہر بات کا مثبت پہلو بھی سامنے رکھیں۔ حجاب کبھی آپ لوگوں کا ہے اسے بھی آپ لوگوں نے سجانا وسنوارنا ہے۔ بہن کو اجازت کی قطعی ضرورت نہیں وہ لکھ سکتی ہیں۔

کوثر خالد...... جڑانوالہ

عزیزی کوثر! سدا سہاگن رہو، آپ کے پُرخلوص جذبوں کو پذیرائی اور ستائش سے کیونکر نوازا نہ جائے کیونکہ بے شک آپ کے قلم میں موجود روانی بے ساختگی اور دلکشی ہر کسی کا دل موہ لیتی ہے۔ خط پڑھ کر بالمشافہ ملاقات کا گمان ہوتا ہے تو تبصرہ کے ذریعے تمام مناظر صفحہ قرطاس پر ابھرتے دکھائی دیتے ہیں اگر ہمارے چند تعریفی کلمات سے کسی کے شوق قلم کو مہمیز عطا ہوتی ہے تو یہ تو اچھی اور قابل ستائش بات ہے بہرحال آپ کے چاہنے والے ہر ماہ آپ کو پڑھنا چاہتے ہیں اور آپ سے نصف ملاقات کے متمنی ہوتے ہیں، امید ہے اپنے پیاروں کی خواہش کا احترام کرتے قلم سے تعلق برقرار رکھیں گی اور آنچل وحجاب کے زیر سایہ رہیں گی۔

انعم وہاب...... ای میل

ڈیئر انعم! سدا مسکراؤ، وطن سے محبت کے عنوان پر آپ نے اپنی تحریر ارسال کی۔ قیام پاکستان کے پس منظر کو آپ نے بخوبی اس تحریر میں سمونے کی کوشش کی ہے اسی بنا پر یہ تحریر قابل قبول ٹھہری، جلد اس تحریر کو لگانے کی کوشش کریں گے اس پہلی کامیابی پر مبارک باد قبول کیجیے۔

مدیحہ عارف...... ای میل

ڈیئر مدیحہ! سدا آباد رہو، کمائی کی عنوان سے آپ کی تحریر موصول ہوئی، آپ نے استاد کی عظمت اور محبت کو بہترین طریقے سے پیش کرنے کی سعی کی، بے شک ایک استاد کا بہت بڑا درجہ ہے اور باادب ہی بانصیب ہوا کرتے ہیں البتہ یہ آپ کی پہلی کاوش ہے لہٰذا بعض جگہ آپ کی گرفت کمزور ہے، کانٹ چھانٹ اور کچھ ردوبدل کے بعد آپ کی تحریر شامل اشاعت ہو جائے گی، اس کامیابی پر ڈھیروں مبارک باد۔

عنزہ یونس انا...... حافظ آباد

ڈیئر عنزہ! جیتی رہو، مفصل خط پڑھ کر اس بات کا اور اک بخوبی ہوگیا کہ آپ حساس جذبات واحساسات کی مالک اور اپنے وطن سے محبت کرنے والی ہیں۔ بے شک آج ہر محب الوطن ایسے ہی جذبات واحساسات کا حامل ہے آج سرحدوں پر لڑی جانے والی جنگ جیتنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم ذہنی طور پر بھی اس غلامی و محکومی کے شکنجے سے خود کو آزاد کریں جو باطل واستعمار کی قوتوں نے ہمارے گرد تنگ کر رکھا ہے، ہماری نسل نو واقعی آج اپنی ثقافت روایات اور اقدار کو بھلا کر اپنے حریف کی تقلید میں مصروف ہے۔ انڈین چینلز اور انڈین فیشن کی تقلید کرنے والوں کے لیے واقعی سوچنے کا مقام اور خود کو بدلنے کا مرحلہ ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کی دعاؤں کو ارض وطن کے حق میں قبولیت کا درجہ بخش دے اور ہمارے وطن پاکستان کی حفاظت فرمائے اور دشمنان اسلام کو نیست ونابود فرمائے، آمین۔ آپ کا پیغام اس بار تاخیر سے موصول ہونے کی باعث شامل نہ ہوسکا، بہرحال آئندہ ضرور شامل کرنے کی کوشش کریں گے۔

کنزہ مریم...... سرگودھا

ڈیئر کنزہ! سدا خوش رہو، اصلاحی موضوع پر لکھی آپ کی تحریر "انداز" موصول ہوئی، جسے پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ نے بہت سے پڑھنے والوں کے لیے اچھا اور مثبت پیغام دیا ہے واقعی اگر کوئی کرنا چاہے تو بہت سے کام ہیں جنہیں احسن طریق پر سرانجام دے کر

انفرادیت بھی پیدا کی جاسکتی ہے اور اپنی صلاحیتوں کا بھی بھرپور اظہار کیا جاسکتا ہے۔ آپ کا یہ انداز ہمیں بھی بہت بھایا ان شاءاللہ جلد آپ کے اس انداز سے قارئین بھی مستفید ہوں گے۔

ثریا فاطمہ...... نوشہرہ

عزیزی فاطمہ! آباد رہو۔ ''وہ مستقیم رات'' ایک اچھے اور مثبت پیغام کی حامل تحریر، بہت سے لوگوں کے لیے رہنمائی کا سبب بن سکتی ہے۔ اسی طرح راہنمائی و رہبری کا فریضہ سرانجام دیتی رہیں، اس تحریر کی قبولیت پر ڈھیروں مبارک باد، امید ہے آئندہ بھی قلمی تعاون برقرار رہے گی۔

عذرا کنول...... اوکاڑہ

ڈیئر عذرا! آباد رہو۔ تحریر کی اشاعت پر ڈھیروں مبارک باد اب جلدی سے اپنا مکمل ایڈریس آفس کے نمبر پر رابطہ کرکے نوٹ کروا دیں تاکہ آپ سے قلمی رابطہ بحال کیا جاسکے۔

ناقابل اشاعت:۔

میری عید کا چاند ہو تم، وفا کی دیوی، کانچ کی سلطنت، حاصل محبت، انصاف کی دہلیز پہ، دل سمندر، شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں، محبت نہ دیکھے رشتے، پچھتاوا، آزمائش کے بعد، ہجراں یاراں، رشتے کبھی ایسے ہوتے ہیں، رنگ دوستی کا، آسماں سے آگے، سجدہ، اس دل میں تم ہی تم ہو، لمحہ آگہی کا، دل کی امید، میری وفائیں تم سے ہیں، میرے خوابوں کا شجر، انا کی جنگ، میں تو پیا من بھا گئی، بیٹی، کڈنیپ بیس اسٹوری، کہ یہ عید زندگی ہے، جان لیا ہم نے، عید بکرا اور آغا جان، دہرا معیار، جنت کا مکین، پاکیزہ محبت، ایک گھروندا ریت کا، اعتبار نہ کریو، قربان دل آوارہ گرد، ایک تھی روشانہ، جنت، پاکستان، انڈیا اینڈ لو اسٹوری، ایسا بھی ہوتا ہے، وہ آنکھیں خفا ہیں مجھ سے، میرا درد بے انتہا، ایسا بھی ہوتا ہے، دربدر عشق میں، خاک اور خون کا دوسرا منظر، خواب نگر، آزادی، ابن آدم، بنت حوا اور شیطان سوچ کے رنگ، کچھ خواب اپنے سے، نہ جانے کب پیار ہوگیا، گھر اور گھرانہ، محبت ہوگئی، تھپڑ، آدابِ قربانی، ناراض، اے زندگی، دھنک، خوشیاں، غم اور یہ بندھن، ہماری عید چند دے رنگ، محبت کی زنجیریں، خواب، منت اور جنت، چمن امید کا، اخلاق، داغ، پیار کی جانب، میری دعاؤں کا حاصل، اک بس تیری چاہت، لمحہ آگہی، خوابوں کا شہزادہ، بلاعنوان، جنون، نیا انداز، مسکراتی زندگی، خیالوں کی دنیا، محبتوں کی آغوش۔

قابل اشاعت:

جانے انا کا بت، تیرا ہجر میرا نصیب، ادھوری محبت، سعادت، روزن، دسمبر آئے تم آئے، قلب من ورق کمائی، خانہ دل، دوست، تیرے اسیر ہونے تک، وہ مستقیم رات، یہ عشق ہیں آساں، سزا اور آزمائش، میرے خوابوں کا شجر، ہمارا معیار تعلیم، حقیقت کے رنگ، سگ لیلیٰ، بڑی عید بڑی خوشی، الٹا چکر، محبت رنگ بدلتی ہے، مٹی سے محبت، عزت، زندگی تمام ہوئی، جرم محبت، ریشم کی زنجیر، صدیوں کا سفر، انداز، دل آشنا، دشتِ محبت کا سفر، مکمن مسیحا، میرا گھر پیارا گھر، زلمونی، دل تو بچہ ہے جی۔

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ حاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابلِ اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کردیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجیے۔ 7، فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

السلام علیکم

مشتاق احمد قریشی

ترجمہ: ابراہیم (علیہ السلام) پر سلام ہو۔(الصفت۔۱۰۹)

تفسیر: اس آیت مبارکہ میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دائمی سلام کا بندوبست فرمادیا ہے قرآن حکیم تا قیامت محفوظ رہنے اور کثرت سے پڑھی جانے والی کتاب ہے۔اس کا مقصد ہے کہ جب تک قرآن حکیم زندہ رہے گا اہل ایمان حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سلام بھیجتے رہیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اہل دین اہل توحید کے اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جن کو حضرت نوح علیہ السلام کی مانند انابت الی اللہ کی توفیق خاص نصیب ہوئی اسی سورۃ الصفت میں اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے۔ ''ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلے دیتے ہیں۔(الصفت۔۸۰) یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو عزت وتکریم بخشی اسی طرح جو بھی اپنے اقوال وافعال میں محسن اور اس باب میں راسخ اور معروف ہوگا اس کے ساتھ بھی ہم ایسا ہی معاملہ کریں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کے تین ہزار تین سو تیئس سال بعد بابل میں پیدا ہوئے اور تین ہزار چار سو اٹھانوے برس بعد ایک سو چھتر برس کی عمر میں فوت ہوئے وہ مکفیلہ کے ایک غار میں دفن کیے گئے۔اس مقام کو الخیل کہتے ہیں یہ بیت المقدس کے قریب واقع ہے۔ اس زمانے میں نمرود کی بادشاہت تھی جو خود کو نعوذ باللہ خدا کہلاتا تھا تمام قوم اس کی اطاعت گزار اور تابع تھی اور بت پرست اور ستارہ پرستی میں ملوث تھی حضرت ابراہیم کے والد تارخ تھے جو نمرود کے خادم خاص کے طور پر تمام رات اس کے سرہانے پہرہ دیتے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں روشن شمع لئے رہتے تھے ان کا ایک ہی بھائی آذر زندہ تھا جو ان کے ساتھ ہی رہتا تھا جو بت پرستی اور بت سازی میں خاص مقام رکھتا تھا۔ یہودیوں کی کتاب تالمود میں سیرت ابراہیم علیہ السلام کے عراقی دور کے حوالے سے جو تحریر ہے وہ قرآن کریم کے مقابلے میں خلاف واقعہ اور بے بنیاد ہے تالمود کی رو سے نمرود کو جب اس کے جادوگروں اور نجومیوں نے اطلاع دی کہ تارخ کے یہاں ایک لڑکا عنقریب پیدا ہوگا جو تیری بادشاہت کو تباہ وبرباد کردے گا یہ سنتے ہی نمرود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قتل کے درپے ہوگیا۔ مگر تارخ نے اپنی بیوی کو اپنے بھائی آذر کے ہمراہ ایک غار میں چھپا دیا جہاں ماں بیٹا دس برس تک رہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام گیارہ برس کے ہوگئے تو انہیں حضرت نوح علیہ السلام کے پاس بھیج دیا' جہاں وہ انتالیس برس رہے۔(تلمود:۱۱:۲۹:۱۷) حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان حضرت ہود علیہ السلام' حضرت دانیال علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کا دور نبوت حائل ہے جو تقریباً ایک ہزار سال پر محیط ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام گیارہ سال کی عمر سے لے کر تقریباً پچاس برس کی عمر تک یعنی انتالیس برس حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ رہے ہوں یہ سب اسرائیلیات کا کرشمہ ہے سر لیونارڈ وولی نے اپنی کتاب ابراہیم لندن جو ۱۹۳۵ء میں شائع ہوئی حضرت ابراہیم کو ۲۱۰۰ قبل مسیح کے لگ بھگ بتایا ہے۔آپ نے اپنے والد اور قوم کو بت پرستی سے منع کیا اور قیامت کے عذاب سے ڈرایا اور دلائل توحید ان پر واضح کیے مگر قوم کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا وہ اپنے کفر پر جمی رہی اور ابراہیم علیہ السلام کو ایذا وتکالیف پہنچانا شروع کردیا۔ نمرود جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اس سے مناظرہ کیا اور اسے شکست دی جس پر وہ غضب میں آگیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سزا دینے کے لئے آگ کا ایک

بہت بڑا الاؤ روشن کیا اور اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈال دیا جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے گلزار بنادیا تو انہوں نے محسوس کیا کہ یہاں کوئی ان کی بات سننے کو تیار نہیں خود ان کے والد تک انہیں برا بھلا کہنے لگے تو ابراہیم علیہ السلام نے وطن چھوڑ دیا اور ہجرت کرکے فلسطین میں آباد ہوگئے اور نمرود کو اللہ تعالیٰ نے ایسی سزا دی کہ اس کا غرور و تکبر اور خدائی کا دعویٰ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ صرف ایک مچھر کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اس پر عذاب نازل فرمایا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا نام ابراہیم کے پہلے دو حروف "اب" جس کے معنی عربی میں باپ کے ہیں اور "راہیم" کلدانی میں جمہور یا عوام کو کہتے ہیں۔ اس طرح ابراہیم کے معنی "لوگوں کے باپ" کے ہوئے۔ بعض علماء نے اسے اب راحیم یعنی رحم کرنے والا باپ کہا ہے۔ آپ کی قوم صابی ستارہ پرست تھی آپ نے بچپن میں ہی اپنے باپ کے مذہب سے انکار کردیا تھا اور ہر قسم کی مخالفتوں سے بے پروا ہوکر اعلانِ توحید کردیا اور کہا کہ میں نے تو ہر طرف سے کٹ کر زمین وآسمان کے پیدا کرنے والے کی طرف اپنا رخ کرلیا ہے۔ میں مشرکوں میں شامل نہیں رہ سکتا۔ زمانہ قیام فلسطین جبکہ آپ بوڑھے ہوگئے تھے حکم ربی سے آپ کی اہلیہ حضرت سارہ کی باندی حضرت حاجرہ کو جنہیں انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ کردیا تھا کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے پھر کچھ مدت بعد حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ ابن خلدون اور تورات کے اور دیگر مفسرین کے حوالے سے یوسف ظفر اپنی کتاب "یہودیت" میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی حاران نے اپنی بیٹی سارہ سے آپ کا نکاح کردیا حضرت سارہ اپنے زمانے کی خوبصورت ترین خاتون تھیں جب نمرود نے انہیں دیکھا تو انہیں اپنے محل میں رکھنا چاہا لیکن ان کی پاک بازی نے اسے خوف زدہ کردیا اس پر نمرود نے حضرت سارہ کو واپس حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دے دیا اسی عرصے میں حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ سے متاثر ہوکر نمرود کی بیٹی حاجرہ ایمان لے آئی جس پر نمرود نے حضرت ہاجرہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نکاح میں دے دیا اس وقت کے رسم ورواج کے مطابق دوسری بیوی پہلی بیوی کی لونڈی بن کر رہتی تھی۔ اس لیے یہودیوں اور عیسائیوں نے حضرت ہاجرہ کو لونڈی کہہ کر پکارا تاکہ حضرت اسمٰعیل لونڈے کی اولاد ہونے کے ناطے حضرت اسحاق علیہ السلام سے کمزور درجے میں رہیں کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام سے تو بنی اسرائیل کا سلسلہ قائم ہوا جس پر تمام نبی وپیغمبر آئے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے نسب سلسلے میں پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ان کے مرتبے پر حملہ کرنے کے لیے بھی حضرت حاجرہ کو لونڈی کا درجہ دے کر اپنے مذموم عزائم کا اظہار کیا ہے کیونکہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے خاندان کی پوری تاریخ جو ڈھائی ہزار سال پر محیط ہے میں کسی بھی شخص نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا اس خاندان کے واحد شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری نبی بنا کر مبعوث فرمایا اسی باعث اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے مکہ شہر آباد کرایا اور خانہ کعبہ کی تعمیر کرائی ورنہ کہاں بابل اور کہاں عرب کا یہ غیر آباد بے آب و گیا علاقہ جہاں آج بھی مکہ شہر قائم ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ان کی والدہ حضرت حاجرہ کے ساتھ حجاز کے اس چٹیل میدان میں اللہ کے حکم سے چھوڑ آئے جو یمن سے شام جانے والے قافلوں کی گزرگاہ تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہاں ان کی بھوک پیاس دور کرنے کے لئے زم زم کا چشمہ جاری فرمادیا جو آج بھی جاری ہے۔ زم زم کے چشمے کی وجہ سے قبیلہ جرہم نے بھی وہاں سکونت اختیار کرلی یوں مکہ شہر کی بنیاد پڑی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی کبھی اپنی بیوی اور بچے کو دیکھنے کے لئے آتے رہتے تھے اور مکہ شہر کی آبادی اور باشندوں کے لئے دعائیں فرماتے تھے جب حضرت اسماعیل علیہ السلام نو برس کے ہوئے بعض کے کہنے کے مطابق تیرہ سال کے تھے کہ حکم الٰہی ہوا لاڈلے اور اکلوتے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا۔ تو انہوں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ و پریشانی کے اپنے خواب کو سچا

کردکھایا، یہ ایک بڑی ہی اہم آزمائش تھی جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سرخرو رہے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کے ذریعے جنت سے ایک مینڈھا بھیجا جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی جگہ ذبح کیا گیا اللہ کو اپنے خلیل کی یہ اطاعت اس قدر پسند آئی کہ قیامت تک کے لئے اسے قربِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ اور عیدالاضحیٰ کا سب سے پسندیدہ عمل قرار دے دیا۔ جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بڑے ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم الٰہی کی تعمیل میں اپنے عزیز بیٹے اسمٰعیل کی مدد سے خانہ کعبہ کی تعمیر شروع کی اور کعبہ کی تعمیر کی تکمیل پر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اس کا پہلا امام و متولی مقرر کردیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام شام میں ہی مقیم رہے ان کی نسل سے بہت سے نبی پیدا ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام ان کے ہی بیٹے تھے۔ حضرت یعقوب کا دوسرا نام اسرائیل تھا اسی لئے ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ ان کے بارہ بیٹے تھے جن سے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے بنے اور ان سے بنی اسرائیل کی قوم پھیلی اور اکثر انبیاء ان ہی میں سے ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے عربوں کی نسل چلی جن کی شادی مکہ میں آباد ہونے والے قبیلے جرہم میں ہوئی تھی ان کی اولادیں بھی خوب پھلی پھولیں ان ہی کی ایک شاخ قریش کہلائی اور قریش کے ہی سب سے معزز گھرانے بنو ہاشم میں اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ساری زندگی حق پرستی اور حق گوئی اور اطاعت خداوندی کا بہترین نمونہ ہے۔ اس لئے ہی قرآن کریم میں انہیں ''سب سے کٹ کر اللہ کا ہو جانے والا اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کردینے والا'' کے اوصاف سے یاد کیا گیا ہے اور دینِ اسلام کو ملتِ ابراہیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ہر قوم اپنے آپ کو ان سے منسوب کرتی ہے آپ کی سنتوں میں ختنہ، مصافحہ، معانقہ، مسواک اور حجامت اور طہارت ہیں۔ آپ کا انتقال ایک سو پچھتر برس کی عمر میں ہوا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا اے بہترین مخلوق تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ابراہیم خلیل اللہ کی شان ہے (مسلم)

ترجمہ: کہ موسیٰ اور ہارون (علیہ السلام) پر سلام ہو۔ (الصفت۔ ۱۲۰)

تفسیر: آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام پر سلامتی بھیجی جارہی ہے۔ یہ سلامتی دائمی سلامتی ہے کیونکہ رب کائنات کی طرف سے بھیجی گئی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے ذکر کو اس طرح دوام بخشا جارہا ہے۔ آیت کے مختصر اور پرتاثیر جملے بار بار دہرائے جاتے ہیں۔ یہ جتانے کے لئے کہ اللہ اپنے محسن بندوں پر احسان بھی کرتا ہے اور ان کے ذکر کو دوام بھی بخشتا ہے۔ اور یہ بتانا بھی مقصود ہوتا ہے کہ اہلِ ایمان کی قدر و قیمت ان کے ایمان اور اسلام کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یعنی احسان کی وجہ سے۔ اور نبی اور پیغمبر تو ہوتے ہی اللہ کے نامزد کردہ صاحبِ ایمان نیک افراد جو اپنی زندگی کے تمام تر لمحات احکامِ الٰہی اور اطاعتِ الٰہی کے مطابق گزارتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت و فضل سے خوب نوازتا ہے اور ان نوازشات کا اظہار اس لئے فرماتا ہے تاکہ پیغمبر کے ذریعے جو لوگ اسلام قبول کریں ایمان لے آئیں انہیں یہ احساس رہے کہ جتنی اطاعت وعبادت، اخلاص، دیانت، نیک نیتی سے کریں گے اتنا ہی قربِ الٰہی حاصل کرسکیں گے اور نوازشاتِ الٰہی کے حصول میں کامیابی حاصل کرسکیں گے۔ اس آیتِ مبارکہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام پر اللہ تبارک وتعالیٰ سلام فرمارہا ہے ان دونوں انبیاء حضرات نے کس طرح اور کس قدر تکالیف اٹھائیں اور کس طرح انہیں برداشت کیا اور احکامِ الٰہی کی تبلیغ میں انہیں کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ مختصر تفصیل سے بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی اور بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے آپ مصر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام

سے دو سو پچاس سال بعد پیدا ہوئے۔ اس وقت مصر پر منو چہر کی حکومت تھی اور حضرت آدم کو گزرے ہوئے تین ہزار سات سو اڑتالیس سال ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بنی اسرائیل اور فرعون مصر کی سرکوبی کے لیے مبعوث فرمایا۔ فرعون مصر کو اپنے کاہنوں اور نجومیوں سے معلوم ہوگیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا جو اس کی بربادی اور تباہی کا باعث ہوگا اس لئے وہ بنی اسرائیل کے سب نومولود لڑکوں کو قتل کروا دیتا تھا۔ یہ بالکل وہی معاملہ تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت کے وقت پیش آیا تھا، وہاں نمرود کو بھی اسی طرح اس کے نجومیوں اور ستارہ شناسوں نے یہی خبر دی تھی کہ تمہاری قوم میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو تیری تباہی و بربادی کا باعث بنے گا۔ ایسا ہی واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا بھی ہے۔ آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کے پیدا ہونے پر آپ کو ایک صندوق میں بند کرکے دریائے نیل میں چھوڑ دیا اور حضرت موسیٰ کی بڑی بہن مریم کو اس صندوق پر نظر رکھنے کے لئے اس کے پیچھے دریائے نیل کے کنارے کنارے چلنے کی تاکید کردی کہ اجنبی بن کر صندوق کو دیکھتی رہ کہ کون اسے اٹھاتا ہے۔ صندوق بہتا ہوا دریائے نیل سے اس نہر میں داخل ہوگیا جو فرعون نے اپنے محل کے اندر بنے ہوئے حوض کے لئے بنوائی تھی۔ صندوق جب حوض میں آ کر رکا تو فرعون کی ملکہ آسیہ کی نظر اس پر پڑی تو اس نے اسے نکلوا کر دیکھا اس میں ایک نہایت حسین و خوبصورت نومولود لڑکا نظر آیا تو اس نے فرعون سے کہا کہ میرا کوئی فرزند نہیں ہے میں اس کو پالوں گی اور اپنا بیٹا بناؤں گی اس نے ہی آپ کو بطور فرزند کے پالا۔ بڑا ہونے پر انہوں نے ایک قبطی کے مقابلے پر بنی اسرائیل کی حمایت کی جس میں قبطی مارا گیا اس وجہ سے آپ مصر سے نکل کر مدین پہنچے جہاں حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو اپنے ہاں رکھا اور اپنی بیٹی سے شادی کردی۔ بارہ برس بعد وہاں سے اپنی اہلیہ کے ہمراہ مصر واپس آرہے تھے کہ "وادی طویٰ" کے مقام پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ سے کلام فرمایا اور پیغمبری عطا فرمائی اور فرعون کی ہدایت کے لئے آپ کو متعین فرمایا اور عصا اور ید بیضا کے معجزات سے آپ کو آراستہ فرمایا۔ فرعون اپنے تمام جادوگروں کو آپ کے مقابلے پر لایا مگر وہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں شکست کھا کر عاجز آگئے اور ایمان لے آئے۔ آپ اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے روانہ ہوئے، راستے میں دریائے نیل حائل تھا حکم الٰہی کے تحت آپ نے اپنا عصا دریا میں مارا تو دریائے نیل شق ہوکر رہ گیا اور راستہ بن گیا جس سے آپ اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ دریائے نیل کو پار کر گئے۔ آپ کا تعاقب کرنے والا فرعون بھی اپنے لاؤ لشکر کو لے کر جب دریائے نیل پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ دریا میں راستہ بنا ہوا ہے تو وہ بھی بلا جھجک دریا میں اتر گیا۔ جب وہ دریا کے بیچوں بیچ پہنچا تو موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ دریا پار کر چکے تھے۔ دریا حکم الٰہی سے واپس اپنی اصلی حالت میں آگیا اور فرعون اپنے تمام ساتھیوں سمیت غرق دریا ہوگیا۔ آپ ایک وادی میں ٹھہرے۔ پھر آپ کوہ طور پر تشریف لے گئے آپ پر توریت نازل ہوئی۔ لیکن آپ کی غیر موجودگی میں سامری نامی جادوگر نے بنی اسرائیل کے لوگوں کو سونے سے بنائے ہوئے بچھڑے کی عبادت پر آمادہ کرلیا۔ واپس آنے پر جب آپ نے یہ احوال دیکھا تو آپ نے بچھڑے کو تو آگ میں ڈال دیا اور بنی اسرائیل کو شہروں میں بسانے کے بجائے ایک بیابان صحرائے تیہہ میں لے گئے جہاں چالیس سال کا عرصہ ان کی تعلیم و تربیت کرنے پر گزارا۔

(جاری ہے)

ہمارا آنچل

ملیحہ احمد

ثوبیہ جاناں

آنچل اسٹاف تمام قارئین اینڈ فرینڈز کو میرا پیار بھرا سلام۔ مابدولت کو ثوبیہ کہتے ہیں' میرا تعلق گوجرانوالہ کے گاؤں مغل چک سے ہے' میں بی ایڈ کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ پسندیدہ مضمون اردو ہے اور ان شاءاللہ اردو میں ماسٹرز کرنے کا ارادہ بھی رکھتی ہوں آنچل تو سب کا پسندیدہ ہے لہٰذا مجھے بھی اس میں لکھنے کا شوق ہوا' کسی بھی شمارے میں پہلی دفعہ لکھ رہی ہوں۔ ہم پانچ بہنیں اور ایک بھائی ہے اور میرا نمبر پانچواں ہے۔ نماز کی پابندی کرتی ہوں' قرآن پاک کی تلاوت بھی کرتی ہوں' امی ابو سے بہت زیادہ پیار کرتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے والدین کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے' آمین۔ گھر میں سب سے زیادہ پیار اپنے بھائی سے کرتی ہوں (اکلوتے جو ہوئے) کاش میرے ایک سے زیادہ بھائی ہوتے' بھائی کی شادی کا بہت انتظار ہے۔ پسندیدہ رنگ سرخ اور گلابی ہے' کھانے میں بریانی بہت پسند ہے اور کوکنگ میں تو اے ون ہوں (ویسے بھی غرور نہیں کیا)۔ کالج لائف انتہائی پسند ہے' میک اپ' جیولری اور شاپنگ کی بہت شوقین ہوں۔ تنہائی پسند ہوں اور ہاں رات کو سونے سے پہلے سوچنا بہت اچھا لگتا ہے۔ رشتوں میں سب سے پیارا رشتہ پھوپو کا ہے اور مجھے پھوپو بننے کا شوق ہے۔ بیسٹ فرینڈ عاصمہ بٹ ہے جو مجھے بہت عزیز ہے اور مجھے سب سے زیادہ انتظار اس کے آنے کا اور اس کی فون کال کا ہوتا ہے۔ ہماری دوستی کو پانچ سال بیت گئے اور ان سالوں کا ایک لمحہ بھی میں آج تک بھول نہیں پائی اور یہ دعا ہے ہماری دوستی کو کسی کی نظر نہ لگے۔ بارش کا موسم ہو اور دوست کا ساتھ ہو تو کیا ہی بات ہے اور ہم دونوں کی خوشی ایک دوسرے کے ساتھ سے ہی ہے۔ اپنی ہر بات ایک دوسرے سے شیئر نہ کریں کبھی ممکن ہی نہیں۔ دوستی کا ناطہ ہی ایسا ہے دوستی میں ایک بہت ہی پیاری کشش ہوتی ہے دوستی کرو تو جانو۔ شاعری کا شوق بھی رکھتی ہوں' پسندیدہ شاعر وصی شاہ' فراز اور فیض احمد فیض ہیں اور پسندیدہ سنگرز میں راحت فتح علی خان اور ندیم عباس ہیں۔ آنچل کی تمام رائٹرز بہت اچھا لکھتی ہیں بطور خاص سلسلے وار ناول تو ٹاپ آف دی لسٹ ہیں۔ ایک اچھے پیغام کے ساتھ اجازت چاہوں گی میرے نزدیک دوستی کا رشتہ ہی پائیدار ہے لہٰذا دوستی کی آڑ میں کبھی کسی کا دل مت توڑیے گا کیونکہ دل کے ٹوٹنے کی آواز نہیں ہوتی لیکن دکھ بہت ہوتا ہے' اللہ حافظ۔

مسرت اسلم

ڈیئر قارئین السلام علیکم! کیسے ہیں جناب آپ لوگ؟ امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے تو جناب اب آتے ہیں اپنے تعارف کی جانب (آہم) لو جی ہم سے ملیے ہم ہیں مسرت اسلم گھمن' نک نیم وبرا گھمن ہے جو مجھے نہایت ہی پسند ہے۔ 7 جولائی کو اس دنیا میں تشریف لائی اور بی اے کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں' پہلا نمبر مابدولت کا ہے جی ہاں ہم ہیں ماما کی لاڈلی اور بابا کی جان (اپنے منہ میاں مٹھو نہیں سچ بات ہے) دوسرے نمبر پر ہیں شمائلہ اسلم گھمن جو 9th کلاس کی اسٹوڈنٹ ہیں پھر ہیں ناٹی بھائی نوید اسلم گھمن جو پانچویں کلاس کا اسٹوڈنٹ ہے' بہت شرارتی ہر کسی کو تنگ کرتے رہتے ہیں' میرے ساتھ لڑائی کرنا فیورٹ ہابی ہے (مذاق میں)۔ اس کے بعد تیسرے نمبر پر ہیں مزہ گھمن جو کہ کلاس ٹو کے اسٹوڈنٹ ہیں' سب سے چھوٹی بہن فائقہ مہک ہے۔ دریائے راوی کے کنارے ایک خوب صورت سے گاؤں فرید آباد میں رہتی ہوں جو ضلع ننکانہ صاحب میں واقع ہے۔ اب آتے ہیں جناب اپنی خوبیوں اور خامیوں کی طرف بہت ہی حساس دل ہوں' کسی کو تکلیف میں دیکھ کر برداشت نہیں کرسکتی' خواہ کوئی جانور یا

پرندہ ہی کیوں نہ ہو۔ خامی یہ ہے کہ غصہ بہت آتا ہے غصہ میں اپنے آپ پر کنٹرول نہیں کرسکتی۔ کافی حد تک بولڈ ہوں ایک بری عادت یہ بھی ہے جو دل میں ہوتا ہے فوراً بول دیتی ہوں چاہے بعد میں پچھتانا ہی پڑے۔ اب آتے ہیں پسند اور ناپسند کی طرف جانور اور پرندے پالنے کا بہت شوق ہے (پالتی بھی ہوں)۔ جیولری میں بریسلیٹ بہت پسند ہے۔ کلرز میں پنک اور بلیک بہت پسند ہے۔ کھانے میں بریانی' فرائیڈ رائس اور شامی کباب شوق سے کھاتی ہوں۔ جینز کے ساتھ لانگ شرٹ' فراک پاجامہ شوق سے پہنتی ہوں اس کے علاوہ فیشن کے مطابق ڈریسنگ کرتی ہوں جس کی وجہ سے ویل ڈریس کہلاتی ہوں۔ کوکنگ کرنے کا بہت شوق ہے لیکن کبھی کی نہیں' سب کا خیال رکھنے کی حتی الامکان کوشش کرتی ہوں۔ ہم بہن بھائیوں میں بے حد محبت ہے' فرینڈلی ہوں اچھی نیچر کی مالک ہوں۔ میں ایک محبت کرنے والی لڑکی ہوں' میرے پاس محبت کے بہت سارے گلاب ہیں (یہ لیجیے سب ایک ایک)۔ اپنا اور خود سے وابستہ ہر چاہت کا خیال رکھیے گا' نائس فرینڈ شپ کے لیے موسٹ ویلکم' مجھ سے ملنا کیسا لگا اگر دل چاہے تو ضرور بتائیے گا اور اب سب سے اجازت چاہتی ہوں' اپنا خیال رکھیے اور دعاؤں میں یاد بھی رکھیے گا' اللہ حافظ۔

دلکش مریم

آنچل اسٹاف اور تمام قارئین کو میرا پرخلوص سلام میں ہوں آپ سب کی دلکش مریم' سب جانتے ہیں نا؟ 24 اگست کو اس دنیا میں تشریف لائی' گھر میں تیسرا نمبر ہے۔ مجھ سے بڑی دونوں بہنیں (سمیرا' حمیرا) شادی شدہ ہیں۔ مجھے اپنی بھانجیوں میرب اور ایمان سے بہت پیار ہے' مجھ سے چھوٹی دو اور بہنیں ہیں مزنہ اور ایمل۔ مزنہ میٹرک اور ایمل 8th کلاس کی اسٹوڈنٹ ہے۔ میری چاروں بہنیں حافظہ ہیں (ماشاء اللہ)۔ بھائی نہیں ہے امی ہاؤس وائف

اور ابو جی پراپرٹی ڈیلر ہیں ساتھ میں ہمارا ڈیری فارم ہے۔ مجھے اپنے والدین سے بہت محبت ہے اللہ تعالیٰ میرے والدین کو لمبی زندگی عطا کرے آمین۔ بی ایڈ کررہی ہوں آگے کیا کرنا ہے کچھ نہیں سوچا کہ بعض اوقات انسان جو سوچتا ہے وہ ہوتا نہیں۔ سنجیدہ مزاج ہوں بہت جلدی کسی سے فری نہیں ہوتی۔ خوبیاں خامیاں سبھی میں ہوتی ہیں مجھ میں بھی ہیں۔ خوبیوں میں رشتوں کو بہت اہمیت دیتی ہیں' غصہ آئے تو برداشت کرتی ہوں' جھوٹ بہت کم بولتی ہوں۔ خامیاں شاید زیادہ ہیں بعض اوقات چھوٹی سی بات پر غصہ آجاتا ہے لیکن میں غصے میں خاموش ہوجاتی ہوں' حساس ہوں چھوٹی چھوٹی بات محسوس کرتی ہوں جس پر سے اعتبار اٹھ جائے دوبارہ نہیں کرتی۔ معذرت کے ساتھ دوستوں پر بہت زیادہ اعتبار نہیں کرتی' کزنوں میں کزن تحریم کے زیادہ قریب ہوں۔ کھانے پینے میں نخرے نہیں کرتی' قمیص شلوار ساتھ لمبا دوپٹہ' چوڑی دار پاجامہ اور فراک پسند ہے۔ اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا پسند ہے اور آنچل تو بہت ہی پسند ہے' تمام رائٹرز بہت اچھا لکھتی ہیں۔ آنچل رائٹرز کے علاوہ اور رائٹرز بھی بہت پسند ہیں جن میں عمیرہ احمد' ماہا ملک' شازیہ چوہدری' نمرہ احمد وغیرہ شامل ہیں۔ میرا پسندیدہ رنگ سفید' نیوی بلیو اور ریڈ ہے۔ موسم سردی کا پسند ہے' پینٹنگ کرنا اچھا لگتا ہے اور کمپل رہنا اچھا لگتا ہے۔ فریبی' دھوکے باز لوگ پسند نہیں' میوزک شوق سے سنتی ہوں اپنا ملک پاکستان بہت پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کی حفاظت کرے آمین۔ شاعری بہت پسند کرتی ہوں اس لیے شاعری کرتی بھی ہوں' اپنی شاعری کے ساتھ اجازت چاہوں گی' امید ہے آپ کو پسند آئے گی۔

میری زندگی میں
بس ایک لفظ
جس نے مجھے
حد سے زیادہ خوشی دی
اور دکھ بھی دیا بے تحاشا
وہ ایک لفظ "محبت"

کرن کوثر

السلام علیکم! دنیا کی خوب صورت دوشیزاؤں، میری بہنوں، بھائیو اور میرے بزرگو! ارے میں تو تقریر کرنے ہی بیٹھ گئی چلو چھوڑو جی اپنا تعارف کراتی ہوں بقول میری سسٹر رابعہ کہ

ہم ہی دلبر ہیں
ہم ہی جان ہیں
ہم ہی دلیر ہیں
ہم ہی مہان
ہم ہی غیور ہیں
ہم ہی چٹان
میں ہوں بنگش
اور ہم ہیں پٹھان (حجاب خان بنگش)

عقل مندوں کے لیے یہ نظم ہی کافی ہے پھر بھی سمجھ نہ آئی ہو تو کوئی بات نہیں سیدھے سے بتادوں مجھ معصوم سی پری وش کا نام کرن خان بنگش ہے اور میں بالکل اپنے نام کی طرح چمکتی ہوئی ہوں۔ 26 دسمبر کو جب ساری دنیا اندھیرے میں ڈوبی غنغا غفیل تھی، کتا، بلی، گدھے گھوڑے بیچے تو مجھ پری وش نے اندھیرے میں کرنیں پھیلا کر اپنے آنے کا اعلان گلا پھاڑ پھاڑ کے کیا ہاہاہا آج تک منہ بند ہی نہیں ہوا ٹوتھ پیسٹ کے اشتہار کی طرح بگ بی کہتے ہیں کرن منہ بند کرکے دکھاؤ اور اسی کوشش میں اور منہ کھول دیتی ہوں قہقہوں کے ساتھ۔ ہنسنا مسکرانا سب کا دل لبھانا سب کو خوش کرنا میری گھٹی میں ہے۔ ہم سات بہنیں اور تین عدد بھائی ہیں میں ساتویں نمبر پہ ہوں دو بھائی اور ایک بہن مجھ سے چھوٹے ہیں۔ میں بچہ پارٹی میں گردانی جاتی ہوں، بے حد شرارتی ہوں خوب ہنگامے لگائے رکھتی ہوں اب آنچل کی محفل میں آئی ہوں تو یقیناً آپ سب کو فیل ہوا ہوگا ایسے

تُو نے ماری انٹریاں
تو دل میں بجی گھنٹیاں رے ٹنگ ٹنگ

ہے نا ایسا ہی..... آپ یہ مت سمجھیے گا کہ پری وش پڑھتی ورھتی کوئی نہیں، جی نہیں میں پڑھتی ہوں اس سے پہلے کہ آپ کے ذہن میں کوئی اوٹ پٹانگ خیال آئے پٹھان کا سنتے ہی تو آپ کو کلیئر کردوں۔ ہم ایسے ویسے پٹھان نہیں جھگڑالو اور دوسرے ناپسند کہ الحمدللہ ہم پرامن غیرت مند اور پڑھے لکھے بہادر پٹھان ہیں یہ جو دہشت گردی کا ٹھپہ پٹھان کے نام پر لگا ہے غلط ہے، بہت غلط ہے کیونکہ حقیقت اس کے برعکس ہے کیونکہ نہ پنجابی، نہ پٹھان اور نہ سندھی اور نہ ہی بلوچی دہشت گرد ہیں بلکہ یہ کام تو ملک دشمن عناصر کا ہے جو مسلمان بہن بھائیوں کو لڑوانا چاہتے ہیں اور اسلام کو بدنام کرنا ان کا مشن ہے یہ میری ذاتی رائے ہے۔ مجھے فخر ہے کہ دنیا کے بے حد خوب صورت اسلامی ملک پاکستان کے پٹھان گھرانے میں پیدا ہوئی، چلیں آپ کو جیلری کا بتاتی ہوں۔ مجھے ٹاپس، رنگ اور واچ بے حد پسند ہیں، بس ہلکی پھلکی سی چیزیں ہوں لیکن یونیک سی مجھے کپڑوں کا بے حد شوق ہے اور میرے پاس بلکہ آس پاس ڈھیروں ڈھیر فینسی ڈریسز ہیں (ہاہاہا) اتنی تو بہنیں ہیں ماشاء اللہ ہر ایک کا وارڈ روب قیامت ہے، ہر طرح کے سوٹ جو مجھے درکار ہوں مسکین سی صورت بنا کر ہتھیا لیتی ہوں۔ لمبی قمیص، چوڑی دار پاجامہ، لمبے دوپٹہ، فینسی میکسیز بہت پسند ہیں۔ فلیٹ سینڈلز اور ہائی ہیلز دونوں ہی پسند ہیں کسی کے بھی اچک لیتی ہوں، ہاہاہا۔ وہ الگ بات ہے کہ بعد میں وہی جوتی اکثر و بیشتر مجھ مسکین کو زوروں سے پڑ جاتی ہے، ہاہاہا۔ کتنی تو معصوم ہوں میں آپ ایگری کرتے ہیں نا، کھانے میں چائنیز ڈشز بہت پسند ہیں اور بریانی کی جگہ البتہ کوئی ڈش نہیں لے سکتی۔ مزے کی بات بتاؤں، بریانی کا پہاڑ بنا لیتی ہوں، ہاہاہا۔ ندیدی نہ سمجھنا نہیں تو...... کھاتی اتنا ہوں کہ بقول نگار کے تین چار بندوں کا کھانا ہڑپ کر جاتی ہے کرن لیکن لگتا نہیں، لیکن اس کی نسبت فریش جوس زیادہ پسند ہے۔ چٹخارے دار چنا چاٹ، فروٹ چاٹ، گول گپے خوب چٹخارے لے لے کر کھاتی ہوں۔ میک اپ کرتے ہوئے لپ گلوس، کاجل اور مسکارا یوز کرتی ہوں کیونکہ مجھے باندری بننے کا کوئی شوق نہیں،

میری کلر ہی کھلتا ہے سرخ، سفید سوٹ زیادہ لیتا پھولی سے اجتناب کرتی ہوں۔ ہم بہن بھائی آپس میں خوب ہلا گلا کرتے ہیں بلکہ یہ کہا جائے تو اچھا ہوگا کہ ہم سب کے ناک میں دم کردیتے ہیں۔ اپنے بھانجے بھانجی بہت اچھے لگتے ہیں میری فرحت آپی کراچی میں ہوتی ہیں ان اور ان کے دونوں سیف اور عمر کو جلال نجاب عنایہ کو بھی بہت مس کرتے ہیں۔ ثانیہ سلمیٰ بگ بی سب پڑھ رہے ہیں حمزہ نگار معاذ مجھ سے چھوٹے ہیں ہم لوگ کمرے میں اکٹھے ہوکر جب کراٹے کھیلتے ہیں تو بھونچال آجاتا ہے اور کراٹے کھیل کا اختتام کسی ایک کے زخمی ہونے پر ہوتا ہے ہاہاہا اور بعد میں بڑوں کے ہاتھوں جو درگت بنتی ہے ہاہاہا ناقابل تحریر۔ سب سے پوچھا کہ میری خوبیاں بتاؤ سب کی ہنسی نکل گئی کہ خوبیاں یا خامیاں (ہائے رے قسمت) آٹھ آٹھ آنسو بہانے کے بجائے میں تو نہا دھو کر بندے کے پیچھے ہی پڑھ جاتی ہوں۔ بابا جان کا تو میں فخر ہوں اس بات پر مجھے فخر ہے ہنسنا ہنسانا مجھے اچھا لگتا ہے۔ کسی کی برتھ ڈے ہو میں سب سے پہلے وش کرتی ہوں پہلے تو غصہ آتا نہیں جب آتا ہے تو بمشکل اترتا ہے۔ ایک بار جس سے اعتبار اٹھ جائے تو کلام بھی نہیں کرتی۔ جھوٹے لوگوں سے نفرت ہے اور ترس بھی آتا ہے اچھی کتابیں پڑھنا بے حد اچھا لگتا ہے۔ پسندیدہ رائٹرز ہر اچھا مصنف فیورٹ بن جاتا ہے ہاشم ندیم نمرہ احمد نگہت عبداللہ سمیرا شریف طور عشنا کوثر سردار نازیہ کنول نازی عمیرہ احمد اور یاد نہیں آرہے۔ ناولز میں "عبداللہ مقدس ایک محبت اور سہی ایمان امید اور محبت خدا اور محبت امر بیل لا حاصل پیر کامل مصحف بچپن کا دسمبر پتھروں کی پلکوں پر اور کچھ خواب یہ چاہتیں یہ شدتیں عشق کا عین عشق شین اور عشق کا قاف۔ شاعری سے کوئی خاص لگاؤ نہیں۔ ایف ایم بہت شوق سے سنتی ہوں میری بیسٹ فرینڈز تنزیلہ مریم اور رقیہ ہیں۔ بابا جانی اور بی بی گل سے بے حد محبت ہے گرمیوں کا موسم بس ٹھیک ہی لگتا ہے ہاں البتہ سردیاں مزے کی لگتی ہیں۔ فروٹ میں آڑو انگور آم بیر بلکہ تمام فروٹ اچھے لگتے ہیں۔ سبزیوں میں کدو ٹنڈے بینگن ناپسند ہیں۔ میں بولتی بہت ہوں یہ تو

آپ کو میرے تعارف ہی سے معلوم ہوگیا ہوگا خیر آپ سب ضرور بتایئے گا کہ میرا تعارف کیسا لگا۔ میں دعا گو ہوں اللہ ہمارے ملک کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ہمارے دشمنوں کو پسپائی نصیب ہو ان شاء اللہ آنچل کو ترقی کی راہوں اور اونچائیوں پر پہنچا دے جس کا تصور بھی کسی نے نہ کیا ہو آمین ثم آمین۔ سب محبت کرنے والوں کے نام

اک بات کہوں گر ہو سکے
اپنا پیار تو سنبھال رکھنا
نہ لگے کسی کی نظر
اسے دل میں چھپا رکھنا
اک بات کہوں گر ہو سکے
تو......
خودی کو سنوار رکھنا
ہاتھوں پر حنا رچا رکھنا
کاجل آنکھوں میں لگا رکھنا
ہر پل یونہی بہار رکھنا
نہ آنے پائے پیار کے راستے میں
خزاں کا دور
چوکھٹ بند رکھنا
اک بات کہوں گر ہو سکے
تو......
ہر پل پیار کی پھوار رکھنا
نہ کبھی شک کی نمی برقرار رکھنا
بس......
ہونٹوں پر یونہی مسکان سجائے رکھنا
اک بات کہوں گر ہو سکے
کبھی نہ خود کو جدا رکھنا
ہمیں بھی یاد صدا رکھنا
اللہ حافظ۔

چراغ خانہ

رفعت سراج

قسط نمبر 11

ہم جیسے تنہا لوگوں کا، رونا کیا، مسکانا کیا
جب چاہنے والا کوئی نہیں، پھر جینا کیا، مرنا کیا
سو رنگ میں جس کو سوچا تھا، سو روپ میں جس کو چاہا تھا
وہ جانِ غزل تو روٹھ گئی، اب اس کا حال سنانا کیا

گزشتہ قسط کا خلاصہ

کمال فاروقی پہلی بار اپنے اور سعدیہ کے جھگڑے میں دانیال کو شامل کرتے ہیں ورنہ بلال اور دانیال ان دونوں کو الجھتا دیکھتے تھے تو دونوں اپنے کمرے میں بند ہوجاتے تھے لیکن جب ماں کا مطالبہ طلاق کی صورت اس پر واضح ہوتا ہے تب اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں دانیال فوراً ہی ترکیب لڑا کر باپ کو بھوربن کاٹیج میں جانے کا مشورہ دیتا ہے۔ دوسری طرف پیاری دانیال کے جانے کے بعد دل کے چور کی وجہ سے مشہود سے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کرتی وہ مشہود کو اپنے اور دانیال کے نکاح کی بات بتانا چاہتی ہے لیکن مشہود پر نظر پڑتے ہی پیاری کی ہمت جواب دے جاتی ہے تب ہی خود کو سمجھاتی ہوئی پیاری مشہود کو میل نرس رکھنے کا کہتی ہے مگر مشہود اس کی اور دانیال کی خدمت کو سراہتا خوش گوار موڈ کے ساتھ انکار کردیتا ہے پیاری مشہود کا نارمل موڈ دیکھ کر تمام ہمت مجتمع کرتی اسے اپنے اور دانیال کے نکاح کا بتاتی ہے۔ مشہود کو حیرت کا شدید دھچکا لگتا ہے مشہود کی خاموشی پیاری کو ہولانے لگتی ہے۔ سعدیہ عالی جاہ کو دیکھ کر حیرت کا اظہار کرتی ہے وہ اپنی سابقہ کیفیت فراموش کرتی اس سے آنے کی وجہ دریافت کرتی ہیں جس پر عالی جاہ انہیں دانیال کے نکاح کی مبارک باد دے کر سلگا دیتا ہے۔ سعدیہ اپنی فطرت پر واپس آجاتی ہے اور ماتو آپا کے بیٹے کی عزت افزائی کرتی ہے۔ اتنی بے عزتی اور بدلحاظی دیکھ کر پہلے عالی جاہ ششدر رہ جاتا ہے پھر چند سیکنڈ سوچ کر ایک دم پینترا بدل لیتا ہے قدرت خود آگ لگانے کا موقع عالی جاہ کو فراہم کررہی ہوتی ہے اور موقع سے فائدہ اٹھانا اس کی سرشت میں شامل ہوتا ہے اور خود کو مظلوم ظاہر کرتا وہ پیاری پر الزام تراشی کرتا ہے سعدیہ پہلے ہی پیاری کے خلاف ہوتی ہے مزید عالی جاہ کی باتوں میں آکر نفرت کی گرہ مضبوط ہوجاتی ہے کمال فاروقی ذہنی دباؤ کا شکار ہوتے ہیں ایسے میں انہیں دانیال کا مشورہ راہ نجات محسوس ہوتا ہے کمال فاروقی دانیال سے مل کر سفر پر جانا چاہتے ہیں لیکن ملازم آکر اس کے سونے کا بتاتا ہے تو وہ تذبذب کا شکار ہوجاتے ہیں تب ہی دانیال انہیں رخصت کرنے آتا ہے دوسری طرف سعدیہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے کمال فاروقی اور دانیال کو دیکھ کر ٹھٹکتی ہیں لیکن دوسرے ہی لمحے مغرور انداز میں گاڑی اسٹارٹ کرتی گھر سے نکل جاتی ہیں مشہود ایسے کمرے میں قید ہوتا ہے جس میں صرف ایک کھڑکی وہ بھی اتنی اونچائی پر کہ اس کا اوپری حصہ چھت کے کنارے کو چھو رہا ہوتا ہے اور ایک بھاری بھرکم دروازہ جس کے ذریعے وہ اس عقوبت گاہ میں داخل ہوا تھا تب ایک رات اس کھڑکی سے کوئی اسے کھانا دے کر جاتا ہے مشہود اپنے خیال میں گم ہوتا ہے جب پیاری اسے دوا دینے آتی ہے۔ مشہود کو جس دوستی پر ناز ہوتا ہے وہ صرف ایک دھوکہ ثابت ہوتی ہے اس کے خیال میں

دانیال صرف پیاری سے ملنے اس کے گھر آتا ہے اس لیے وہ پیاری سے دانیال کو گھر آنے سے منع کروا دیتا ہے۔ دانیال سعدیہ کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہے جبکہ سعدیہ شعلہ برسانی پیاری کو الزام دیتی ہے۔ جس پر دانیال کمال فاروقی کا گھر سے جانے کا بتاتا ہے سعدیہ کی اشتعال اور بے بسی کی لاجواب کیفیت ہوجاتی ہے دوسری طرف پیاری معجزے کی منتظر ہوتی ہے۔ مشہود کو اچانک حقائق سمجھ آجائیں وہ تسلیم کرلے کہ جو کچھ ہوا حالات کا تقاضہ تھا پیاری کے لیے بھائی کی بدگمانی ناقابل برداشت ہوتی ہے تب ہی دانیال کی کال آتی ہے اور اپنے طور پر دانیال نہ آنے پر معذرت کرنے لگتا ہے جبکہ پیاری اسے آنے سے منع کرتی اس کے کان میں انگارے بھردیتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

......☆☆☆......

''کیا کہہ رہی ہو پیاری...... آخر ہوا کیا...... تمہاری آواز سے لگ رہا ہے کہ تم بہت زیادہ ڈسٹرب ہو؟'' دانیال بہت پریشانی اور جذباتی کیفیت میں تابڑتوڑ سوال کرنے لگا۔

''بس میں اس سے زیادہ بات نہیں کرسکتی...... ہوسکتا ہے بھائی خود آپ سے فون پر بات کریں۔ خدا حافظ۔'' پیاری کے انداز میں عجلت تھی۔ اس کا سارا دھیان مشہود کی طرف تھا جو یقیناً سراپا سماعت بنا سننے کی کوشش کررہا ہوگا کہ فون کس کا ہے اور پیاری کیا بات کررہی ہے؟

پیاری نے اپنی طرف سے فون بند کردیا تھا مگر قدم اٹھا کر مشہود کی طرف جانا کڑا مرحلہ لگ رہا تھا...... وہ اس کی نظروں کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں کرپارہی تھی کجا کہ اس کے سوالات کا جواب دینا۔

ماحول میں فون بند ہونے کے بعد ایک پراسراری خاموشی طاری ہوچکی تھی۔ حیرت ناک بات یہ تھی کہ مشہود نے ابھی تک یہ نہیں پوچھا تھا کہ فون کس کا تھا...... یا پھر وہ از خود سمجھ گیا تھا کہ پیاری کے پاس کس کی کال آسکتی ہے؟ پیاری من من بھر کے قدم اٹھا کر اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھی۔ قدم اتنے بوجھل نہیں تھے جتنا بوجھ دل پر تھا...... اس نے دانیال کو جو کچھ کہا تھا ابھی اس کا ردعمل باقی تھا۔ دانیال کسی بھی لمحے پہنچ جاتا۔ ایسا تو نہیں تھا کہ پیاری کے منع کردینے کے بعد وہ بہت فرماں برداری کے ساتھ خاموش ہوکر بیٹھ جاتا۔

دانیال ضرور آئے گا...... اس لیے کیا نا بنا ہے...... اور اصول ہے کہ مزاحمت ردعمل کو تیز کردیتی ہے۔

''پیاری......'' مشہود کی آواز نے پیاری کو ہلا کر رکھ دیا...... یوں جیسے کسی نے چپکے سے پیچھے سے آکر ''ہاؤ'' کہہ کر ڈرا دیا۔ وہ لشتم پشتم دوڑی۔

''ج...... ج...... ج...... بھائی......؟'' خود کو گرنے سے بچانے کے لیے اس نے چوکھٹ تھامی۔ مشہود نے خشمگیں نظروں سے پیاری کی طرف دیکھا۔

''کیا کہا ہے اسے؟'' لفظ ''اسے'' نے دوستی کی ست رنگی قوس وقزح لمحے میں تحلیل کردی تھی۔ حتمی رویہ طے ہوگیا۔

''منع کردیا ہے' کہہ دیا ہے کہ اب وہ یہاں نہ آئیں۔'' پیاری کا گلا خشک ہورہا تھا۔ اس نے بمشکل تھوک نگلا۔

''تم سوچ رہی ہوگی کہ تمہارے اس جواب سے مجھے بہت خوشی ہوئی ہوگی؟ بیوی ہو تم اس کی' کیسے منع کرسکتی ہو؟ اور وہ تمہارے منع کرنے سے کیوں رکے گا؟'' مشہود برہم ہوا۔ پیاری کی ٹانگیں لرزنے لگیں۔ اسے اب کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ بے بسی سے سر جھکا کر کھڑی رہی۔

''تم اس کے ساتھ جانا چاہو تو میں تمہیں نہیں روک سکتا۔ کوئی جواز ہی نہیں بنتا۔ اس گھر سے جو لینا چاہو لے لو...... بس مجھے اس خود غرض شیطان کی شکل نہ دکھانا۔'' مشہود مرد ہونے کے ناطے رنجش میں منطق سے کام لے رہا تھا۔ جذبات کی ریت میں منطق سچے موتی کی طرح چمک رہی تھی۔

"میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جس شادی سے آپ کو دکھ ہوا میں اس شادی کو آج ہی ختم کردوں گی مگر آپ کو اپنی زندگی میں وہ بھی اس حال میں اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔" پیاری نے آنسو پیتے ہوئے اتنا بڑا فیصلہ سنایا جیسے ٹماٹر مہنگے ہونے کی خبر سنا رہی ہو۔

"بہت بڑا احسان کریں گی آپ...... میں تو اپنی موت تک یہ احسان ہی نہیں اتار پاؤں گا جو ہوچکا اس کی تلافی تو کسی صورت نہیں ہوسکتی۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے مردہ دفن کرنے کے بعد اس سے بولنے کی فرمائش کی جائے۔ میں نہیں چاہتا اب ہم ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ کر کڑھ کڑھ کر زندگی گزاریں۔ بہت بڑا شاک تو لگا دیا ہے اب ساری زندگی کیا گلٹی کی طرح گزاروں گا۔ مجھے تمہاری اس گھر میں اب ضرورت نہیں...... مجھے مرا ہوا سمجھ لیا تھا، اب مردہ ہی سمجھو۔" مشہود کے انداز میں کوئی لچک نہیں تھی۔

خونی رشتوں کی طرف سے ملنے والی سیاہ رات جیسی مایوسی نے اسے ہر مصلحت سے عاری اور دو ٹوک کردیا تھا۔ اس وقت وہ صرف اپنے احساسات کا قیدی تھا اسے اس بات کی مطلق فکر نہیں تھی کہ اس کے الفاظ کس طرح پیاری پر پتھراؤ کررہے ہیں۔

"بھائی......" پیاری نے کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے مگر مشہود نے ہاتھ بلند کرکے اسے بولنے سے روک دیا۔

"بس...... مجھے کچھ نہیں سننا...... میں تمہاری خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنوں گا...... تسلی رکھو......" مشہود کا انداز قطعی وحتمی تھا۔ پیاری خود کو بے بسی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا محسوس کرنے لگی...... اسے اندازہ ہوگیا کہ وہ اب کچھ بھی کہے اس کی کسی بات میں حسب دل خواہ اثر نہیں ہوگا۔ وہ سر جھکا کر واپس خواب گاہ کی طرف پلٹ آئی۔ مشہود روحانی اذیت کے سبب اب اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

......☆☆☆......

دانیال "wheelivy" کرنے والے سرپھرے جانبازوں کے انداز میں ڈرائیو کررہا تھا۔ پیاری نے تو اس کے ہوش اڑا کر رکھ دیئے تھے۔ اس سے بات کرنے کے بعد چند منٹ تو وہ یوں بیٹھا رہا تھا گویا ذہنی طور پر مفلوج ہوچکا ہو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ گھمسان کا رن چھننے کے بعد فتح کا جھنڈا گاڑا...... اور اچانک شب خون پڑ گیا۔ جھنڈا اکھاڑ کر پھینک دیا گیا' کوئی مذاق ہے؟

"جب چاہے ٹھکرا دے...... جب چاہے اپنالے...... میری سچی محبت کو تماشہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ میری زندگی' عزت' محبت کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔"

وہ جذبات کی شدت کے زور پر گھر سے نکلا تھا۔ جیسے بپھرا ہوا دریا کناروں سے ابل گیا ہو۔ جان سے مار دینے والا دکھ اور ادھوری بات...... دل تو چاہ رہا ہے ایسی سزا دوں کہ میرے تڑپنے کو محسوس کرے اور دیواروں سے سر مارے۔ دانیال کو اعلیٰ درجے کے دھچکے نے پاگل سا بنا دیا تھا۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ اس نے ایمرجنسی بریک لگا کر خود کو اور دوسرے کو بچایا۔ آج تو جو بات ہوگی کھل کر ہوگی۔ کوئی رعایت و مصلحت نہیں چلے گی۔

❀......❀......❀

"عالی جاہ خوب صورت ہے مال دار ہے...... جو لڑکی چلتا پرزہ ہوگی وہ ایسے لڑکے کو بے وقوف بنانے میں دیر نہیں لگائے گی۔ اس سے تو اچھا تھا میں رشنا کے لیے مزید زور آزمائی کرتی تو شادی ہو ہی جاتی...... ایک کرپٹ لڑکی میری بہو بن گئی۔ میرے شوہر اور بیٹے کو قابو میں کرلیا۔ وہ تو کسی بھی وقت مجھے اس گھر سے بے دخل کرسکتی ہے۔ آج دھونس دھمکی سے بات کرلیتی ہوں کل تو میری ایک نہیں سنی جائے گی۔ اورگاڈ مجھے کچھ کرنا ہوگا۔ دانیال تو بہت ہی بے وقوف ہے۔ یہ عالی جاہ تو بروکر ہے اس لیے اتنا شارپ ہے۔ اسے چونا لگا گئی۔ دانیال تو پھر بچتا کیا ہے۔" سعدیہ سب کچھ بھول بھال اب ایک نئے درد سر سے نبرد آزما تھیں۔ شوہر ان کی جذباتیت کی وجہ

سے اپنا گھر عارضی طور پر سہی چھوڑنے پر مجبور ہوگئے تھے۔ جس بات کے پیچھے وہ زندگی کا سب سے بڑا خطرہ مول لینے جارہی تھیں خلع یا طلاق پر اصرار کررہی تھیں وہ سب ہوا میں اڑ چکا تھا۔ اب ٹینشن صرف یہ تھی کہ ایک غلط لڑکی ان کے حسب نسب کا ٹھیکہ لے چکی ہے۔

ایک کم پٹ لڑکی نے ان کو شکست دی تھی۔ یہ احساس انتہائی تباہ کن اور جان لیوا تھا۔ جب تک یہ لڑکی دانیال کی زندگی سے نہیں نکل جاتی میں چین سے نہیں بیٹھوں گی۔ خواہ مجھے انتہا تک جانا پڑے۔ سعدیہ کی انتہا پسند طبیعت سب کچھ کر گزرنے کے لیے بے تاب تھی۔

❁......❁......❁

گھر میں دو نفوس ہونے کے باوجود ایسا سناٹا تھا کہ سوئی گرنے کی آواز بھی سنائی دے۔ کال بیل کی آواز تو یوں لگی گویا صور اسرافیل پھونک دی گئی ہو۔ بیڈ کے کنارے پر حزن وملال کی تصویر بنی پیاری یوں چونکی گویا کسی نے پکڑ کر جھنجوڑ دیا ہو۔ دل کی دھڑکنوں نے واضح اشارہ دیا کہ ہو نہ ہو گیٹ پر دانیال کھڑا ہے۔ پہلے وہ بے ساختگی میں اٹھی مگر فوراً ہی بیٹھ گئی۔ ٹانگوں میں لرزش تھی، دل بے قرار تھا مگر بے بسی کا عالم تھا۔ کال بیل دوبارہ چیخ پڑی۔ پیاری نے بے اختیار دل تھام لیا۔ پھر تیسری چوتھی پانچویں بار کال بیل کی آواز نے خاموشی میں تہلکہ مچایا مگر پیاری پتھر کی طرح اپنی جگہ جامد تھی۔

"کوئی گیٹ پر ہے پیاری...... پوچھو کون ہے؟" مشہود اب خاموش نہ رہ سکا۔

پیاری کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ بے قرار سی ہوکر کھڑی ہوئی۔ سوچا اسے کیا کرنا چاہیے۔ بمشکل خود کو گھسیٹتی مشہود کے کمرے کے دروازے تک آئی۔ مشہود نے ایک اجنبی بے مہری نگاہ کی۔

"میری شکل کیا دیکھ رہی ہو گیٹ پر دیکھو کون ہے؟" مشہود نے بہت سرد مہر انداز میں کہا۔

"بھائی...... شاید دانیال آئے ہوں گے۔ ماسی تو صبح آ کر کام کرکے چلی گئی تھی۔" پیاری نے بدقت کہا۔

"ہاں تو اسے اندر بلالو..... اس سے دوٹوک بات ہوجائے تو بہتر ہے۔ میں تو چاہتا ہوں تم اس کے ساتھ چلی جاؤ۔ اب تم شادی شدہ ہو میرا تم پر کوئی زور اور اختیار نہیں۔ وہ میری آنکھوں کے سامنے تمہارا ہاتھ پکڑ کر لے جاسکتا ہے۔" مشہود کے لہجے میں غم و غصے کی ملی جلی کیفیت تھی۔

"مگر میں آپ کو اس حال میں چھوڑ کر تو کبھی بھی نہیں جاسکتی۔" پیاری نے ہمت کر کے کہہ دیا۔

"مجھ پر احسان کرنے کی ضرورت نہیں..... جس اللہ نے درندوں کے درمیان مجھے زندگی بخشی اور ان کی درندگی سے بچالیا..... وہی میری موت تک میری زندگی کی حفاظت کرے گا۔" اسی وقت کال بیل دوبارہ سے گونجنے لگی اس طرح کہ گویا کوئی بٹن پر انگلی رکھ کر ہٹانا بھول گیا ہو۔

"جاؤ..... گیٹ کھولو۔" مشہود دونوں ہاتھوں سے اپنا "کالر" دبا کر پوری قوت سے دھاڑا۔

یہ دھاڑ پیاری کی قوت برداشت سے بہت زیادہ تھی۔ بگٹٹ گیٹ کی طرف بھاگی۔ مشہود اپنی سانسیں سنبھالنے لگا۔

"کون ہے؟" پیاری نے حفظ ماتقدم کے طور پر پوچھنا ضروری سمجھا۔

"گیٹ کھولو پیاری....." دانیال کی سنجیدہ بے تاثر آواز سماعت سے ٹکرائی۔ پیاری نے اللہ کا نام لے کر گیٹ کھول دیا۔ دانیال فوراً اندر آنے کے بجائے بغور پیاری کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"اتنی دیر سے کیوں کھولا..... مشہود کچھ کہہ رہا تھا..... اب مجھے یہیں کھڑے کھڑے بتادو..... ایسا کیا ہوا ہے کہ تم مجھے آنے سے روک رہی تھیں؟ ٹھیک ہے..... بتانے والی بات تھی، چھپانے والی نہیں۔ تم نے مشہود کو بتادیا..... بہت اچھا کیا..... مگر وہ کہتا کیا ہے..... مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی؟" دانیال دیوانہ وار بولتا چلا گیا۔ چاہنے والے کو سامنے پاکر دل بھر آیا۔ آنسوؤں کے گولے حلق میں پھنسنے لگے آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

"میرا بھائی میری خاطر جان کی بازی لگا رہا تھا اور میں اس کو بھلا کر شادی کی خوشیاں انجوائے کر رہی تھی..... کتنی جلدی تھی مجھے خوشیاں منانے کی۔" یہ کہتے ہی پیاری دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی..... اور ایک طرف ہوگئی۔ دانیال ششدر اندر چلا آیا اور آہستگی سے گیٹ بند کردیا۔

"اوہ مائی گاڈ....." اس کے منہ سے بس یہی نکل پایا۔

"کوئی بات نہیں..... اسے کچھ غلط فہمی ہوگئی ہے اور غلط فہمی دور کی جاسکتی ہے۔ پلیز کول ڈاؤن....." دانیال نے اپنا ہاتھ پیاری کے شانے پر رکھ دیا جو پیاری نے بری طرح جھٹک دیا اور پیچھے ہٹ گئی۔ دوپٹے کے پلو سے اپنی آنکھیں پونچھنے لگی۔

دانیال نے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا جو بری طرح جھٹکا گیا تھا چند لمحے کچھ سوچا پھر پیاری کی طرف دیکھا۔

"وہ مریض ہے۔ تھکن سے چور ہے۔ اس کی کسی بات کا برا نہیں منانا چاہیے۔ اسے اس وقت ہماری قوت برداشت اور ہمدردی کی ضرورت ہے اگر ہمیں اس سے محبت ہے تو سب کچھ برداشت کرنا ہوگا۔"

"میں اس گھر میں ان کے ساتھ اکیلی ہوں..... ان کا رویہ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔ مجھے ڈر لگتا ہے آپ..... آپ کو نہیں پتہ..... وہ ایک دم بدل گئے ہیں ان کی آنکھوں میں میرے لیے نفرت کے سوا کچھ نہیں....." بولتے بولتے پیاری کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔

"لیکن یہ ایک دم ہوا کیا.....؟ وہ کیوں اس طرح کر رہا ہے؟ تم سے کوئی بات تو ہوئی ہوگی۔" دانیال پیاری کی حالت دیکھ کر شش و پنج میں پڑ گیا۔

"میں نے ان کو بتا دیا ہے..... کہ..... کہ میری شادی ہوگئی ہے..... بس یہ سنتے ہی ان کا انداز بدل گیا..... کہنے لگے تمہارے لیے موت سے لڑ رہا تھا اور تم مجھے مرا

ہوا سمجھ کر خوشیاں منا رہی تھیں۔" پیاری نے آنسوؤں کے بیچ بہت مشکل سے اپنی بات مکمل کی۔

"اوہ......" دانیال کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"کوئی مسئلہ نہیں۔ بات سمجھ آ رہی ہے...... بس اب بہت صبر و برداشت سے اس سچویشن کو فیس کرنا ہے۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صبر و ہمت کی ضرورت ہے۔ بدگمانی کا یہی علاج ہے کہ خود کو ثابت کیا جائے۔ میں خود اس سے بات کرتا ہوں۔" دانیال یہ کہہ کر رکا نہیں سیدھا اندر کی طرف بڑھ گیا...... پیاری پر اس کی ہمت و جرأت کا مطلق اثر نہ ہوا وہ اپنی جگہ کھڑی خوف سے کانپ رہی تھی۔ قدم اٹھانا دوبھر تھا۔

"میں کہتا ہوں میری نظروں سے دور ہو جاؤ...... تم نے دوستی کے نام پر مجھے بے وقوف بنایا...... تم پیاری کی وجہ سے مجھ سے دوستی نبھا رہے تھے۔ مجھے ساری بات سمجھ آ گئی ہے۔ ابھی اسی وقت اپنی بیوی کو لے کر یہاں سے چلے جاؤ...... مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔" مشہود کی چیخم دھاڑ شروع ہو چکی تھی۔ پیاری پر نئے سرے سے لرزہ طاری ہونے لگا تھا۔

"مشہود...... کیا ہی اچھا ہو اگر تم دو منٹ کے لیے صبر سے میری بات سن لو۔" دانیال کی پُرسکون آواز گھر کے در و دیوار سے ٹکرائی۔

"میں دو سیکنڈ کے لیے تمہیں برداشت نہیں کر پا رہا...... تم دو منٹ کی بات کر رہے ہو۔ مجھے ایسے رشتوں تعلق کی ضرورت نہیں جو مجھے جلد سے جلد مرا ہوا دیکھنا چاہتے ہوں۔ جنہیں خوشیاں منانے کی جلدی پڑی ہو۔ تم نے مجھے تلاش کرنے کی کوشش کی؟ کیا' کیا میرے لیے؟ تمہیں مجھ سے کوئی غرض نہیں تھی۔ تم اس گھر میں پیاری کے لیے آ رہے تھے۔ راستہ صاف ملتے ہی اپنا کام دکھا دیا۔ اب یہاں سے جاتے کیوں نہیں؟ تمہارا مشن پورا ہو چکا ہے۔ میرے سرٹیفکیٹ سے تمہیں کوئی فرق پڑے گا؟ کیوں صفائیاں پیش کر رہے ہو تم دونوں؟ مجھے نہیں چاہیے تمہاری وضاحتیں......" مشہود اتنی زور سے چلایا کہ اس کی آواز پھٹ گئی۔ پیاری کو در و دیوار لرزتے ہوئے محسوس ہوئے۔ وہ بے دم انداز میں فرش پر ہی بیٹھ گئی۔ اس میں چل کر اندر جانے کی سکت نہیں تھی۔

"مشہود خود پر رحم کرو...... اپنی حالت دیکھو...... تم گھر واپس آ چکے ہو...... ان شاء اللہ بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ گے۔ پھر بہت ہی خوشیاں ہوں گی سب کی طرح تمہارا بھی فطری خوشیوں پر حق ہے۔ ہم پل پل تمہارے ساتھ ہیں۔" دانیال پر واقعی مشہود کی چیخ و پکار کا مطلق اثر نہ تھا وہ بہت صبر و ضبط اور تحمل سے بات کر رہا تھا جبکہ پیاری کا دل خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ ہتھیلیوں میں پسینہ اتر رہا تھا۔

"بند کرو یہ ڈرامے بازی...... تم انتہائی چالباز اور موقع پرست انسان ہو' تم سے تو لاکھ درجے بہتر وہ ان پڑھ جاہل لڑکی تھی جسے مجھ سے ہمدردی کے جرم میں ستر اسی سال کے ضعیف مرد کے ہاتھوں فروخت کر دیا گیا۔" مشہود پھر جذباتی انداز میں چلایا۔ پیاری کی حیرت کی انتہا یہ تھی کہ اس کے آنسو یکلخت تھم گئے۔ دانیال بھی وقتی طور پر بھونچکا سا رہ گیا۔

"لڑکی...... کون لڑکی......؟ اگر کسی نے تمہارے لیے ظلم برداشت کیا ہے تو ہم اس کے لیے بھی ظالم سے لڑیں گے...... مگر تم کچھ بتاؤ گے تو ہم کچھ کریں گے...... تم تو بس غلط فہمی کی وجہ سے اپنی طبیعت اور زیادہ خراب کر رہے ہو۔ خود کو نقصان پہنچا رہے ہو......" دانیال حیرت کی موجوں کو دھکیلتا بڑی رسانیت سے مخاطب تھا۔ دانیال کا صبر و ضبط و تحمل پیاری کے لیے بہت بڑی ڈھارس بن رہا تھا۔ وہ اپنی تمام تر قوتوں کو مجتمع کر کے بالآخر اٹھ کھڑی ہوئی۔ دانیال کا اعتماد اور مضبوطی اس کی طاقت بن رہی تھی۔

"میرے بڑے بڑے نقصان ہو چکے...... اب میں نقصان کے خوف میں مبتلا نہیں ہوں' میرا ذہن ایک طرف ہو چکا...... اب تم دونوں بھی سائیڈ میں ہو جاؤ۔ ہو سکتا ہے میں بہت جلدی survive کر جاؤں...... مگر

خطرہ ہے تم دونوں کی وجہ سے مجھے کسی بھی وقت برین ہیمبرج ہوسکتا ہے...... اس لیے اب بہت زیادہ اچھا بن کر دکھانے کی ضرورت نہیں...... بس میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔‘‘ مشہود اسی طرح ضدی اور اکھڑ لہجے میں بات کر رہا تھا۔

’’اگر تم اس طرح ریلیکس ہوتے ہو تو ٹھیک ہے...... میں پیاری کو لے کر چلا جاتا ہوں...... مگر تم اپنی طرف دیکھو...... اکیلے کس طرح رہو گے......؟‘‘ دانیال نے پُرسکون لہجے میں سوال کیا۔

’’میری فکر مت کرو...... میں بہت بری سچویشن کو بھی اکیلا ہی فیس کر کے آیا ہوں۔‘‘ مشہود نے اجنبی اور بے مروت انداز میں جواب دیا۔

’’بھائی کچھ بھی کہیں...... جان سے مار دیں مجھے، مگر میں آپ کو یوں اکیلا چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔‘‘ پیاری نے اچانک دونوں کے درمیان نمودار ہو کر فیصلہ سنایا۔

دانیال نے چونک کر پیاری کی طرف دیکھا تھا جس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا اور بہت محبت سے بھائی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

’’آپ چلے جائیں...... بھائی کو تکلیف مت دیں۔ میرا تو بھائی ہے مجھ سے نفرت بھی کرے تو رشتہ ختم نہیں ہوسکتا۔ میں ان کی نفرت بھی برداشت کرلوں گی مگر انہیں اکیلا چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ یہ میری ماں بھی ہیں، باپ بھی...... ان سے زیادہ مجھ پر کسی کا حق نہیں...... پلیز آپ چلے جائیں۔‘‘ پیاری نے اپنی بات کہہ کر دانیال کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ دانیال دم بخود پیاری کی طرف دیکھ رہا تھا۔

پیاری نے کوئی نئی بات تو نہیں کی تھی وہ تو بہت آسانی سے جب چاہے اسے ٹھکرا سکتی ہے...... اسے تو کچھ بھی نہیں ہوتا...... اس نے تو شاید مدتوں سے یک طرفہ محبتوں کا پہاڑ سا بوجھ اٹھایا ہوا ہے۔

’’کیا سوچ رہے ہیں...... جاتے کیوں نہیں؟ آپ کی وجہ سے آج یہ نوبت آئی ہے کہ بھائی کو میرے خلوص پر اعتبار نہیں...... آپ نے مانو پھوپو اور اپنے پاپا کے ساتھ مل کر مجھے تحفظ دینے کا یہ حل نکالا تھا...... اکیلا رہنے سے کوئی مر نہیں جاتا...... ہمیں تو رویے مارتے ہیں۔ بس آپ چلے جائیں۔ جب تک بھائی اجازت نہ دیں آپ یہاں نہ آئیں اپنی امی کی پسند سے دوسری شادی کرلیں...... مجھے تو بھائی کی خاطر زندہ رہنا ہے...... انہی کی خاطر مرنا ہے۔ بھول جائیں مجھے۔ جب تک زندہ ہوں بھائی کو مناتی رہوں گی۔ انہیں ناراض کر کے ان سے دور نہیں جاؤں گی۔‘‘ پیاری اتنا کچھ کہہ کر ہلکان سی ہوگئی، آنسوؤں کے پھندے حلق میں اٹک رہے تھے۔ فوراً ہی اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔ جیسے آنکھوں کے راستے دریا بہانے کو بیتاب ہو۔ دانیال ششدر کھڑا تھا۔

محبتوں کے پھول بچھاتے بچھاتے بھی تو راستہ کٹ سکتا تھا...... پیاری نے اس بحران سے نکلنے کا یہ راستہ نکالا تھا۔ دل بری طرح توڑ کر رکھ دیا تھا۔ دور تک شعلے ہی شعلے...... محبت کہاں تھی؟ محبت ہوتی ہے تو پل پل اپنے ہونے کا احساس دلاتی ہے اور کٹھن لمحات میں تو پوری طرح نمایاں ہو کر اپنی اہمیت جتاتی ہے۔

مشہود بری خشمگیں نظروں سے دانیال کی طرف گھور رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو کہ کھڑے کیوں ہو...... جاتے کیوں نہیں؟ دانیال نے آہستگی سے نظریں اٹھا کر مشہود کی طرف دیکھا اور کچھ بولے بغیر چپ چاپ باہر کی طرف پلٹ گیا۔

ابھی محبت ملال میں نہیں ڈھلی تھی۔ کن انکھیوں سے امید کی طرف دیکھ رہی تھی۔ چاہتوں کی ان دیکھی زنجیریں پیروں میں چھن چھن بج رہی تھیں...... چار قدم کا فاصلہ سو کوس بن گیا تھا۔

❁ ❁ ❁

عالی جاہ ایک خسیس بنئے سے تُو تُو میں میں کر کے ہلکان ہو چکا تھا۔ جو نوٹ دکھا کر عین سودا طے ہونے سے چند سیکنڈ پہلے نوٹ واپس جیب میں رکھ کر کھڑا ہوگیا

تھا...... پانچ ہزار کے فرق پر سودا ہوتے ہوتے رہ گیا گویا نوالہ منہ میں پڑتے ہی گر گیا اس پر مستزاد اکڑ دکھا تا نکل گیا...... عالی جاہ کے دماغ میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں اور عین اسی وقت سعدیہ کا فون آ گیا...... سعدیہ سے عالی جاہ کی خال خال ہی بات ہوتی تھی اس کا آئی فون بھی نیا تھا سعدیہ کا نام ابھی کونٹیکٹ میں سیو نہیں تھا۔ عالی جاہ نے طوہاً کرہاً کال ریسیو کی تھی اور ہیلو اس انداز میں کہا گویا کالر کی سات پشتوں پر احسان کر رہا ہو۔

"عالی جاہ سعدیہ بات کر رہی ہوں۔" سعدیہ کی آواز سماعت سے ٹکرائی تو اس کا ذہن ایک زبردست انگڑائی لے کر جاگ پڑا۔

"جی...... جی مامی...... خیریت ہے ناں؟" اس نے چوکس اور مستعد انداز میں ردعمل ظاہر کیا۔

"خیریت کہاں تم تو تالاب میں کنکر پھینک کر بھاگ گئے۔ مجھے ایک پل قرار نہیں...... کہاں پھنس گیا میرا سیدھا سادہ بے وقوف سا بیٹا......" سعدیہ اضطراری کیفیت میں گویا ہوئیں۔

"اوفوہ...... آپ ابھی تک سوچ رہی ہیں؟ جو ہونا تھا ہو چکا...... اب چھوڑیے اور جو زندگی باقی ہے اسے فل انجوائے کیجیے۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا ٹینشن لینے سے آپ بیمار ہو سکتی ہیں۔ میں نے تو آپ سے اس لیے شیئر کیا تھا کہ آپ اس استاد قسم کی لڑکی سے محتاط رہیں اور بس۔" عالی جاہ کے ہونٹوں پہ پُراسرار سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی گویا وہ سعدیہ کی کیفیت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"ارے کیسے چھوڑ دوں...... دانیال کو اس لڑکی کو چھوڑنا پڑے گا۔ ارے مرد تو اچھی خاصی بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری شادی کر لیتے ہیں۔"

"تو پھر آپ دانیال کی دوسری شادی کرا دیں۔" عالی جاہ نے برجستہ کہا سعدیہ کی بات درمیان میں اچک لی تھی۔

"ابھی کرا دوں...... آج کرا دوں...... مگر میں اب بہت بے بس ہوں۔ ذہن بالکل ماؤف ہے۔ تمہارے پاس کچھ ثبوت تو ہوگا...... ایسا تو نہیں ہو سکتا تم نے اسے لاکھوں کے گفٹ دے دیئے...... ایسے ہی تو نہیں دے دیے ہوں گے......؟" سعدیہ کے انداز میں بے چینی اور کھوج یکساں تھے۔

"ایسے ہی کون دیتا ہے؟ کچھ لیا ہوگا تو دیا ہوگا؟" عالی جاہ کی مسکراہٹ میں کمینہ پن جھلکنے لگا۔

سعدیہ کا کلیجہ دھک سے رہ گیا...... سچے موتی جیسی ملکوتی حسن کی حامل ان چھوئی دوشیزہ کو بہو کے روپ میں دیکھتے دیکھتے یہاں تک آ گئی تھیں...... یہ عالی جاہ کیا کہہ رہا ہے؟

ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے...... ورنہ کون پاگل جیب سے لاکھوں نکالتا ہے...... اور یہ بروکر ان کا بس چلے تو گنڈیری کا آخری قطرہ چوس کر زمین میں دبا دیں کہ گنا اگے گا۔

"عالی جاہ...... آج میری طبیعت بہت اپ سیٹ ہے...... گھر میں اکیلی ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہیں ڈیپ ڈپریشن میں نہ چلی جاؤں...... تم آج ڈنر میرے ساتھ کرو مجھے خود پر کنٹرول نہیں ہے۔ اپنے آپ سے ڈر لگ رہا ہے...... کہیں خودکشی نہ کر لوں......" سعدیہ بہت دل شکستہ ہو کر بول رہی تھیں۔ عالی جاہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

معاملہ تو بہت سیریس ہو رہا تھا وہ اپنی لاابالی، غیر ذمہ دارانہ بے حس فطرت کے حساب سے شوشہ چھوڑ کر فارغ ہو چکا تھا اور سوچا تھا بس کافی ہے...... اب ماں بیٹا سکون سے لڑتے رہیں گے...... ہنی مون حسرت بن جائے گا۔ گواہی، تصدیق کی اسے فکر نہیں تھی وہ مکر نے جھٹلانے میں بہت مہارت رکھتا تھا اور اسے کچھ بھی نہیں ہوتا تھا۔ الٹا گواہی لینے والے کو لینے کے دینے پڑ سکتے تھے...... اسی لیے اس کا اعتماد دیدنی ہوتا تھا۔

"مامی...... میں شوروم سے نکل کر اور جگہوں پر بھی جاتا ہوں۔ پے منٹس وغیرہ ریسیو کرنا ہوتی ہیں...... ڈاکومینٹیشن کا کام ہوتے ہیں۔ میرا آڈر تو آدھی رات کو ہوتا

ہے اور برنچ ٹائم میں بریک فاسٹ لیتا ہوں...... اس وقت تک تو ماموں جان بھی گھر آ جائیں گے۔" عالی جاہ نے کلائی جھٹک کر رسٹ واچ پر وقت دیکھا اور جان چھڑانے والے انداز میں کہا۔ اب یہ فضول کی ڈیوٹیز دینے کا وہ پابند نہیں تھا۔ شوشہ چھوڑنے کے بعد تو اسے "بریکنگ نیوز" کا انتظار کرنا تھا۔ مامی کے ساتھ ڈنر کرنے کا آخر فائدہ بھی کیا تھا؟ صرف پیٹ ہی بھرنا تھا۔ محدود وقت ہونے کی وجہ سے دو چار سفید جھوٹ بولنا پڑتے...... اسے پارٹی کے ساتھ ڈنر کرنے کی تمنا ہوتی تھی جس سے وصولی بھی کرتا تھا اور اپنی مرضی کا ڈنر بھی اسی کے خرچے پر کرتا تھا...... زیادہ تر پیٹ اور جیب دونوں بھر کر ہی اٹھتا تھا۔ سودا خراب ہونے کی وجہ سے ویسے ہی طبیعت مکدر تھی...... اس وقت تو پیاری اور اس کی شادی بھی کل شام کے اخبار کی خبر کی طرح پرانی پرانی سی لگنے لگی تھی۔

"عالی جاہ...... مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔ تمہیں میرا ذرا سا بھی خیال نہیں کہ تمہاری باتیں سننے کے بعد اس وقت میری کیا حالت ہو رہی ہوگی۔" سعدیہ کو صفا چٹ بدلحاظ سا انکار بہت کھلا......

"سوری مامی...... میں بہت مصروف ہوں۔ ورنہ میری کیا مجال کہ میں انکار کرتا...... ہم کل ضرور ملیں گے گڈ نائٹ مائی ڈیئر مامی۔" اس نے لہجے میں بڑے لطیف زیر و بم پیدا کرتے ہوئے چند الفاظ اچھالے اور رابطہ منقطع کر دیا۔

"مامی جی کچھ کر کے دکھائیں تو آپ کو فائیو اسٹار میں ڈنر کراتے ہیں۔" وہ اپنی مخصوص دراز بین معمول کے انداز میں مقفل کرتے ہوئے معنی خیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔

......☆☆☆......

دانیال چپ چاپ اس طرح پلٹ گیا تھا کہ غیر ارادی طور پر بھی مڑ کر نہ دیکھا تھا۔ وقت رخصت وہ بھائی کی خوشنودی کی خاطر بھاگ کر اپنے کمرے میں چلی گئی

تھی۔ دل پر ایسا ہی بوجھ تھا گویا پھونس کے چھت کو ایک ہاتھ سے گرنے سے روک رہی ہو بوجھ سنبھالنا مشکل ہو رہا ہو۔

"کیا یہ آخری ملاقات تھی؟" دل نے پوچھا......

دل جبر کے پل صراط سے گزرتے ہوئے بہت سوال کرتا ہے...... دل کے سوال بہت بے ساختہ اور فطرت کی زبان میں ہوتے ہیں۔

مصلحت کی زنجیر میں بندھی عقل اپنی برتری جتانے کے لیے عیاری کے سارے ہنر آزماتی ہے۔ تاش کے پورے باون پتوں سے کھیلتی ہے۔ شاہ، پیادہ، گھوڑا، بساط پر پل پل جگہیں بدلتے ہیں...... عقل انا کا نقاب لگا کر رزمیہ گیت الاپتی ہے...... دل نثار ہونے کے لیے کارزار میں چھلانگ لگاتا ہے...... عقل خوف کی آغوش میں کسمساتی ہے...... دل بے خوفی کی وادیوں میں کود جاتا ہے۔

عقل زنجیر کرتی ہے...... دل آزاد کرتا ہے......

معمولی بات نہیں تھی...... روحوں کا بندھن تھا...... محبت کا امتحان تھا۔ دوسری فطری اور قلبی...... میزان کے دونوں پلڑوں میں محبت تھی...... مگر کانٹا مستقیم ہو کر نہیں دے رہا تھا۔

اندازہ ہوا کہ وہ جا چکا ہوگا
میں نے روکا بھی نہیں
اور وہ ٹھہرا بھی نہیں

فیصلہ بڑا دبنگ تھا مگر دل و روح سے ہم آہنگ نہیں تھا۔ اس لیے عجیب سی بے قراری تھی...... خالی پن تھا۔

نور جہاں کے دونوں کبوتر اڑ گئے تھے۔ اب دونوں ہاتھوں کی طرف حیرت و ملال سے تکتی تھی۔

"پیاری......" مشہود کی آواز بلند اور توانا تھی۔

پیاری ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ دوپٹہ سنبھالا...... دل کو سنبھالنا اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ لرزتے قدموں سے مشہود کے کمرے کی طرف آئی جو اس کے کمرے سے زیادہ دور نہیں تھا...... اندر جانے کے بجائے چوکھٹ

تھام کر کھڑی ہوگئی۔ مشہود نے سرد مہر انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"میرا خیال ہے وہ جاچکا ہے......" مشہود نے نظر چرا کر کہا۔ پیاری اسی طرح لب بستہ کھڑی رہی۔ خوفزدہ سی...... کہ ہاں کہتی ہے تو نیا سوال نہ پڑ جائے...... نہ کہتی ہے تو پھنستی ہے۔

"دیکھو میں بہت آرام سے بات کر رہا ہوں...... مجھ پر احسان کرنے کی ضرورت نہیں، تم کیا سمجھتی ہو اپنی خوشیاں قربان کرکے تم میرے لیے پہلے والی پیاری بن جاؤ گی؟ ایسا اب ہو نہیں سکتا۔ مجھ پہ ترس کھانے کی ضرورت نہیں...... میں چل پھر سکتا ہوں۔ اپنے ہاتھوں سے کھانا کھا سکتا ہوں...... ایک فون کال پر میٹرو کیب آسکتی ہے ہاسپٹل چیک اپ کے لیے اکیلا بھی جاسکتا ہوں۔" پیاری یہ سب سن کر بھی بالکل خاموش رہی۔

"میں ایسی قید تنہائی سے گزرا ہوں جہاں میرے ساتھ اللہ کے سوا کوئی نہیں تھا۔ فرار کی کوشش میں پہاڑ سے گر کر کھائی میں جا پڑا...... دو دن بھوکا پیاسا رہا...... پھر پتے کھانے شروع کردیئے...... گھنے درختوں میں الجھ الجھ کر گرا تھا اس لیے ہڈیاں ٹوٹنے سے بچ گئیں تھیں۔ صحرا میں بھٹکنے والے اور کھائی میں گرنے والے...... زندہ نہیں بچتے ان کی ہڈیوں کے پنجر بتاتے ہیں کہ کبھی کوئی زندہ بھی تھا۔" مشہود ہذیانی انداز میں چلا چلا کر بتا رہا تھا...... پیاری کے وجود پر لرزہ طاری تھا۔

"پھر پتہ ہے کیا ہوا؟ ایک شکاری بھی اس کھائی میں گر گیا۔ اس کے ساتھی نے اپنے ساتھی کو بچانے کے لیے مقامی لوگوں سے مدد لی۔ موٹے رسے کی مدد سے ہم دونوں کو نکالا گیا۔ پتہ چلا تمہیں اللہ نے کس کس طرح سے میری زندگی کی حفاظت کی؟ اور یہ بھی پتہ ہے کہ کیوں زندہ رکھا؟ اس لیے کہ میں اپنی آنکھوں سے رشتوں کی بے حسی دیکھ لوں اور سمجھ جاؤں کہ دنیا میں اللہ کے سوا میرا کوئی نہیں ہے۔ جب ماں باپ کے بغیر وہ پال سکتا ہے تو ہر رشتے کے بغیر گزارا ہوسکتا ہے۔ اسی لیے کہہ رہا ہوں...... تم اپنے گھر چلی جاؤ...... مجھ پر احسان مت کرو......" مشہود کا انداز ہنوز ہسٹریائی اور جنونی تھا۔

"مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ شادی شدہ بہن سے اپنی خدمتیں کراؤں...... خدا کے لیے چلی جاؤ...... چلی جاؤ......" مشہود نے ذرا سانس لے کر خود کو سنبھالا اور پھر چلنے لگا۔ پیاری اس سے زیادہ برداشت نہیں کرسکتی تھی...... دوڑ کر گئی اور مشہود کے پاؤں پکڑ لیے۔

"بس کردیں بھائی...... خدا کے لیے بس اب خاموش ہوجائیں...... اگر میں دانیال کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دوں تب تو آپ کو یقین آجائے گا ناں کہ مجھے دنیا میں اپنے بھائی سے زیادہ کوئی عزیز نہیں...... پھر تو آپ سکون سے میری بات سنیں گے۔ آپ وہاں تکلیف میں تھے تو میں بھی سکون سے نہیں تھی۔ چاروں طرف اندھیرا تھا...... آپ مرد ہیں...... میں لڑکی ہوں...... اپنے مرحوم ماں باپ کی عزت کی خاطر میں نے اتنا بڑا قدم اٹھایا...... اکیلی تھی میں...... کیا کرتی؟" پیاری مشہود کے پاؤں پکڑ کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ مشہود دم بخود سا پیاری کی طرف دیکھنے لگا۔ آنکھوں میں گہری سوچ کا عکس تھا۔ پھر اس نے آہستگی سے اپنے پاؤں پیچھے ہٹا لیے۔

"نہیں...... جو ہونا تھا ہوچکا...... تم ہمیشہ کے لیے مجھے ایک گلٹ میں مبتلا کرنا چاہتی ہو؟ تاکہ میں عمر بھر یہی سوچتا رہوں کہ میری وجہ سے تم نے اپنی شادی ختم کی۔" وہ اب بہت دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"نہیں...... آپ کو یقین دلانے سے زیادہ میرے لیے کچھ بھی اہم نہیں...... آپ جو مرضی کہیں...... دھکے دے کر گھر سے نکال دیں...... میں دانیال سے نہیں ملوں گی...... چیخیں چلائیں...... جان سے ماردیں...... میں دانیال کے پاس نہیں جاؤں گی۔" پیاری یہ کہہ کر بمشکل فرش سے اٹھی، دوپٹے سے آنکھیں صاف کیں۔ سسکیاں روکنے کی کوشش کی اور ایک نظر مشہود پر ڈالی جو اپنا رخ پھیر چکا تھا۔

”بھائی میں یہیں ہوں..... آپ یقین کریں ناں کریں..... یہ گھر میری قبر ہے.....“ اتنا کہہ کر وہ رکی نہیں دوڑتی ہوئی باہر نکل گئی۔ مشہود ماؤف ذہن کے ساتھ کھلے دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

غصہ آگ ہے..... محبت اور قربانی کا جذبہ ہی اس ہولناک آگ پر قابو پاسکتا ہے غصہ پھر جوابی غصہ..... ایسا ہی ہے جیسے کھلیان میں حقے کی چلم گر گئی ہو، دور دور تک آگ کا منظر تخلیق ہوجاتا ہے۔ ہر قسم کے منفی جذبات کا مقابلہ محبت، صبر اور قربانی سے ہی کیا جاسکتا ہے۔

پیاری کے طاقتور جذبے نے بالآخر مشہود کی گویائی سلب کرلی تھی۔ کوئی لفظ گرفت میں نہیں آپا رہا تھا۔ جس طرح مقام حیرت پر خاموشی کا راج ہوتا ہے۔

☆☆☆

دانیال گھر میں اس طرح داخل ہوا جس طرح راہ میں لٹنے والے مسافر ملال وتاسف کی کیفیت میں منزل تک پہنچتے ہیں۔ اس کا ذہن بالکل ماؤف تھا۔ خیالات کی یلغار تھی مگر کوئی خیال قابل گرفت اور قابل عمل نہیں تھا۔

سعدیہ نے اپنے کمرے کے جھروکے سے اس کی کار پورچ میں داخل ہوتے دیکھ لی تھی۔ یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ وہ کار میں اکیلا ہے۔ شدید سر درد میں قدرے افاقہ ہوتا محسوس ہوا۔ شکر ہے کہ اسے ساتھ نہیں لایا..... دل ہی دل میں کلمہ شکر ادا کیا۔ اب دانیال پر غصہ کے بجائے رحم آرہا تھا۔

”میرا بیٹا تو عالی جاہ کے مقابلے میں بہت ہی سیدھا سادہ ہے۔ چالاکی تو نام کو نہیں ہے۔ جب وہ شاطر لڑکی عالی جاہ جیسے گھاگ لڑکے کو بے وقوف بنا سکتی ہے تو میرا بیٹا تو بیچتا ہی کیا ہے۔ اس پر غصہ کرنے کے بجائے اس چنڈال اور لالچی لڑکی سے اس کی جان چھڑانے کی کوشش کرنا چاہیے۔ مرد تو ساٹھ ساٹھ سال کی عمر میں دوسری تیسری شادی رچاتے نظر آتے ہیں۔ میرے بیٹے کی تو عمر ہی کیا ہے۔“ سعدیہ کو ایک ادھیڑ بن لاحق ہوچکی تھی۔

کبھی سوچتی تھی کہ دانیال کے پاس جائیں پھر خیال آتا اگر جائیں تو بات شروع کیسے کریں؟

ایک دم سے تو وہ لڑکی اس کے دل سے نہیں نہٹ سکتی..... اس کے لیے تو کوئی زبردست قسم کی پلاننگ کرنا پڑے گی۔ یہ عالی جاہ ویسے تو زمانے بھر کا عقل مند بنا پھرتا ہے..... لاکھوں جیب سے نکالے تھے تو کوئی ثبوت بھی پاس رکھنا چاہیے تھا۔ اب رہ رہ کر عالی جاہ پر غصہ آنے لگا۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ کوئی معجزہ ہوجائے اور اس لڑکی سے پلک جھپکتے جان چھوٹ جائے۔

نہ کھڑے چین تھا نہ بیٹھے..... بے قراری سی بے قراری تھی۔

❀.....❀.....❀

دانیال جوتوں سمیت ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح بیڈ پر آڑا ترچھا لیٹا ہوا تھا۔ بظاہر صاف نظر آرہا تھا کہ جو کہانی شروع ہوئی تھی وہ اپنے انجام کو پہنچ چکی ہے۔ دنیا میں بے شمار لوگ ہیں جو عشق ومحبت کے اذیت ناک تجربے سے بچے رہتے ہیں اور بڑی عام سی زندگی گزارتے گزارتے دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں۔ طے شدہ شادی ہوجاتی ہے۔ بچے ہونے لگتے ہیں۔ پھر بجٹ بناتے جوڑ توڑ کرتے زندگی گزرنے لگتی ہے۔ ایک دن ریٹائرمنٹ بھی ہوجاتی ہے۔ اپنے فنڈز واجبات کے لیے مہینوں دھکے کھاتے ہیں۔ قطار میں بیٹھتے ہیں..... بالآخر ایک روز بڑی رقم کا چیک مل جاتا ہے۔ بینک میں پیسہ آتے ہی قربانی کے بکرے کی طرح اس کے حصے بخرے سوچے جاتے ہیں۔ بچوں کی شادیاں ہوچکی ہوں تو حج پر چلے جاتے ہیں، شادیاں کرنی ہوں تو سامنے دوڑتی طویل زندگی اور معاشی تفکرات نیند اڑا دیتے ہیں۔ اسی طرح سر دکھاتے، منصوبے بناتے ایک روز دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں۔ چار پانچ بچوں کی ماں ساری زندگی گلے شکوے ہی کرتی نظر آتی ہے۔

”شوہر نے کبھی سچی محبت کی ہی نہیں..... کھلا پیسہ کبھی نہیں دیکھا..... قسمت ہی خراب ہے..... فلانے ماموں

کوتو اللہ سمجھے گا...... جنہوں نے یہ رشتہ کرایا تھا۔" شوہر پہلے دنیا سے رخصت ہوجائے تو اس کی روح کو رورو کر بین سنائے جاتے ہیں۔

"مرحوم مجھ سے بہت محبت کرتے تھے...... جو کما کر لائے میرے ہاتھ پر رکھ دیا...... میری تو سلطنت لٹ گئی...... تاج سر سے گر گیا۔" بیوی پہلے چلی جائے تو تعزیت کرنے والے دس پندرہ مردوں کے دائرے کے درمیان بیٹھ کر مرحومہ کو خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے۔

"اللہ بخشے مرحومہ بہت نیک سیرت اور خدمت گزار تھیں۔ حالانکہ بیچاری زندگی میں تو یہی سنتی رہی تھی کہ وہ ایک منحوس عورت ہے جب سے شادی ہوئی ہے...... زندگی سے برکت اٹھ گئی ہے۔"

ایک دو دس بیس...... سینکڑوں ہزاروں لاکھوں نہیں...... کروڑوں اربوں انسان بالکل مویشیوں کی سی زندگی گزار کر چلے جاتے ہیں۔ بھوک لگی کھالیا...... نیند آئی سو گئے...... افزائش نسل کا شعور تو فطرت نے درختوں پھولوں میں رکھ دیا ہے...... بچے بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں دو وقت کی روٹی کی تلاش بھی اسی طرح جاری رہتی ہے جس طرح پرندے اور مویشی نور کے تڑکے پیٹ کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں...... یہ عشق و محبت تو بہت ارفع اور محیر العقول جذبے ہیں...... اگر عین فطرت پر ہوں...... تو انسان کی نیند بھوک پیاس اڑا دیتے ہیں۔ عشق تو انسانیت کا شرف ہے...... اگر واقعی عشق ہو...... ایسا عشق تو انسان کی روح کو سنوارتا اور نکھارتا ہے۔

محبوب و معشوق کی عزت وعزت نفس کا احترام عشق کی جڑ ہے کہ...... ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں۔

محبوب کے ایک آنسو میں آٹھ دروازوں والی جہنم قید ہوتی ہے۔

دانیال دل لگی نہیں کررہا تھا...... اگرچہ یہ عمر نفس کی غلامی کا سب سے آسان راستہ ہوتی ہے...... نفس اسی عمر میں اپنے سارے رنگ چمکاتا پھیلاتا ہے مگر حیادار لڑکی سے عشق کرنے والا مرد بہت غیور و غیرت مند اور مضبوط کردار کا حامل ہوتا ہے۔

سکندر فارس کے محل سراؤں کی یاترا سے یہ کہہ کر انکار کردیتا ہے کہ سرحدوں پر جیتی ہوئی جنگ محلوں میں ہار نے نہیں جاؤں گا۔ یہ مردانہ وار فیصلے ہی مرد کو زینت دیتے ہیں۔ انسانیت کے شرف سے متعارف کراتے ہیں۔

اس نے پیاری کو عشق کی اڑانوں کے بیچ پایا تھا۔ کیسے دستبردار ہوسکتا تھا۔ وہ اس لیے دل شکستہ نہیں تھا کہ اس نے معشوقہ کو پانے کے بعد اپنے نفس کی تسکین نہیں کی...... پیاس بھڑک گئی...... تکلیف یہ تھی کہ وہ کس قدر تکلیف میں ہے۔

❁......❁......❁

"بھائی یہ سوپ پی لیں...... آپ کی میڈیسن ختم ہورہی ہے میں جاکر لے آتی ہوں......" پیاری نے چھوٹی سی شیشے کی ٹرے میں سرخ کانچ کا پیالہ جس میں سے گرم گرم بھاپ اٹھ رہی تھی...... لاکر مشہود کے سامنے رکھ دیا' انداز ڈرا ڈرا سا تھا۔ مشہود واکر کے سہارے کھڑکی کے قریب کھڑا باہر جھانک رہا تھا۔ پیاری کی مداخلت پر وہ کسی گہرے خیال سے چونکا تھا۔

"میں تو اس کا شکریہ ادا بھی نہیں کرسکا......" مشہود کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔ پیاری بری طرح چونکی۔

"کس کا شکریہ بھائی......؟" بے اختیاری کیفیت میں سوال پھسلا۔

پیاری کے سوال نے مشہود کو کسی ماورائی جہاں سے جہان آب وگل میں لا پٹخا۔ وہ شاید مراقبے کی کیفیت میں زمان ومکان کی قیود سے آزاد ہوکر کسی کی ہمراہی میں بیٹھا ہوا تھا۔ اتنا طاقتور تصور جو انسان کو اپنے اردگرد سے بے خبر کردے۔ ایک خالص روحانی کیفیت میں ہی ممکن ہوسکتا ہے۔ پیاری سہمی ہوئی نظروں سے مشہود کی طرف دیکھ رہی تھی۔ مشہود نے ایک بے مروت وسرد سی نگاہ پیاری پر دوڑائی...... اور

اسی طرح گم صم کیفیت میں گویا ہوا۔

"تھینک یو...... تھوڑا ٹھنڈا ہو جائے تو پی لوں گا۔"

پیاری کے سر سے منوں ٹنوں بوجھ سرک گیا۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے...... اتنا بھی بہت ہے۔" اس نے دل ہی دل میں کلمہ تشکر ادا کیا اور تیزی سے باہر چلی آئی۔ مشہود کا زہریلا نفرت آمیز انداز دیکھنے کے بعد عجیب بے اعتباری کی کیفیت لاحق ہو گئی تھی۔ ہر پل یہی دھڑکا لگا ہوا تھا جانے کس وقت چلانے لگے اسے بے نقط سنانے لگے۔ کمرے سے بھاگنے کی وجہ یہی اندیشے تھے کہ خدا جانے کون سی بات بری لگ جائے اور سوپ پڑا رہ جائے۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے سکون کا گہرا سانس سینے کی قید سے آزاد کیا۔ ذہن کے شکنجے ڈھیلے پڑتے ہی فوراً دانیال کا خیال آیا۔ شاید مجھے محبت اور خوشی راس ہی نہیں ہے۔ شاید میں نے پل دو پل کا کوئی خواب دیکھا تھا۔

"میں اپنے بھائی پر ہر خوشی قربان کر سکتی ہوں۔ میرے سوا ان کا ہے کون؟ دانیال کے تو ماں باپ بھی ہیں۔ ہمارے تو امی ابو بھی نہیں ہیں۔" پیاری نے اب خود کو سمجھانا شروع کیا۔

ضمیر اس عہد شکنی کی طرف متوجہ کر رہا تھا جو منت کش گویائی بھی نہیں تھی۔ پھول کھلنے جیسا فطری عمل تھا...... محبت ہو جاتی ہے...... محبت ہو گئی تھی۔ اب دل کو سمجھانا بنتا تھا۔

محبت بلا جواز ہوتی ہے۔

جدائیوں کے جواز ہوتے ہیں۔

حادثہ ہو گیا تھا...... یقین تھا کہ نقصان بھی ہو گیا ہے اور اب ایسے ہی زندگی گزارنا تھی جس طرح نقصان کے بعد گزرتی ہے۔ آٹھ پہر کی سوچ...... ملال اور ہاتھوں کا ملنا، مگر...... ایک زنجیر تو بہرحال کٹ گئی تھی۔ وہ زنجیر جو مشہود کے ردعمل کے بعد اس کے وجود سے امر بیل کی طرح لپٹ گئی تھی۔ مشہود شور مچا کر خاموش ہو چکا تھا۔ چار دیواری میں سانس لینا آسان ہو گیا تھا۔

اس نے انگلیوں کی پور سے آنسو جھٹکے۔ دستک دے دے کر جانے والے کے قدموں کی آواز دور پاتالوں سے آ رہی تھی۔

❀ ❀ ❀

"میں نے سوچا...... ضروری تو نہیں کہ انسان کی تمام خواہشات پوری ہوں...... اور پھر میں ماں ہوں، کب تک اولاد سے خفا رہ کر زندگی گزار سکتی ہوں۔" سعدیہ آہستہ آواز میں دانیال سے ہم کلام تھیں اور دانیال حیرت کی آخری حد پر کھڑا آنکھیں پھاڑے ماں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اسے اب بھرپور یقین ہونے جا رہا تھا کہ اس کی ماں کو یقیناً کوئی نفسیاتی مسئلہ ہے۔ جس کا مناسب حل یہی ہے کہ پہلی فرصت میں کسی بہترین سائیکالوجسٹ یا سائیکاٹرسٹ سے علاج و معالجہ کرایا جائے۔ وہ عورت جو طلاق کے لیے شوہر کو آخری حد پر زچ کر چکی تھی اب کتنی معصوم شکل بنائے اولاد کی محبت کا اعتراف کر رہی تھی۔

وہ کھلی ہوا میں کھل کر سانس لینے کے خیال سے لان میں آ بیٹھا تھا۔ سعدیہ نے کہیں سے اسے تاک لیا تھا۔ سو بڑی منصوبہ بندی سے نرم خو انداز کے ساتھ اس کے پاس چلی آئیں۔ چند ثانیے تو دونوں کے درمیان بے معنی سی خاموشی حائل رہی...... اس کے بعد جو سعدیہ کے منہ سے نکلا اس نے تو دانیال کو پتھرا کر رکھ دیا تھا۔

"ابھی تمہاری شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔ تم اکیلے اور چپ چپ سے ہو۔ شاید وہ اپنے گھر کئی دن کے لیے گئی ہے۔ کوئی بات نہیں بیٹا...... ساری زندگی اب اسی کے ساتھ گزارنا ہے۔" سعدیہ نے بہت اپنائیت سے کہا۔

دانیال کے دماغ میں پہلے ہی بخارات اٹھ رہے تھے۔ اس نے دکھ اور ناراضگی سے ماں کی طرف دیکھا۔

"ممی آپ پہلی فرصت میں کسی سائیکاٹرسٹ سے کنسلٹ کریں ورنہ تین چار افراد کو تو آپ واقعی پاگل

کردیں گی...... بس کریں...... پاپا سکون کی خاطر اپنا گھر چھوڑ کر دور جا کر بیٹھ گئے ہیں...... میری شادی کا آپ نے بائیکاٹ کیا...... ایک سیکنڈ کے لیے بھی نہیں سوچا کہ مجھے سب کے سامنے کس طرح ڈی گریڈ کررہی ہیں۔ شادی میں میری ماں شریک نہیں تھی...... آپ کو احساس ہے ہم سب نے اس سچویشن کو کس طرح فیس کیا ہوگا؟ کیا کچھ وضاحتیں، جھوٹ سچ ملائے ہوں گے اور یہ جو اس وقت آپ میرا احساس کررہی ہیں ناں...... تھینک یو براہ مہربانی آپ میرے ساتھ پہلے کی طرح رہیں۔ اگر آپ نے اپنی محبت اور مہربانیوں کا بوجھ مجھ پر ڈالا...... تو میں ہمیشہ کے لیے یہ گھر چھوڑ دوں گا۔ میری ڈیڈ باڈی تک بھی نہیں پہنچ سکیں گی...... آپ کو زندگی بھر پتہ نہیں چل سکے گا کہ میں کہاں ہوں...... زندہ ہوں یا مرگیا ہوں...... آپ نے اپنے شوہر اور بچوں کی زندگی کو تماشہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ ماں اتنی خودغرض بھی ہوسکتی ہے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ آپ نے میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی کا بائیکاٹ کیا...... میں آپ کی خدمت کرتا رہوں گا...... مگر مجھے آپ کی مہربانیوں کی ضرورت نہیں۔'' یہ کہہ کر دانیال اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا...... اپنی سانسیں درست کیں پھر سعدیہ کی طرف دیکھے بغیر گویا ہوا جو حیرت سے ادھ موئی ہورہی تھیں۔

''زندگی میں کوئی مشکل وقت آئے تو بے شک مجھے آواز دیں، بلائیں یا پھر جس طرح رہتی چلی آرہی ہیں اپنا اسٹائل وہی رکھیں ہم اسی کے عادی ہیں۔'' یہ کہہ کر دانیال رکا نہیں تیزی سے اندر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

سعدیہ کے تو چودہ طبق روشن ہوگئے تھے۔ دھونس دھمکی تو ان کا وطیرہ رہی تھی۔ مگر یہ کیا......؟ ان کا جواب گھر میں ہی پیدا ہوچکا تھا۔ دانیال ان کی کوکھ میں پروان چڑھا تھا۔ وہ ماں سے زیادہ ناراض ہوکر دکھا سکتا تھا۔ تذکیر و تانیث کے نمایاں فرق کے ساتھ وہ اپنے اقدامات میں ان سے زیادہ ہمت، خوداعتمادی اور ہٹ دھرمی دکھا سکتا تھا۔ جوان بیٹوں کو قابو میں رکھنا سنبھالنا

ایسا ہی ہے جیسے قدرتی آفت کے بعد سپہ سالار سپاہیوں کو منظم کرنے کے لیے تگ ودو کرتا ہے جو جنگی داؤ پیچ بھلا کر اپنے ہتھیار ڈھونڈ رہے ہوتے ہیں یا اس ضعیف عورت کی طرح جو بڑی مشکل سے سوئی میں دھاگا ڈال پائی ہو اور پھر سوئی گم ہوگئی ہو اور ذہنی تشدد میں مبتلا ہوگئی ہو...... چھوٹے سے بیٹے کو پالنا' پرورش کرنا ماں کے لیے دنیا کا سب سے خوب صورت اور دل کش کام ہے۔

مگر جوانی کی ترنگ اور خود کو صاحب الرائے سمجھنے والے بیٹے کو سنبھالنا چوبیس گھنٹے کی مزدوری ہے۔ قدرت کی طرف سے ایسا جواب ملا تھا یا منہ کی کھائی تھی کہ بیٹھی ہاتھ ملتی رہ گئیں۔ ایک بیٹا کولمبس کی دریافت کی نذر ہوگیا دوسرا...... اپنے ہاتھوں گنوا دیا۔

گھپ اندھیرے میں کمال فاروقی چاند کی طرح چمکے...... لائف پارٹنر نصف بہتر' شریک حیات' ہمسفر' احساس زیاں کے عذاب اترے تو ان حسین مرکب الفاظ کے معنی بھی کھلنے لگے۔ انہیں خود بھی ادراک نہ ہوا کہ اچانک کمال فاروقی کیوں یاد آنے لگے۔

❀......❀......❀

''ارے اس طرح منہ بھر بھر کر کسی کو بددعا نہیں دیتے...... دوسروں کے لیے خیر مانگو تاکہ تمہارے پیٹھ پیچھے کوئی تمہارے لیے بھی دعا کرے......'' مانو آپا خشمگیں نظروں سے عالی جاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

جو اچانک ہی سر شام گھر چلا آیا تھا۔ کسی سیاسی جماعت کے جلسے جلوس کی وجہ سے شوروم اور آس پاس کی دکانیں بند ہوگئی تھیں۔ وہ تو پل پل مصروف بندہ...... خالی دماغ ویسے بھی شیطان کی فیکٹری کہلاتا ہے۔ ماں کے سامنے بیٹھتے ہی دل میں چھپا کینہ بغض نکالنے لگا۔

''آپ کو نہیں پتہ اماں...... وہ لڑکی چلتا پرزہ ہے...... وہ تو اپنی شکل کا کھا رہی ہے...... جس دن اس کی پول کھل گئی' برا وقت شروع ہوجائے گا۔ تھینک گاڈ...... مجھے تو اللہ نے بال بال بچایا ہے۔ اب دانیال کی بیڈ لک ہے تو کوئی کیا کرسکتا ہے۔ میرا خیال ہے جس عمر میں میری پہلی شادی ہوگی' دانیال دوسری شادی کررہا ہوگا۔ میں تصور میں دیکھ رہا ہوں...... آپ دونوں یعنی آپ اور ماسی پھولوں سے سجی کار میں دانیال کے ساتھ بیٹھی بارات لے کر جارہی ہیں...... ڈکی میں مٹھائی کے ٹوکرے رکھے ہوئے ہیں۔''

''ارے...... رے...... رے...... کیا زبان کے آگے خندق ہے؟ بولے چلے جارہے ہو...... بولے چلے جارہے ہو...... چپ کرو۔'' مانو آپا نے ٹوکا بھی اور جھاڑ بھی پلائی۔

''اماں ہم کاروباری لوگ اڑتی چڑیا کے پر گن لیتے ہیں۔ سوچیں جب وہ مجھ جیسے بندے کو بے وقوف بناسکتی ہے تو مجھ تک پہنچنے سے پہلے اس نے کیا کیا کمالات نہیں دکھائے ہوں گے۔'' عالی جاہ کی زخمی انا اس کے قہقہے کے بیچ کراہ رہی تھی۔

''ارے وہ دکھیا بچی...... اللہ نے کرم کردیا...... بھائی ساتھ خیریت کے واپس آگیا...... زبان کو لگام دو عالی جاہ...... وہ یتیم ہے۔ اللہ اس کا والی وارث ہے۔ بہتان طرازی کرتے ہوئے کچھ خوف خدا بھی کرلو......'' مانو آپا کی حالت غیر ہونے لگی۔ اپنا خون' کوکھ سے جنا بیٹا پرائی لڑکی پر کیچڑ اچھال رہا تھا۔ ان کا دل خشک پتے کی مانند لرز رہا تھا۔

''اماں...... وقت ثابت کرے گا۔'' یہ کہہ کر عالی جاہ اٹھ کھڑا ہوا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

❀

بند لفافے

یاسمین نشاط

کتنے نادان تھے طوفان کو کنارہ سمجھا
کتنے بے جان سہاروں کو سہارا سمجھا
کتنے کم ظرف تھے وہ لوگ جو ساحل پہ تھے
ہمیں ڈوبتا دیکھا اور نظارہ سمجھا

"عفرا کو طلاق ہوگئی......" بریکنگ نیوز تھی یا کوئی بم بلاسٹ ہوا تھا جس نے سنا حق دق رہ گیا۔

"ارے یہ پسند کی شادیاں اتنے دن ہی چلتی ہیں' توبہ استغفار۔" سب سے پہلے سلامتے پھوپو نے پھپھولے پھوڑے تھے۔

"خدا کے خوف سے ڈرو بی بی...... ٹوکرا بھر بیٹیاں تمہاری بھی ہیں۔" پھوپا نے ناگواری سے انہیں گھرکا' جس کا انہوں نے کچھ زیادہ اثر نہیں لیا۔

"ارے جب گھر کے رشتے پر لات ماریں گی تو ایسا ہی ہوگا۔" وہ سر جھٹک کر اپنے پاندان کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اور ساجدہ کیا کرے گی اس کے اوپر تو چار بیٹیوں کا بوجھ اور بھی ہے۔ اللہ معاف کرتا' سب کی بیٹیوں کی عزت رکھنا۔" زبیدہ خالہ نے بھی افسوس کا اظہار کیا۔

شام تک ان کے گھر رشتہ داروں کا تانتا بندھ گیا۔

سارے رشتہ دار ایک ہی تو محلے کے رہائشی تھے سو آنے میں کوئی عذر مانع نہ تھا۔ سب اپنی اپنی زبان میں افسوس کرنے چلے آرہے تھے۔ عفرا کمرے میں بند تھی، چھوٹی بہنیں چائے پیش کرکر کے تھک چکی تھیں۔ رات گیارہ بجے جاکر یہ سلسلہ تھما تھا، ساجدہ بی کمر سیدھی کرنے کی غرض سے چارپائی پر سیدھی ہوئیں تو کمرے میں لیٹے عنایت علی کی کھانسی زور پکڑ گئی۔ ان کا دل ہی نہ کیا اٹھنے کو، تابندہ کو آواز دے ڈالی، وہ عفرا کو کھانے پر اکسا رہی تھی، ٹرے وہیں رکھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ عفرا نے گھٹنوں پر سے سر اٹھایا، کمرے میں حد درجہ گھٹن تھی اور اس سے کہیں زیادہ گھٹن اس کے اندر۔

اس نے ساتھ لیٹے چھ ماہ کے حمزہ کو دیکھا اور پھر اپنے سراپے پر نظر ڈالی۔ اس کی زندگی بھی یقیناً اس کی ماں کی طرح گزرنے والی تھی ویران اور بے آب و گیاہ اور اس کا یہ چھ ماہ کا بچہ۔ آنسو اس کی پلکوں کا حصار توڑ کر باہر نکل آئے اس نے انہیں بہہ جانے دیا گزشتہ ڈیڑھ سال کی زندگی میں پہلی بار اس نے آنسوؤں کو بہہ جانے سے روکا نہیں تھا ورنہ ان ڈیڑھ سالوں میں وہ جس طرح گھٹ گھٹ کر جی تھی، یہ وہ ہی جانتی تھی۔ موبائل کی بیپ ہوئی تو اس نے فون اٹھانے کی کوشش نہیں کی۔ کوئی افسوس کرنے والا ہی ہوگا اور اس وقت وہ کسی کے منہ سے افسوس یا دکھ کا لفظ سننے کے موڈ میں نہ تھی۔

''باجی کھانا نہیں کھایا نہ؟'' تابندہ اندر آئی۔

''لے جاؤ دل نہیں چاہ رہا، میں اب سونا چاہتی ہوں۔'' اس نے ٹرے پرے دھکیلی اور حمزہ کے برابر لیٹ گئی۔

''زندگی...... اے زندگی......'' اس نے لب بھینچ کر اندر سے امڈ آنے والی چیخوں کو روکا۔

❀......❀......❀

ساجدہ بیگم کی زندگی کا بدترین دور اس وقت شروع ہوا جب عنایت علی پر یکایک باہر جانے کا بھوت سوار ہوا۔ ان کے سارے دوست یکے بعد دیگرے دبئی، شارجہ اور مسقط جاکر بڑے نوٹ کما رہے تھے اور عنایت علی اب بھی وہی خراد مشین کی چھوٹی سی دکان سنبھالے بیٹھا تھا۔ ایسا بھی نہیں کہ دن تنگی سے گزر رہے تھے، بچے چھوٹے تھے۔ گھر اپنا تھا، بیوی اور اماں ابا اور چھوٹا بھائی۔ آتی آمدن تھی کہ سب کچھ بخوبی پورا ہو رہا تھا لیکن عنایت علی کی آنکھوں میں باہر کی کمائی کی چکا چوند بھر گئی تھی۔

''بچے چھوٹے ہیں عنایت اور ہیں بھی ساری لڑکیاں، میں اکیلی کیسے سنبھال پاؤں گی سب کچھ۔ گھر کے اندر، باہر کتنا کچھ ہوتا ہے دیکھنے والا۔ آپ چلے جائیں گے تو میں کتنی اکیلی پڑ جاؤں گی۔'' ساجدہ بیگم کو تنہائی کا بھوت ڈرانے لگا تھا۔

''کچھ نہیں ہوتا، جب باہر کی کمائی آنے لگتی ہے ناں تو بیویاں شوہروں کو واپس بلانا بھول جاتی ہیں۔ میں تو اپنے بچوں کے لیے پردیس کاٹنے جا رہا ہوں، ان کی تعلیم اچھے اداروں میں ہو جائے گی، کل کلاں جب شادیوں کا وقت آئے گا تو اسٹیٹس دیکھ کر ہی کوئی ہمارے گھر گھسے گا۔ اس تین مرلہ کے وراثتی گھر میں تو ہمارے جیسا ہی آئے گا اور میں ایسی زندگی نہیں چاہتا۔'' عنایت علی کے سر پر جو دھن سوار ہوگئی تھی، اسے کوئی اتارنے میں کامیاب نہ ہوسکا جو جمع پونجی تھوڑا بہت زیور تھا، وہ بھی بکا، پیسے کم پڑنے پر ادھار بھی لیا گیا اور عنایت علی اپنی خوابوں کی سرزمین کی طرف روانہ ہوگیا۔

ساجدہ کی آنکھوں میں بھی خوش حالی کے سپنوں نے ڈیرے ڈال لیے، امپورٹڈ کپڑے، جوتے، پرفیومز، الیکٹرانک کی چیزیں، اسے ابھی سے یہ گھر بھرا بھرا محسوس ہونے لگا۔ کنگ سائز ریفریجریٹر، ڈیپ فریزر، مائیکرو ویو اوون تو اس پورے گھر میں کہیں بھی ایڈجسٹ ہونے کے چانسز نہیں تھے اس نے منصوبہ سازی کرلی تھی سب سے پہلے بڑی کمیٹی ڈال کر دس مرلے کا پلاٹ خرید لے گی پھر دوسری کمیٹی ڈالے گی اور اس سے ملنے والی رقم اور یہ گھر بیچ کر بڑی کوٹھی جیسا گھر تعمیر کروائے گی۔ خوابوں کا لامتناہی سلسلہ تھا جو شروع ہوتا تو کسی کے پکارنے پر ہی

ٹوٹتا تھا اور ایسے میں ساجدہ بی کا غصہ عروج پر پہنچ جاتا۔

''بس پہلی تنخواہ کے آتے ہی......'' وہ انگلیوں پر دن گننے لگتی، پچیس دن، بیس دن، پندرہ...... بارہ، آٹھ، چار، دو......لیکن اس کی امید ٹوٹی جب عنایت علی کا فون آیا۔ فی الحال نوکری کا بندوبست نہیں ہوا تھا۔ چونکہ وہ غیر قانونی طور پر گیا تھا اس لیے وہ اور اس کے ساتھ جانے والے تمام لوگ فی الحال روپوش ہی تھے۔

''اس کا کیا مطلب ہے عنایت علی؟'' ساجدہ کو ان دیکھے واہمے ڈرانے لگے۔

''پتا نہیں۔'' ادھر سے فون کٹ گیا پھر اس کے تو جیسے دن صدیاں بن گئے۔ عنایت علی کا نہ تو کوئی فون آیا اور نہ کوئی پیسہ، قرض خواہ سر پر آن موجود ہوئے۔ ساجدہ ٹالتی رہی، اس کے پاس دینے کے لیے واقعی کچھ نہ تھا۔

''ندیم (دیور) نے تو ہاتھ کھڑے کردیئے۔''

''بھائی جاتے ہوئے دکان کا سامان بھی اونے پونے بیچ گئے، خالی دکان سے کیا آمدن ہوگی بھابی؟'' اس نے اپنا رونا رویا۔

ساجدہ ہونق رہ گئی، وہ جانتی تھی عنایت علی دکان کا ایک پرزہ تک بیچ کر نہ گیا تھا۔ وہ ساری دکان ہڑپ گیا، ساجدہ نے سرو کی طرح بڑھتی بیٹیوں کو دیکھا، بہن بھائیوں سے امداد چاہی۔ سب نے مل ملا کر قرضہ تو اتار دیا لیکن اب دوسرے اخراجات سر پر آن موجود ہوئے۔ یوٹیلیٹی بلز، مہینے کا راشن، ساجدہ اپنی بچت سے دو چار مہینے تو چلا گئی لیکن پھر وہ بھی ختم ہوگئے۔

صبیحہ کی کالج فیس، عفرا کا میٹرک کا داخلہ، تابندہ، ضویا اور اقراٗ ابھی چھوٹی تھیں لیکن اسکول کے خرچے تو ان کے بھی تھے۔ اس لیے اس نے سلائی مشین نکال لی، کچھ تو آمدن ہوگی اماں نے ہر ہنر سکھایا تھا جلد ہی تمام عزیزوں کے کپڑے ساجدہ ہی سینے لگی، اتنے پیسے ملنے لگے کہ اخراجات پورے ہونے لگے۔ عنایت علی کہاں غائب ہوگیا تھا یہ کوئی نہیں جانتا تھا لیکن سب ایک ہی رائے پر متفق تھے کہ وہ پکڑا جاچکا ہے اور وہاں کی جیل سے رہائی کیسے ہوگی وہ اتنی دور بیٹھی کچھ نہ کرسکتی تھی، سوائے دعا کے۔

پھر مزید ستم ہوا، اس دن پنکھے پر رکھا ٹرنک اتارنے کے لیے جو کرسی پر چڑھی تو ناتواں کرسی نے بوجھ سہارنے سے انکار کردیا۔ دھڑام سے کرسی سمیت نیچے آن گری ریڑھ کی ہڈی پر چوٹ آئی، بستر سے جا لگی جو سرکل چلنا شروع ہوا تھا پھر وہیں آ کر رک گیا تبھی صبیحہ نے پڑھائی چھوڑ اسکول میں نوکری کرلی۔ میٹرک پاس کو کیا تنخواہ ملتی لیکن چار ہزار اس وقت انہیں چار لاکھ لگا کرتے۔ ساجدہ کی دواؤں کا خرچ بھی آن شامل ہوا تھا تبھی کسی نے مشورہ دیا، گھر میں کپڑا ڈال لو بڑی بڑی ملوں سے جو خراب مال آتا ہے وہ بہت سستے داموں مل جاتا ہے۔

کٹ پیس، بیڈ شیٹس اور کڑھائیوں والے کرتے، اس بار پھر اس نے بھائیوں سے مدد چاہی اور انہوں نے ہمیشہ کی طرح بہن کا خیال رکھا بلکہ بڑے بھیا نے ایک دوست کے توسط سے بہن کا یہ مسئلہ بھی حل کروادیا کہ کپڑا مِل سے سیدھا ان کے گھر آنے لگا۔ جلد ہی محلے کی تمام عورتیں خریدار ہوگئیں، اب وہ آرام سے بیڈ پر لیٹی کپڑا بیچتی رہتی۔ صبیحہ کا رشتہ بڑے بھیا کے بیٹے عابد سے طے تھا، انہوں نے رخصتی کا کہہ دیا۔

''بھیا آپ جانتے ہیں صبیحہ اس وقت ہمارے کتنے کام آرہی ہے۔'' ساجدہ نے مجبور نظروں سے بھائی کو دیکھا، شرم بھی محسوس ہورہی تھی لیکن مسائل اس قدر تھے کہ فی الحال وہ ایسا کچھ بھی نہیں سوچ سکتی تھی۔

''میں تمہارے خیال سے ہی کہہ رہا ہوں، تمہارا بوجھ کم ہوجائے گا۔ رہی بات خرچے کی تو اس کی تم فکر نہ کرو میں ابھی ہوں ناں۔'' انہوں نے تسلی دی تھی، اصل میں بڑے بھیا کو اپنی بیگم کی باتوں سے ڈر محسوس ہورہا تھا۔ آج کل وہ بڑی اونچی اونچی باتیں کررہی تھی اس لیے چاہتے تھے کہ جلد از جلد بہن کا بوجھ ہلکا ہوجائے۔

یوں ایک شام صبیحہ اور عابد کا نکاح ہوگیا اور وہ تین

کپڑوں میں رخصت ہوگئی۔ عفرا ان دنوں میٹرک کے ایگزامز میں مصروف تھی' فارغ ہوئی تو پھوپو سلامتے نے ساجدہ کو مشورہ دے دیا۔

''ارے اس کو نرسنگ کا کورس کروادو' آپا زینت کی تاجور کو تو جانتی ہو' خیر سے اب اسٹاف نرس ہوگئی ہے۔ ٹریننگ مفت' نہ خرچہ نہ دھیلا اور کسی ہسپتال میں لگ جائے گی تو تنخواہ بھی اچھی خاصی مل جایا کرے گی۔''

ساجدہ کو فری ٹریننگ کی بات پسند تو آگئی لیکن نرسوں کے بارے میں لوگوں کی رائے کو بھی بخوبی جانتی تھی اس لیے ہچکچاہٹ کا شکار تھی لیکن پھوپو سلامتے کی باتیں اس قدر دلفریب تھیں کہ ساجدہ نے نہ صرف عفرا کو بلکہ اس سے چھوٹی تابندہ کو بھی بھیجنے کا ارادہ کرلیا۔ خاندان میں سب نے دبی دبی زبان سے اعتراض تو کیا لیکن پھر ان کے گھریلو حالات دیکھ کر خاموش ہوگئے۔ جاتے وقت جب وہ پھوپو زبیدہ کے گھر ان سے ملنے گئی تو جانے کہاں سے اظہر آگیا' خلاف معمول وہ چپ چپ سا لگ رہا تھا۔

''تمہیں کیا ہوا اجی؟'' عفرا نے اس کی اتری صورت دیکھی تو پوچھ بیٹھی۔

''کچھ نہیں۔'' وہ چپ چاپ اس کے آگے رکھی بسکٹوں کی پلیٹ میں سے بسکٹ اٹھا کر کترنے لگا۔ پھوپو ان دونوں کو اونچ نیچ سمجھا رہی تھیں اور اپنی حفاظت کے طریقے بھی بتا رہی تھیں۔

''دنیا کے کہنے سے نہ کوئی برا ہوتا ہے اور نہ کوئی اچھا' اپنے ضمیر کو کبھی مردہ مت ہونے دینا اور نہ ہی اپنی عزت پر دولت کو فوقیت دینا۔ سب کچھ واپس آجاتا ہے مگر کھوئی ہوئی عزت نہیں۔'' وہ سمجھا رہی تھیں مگر عفرا' اظہر کی خاموشی میں الجھی ہوئی تھی جب وہ پھوپو کو خدا حافظ کہہ کر نکلیں تو اظہر بھی پیچھے چلا آیا۔

''دیکھو عفرا...... میں سیدھی بات کہوں گا' مجھے تمہارا یہ نرس ورس بننے کا شوق پسند نہیں آیا۔ لوگ پتا نہیں کیسی کیسی باتیں کرتے ہیں' تم ٹیچنگ کی طرف کیوں نہیں جاتیں؟''

''میرے نرس بننے سے تمہیں کیا پرابلم ہے؟'' عفرا چلتے چلتے رک کر پوچھنے لگی۔

''تم نہیں جانتی ہو یا جان بوجھ کر انجان بن رہی ہو؟'' اظہر ترشی سے بولا۔

''دیکھو اظہر ان باتوں کے لیے ابھی ہم بہت چھوٹے ہیں' میرے اپنے کچھ مسائل ہیں اور پھر تم کس ناطے سے مجھ پر حق جمارہے ہو محض کزن ہونے کے ناطے سے تو پھر سمیرا تمہاری خالہ زاد' وہ بھی تو جاب کررہی ہے۔ اس سے کسی نے کچھ نہیں کہا' مجھ پر کیوں پابندیاں لگ رہی ہیں؟'' وہ بھی بگڑی۔

''کیا ہوگیا ہے تم لوگوں کو' سڑک پر بھی کوئی اس طرح کی باتیں کرتا ہے۔'' تابندہ نے ان دونوں کو ڈانٹا تو وہ چپ کرگئے۔

وہ دونوں ٹریننگ پر چلی گئیں' ساجدہ گھر میں چھوٹی دونوں بچیوں کے ساتھ اکیلی رہ گئی' ایک بار پھر اچھے دنوں کی آس اس کے دل میں جاگ اٹھی تھی۔ اس کے کپڑے کا چھوٹا سا کاروبار اس کے گھر کا وسیلہ رزق بن گیا تھا تبھی ایک دن عنایت علی کی خبر ملی' وہ پکڑا گیا تھا اور وہیں کسی جیل میں بند تھا تو گویا ان کے خدشات درست تھے۔ اس کے لبوں سے ایک ٹھنڈی آہ خارج ہوگئی' وہ کچھ نہیں کرسکتی تھی' کچھ بھی نہیں۔ صبیحہ کبھی کبھار عابد کے ساتھ چلی آتی تو گھر کی خاموشی میں کچھ ارتعاش پیدا ہوجاتا پھر وہی جامد سناٹا۔

''ایک ہمارے اندر خواہش نہ ہو تو کتنا کچھ بچ جائے' دل' گھر اور زندگی بھی۔'' وہ اکثر سوچتی پھر ایک دن زبیدہ پھوپو چلی آئیں۔ وہ اظہر کے لیے عفرا کا ہاتھ مانگنے آئی تھیں' ساجدہ چپ کی چپ رہ گئی۔

''میں نے اپنے اظہر کے لیے بچپن سے عفرا کا ہی سوچا ہے ساجدہ...... اور میں بھائی عنایت سے بہت پہلے بات کرچکی ہوں عفرا میری بہو بنے گی۔'' پھوپو زبیدہ نے ساجدہ کی خاموشی کو محسوس کیا تو وضاحتی انداز

میں بولیں۔
"نہیں زبیدہ آپا...... میں آپ کی عزت کرتی ہوں۔
آپ عنایت علی کا نہ بھی کہتیں تو بھی میں کبھی اعتراض نہ
کرتی۔ میں تو اپنی خوش نصیبی پر حیران ہوں ان حالات
میں بھی میرا پروردگار کیسے میری بیٹیوں کے لیے وسیلہ
پیدا کرتا چلا جا رہا ہے۔" ساجدہ کی آنکھیں بھر آئیں۔
"اللہ میرے بھائی کو اور تمہیں سلامت رکھے ساجدہ
میں تو ہر وقت تم لوگوں کے لیے دعائیں مانگتی ہوں۔"
انہوں نے اٹھ کر ساجدہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔
"تم بہت ہمت والی ہو مجھے تم پر فخر ہے ساجدہ۔"
"آپ کے دم سے ہے آپا' آپ کے دم سے۔"
ساجدہ کے آنسو چھلک گئے۔
عفرا کا رشتہ اظہر سے پکا ہو گیا' اظہر بچپن سے عفرا کو
پسند کرتا تھا اور مناسب وقت کے آتے ہی اس نے ماں
کے سامنے دل کا حال بیان کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔
خود عفرا بھی دل ہی دل میں اظہر کو پسند کرتی تھی لیکن اس
پسند کو اس نے چھپا کر رکھا تھا' جانے حالات کیسے ہوں؟
اسے اپنا آپ دوسروں کے سامنے عیاں کرنا اچھا نہیں لگتا
تھا۔ وہ ایک سنجیدہ طبیعت لڑکی تھی' بلاوجہ ہنسنا بولنا اس کی
فطرت میں نہ تھا عنایت علی کو اپنی ساری بیٹیوں سے
زیادہ عفرا سے پیار تھا وہ سب کا خیال ہی بہت رکھتی تھی۔
اظہر اکلوتا لڑکا تھا بھی لاڈلہ لیکن اس لاڈ پیار کے
باوجود پھوپو نے اسے اعلیٰ تعلیم دلائی تھی۔ وہ ایک اچھی
فرم میں بہت اچھی پوسٹ پر تھا۔ خاندان کی کئی لڑکیاں
دل ہی دل میں اس سے شادی کی خواہش مند تھیں جس
میں سمیرا سرفہرست تھی۔ سمیرا بھی اپنی طرز کا عجیب ہی
ڈراما تھی' پکے سانولے رنگ کی کم ڈھنگ سمیرا خود کو کسی
قلوپطرہ سے کم نہ سمجھتی تھی۔ عفرا اور اس کی عمر میں تین چار
سال کا فرق تھا لیکن وہ یہ فرق کسی طور ماننے کو تیار نہ
ہوتی۔ سمیرا میں اور بھی بہت سی خوبیاں تھیں اور یہ خوبیاں
اس کی باقی چاروں بہنوں میں بھی بدرجہ اتم موجود تھیں۔
وہ ساری کی ساری شکل وصورت اور عقل میں ایک جیسی
تھیں۔ شدید ترین احساس کمتری کا شکار لیکن جب
باتیں کرتیں تو گویا آسمان چھو آتیں۔ سمیرا تو خیر ایسی ماہر
تھی کہ مدمقابل کی بڑی سے بڑی خوبی کو بھی باتوں کو ہیر
پھیر سے اس کی خامی بنا کر اٹھتی اور اگلا بندہ جو چند لمحے
اپنی خوبی پر نازاں ہوتا' سمیرا سے ایک نشست کے بعد
شدید ترین احساس کمتری کا شکار نظر آتا۔ عفرا اور اظہر کی
منگنی کے لڈو جب ادھر پہنچے تو جانو سمیرا کے پیروں تلے
سے زمین سرک گئی' شائد تو آپا حمیدہ بھی رہ گئیں وہ تو
آس لگائے بیٹھی تھیں کہ اظہر کے نوکری لگتے ہی زبیدہ
جھٹ سے رشتہ لینے آموجود ہوں گی اور وہ اندازے
لگاتے لگاتے ہلکان ہو جاتیں کہ وہ کس کا رشتہ مانگیں گی۔
سمیرا سے بڑی بھی تو دو بیٹھی تھیں' چلو بڑی فاخرہ تو اس
سے سال بھر (یہ خود ان کا کہنا تھا) بڑی ہو گی لیکن چھوٹی
حمیرا اور سمیرا میں سے آخر کس کا انتخاب کریں گی لیکن
ادھر تو انتخاب ہو بھی گیا تھا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی
تھی۔ بڑے بجھے دل سے وہ بہن کو مبارک باد دینے گئیں
اور شکوہ بھی دے کر دیا۔
"لو زبیدہ...... تم نے تو پتا بھی نہ چلنے دیا اور سب کچھ
آناً فاناً کر ڈالا۔"
"بس آپا...... عنایت علی سے تو بہت پہلے بات
ہو چکی تھی' بس اظہر کی نوکری لگنے کا انتظار تھا پھر عفرا کا
میٹرک بھی تو ہو جاتا۔ بس آپ دعا کریں باقی سب بھی
خیر خیریت سے ہو جائے۔ آپ مٹھائی لیں ناں۔"
انہوں نے گلاب جامن کی پلیٹ ان کے آگے رکھتے
ہوئے ایک گلاب جامن اٹھا کر ان کے منہ میں رکھ دیا۔
"ہائے زبیدہ...... صبر......" انہیں گلاب جامن
کونین کی گولی لگی۔
"بہن نے ایک پل بھی ان کی ٹوکرا بھر بیٹیوں کے
بارے نہ سوچا تھا' ہائے چلو ایک تو لے جاتی۔" ان کے
دل میں ٹھنڈی آہوں کا طوفان امڈ رہا تھا۔
عفرا دو دن کی چھٹی پر آئی تو اسے بھی خوش خبری
سنا دی گئی۔

”بلے بھئی بلے۔“ تابندہ نے خوشی سے اس کا منہ چوم لیا۔

”تم خوش ہو ناں؟“ اسے خاموش دیکھ کر تابندہ نے فکرمندی سے پوچھا۔

”نہیں ہوئی تو کیا تم یہ منگنی توڑ ڈالو گی؟“ اس نے مسکراہٹ دبا کر پوچھا۔

”منگنی سے پہلے ہی میرا بھیجا چھوڑ دے گا' بیچ چوراہے پر جس میں اس طرح کا خیال آیا۔“ تابندہ نے کہا تو دونوں کی ہنسی ایک ساتھ چھوٹ گئی۔

اگلی شام وہ واپسی کے لیے پیکنگ کررہی تھی کہ سمیرا آن دھمکی۔

”جارہی ہو؟“ اس نے ناقدانہ نظروں سے عفرا کا جائزہ لیا اور کوئی ”خاص تبدیلی“ ڈھونڈنے کی پوری سعی کرڈالی۔

”ہاں' کہو کیسی ہو...... جاب کیسی چل رہی ہے؟“ وہ اپنا کام ختم کرکے وہیں بیٹھ گئی۔

”ہماری جاب کا کیا' جیسے پڑھ لیا' ویسے پڑھا لیا۔ سیدھی سادی شریفوں والی جاب' تھرل تو تمہاری لائف میں آیا ہے' روز نئے نئے ہینڈسم ڈاکٹروں سے واسطہ پڑتا ہے اور سارے کے سارے نرسوں کے آگے پیچھے ہائے سارا دن رومانٹک ماحول اور بڑے مزے ہیں تمہارے بھئی۔“ سمیرا نے یوں پوز کیا جیسے اسے بڑا رشک آرہا ہو عفرا کی لائف پر۔ اسی دم تابندہ اندر داخل ہوئی وہ سمیرا کی بات سن چکی تھی اور اس کی فطرت سے بخوبی واقف تھی' اس لیے ہنس کر بولی۔

”تو تم بھی لعنت بھیجو ایسی سڑی ہوئی نوکری پر اور آجاؤ ہمارے ساتھ' سچ میں بڑے مزے ہیں سنے تو شاید تم نے کم ہوں گے' خود جوائن کرو اور پھر دیکھو زندگی خوب صورت ہی بہت ہے۔“ اس نے کن اکھیوں سے آنکھیں دکھاتی عفرا کو دیکھا۔

”نہ بابا...... ابا تو جان سے مار ڈالیں' ایسی بے غیرتی پر۔“ وہ ایک دم ہتھے سے اکھڑ گئی۔ ”پتا نہیں اس پروفیشن کی ریپوٹیشن کتنی خراب ہے اور ابا تو تمہارے وہاں جانے پر بھی خوش نہیں ہیں پر کیا کریں' ماں کسی کا کہنا مانیں تب ناں۔ انہیں تو بس اب ہر حال میں بیٹیوں کی کمائی کھانی ہے چاہے نوکری کوئی بھی ہو۔ ماموں یہاں ہوتے تو تم لوگ ایسا سوچتیں بھی ناں مگر ظاہر ہے مجبوری ہے۔ اب کھانا پینا تو زندگی کے ساتھ ہی لگا ہے ناں' اس میں تم لوگوں کا بھی کیا قصور۔“ سمیرا نے بڑی چالاکی سے چپڑ بھی مار دیا اور مرہم بھی رکھ دیا لیکن تابندہ خاموش ہونے والوں میں سے نہیں تھی اس لیے ترکی بہ ترکی بولی۔

”صحیح کہتی ہو' ریپوٹیشن کا کیا ہے' باہر نکل کر کمانے والی ہر لڑکی کی ریپوٹیشن تو لوگ ویسے ہی مشکوک بنا دیتے ہیں۔ اب چاہے وہ لیڈی ڈاکٹر ہو یا کسی اسکول کی ٹیچر۔ اصل میں کچھ لوگوں کی غلط حرکتیں باقی سب کو بھی بدنام کر ڈالتی ہیں اس میں کسی خاص پروفیشن کا کیا ذکر۔ میں نے خود کئی ٹیچرز کو چھٹی کے بعد میں ڈیٹ پر جاتے دیکھا ہے۔ اب ہر کوئی اپنے اسٹینڈرڈ کے مطابق کام کرتا ہے' چاہے وہ فائیو اسٹار ہوٹل ہو یا پھر چارٹ چھولے کا ٹھیلہ' ڈیٹ کو ڈیٹ ہی کہا جاتا ہے۔“ تابندہ نے بڑا تاک کر نشانہ مارا تھا۔ اس نے کئی بار سمیرا کو فریحہ کے بھائی کے ساتھ دیکھا' کبھی گول گپے کھاتے' کبھی پارک میں اور اس بات کی تصدیق خود فریحہ نے کی تھی کہ سمیرا اور اس کے بھائی کا چکر چل رہا تھا' سمیرا پہلو بدل کر رہ گئی۔

”تم بھی کیسی باتیں لے بیٹھی ہو' کیسے آئی تھیں سمیرا۔“ عفرا نے بیچ میں دخل اندازی کی۔ اسے ڈر ہوا کہ یہ نوک جھونک کہیں سیریس لڑائی کی شکل اختیار نہ کرلے۔

”مبارک باد دینے آئی تھی مگر یہاں تو مٹھائی کی جگہ کڑوی باتیں سننے کو مل رہی ہیں اور ویسے میں تمہارے علم میں ایک بات لانا چاہ رہی تھی اظہر کے بارے میں' شاید تمہیں پتا نہ ہو اس کا آج کل عینی کے گھر بہت آنا جانا ہے۔ بہت بار میں نے رات کے وقت اسے عینی کے گھر سے نکلتے دیکھا ہے' ابھی سے اسے روک لو بعد میں مرد

بالکل ہاتھ سے نکل جاتا ہے‘ اچھا میں چلی۔ بہت دیر ہوگئی‘ اللہ حافظ۔“ وہ تو بھس میں چنگاری ڈال کر غائب ہوگئی جبکہ عفرا اپنی جگہ ساکت بیٹھی رہ گئی۔ تابندہ نے اس کی حالت دیکھی تو اسے دلاسہ دینے لگی۔

”بکواس کررہی ہے‘ اسے کیا ضرورت ہے عینی کے گھر جانے کی۔ وہ ایسا لڑکا نہیں ہے‘ تمہیں سمیرا کی عادت کا پتا تو ہے اس سے کسی کی خوشی برداشت نہیں ہوتی۔ ہو نہ ہو اس نے ضرور کسی اور مقصد کے تحت یہ شوشا چھوڑا ہے‘ تم اسے سیریس مت لینا اور آجاؤ امی کھانے پر انتظار کررہی ہیں۔“ عفرا نے بھی سر جھٹکا۔

”ہاں اس کی تو واقعی عادت ہے۔“ واپس آکر وہ اس بات کو بھول بھال گئی لیکن اگلی بار جب وہ آئی تو ٹیرس پر ٹہلتے ہوئے اس کی نظر سامنے والے گھر پر جا ٹھہری۔ ٹوٹا پھوٹا گھر عینی کا تھا‘ بیٹھک کے دروازے پر پڑا ٹاٹ کا پردہ لہراتا رہتا‘ اندر سے عینی کے گھر والوں کی آوازیں آتی رہتیں۔ یہ گھر کچھ عرصہ پہلے ایسا نہ تھا‘ عینی کے ابا کا گوشت کا کام تھا‘ ٹھیک ٹھاک چلتا تھا پھر ایک دن پتا نہیں کیا ہوا‘ دکان پر لڑائی ہوئی اور عینی کے ابا کی خون میں لت پت لاش گھر آئی۔ ایک کہرام مچ گیا‘ چھوٹے چھوٹے بچے‘ جوان بہنیں‘ صدیقہ تو پاگل ہی ہوگئی۔ رفتہ رفتہ زندگی معمول پر آنے لگی لیکن اب کے زندگی کا بہت ہی بھیانک روپ ان کا منتظر تھا۔ بھوک افلاس‘ گھر کی قیمتی چیزیں ایک ایک کرکے بکنے لگیں۔ ٹی وی‘ فریج‘ واشنگ مشین‘ بیڈ‘ صوفہ‘ چارپائیاں اور اب صرف پھٹی ہوئی چار دریاں تھیں جو یہ خاندان بچھا کر سو جاتا۔ چھوٹا لڑکا دس سال کا تھا‘ بھیک مانگنے پر لگ گیا اور پتہ نہیں کب اور کیسے ان کے گھر غیروں کا آنا جانا شروع ہوگیا۔ بات پھیلائی بھی محلے کے مردوں نے ہی تھی اور محلے کے بیشتر شریف مرد بھی راتیں ادھر ہی گزارتے تھے۔ خیر..... اسے سمیرا کی کہی بات یاد آگئی۔

”نہیں..... جو بھی ہو اظہر ایسا نہیں ہوسکتا‘ اس قدر نہیں گر سکتا‘ اپنے ہی محلے کی لڑکیوں کے ساتھ اس طرح کے تعلقات۔“ اس کا ذہن کسی طور پر بھی یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اس کے جی میں آئی جاکر اظہر سے پوچھ لے لیکن ہمت نہیں پڑی پھر بھی غیر ارادی طور پر وہ جب تک جاگتی رہتی اس کی نظریں عینی کے گھر کی طرف ہی اٹھی رہتیں۔

ایک سال گزر گیا‘ تابندہ اور وہ ایک پرائیوٹ کلینک میں شام کو اور دن کے وقت ایک خیراتی ہسپتال میں فرائض انجام دینے لگیں۔ دونوں جگہ سے ملنے والی تنخواہوں سے گھر کے حالات کچھ بہتر ہونے لگے۔ ابا کی تا حال کوئی خبر نہ تھی اور نہ ہی سمیرا کی فتنہ انگیزیوں میں کوئی فرق آیا تھا۔ اس کی پوری کوشش تھی کہ کسی طرح عفرا اظہر سے بدگمان ہوجائے اور اب اسے محسوس ہونے لگا تھا کہ عفرا پر اس کی باتوں کا اثر ہونے لگا ہے‘ بس کچھ ایسا ہوجائے کہ عفرا اپنی آنکھوں سے اظہر کو دیکھ لے بس پھر آگے کی سوچ ہی سمیرا کے لیے بے حد خوش کن تھی۔

......☆☆☆......

اس روز عفرا کی نائٹ ڈیوٹی تھی‘ رات دو میجر آپریشن ڈاکٹر صاحب نے کیے تھے۔ وہ وارڈ میں راؤنڈ لینے آئی تو کوئی رات تین بجے کا وقت تھا اچانک ہی اسے اپنا سر چکراتا محسوس ہوا۔ اس نے گرنے سے بچنے کے لیے بیڈ کا سہارا لینا چاہا لیکن خود پر قابو نہ رکھ سکی اور نیچے گرگئی۔ بیڈ پر لیٹے مریض کو ڈرپ لگی تھی‘ آج ہی آیا تھا پھر بھی اس مریض نے ہمت کرکے بیل بجادی۔ دوسری نرس آگئی اسے لے جاکر بی پی وغیرہ چیک کیا اور میڈیسن دے کر سونے کی ہدایت کردی‘ وہ چپ چاپ لیٹ گئی۔

پچھلے کافی دنوں سے وہ واقعی کافی مصروف رہی تھی‘ اوپر سے سمیرا کی باتیں وہ ذہنی طور پر بے حد ڈسٹرب تھی۔ وہ سوگئی اور دوبارہ اس کی آنکھ فون کی بپ سن کر کھلی‘ اس نے دیکھا گھر سے کال آرہی تھی اس وقت اس نے ٹائم دیکھا‘ صبح کے پانچ بج رہے تھے۔

”یا اللہ خیر.....!“ اس نے جلدی سے فون اٹھایا لیکن تب تک وہ بند ہوچکا تھا اس نے کال بیک کرنا چاہی

لیکن بیلنس ختم ہونے کے باعث یہ بھی نہ ہوسکا اس کا دل شدید پریشانی میں گھر گیا۔ کہیں امی کو تو کچھ نہیں ہوگیا' وہ جلدی سے چھٹی لے کر نکلی' ملگجا سا اندھیرا تھا' فضا میں ہلکی ہلکی خنکی تھی' سردیوں کی آمد آمد تھی۔

''بس یہیں......'' اس نے رکشہ سائیڈ پر رکوایا' پیسے تھما کر وہ گھر کی جانب بڑھی' ڈور بجا کر وہ یونہی مڑ کر تینی کے گھر کی طرف دیکھنے لگی' بیٹھک کا دروازہ بند تھا۔ کھڑکی کے درزوں سے بلب کی ملگجی روشنی باہر آرہی تھی شاید وہ لوگ جاگ رہے تھے' دروازہ ابھی تک نہ کھلا تھا۔

''اُف......'' اس نے جھنجھلا کر دوبارہ بیل پر ہاتھ رکھا۔ اس دم سامنے بیٹھک کا دروازہ کھول کر کوئی باہر نکل رہا تھا' اس نے منہ دوسری سمت پھیرنا چاہا لیکن تجسس کے مارے کر نہیں سکی اور اگلے ہی لمحے اس نے آنکھیں ملیں' شاید نظر کا دھوکہ تھا لیکن نہیں اندر سے نکلتا اظہر ہی تھا۔ جھومتا جھامتا شرٹ کے کھلے بٹن' لڑکھڑاتے قدم' وہ کسی بھی طرف دھیان دیئے بغیر گلی میں مڑ گیا۔ بیٹھک کا دروازہ بند ہوگیا تھا اور شاید اس کے لیے زندگی کا بھی' گھر کا دروازہ کھل گیا تھا اور وہاں سمیرا کھڑی تھی۔
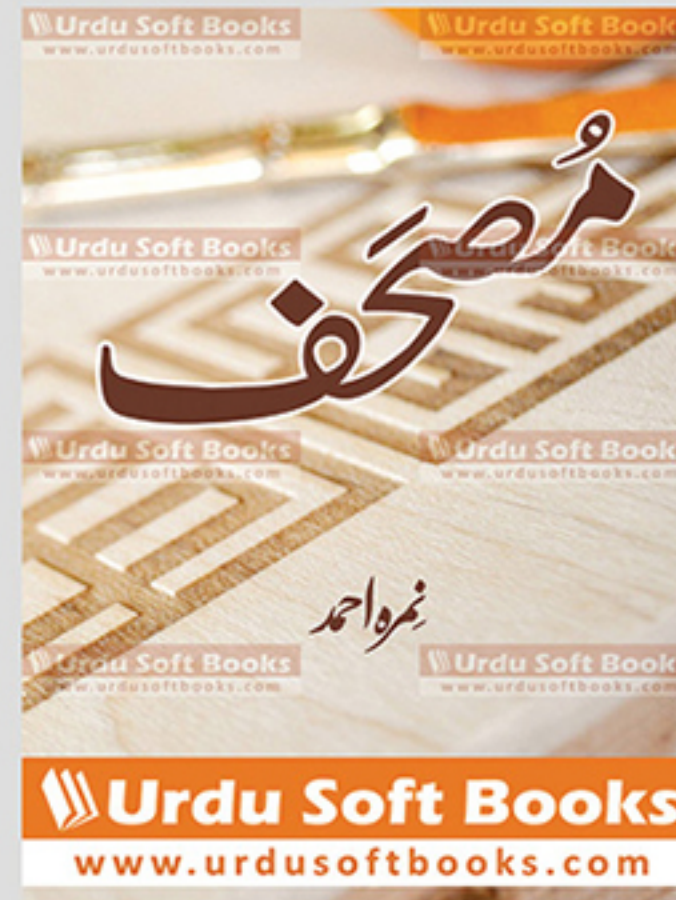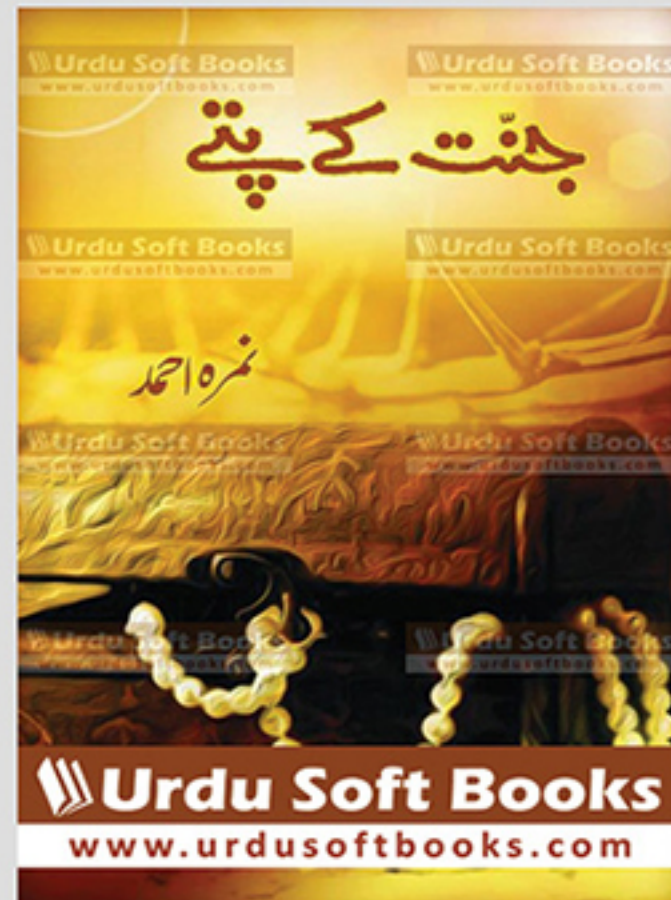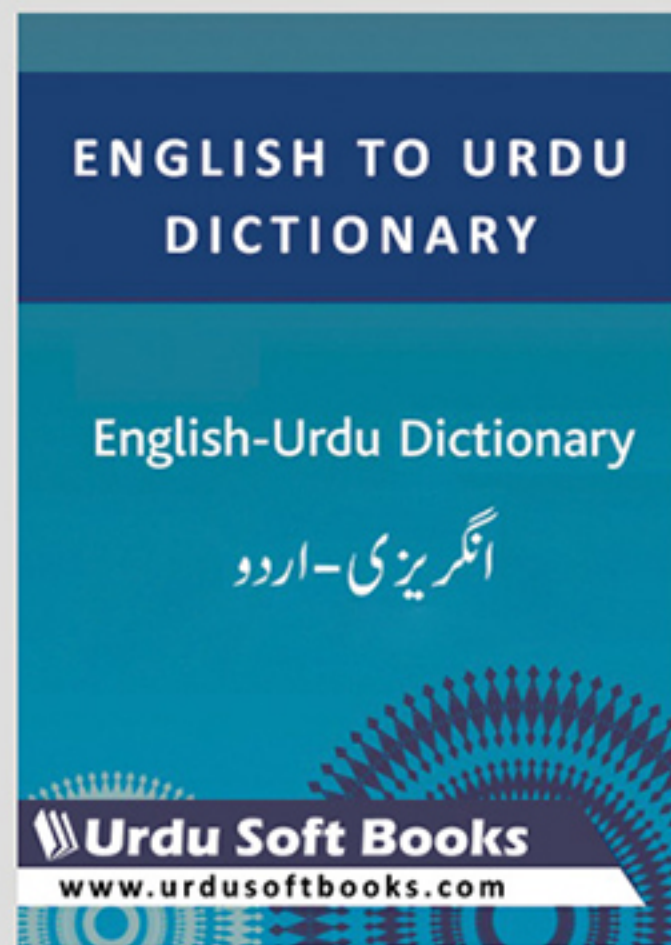
''سمیرا......'' اس میں ہمت ہی نہ تھی کہ پوچھ سکتی کہ اس وقت وہ ان کے گھر کیا کر رہی تھی۔

''آ گئیں' پھوپو کی طبیعت خراب تھی شازیہ مجھے بلا لائی۔ میں ہی تمہیں فون کر رہی تھی' بزی تھیں کیا۔ یار بس یہی مسئلے ہوتے ہیں ایسی نوکریوں کے۔'' سمیرا کی آنکھیں جگمگا رہی تھیں' وہ جو دکھانا چاہتی تھی' دکھا لیا تھا۔ اب آگے راوی نے چین ہی چین لکھا تھا۔ وہ عفرا کی حالت سے حد درجہ محظوظ ہو رہی تھی' عفرا اس کی کسی بھی بات کا جواب دیئے بغیر اندر داخل ہوگئی تھی' شازیہ سامنے ہی کھڑی تھی۔

''آپ آگئیں' اماں کا بی پی شوٹ کر گیا تھا' میں ڈر گئی۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی' کیا کروں شکر ہے سمیرا باجی آگئیں۔ وہ آپ کو فون کرتی رہیں' پھر تابندہ باجی سے پوچھ کر دوائی دی ہے اب سوگئی ہیں' آپ چائے پئیں گی؟'' وہ اس کی حالت سے بے خبر بولے جا رہی تھی وہ چپ چاپ کمرے میں آگئی۔ سب کچھ غلط ہوسکتا تھا مگر آنکھوں دیکھا نہیں' اس کا دل چاہ رہا تھا چیخ چیخ کر روئے لیکن وہ روئی نہیں۔ خاموشی سے کپڑے بدلے اور لیٹ گئی۔ صبغہ کہتی تھی۔

''سب مرد ایک جیسے ہی ہوتے ہیں' چاہے وہ ڈاکٹر ہو یا سڑک چھاپ مالیشیا' عورت کے لیے سب کی نظر کا زاویہ ایک سا ہوتا ہے اور عورت کی ضرورت بھی یکساں۔ چاہے وہ سو روپے میں اپنی رات کا سودا کرنے والی ہو' چاہے لاکھوں کی جائیداد اپنے نام لکھوانے والی نائکہ' شروع سے یہی ہوتا آیا ہے اور یہی ہونا ہے اس لیے کبھی کسی مرد کو آئیڈیل مت بناؤ۔ سب کا ایک ہی چہرہ ہے مکروہ اور ہوس زدہ۔ رہی بات وفا کی تو وہ ان مردوں کو صرف بیویوں سے چاہیے ہوتی ہے۔'' اور وہ ہنستی تھی شاید صبغہ کا زندگی کے ساتھ تلخ تجربہ رہا تھا۔

اس نے تو اپنے اردگرد سارے شفیق مرد ہی دیکھے تھے' حیادار' عزت کرنے والے' ہمیشہ نیچی نگاہ رکھنے والے یہ تو باہر جا کر ہی معلوم ہوا تھا۔ کیسے کیسے چہروں کے پیچھے کیسے کیسے بھیڑیے ہیں۔

''لیکن اظہر......'' اس کے ذہن میں اظہر کا سراپا گھوم گیا' اسے نہیں یاد کہ اس نے کبھی اظہر کو لڑکیوں سے بلاتکلف بات چیت کرتے دیکھا ہو۔ سب کے ساتھ ادب تمیز سے پیش آنے والا اظہر اتنا کیسے گر گیا کہ سو روپے میں...... اس سے آگے اس سے سوچا نہیں گیا۔ صبغہ کی کہی باتیں پھر دماغ میں چکرانے لگیں۔

''عورت کے حصے میں ہمیشہ کمپرومائز کرنا ہی آتا ہے اسے یہ کمپرومائز کرنا پڑتا ہے کبھی کسی وجہ سے' کبھی کسی وجہ سے......'' پتا نہیں اتنی سی عمر میں اتنا تجربہ کہاں سے آگیا تھا اسے جو اس طرح کی باتیں کرتی رہتی تھی۔ اسے اب کیا کرنا چاہیے' کمپرومائز یا کچھ اور فی الحال وہ فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں ہرگز نہیں تھی بہرحال اسے اظہر سے ایک بار تو بات کرنی ہی تھی' کچھ کلیئر ہو نہ ہو دل کی تسلی

کے لیے۔

❁.......❁.......❁

"تم عفرا عنایت علی خود کو کیا توپ سمجھتی ہو؟ پاک صاف؟ تم جانتی ہو جس جاب پر تم فائز ہو شریفوں کے لیے ایک گالی ہے۔ لوگ کیا اور کیسی باتیں کرتے ہیں تم اچھی طرح واقف ہو میں نے تو اعتراض نہیں کیا بلکہ ہاں ایک بار کیا تھا تو تم نے کیسا منہ توڑ جواب دیا تھا مجھے۔ میں نے تو پھر بھی تم سے رشتہ باندھا ہے اور تم نے مجھے عینی کے گھر سے نکلتے دیکھ لیا ہے تو سمجھ لیا کہ میں ایک بدکردار شخص ہوں جو راتیں سو دو سو کی خاطر بکنے والی عورتوں کے ساتھ گزارتا ہوں۔ بہت خوشی ہوئی یہ جان کر کہ وہ عورت جس کے ساتھ میں زندگی گزارنے جارہا ہوں میرے کردار کے بارے میں یہ رائے رکھتی ہے۔ مائنڈ اٹ عفرا عنایت اگر میں تم سے تمہاری سرگرمیوں کے بارے میں نہیں پوچھتا کہ تمہارا کون سا گھنٹہ کہاں اور کس کے ساتھ گزرتا ہے تو تمہیں بھی یہ حق نہیں دیتا کہ تم میرے وقت کے بارے میں پوچھو۔ دن ہو یا رات' میں عینی کے ساتھ ہوں یا ڈینی کے ساتھ' اپنی زبان بند رکھو اور ہاں اگر تم یہ رشتہ ختم کرنا چاہتی ہو تو صد شوق' مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" الفاظ تھے کہ پگھلا ہوا سیسہ جو قطرہ قطرہ اس کے اندر انڈیلا جارہا تھا۔

اب کیا رہ گیا تھا' شرم و حیا کی جو ہلکی سی لکیر تھی وہ بھی مٹ چکی تھی۔ اظہر نے تو کھلم کھلا اس پر الزامات لگا دیئے تھے وہ اس کے شکوک کو کیا رفع کرتا' وہ تو خود اقرار کررہا تھا۔ گھر تک پہنچتے پہنچتے وہ کمپرومائز نہ کرنے کا عہد کرچکی تھی' اس نے ساجدہ سے کہہ دیا وہ اظہر سے کسی صورت شادی نہ کرے گی' ساجدہ حیران پریشان اس کا منہ تکنے لگی۔

"مگر کیوں' تم جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو' ہوش میں ہو تم؟"

"ہاں ہاں...... جس مرد کو بازاری عورتوں کا چسکا لگ جائے وہ بیویوں سے کم ہی وفا کرتے ہیں اور میں اپنے آپ کو اتنی بڑی آزمائش میں نہیں ڈال سکتی۔ آپ پھوپو سے کچھ مت چھپایئے گا' انہیں بتایئے گا کہ ان کے بیٹے اظہر کا عینی کے ہاں آنا جانا ہے' وہ بیٹا جس کی تربیت پر وہ فخر کرتی نہیں تھکتیں۔" اس نے اپنے سارے جذبات کو تالا لگا کر انہیں دل کے اتھاہ سمندر میں پھینک دیا۔ "رونے کرلانے کا کیا فائدہ' جب حاصل ہی کچھ نہ ہو۔" پھوپو تک اطلاع پہنچی تو بھاگی چلی آئیں۔

"ساجدہ یہ میں کیا سن رہی ہوں' ایسا کیا ہوگیا؟" وہ تو سوچ بھی نہ سکتی تھیں کہ عفرا یوں منہ بھر کے اس رشتے سے انکار کردے گی۔ وہ جانتی تھیں اظہر اور عفرا دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں' ساجدہ نے ساری بات من و عن کہہ سنائی' پھوپو کو تو مارے شرم کے پسینہ آگیا۔

"کیا کہہ رہی ہو ساجدہ......! اظہر اور عینی کے گھر وہ بھی رات کے وقت...... نہیں نہیں کسی کو غلط فہمی ہوئی ہوگی' ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔" انہیں اپنی تربیت پر بہت ناز تھا۔

"عفرا نے خود دیکھا ہے اسے منہ اندھیرے عینی کے گھر سے نکلتے نشے میں دھت۔" ساجدہ تو خود بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا تھی۔

"نہیں...... نہیں...... میں نہیں مان سکتی' میں ابھی پوچھتی ہوں۔" وہ چادر اٹھا کر واپس پلٹ گئیں۔

"کاش یہ بات جھوٹ ثابت ہوجائے' عفرا کو واقعی کوئی غلط فہمی ہوئی ہو۔" ساجدہ نے صدق دل سے دعا کی تھی لیکن کبھی کبھار دعاؤں میں بھی اثر نہیں رہتا یا پھر یہ سب تقدیر کا لکھا ہوتا ہے جو' جیسے جیسے لکھا جاچکا ہے ویسے ویسے وقوع پذیر ہوتا رہتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں سب اچانک ہوگیا۔

اظہر خود آگیا تھا' اس روز وہ غصے میں جانے کیا کہہ گیا تھا' درحقیقت سیرا پہلے ہی اس کے کان بھر گئی تھی اس لیے جب عفرا بات کرنے آئی تو وہ خود پر قابو نہ رکھ سکا اور جو منہ میں آیا کہہ دیا۔ عفرا ڈیوٹی پر تھی وہ مامی کے سامنے بیٹھ گیا۔

”مامی...... یہ سچ ہے کہ اس روز میں عینی کے گھر گیا تھا لیکن اس کام کے لیے نہیں جو آپ اور عفرا سمجھ رہی ہیں۔ مامی انکل ستار سے پاپا کے اچھے تعلقات تھے، دونوں دوست تھے ان کے جانے کے بعد جو حالات ہیں ان لوگوں کے کسی سے ڈھکے چھپے نہیں۔ پاپا نے مجھے کہا تھا کہ ان لوگوں کا خیال رکھوں، کچھ مدد کر دیا کروں۔ میں ہر مہینے ان کو کچھ راشن اور رقم پہنچاتا ہوں۔ رات بھی آفس سے واپسی میں اسی کام کے لیے ان کے گھر گیا تھا، میں نے دروازہ بجایا تو چھوٹا لڑکا باہر آیا۔ میں نے سامان دیا تو کہنے لگا، امی گھر پر نہیں ہیں اس سے سامان اٹھایا نہیں جائے گا۔ اس لیے میں خود ہی اندر رکھ دوں، آپ یقین کریں مامی...... میری نیت بد نہیں تھی، جب میں اندر گیا تو کہیں سے وہ عینی آ گئی، اس کے ہاتھ میں شربت کا گلاس تھا، میں واپس پلٹنے کو تھا کہ...... اس نے میرا بازو پکڑ لیا...... یہ شربت پی لیں اظہر بھائی! ہمیشہ باہر سے ہی چلے جاتے ہیں، ہم برے ہوں گے دوسروں کے لیے، آپ تو ہمارے خیر خواہ ہیں، خیال رکھتے ہیں ہمارا، وغیرہ وغیرہ۔“ یہ کہہ کر اس نے شربت کا گلاس زبردستی میرے ہاتھ میں تھما دیا، مجھے وہ پینا پڑا اور اس کے بعد آپ یقین کریں میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ فجر کی اذان پر میری آنکھ کھلی، میں کمرے میں لیٹا تھا جب مجھے ذرا ہوش آیا تو میں فوراً بھاگ آیا۔ عفرا سے میں اس لیے الجھ پڑا کیونکہ اس نے سمیرا کے سامنے میرے کردار پر بہت زیادہ کیچڑ اچھالا تھا اس نے بات کی تحقیق کیے بنا ہی سمیرا کے سامنے میری تذلیل کر ڈالی۔ سمیرا سے کچھ بھی کہنے سے قبل مجھ سے بات کرنی چاہیے تھی لیکن مامی...... میں شرمندہ ہوں، میرا یقین کریں میرا عینی سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں یہ جو کچھ ہوا انجانے میں ہوا۔ مجھے نہیں پتا عینی نے یہ سب کیوں کیا، لیکن پھر بھی میں قسم اٹھاتا ہوں میں کبھی اس گھر میں اس نیت سے نہیں گیا۔ آپ مجھے معاف کر دیں اور عفرا سے بھی کہیں میری انجانے میں کی گئی غلطی کی اتنی بڑی سزا نہ دے۔“ اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

”بڑی اچھی فلمی اسٹوری بنائی ہے اظہر صاحب آپ نے۔“ عفرا بھی وہیں آ گئی تھی اور تابندہ بھی۔ ”عینی نے آپ کو شربت میں کچھ ملا کر پلایا، اپنا مقصد حاصل کیا اور پھر آپ کو چھوڑ دیا۔ کوئی ویڈیو وغیرہ تو نہیں بنائی، آئندہ بلیک میل کرنے کے لیے ہونہہ...... تف ہے آپ جیسے کمزور نفس والے مردوں پر جو خود پر قابو نہیں رکھ سکتے اور اپنا کیا کرایا عورت کے سر تھوپ دیتے ہیں، رہی بات سمیرا کی تو وہ بھی آپ کے ساتھ مل کر جانے کون سا کھیل رچا رہی ہے۔ میرے خیال سے اسے ہمارے رشتہ جڑ جانے سے پرابلم ہے آپ اس کی پریشانی رفع کریں اور اس سے شادی کر لیں۔ میں سب کچھ سمجھ گئی ہوں اور مجھے ایسے جھگڑوں والے رشتے میں کسی صورت نہیں بندھنا۔“

وہ بات مکمل کر کے پلٹ گئی، ساجدہ خاموش تماشائی بنی پہلے اظہر اور پھر عفرا کی سنتی رہی۔ اظہر کی باتوں پر تو اسے بھی یقین نہیں آیا تھا لیکن پھر بھی اس کوشش میں تھی کہ چلو معاملہ رفع دفع ہو جائے لیکن عفرا تو اپنی بات پر ڈٹ گئی تھی۔ ساجدہ نے خاموشی میں ہی عافیت جانی اور ٹھیک چھ ماہ بعد عفرا کی کسی کولیگ کے توسط سے لائے گئے رشتے کو عفرا کے لیے پسند کر لیا گیا۔ نہ صرف پسند بلکہ دو ماہ بعد عفرا کی رخصتی کی تاریخ بھی رکھ دی گئی۔

زبیدہ پھوپو ایک بار پھر مصالحت کی راہ نکالنے آئیں لیکن عفرا کچھ بھی سننے کو تیار نہ تھی اگر مرد ایک ایسی لڑکی کو زندگی میں شامل نہیں کر سکتا تو عورت کو بھی اختیار ملنا چاہیے کہ وہ ایسے مرد کے ساتھ زندگی گزارنے سے انکار کر دے۔

عفرا کی شادی طے ہو گئی تو پتا چلا اظہر نے بھی سمیرا سے منگنی کر لی ہے بلکہ انہی تاریخوں میں اپنی شادی بھی رکھوا لی تھی۔

”تو......“ عفرا نے سن کر کندھے اچکا دیئے، جس دن عفرا کی مہندی تھی اس دن سمیرا اور اظہر کا ولیمہ تھا۔ دوپہر کو ولیمہ اٹینڈ کرنے کے بعد سارے مہمان ان کے گھر

آ گئے تھے۔ تمام رشتہ دار عزیز اسی شادی کو موضوع سخن بنائے ہوئے تھے۔

"توبہ اس قدر زیور چڑھایا ہے زبیدہ نے اپنی بہو کو اور دولہے اور بارات کے جوڑے دیکھے، حمیدہ کی تو جانو لاٹری نکل آئی۔" ہر کوئی سمیرا کی قسمت پر فخر کررہا تھا، دبی دبی آوازیں عفرا کے کانوں میں بھی پہنچ رہی تھیں۔

اسے اپنی قسمت سے بھی کوئی شکوہ نہ تھا، راشد کا تعلق بھی اچھی فیملی سے تھا۔ اکلوتا وہ بھی تھا تین بہنوں کا ایک ہی بھائی۔ ساس بھی پڑھی لکھی تھی، وہ مطمئن تھی۔ مہندی کی رسم کے وقت سمیرا بھی اس کے مہندی لگانے آئی تھی، اس نے نظر بھر کے سمیرا کو دیکھا تھا پھر پوچھ لیا تھا۔

"تم کیسے اظہر سے شادی کرنے کو تیار ہوگئیں، تم تو کہتی تھیں کہ ایسے مرد سے شادی کرنے سے بہتر کنوارا رہنا ہے۔" وہ ہنس دی اور عفرا اس کی ہنسی کا کھوکھلا پن جان گئی۔ اس کے میک اپ زدہ چہرے پر لگی دو آنکھیں جو نقلی پلکوں اور ہیوی آئی شیڈز سے اور نمایاں دکھ رہی تھیں، ایسی کسی بھی خوشی سے عاری لگ رہی تھیں جو عموماً جنگ جیت جانے کے بعد نشے کی صورت انگ انگ سے چھلکتا ہے۔

"بس امی ابو نے مجبور کردیا، خالہ نے تو میرا رشتہ لینے کے لیے امی کے پیر تک پکڑ لیے پھر کیا کرتیں بہن تھیں اور ظاہر ہے ماں باپ کے حکم سے نافرمانی میرے خون میں تو شامل نہیں ورنہ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ تمہارا حق میں لیتی۔"

"اچھا دیکھو...... اظہر نے یہ سیٹ مجھے منہ دکھائی میں دیا ہے، کیسا ہے؟" وہ دوپٹہ پیچھے کیے اسے سیٹ دکھانے لگی۔

"ارے اب اٹھ بھی چکو، باقی سب نے بھی رسم کرنی ہے۔" پھوپو سلامتے نے اسے یوں جمے دیکھ کر اٹھایا۔

عفرا سیٹ دیکھ نہ پائی تھی، وہ رخصت ہوکر راشد کے گھر آئی تو پچھلا باب بند کر آئی، اسے اب آگے کی طرف دیکھنا تھا اور آگے کی ہی فکر کرنی تھی۔

❁......❁......❁

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی، بیٹھے بیٹھے اس کی کمر تختہ ہوگئی تھی اس نے تھوڑا سا دوپٹہ ہٹا کر وال کلاک کی جانب دیکھا، پونے تین ہورہے تھے اور راشد کا کہیں اتا پتا نہ تھا۔ وہ خوش فہمیاں پالنے کی عادت میں ہرگز مبتلا نہ تھی مگر آج شادی کا دن تھا۔ سب نے کہا تھا وہ بہت زیادہ خوب صورت لگ رہی تھی اس کے ہاتھوں میں رچی مہندی کا رنگ اتنا گہرا تھا کہ سب نے ہی اس کی خوش گوار ازدواجی زندگی کی پیشن گوئی کی تھی۔ عورت باہمت ہو تو سارے دکھ، غم آسانی سے جھیل لیتی ہے اور وہ جانتی تھی وہ باہمت تھی، مخلص تھی۔ وہ جی جان سے اپنے اور راشد کے تعلق کو نبھانے کا ارادہ لے کر آئی تھی لیکن پہلی رات ہی وہ جان گئی تھی زندگی کی جو فصل اس کے لیے بوئی گئی تھی اس میں پھل کم اور کانٹے زیادہ تھے اور یہ کانٹے اسے اپنے ہاتھوں سے چننے تھے۔

راشد میں کوئی ایک برائی نہ تھی، نشہ کا عادی تو وہ تھا ہی، اس کے سامنے مار پیٹ، گالم گلوچ کرنا بھی اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ عورت اس کے لیے پیر کی جوتی تھی وہ سوائے اپنی ماں کے اور کسی عورت کو عزت کے قابل نہ جانتا تھا۔ اچھی پوسٹ تو دور کی بات وہ ایک چھابڑی تک لگانے کا اہل نہ تھا، ان سے جھوٹ بولا گیا تھا ہر بات ہر معاملے میں، جس بڑے گھر کو ان کی ملکیت دکھایا گیا تھا وہ گھر اس کی ماں کے مالکوں کا تھا، وہ اس گھر میں کھانا پکاتی تھی اور اس بڑے گھر کی انیکسی میں وہ رہائش پذیر تھے۔

اس کی ماں سارا دن مالکوں کے گھر میں مصروف رہتی، رات کو بچا کھانا لے آتی جسے یہ لوگ کھا کر سو رہتے۔ صبح ناشتا بھی ادھر سے ہی پکا کر بھجوا دیتی۔ بڑی بیٹی کسی پارلر جاتی تھی، چھوٹی سارا دن موبائل پر مصروف رہتی اور سب سے چھوٹی آٹھویں کلاس میں زیر تعلیم تھی۔ راشد بہت پہلے ہی اسکول اور پڑھائی دونوں سے بھاگ چکا تھا، غلط دوستوں کی صحبت نے اس میں ہر برائی کوٹ

کوٹ کر بھری تھی اور وہ اس پر کسی بھی قسم کی شرمندگی میں ہرگز ہرگز مبتلا نہ تھا۔ پہلی رات ہی اس نے اپنے سارے جوہر عفرا پر عیاں کر دیے تھے اور عفرا کو اپنی قسمت پر بے اختیار رونا آگیا تھا۔ وہ کسی سے کچھ بھی چھپانے کی قائل نہ تھی اس نے اگلے دن ہی ساجدہ کو سب کچھ بتا دیا تھا کہ ان کے ساتھ دھوکہ ہو گیا ہے۔ ساجدہ تاسف سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''تجھے ایک کھلا لفافہ ملا تھا جس پر سب کچھ تحریر تھا لیکن وہ سچ تجھ سے برداشت نہ ہوا تھا اور ایک بند لفافہ جس پر خوب صورت مہر تھی لیکن اس کے اندر کیا تھا کوئی نہ جانتا تھا۔ تُو نے وہ قبول کر لیا' کس کو دوش دو گی' قسمت کو یا خود کو۔ اظہر جیسا ہیرا تُو نے گنوا دیا اور راشد...... میں کیا کہوں تجھے اب' سوائے اس کے کہ صبر کر اور یہ سب کچھ اس بند لفافے کے اندر چھپا رہنے دے۔ باہر نکالے گی تو رسوائی الگ ہو گی۔ جگ ہنسائی الگ' بس سہہ لے' قسمت کا لکھا سمجھ کر' سب کو یہی بتا کہ راشد بہت اچھا ہے' اظہر کے مقابلے میں پھر ہی تُو جی پائے گی ورنہ تیرے رشتہ دار طعنوں سے چھلنی کر دیں گے تجھے۔'' ساجدہ نے سب کچھ اسے سمجھایا تھا اور وہ جان گئی تھی آئندہ زندگی اسے کن کانٹوں پر بسر کرنا تھی۔

❀......❀......❀

شادی کے شروع کے چند دن تو جیسے پَر لگا کر اڑ گئے تھے۔ دلہناپے کی اپنی ایک شان ہوتی ہے' گھر' باہر' سسرال کجا عزیز رشتہ دار سب ہی بڑا وی آئی پی ٹریٹ کرتے ہیں۔ چاہے اوپرے دل سے ہی لیکن مزا بڑا آتا ہے۔ روز سج سنور کر دعوتیں کھانے جانا اور سہاگ کی خوشبو سے مہکتا' سجا سجایا کمرہ' جہاں اکیلے بیٹھ کر بھی مستقبل کے بارے میں سوچنا بُرا نہیں لگتا۔ سب اچھا' سب خوب صورت سمیرا بھی آج کل انہی لمحوں میں زندگی گزار رہی تھی۔ سسرال میں تھا بھی کون' ایک خالہ' ایک خالو' نہ نند' نہ دیور جیٹھ۔ وہ تو اپنے آپ کو کسی ملکہ سے کم تصور نہ کرتی تھی' اوپر سے اظہر کا ساتھ بڑی جدوجہد کے بعد اسے ملا تھا۔ وہ سارا دن تیار ہو کر کبھی اس رشتہ دار' کبھی اس رشتہ دار کے ہاں گھوما پھرتی۔

اظہر کے آفس سے آنے کے کچھ دیر پہلے گھر آتی اور تازہ دم ہو کر بیٹھ جاتی۔ وہ آتا' اپنا بیگ رکھتا اور شاور لینے باتھ روم میں گھس جاتا۔ خالہ اتنی دیر میں چائے تیار کر کے ان کو آواز دے لیتیں۔ چائے پیتے ہوئے خالہ اس سے دن بھر کی مصروفیات پوچھتی رہتیں۔ وہ پورے انہماک سے چائے پیتا ان کو بتاتا رہتا' وہ کبھی زور سے ہاتھ مار کر چوڑیاں چھنکاتی' کبھی پاؤں مار کر پازیب کی موجودگی کا احساس دلاتی لیکن اظہر یوں بیٹھا رہتا جیسے اسے دنیا میں چائے پینے کے لیے ہی بھیجا گیا ہے' بند کمرے میں بھی اس کا رویہ کچھ مختلف نہ تھا۔ ہنستا کھلکھلاتا اظہر کمرے میں آتے ہی سوچوں میں ڈوب جاتا' سمیرا اس کی عفرا سے محبت کی شدت سے واقف تھی اور اس نے اسی لیے اسے عفرا سے چھین لیا تھا۔ اسے چھین کر کھانے میں مزہ آتا تھا' محبت' اخلاقیات سب کچھ ثانوی تھیں اس کے لیے۔ اظہر اس سے محبت نہیں کرتا تھا نہ کرے' شوہر تو وہ اس کا تھا۔ یہ گھر' اظہر کی ہر چیز' ملکیت کے حقوق اس کے نام تھے پھر اسے ڈر کاہے کا' سال دو سال بعد بھول جائے گا سب کچھ پھر بچے اور گھر ہی اس کے لیے اہم ہوں گے لیکن یہاں وہ چوک گئی تھی۔ اسے اظہر' اظہر کا گھر' اس کی اولاد سب کچھ ملا تھا لیکن ایک خلا تھا جو اس کی زندگی میں رہ گیا تھا' بظاہر وہ مالکن تو بن گئی تھی لیکن آج تک وہ مالکن کا استحقاق استعمال نہ کر پائی تھی۔ اسے کبھی وہ مان حاصل نہ ہوا تھا جو ایک بیوی اپنے شوہر پر رکھتی ہے' وہ اندر سے خالی تھی۔ خالی ٹین کا ڈبہ جو کبھی بھی کہیں بھی لڑھکایا جا سکتا تھا۔

❀......❀......❀

عفرا نے ڈیڑھ سال جس اذیت میں کاٹا تھا وہی جانتی تھی۔ رات دن کی مار پیٹ' گالم گلوچ اور اس پر ساس کے طعنے الگ' نندوں کے تو خیر مزاج ہی اتنے اونچے تھے کہ وہ اس سے بات کرنا پسند نہیں کرتی تھی'

سب اچھا کاورد زبان تو کرتی تھی لیکن اس کے چہرے پر پڑے نیل کے نشانات اس کی کہی ہر بات کی منافی چیخ چیخ کر کرتے تھے۔ دن رات جیسے سولی پر تھے وہ تو جیسے پیسے کمانے والی مشین ہی بن گئی تھی ان کی ضروریات ہی اس قدر تھیں کہ پوری ہونے میں نہ آتی تھیں۔ راشد کی بُری عادتیں ہی اسے سانس نہ لینے دیتی تھیں باقی سب تو خیر تھے ہی۔ کاش وہ جلد بازی میں یہ فیصلہ نہ کرتی اگر اظہر بے وفائی کر ہی گیا تھا تو اسے اپنی زندگی داؤ پر نہیں لگانی چاہیے تھی۔ کبھی کبھار اس اذیت بھری زندگی کو اختتام دینے کو بھی جی چاہتا لیکن پھر دوسرا وجود ایسا کرنے سے روک دیتا۔

”ارے بچہ ہوجائے گا تو بدل جائے گا‘ بڑے بڑے جواری شرابی بدل جاتے ہیں یہ تو پھر...... ویسے غلطی تیری بھی ہے عفرا‘ بیوی تو بُروں بُروں کو نکیل ڈال لیتی ہے۔ تجھ سے سنبھالا نہ گیا میرا بچہ...... میں نے تو سوچا تھا‘ اچھی سلجھی ہوئی بیوی ملے گی تو میرے بچے کی زندگی سنور جائے گی پر اِدھر تو پہلے سے بھی بات بگڑ گئی ہے۔“ ساس اپنے فرمودات سناتے سناتے پھر سے ساری تان اس پر توڑ دیتی اور تب اس کا جی چاہتا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ یہ ماؤں کو بگڑے بیٹے سنوارنے کے لیے دوسروں کی بیٹیوں کی زندگی اجاڑنے کا اختیار کس نے دیا؟

حمزہ کی پیدائش پر وہ بڑا خوش نظر آیا‘ دس دن گھر سے باہر بھی نہیں نکلا لیکن پھر جو غائب ہوا تو تین ماہ تک اس کی کوئی خیر خبر ہی نہ آئی۔ ڈھونڈنے پر پتا چلا موصوف شراب پی کر دوستوں سے الجھ پڑے اور غنڈہ گردی کے الزام میں جیل میں پڑے سڑ رہے ہیں۔ ماں نے مالکوں سے کہہ سن کر ضمانت کروائی لیکن اب کہ مسٹر راشد پہلے سے زیادہ پکے ہوکر آئے۔ آتے ہی عفرا کی ایسی دھنائی کی کہ بازو توڑ ڈالا اسے شک تھا کہ وہ تین ماہ کسی اور سے تعلق میں رہی اور عفرا کی ہمت یہاں ختم ہوگئی۔ مار پیٹ گالم گلوچ سب کچھ وہ برداشت کر رہی تھی لیکن اب بات اس کے کردار پر آ گئی تھی۔ اس نے حمزہ کو اٹھایا اور ٹوٹے بازو سمیت ماں کے گھر چلی آئی۔ بازو کی تکلیف‘ اس تکلیف کے آگے کچھ نہ تھی جو راشد کی رفاقت نے اسے بخشی تھی۔ اس نے دوبارہ اس گھر واپس نہ جانے کا تہیہ کرلیا‘ جب خود ہی کما کر کھانا ہے تو وہ دس بندے حرام خور کیوں پالے اپنی کمائی اپنے بیٹے پر کیوں نہ صرف کرے۔ ساجدہ نے اس کی حالت اور اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اب واپس نہیں جائے گی سو چپ رہی۔ وہ کون سا بوجھ تھی لیکن دل میں بیٹی کے لیے دکھ اور ملال بھی تھا۔ اس نے تو اچھا ہی سوچا تھا لیکن بھول ہوگئی تھی اور اس بھول کا خمیازہ انہیں ساری عمر بھگتنا تھا۔

عفرا کی ساس دو دفعہ آئی اور دونوں دفعہ ہی اس کا رویہ ایسا تھا کہ جیسے وہ اپنے بیٹے کی غلطیوں پر نادم نہ ہو بلکہ عفرا کو گھر چھوڑنے پر لعن طعن کرنے آتی ہوں۔ عفرا نے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ اسے اب اس شخص کے ساتھ نہیں رہنا اور وہ توبہ توبہ کرتی چلی گئی تھی اور ٹھیک تین ماہ بعد اسے طلاق کے کاغذات موصول ہوگئے تھے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی شاید آزادی پانے کی خوشی میں یا شاید طلاق کا داغ لگ جانے کی ذلت میں۔

سب سے زیادہ فکر میرا کو ہوئی تھی‘ عفرا طلاق لے کر آ گئی۔ کہیں اظہر دوبارہ اس کی طرف مائل نہ ہوجائے اس کی زندگی میں عفرا کی واپسی کسی بھوت کی طرح ہوئی تھی۔ عفرا کی عدت کے بعد اسے ہر وقت یہی خوف دامن گیر رہنے لگا تھا کہ اظہر نے دوسری شادی کرنے کے بعد اسے اب چھوڑا کہ تب چھوڑا اور وہ چاہتی تھی کہ جب تک یہ خبر اظہر سے چھپ سکتی ہے چھپی رہے۔ وہ نہیں جانتی تھی اظہر کا ردعمل کیا ہوگا لیکن اتنا ضرور جانتی تھی اس کا ہر ردعمل اس کے نقصان میں ہی ہوگا۔ وہ خود تو جا کر عفرا سے افسوس کر آئی تھی لیکن اظہر کو روکنے کی کوئی تدبیر اس کے پاس نہ تھی وہ بے خبر تھی کہ اظہر کو یہ خبر مل چکی تھی اور وہ جا کر راشد کی دھنائی بھی کر آیا تھا‘ نشے میں

دھت اس انسان کو پتا ہی نہیں تھا کہ غصے سے بپھرا آدمی اس کی پٹائی کیوں کررہا ہے؟ دو چار لاتیں کھا کر ہی وہ اوندھے منہ گر پڑا تھا اور اظہر اسے ٹھوکر رسید کرتا آگے بڑھ گیا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ راشد کو مار ڈالے جس نے عفرا کی زندگی جہنم بنادی تھی اور اس کے بعد وہ عفرا سے بھی خوب لڑا تھا۔

''تم نے ایک غلط بات کو اتنا بڑھایا اور میری ضد میں اس انسان سے شادی کرلی جو کسی بھی طرح تمہارے قابل نہیں تھا۔ چلو مان لیا میں بُرا تھا اتنا بھی بُرا نہیں تھا کہ تم نے اس شخص کو مجھ پر فوقیت دی۔ اپنی زندگی بھی تباہ کی اور..... ساتھ میری بھی۔'' وہ اس پر اپنا غصہ نکال کر رکا نہیں تھا۔

عفرا ان کی ازدواجی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی' سمیرا کو تو اس نے ہر دم بے فکری اور خوشی کے راگ الاپتے ہی دیکھا تھا خصوصاً اس کے سامنے تو وہ اظہر کی محبتوں کا ذکر یوں کرتی جیسے اظہر کے پاس سوائے اس سے محبت کرنے کے دوسرا کوئی کام نہیں تھا اور وہ بھی اس کی ہر بات پر یقین کرلیتی تھی کہ اس کے اپنے مسائل اس قدر زیادہ تھے جو اسے کچھ اور سوچنے کا موقع نہ دیتے تھے اور ویسے بھی اسے ان کے ذاتی معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ کیسی بھی زندگی گزار رہے ہوں لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ اس نے اظہر کی ضد میں ہی آگ میں چھلانگ لگائی تھی اور اب جل کر راکھ ہوگئی تھی۔ اگر وہ اظہر کے لیے اپنے دل کو ذرا سا بڑا کرلیتی تو شاید آج اس کی زندگی مختلف ہوتی لیکن اس وقت اسے کمپرومائزنگ لائف سے نفرت محسوس ہورہی تھی اور انجانے میں اس نے ایسی کمپرومائزنگ لائف کا انتخاب کرلیا تھا جس کا ایک ایک پل انتہائی تکلیف دہ اور خون کے آنسو رلا دینے والا تھا۔ اس شخص کو تو اولاد کی بھی فکر نہیں تھی اور کیسے آرام سے انہیں اپنی زندگی سے نکال پھینکا تھا وہ کبھی بھی سدھرنے والوں میں سے نہیں تھا۔

اس دن صبیحہ آپا آگئیں' وہ اپنے گھر میں بے حد خوش تھیں' عفرا کی زندگی تباہ ہونے کا انہیں بہت قلق تھا۔ اِدھر اُدھر کی بے شمار باتیں کرنے کے بعد انہوں نے عفرا پر ایک گہری نظر ڈالی۔ وہ اب پہلے سے بھی کہیں زیادہ خاموش ہوگئی تھی' بات کے جواب میں بس ہوں ہاں ہی کرتی تھی۔

''ہسپتال کب جانا شروع کروگی؟'' انہوں نے جانے کس بات کی تمہید باندھی تھی۔

''پتا نہیں' ابھی تو چھٹی لی ہوئی ہے۔'' اس نے سوئے ہوئے حمزہ پر ایک نظر ڈالی۔

''آئندہ کے لیے کیا سوچا ہے؟'' انہوں نے اگلا سوال کیا' وہ چپ رہی۔ اس کے پاس کوئی جواب تھا ہی نہیں' کیا کہتی؟

''کل حمیدہ پھوپو ماموں کے پاس آئی تھیں۔'' انہوں نے رک کر اس کے چہرے کا جائزہ لیا' وہ بے تاثر ہی تھا۔

''تمہاری طلاق سے انہیں خدشات پیدا ہوگئے ہیں' وہ سمجھتی ہیں کہ شاید اب اظہر سمیرا کو چھوڑ کر تم سے شادی کرلے گا۔ ماموں کے بہت منتیں ترلے کررہی تھیں کہ وہ سمیرا کا گھر ٹوٹنے سے بچالیں' کیا اظہر تم سے ملنے آتا ہے اور اس نے ایسا کوئی اشارہ دیا ہے تمہیں۔''

''مجھ سے ملنے کیوں آئے گا؟'' اسے غصہ آگیا۔ ''اور میں کیا کوئی چیز ہوں اِدھر سے اٹھائی اور اُدھر رکھ دی مجھے سمیرا یا اظہر سے کوئی دلچسپی نہیں نہ ہی ان کے گھریلو معاملے سے۔'' وہ وہاں سے اٹھ گئی۔

ہر کوئی نظروں میں اب یہی سوال لے کر اس سے ملتا تھا۔ کیا وہ اب اظہر سے شادی کرے گی؟ کیا اظہر اس کی خاطر سمیرا کو چھوڑ دے گا۔ حد ہوگئی لوگوں کی ذہنیت کی اگر اس نے اس وقت شادی نہیں کی تو اب کیوں کسی کا گھر اجاڑے گی۔ اس کی زندگی میں اب دور دور تک اظہر کے لیے گنجائش نہیں تھی لیکن لوگوں کی باتیں' لوگوں کی نظریں اب اسے کانٹوں کی طرح چبھنے لگی تھیں۔ وہ تو کبھی اظہر کے سامنے بھی نہیں جاتی تھی۔ وہ آتا تھا۔ امی کے پاس

چند گھڑیاں بیٹھ کر چلا جاتا تھا' اس نے ساجدہ کو منع کر دیا کہ اس کو گھر آنے سے روک دیں۔ اس دن سمیرا آ گئی اظہر کی محبتوں کے بے شمار قصے گوش گزار کرنے کے بعد وہ اصل موضوع کی طرف آ گئی۔

''میں تمہارے پاس آئی تھی عفرا......'' تابندہ کے باہر جاتے ہی وہ جلدی سے بولی اور اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتی عفرا بول پڑی۔

''دیکھو سمیرا...... اگر تو تم اظہر کو لے کر کچھ بات کرنا چاہتی ہو' تو ایک بات اچھی طرح سمجھ لو۔ مجھے اظہر سے کوئی لینا دینا نہیں' وہ میرے نزدیک کزن سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ وہ یہاں آتا جاتا تو اس کو اس کام سے روکنا تمہاری ذمہ داری ہے۔ میں اس سے کبھی نہیں ملی اور اگر اس کے ذہن میں ایسی کوئی خام خیالی ہے کہ میں دوبارہ اس سے رشتہ جوڑنا چاہوں گی تو یہ بھی تم دور کر دو۔ تم اس کو ڈھیل ہی مت دو کہ وہ اِدھر اُدھر منہ مارتا پھرے۔ باقی باوجود اس کے کہ تم نے میرے ساتھ کیا کیا' میں پھر بھی تمہارے ساتھ وہ سب نہیں کرنا چاہوں گی کہ چھین کر کھانا میری فطرت میں نہیں۔ اپنی اپنی تربیت اور عادت کی بات ہے تمہیں چھین کر کھانا پسند رہا ہے' سو تم نے کیا۔ باقی اظہر اتنا بھی اہم نہیں کہ اس کے لیے میں عزت نفس بھی گنوا بیٹھوں۔ مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا۔'' وہ بات مکمل کر کے اٹھ گئی' سمیرا کو چین کہاں تھا اور تسلی بھی ہرگز نہیں تھی وہ خود کمینہ فطرت تھی اس لیے باقی سب پر بھی اعتبار نہیں کرتی تھی۔

''پھر بھی عفرا...... تم ایک بار خود اظہر کو سمجھا دو' وہ اچھا ہے بہت خیال بھی رکھتا ہے لیکن میں جانتی ہوں وہ محبت صرف تم سے کرتا ہے۔ اسے آج تک مجھ سے محبت نہیں ہوئی اور نہ ہی مجھے وہ مان ملا ہے' پتا ہے میں اس گھر میں اجنبیوں کی طرح رہتی ہوں۔ مان اور حق سے میں کوئی کام نہیں کر سکتی کیونکہ اس نے مجھے تینوں چیزیں نہیں سونپیں' وہ میرا شوہر ہے اور روا کا باپ' بس اس سے زیادہ ہم میں کوئی بے تکلفی نہیں۔ اس کی خاموشی وہ بھی بند کمرے کی خاموشی بہت جان لیوا ہے اسے اپنی محبت سے آزاد کر دو عفرا......'' وہ سسک اٹھی تھی اور عفرا نے سوچا بات بند لفافے یا کھلے لفافے کی نہیں ہوتی۔ سمیرا کو بھی تو کھلا لفافہ ملا تھا وہ خوش کیوں نہیں تھی' وہ مطمئن کیوں نہیں تھی۔ بات ساری قسمت کی ہوتی ہے' شادی تو ہوتی ہی بند لفافہ ہے اندر کیا ہے یہ تو کھول لینے کے بعد ہی پتا چلتا ہے۔ بھلے اوپر مہنگی سے مہنگی ٹکٹ لگا ہو۔ اس کے پاس سمیرا کے خوف کا کوئی علاج نہ تھا' وہ اس کے لیے کچھ نہ کر سکتی تھی وہ تو اپنے لیے بھی کچھ نہ کر سکتی تھی۔ اس کو باقی ماندہ زندگی کیسے گزرنے والی تھی وہ بالکل نہ جانتی تھی۔

پھر ایک دن عنایت علی لوٹ آیا بالکل اچانک لیکن یہ وہ عنایت علی نہ تھا یہ تو کوئی مخبوط الحواس شخص تھا۔ وہ جیل سے باہر کیسے آیا' واپس پاکستان کیسے پہنچا' کسی کو بتانے کی پوزیشن میں نہیں تھا جو شخص اسے گھر چھوڑنے آیا تھا وہ باہر سے ہی ایڈریس کنفرم کر کے چھوڑ گیا تھا۔ ساجدہ تو اتنے سالوں بعد عنایت علی کو زندہ دیکھ کر ہی خوش ہو گئی تھی۔ سر کا سائیں جیسا بھی ہو سائیں ہی ہوتا ہے ایک پناہ گاہ کا احساس دیتا ہے۔ محلے بھر میں مٹھائی بانٹی گئی' سب مبارک باد دینے کو آئے اور بھی بڑے ماموں نے ایک نیا شوشہ چھوڑا۔ عفرا کے لیے تو وہ ایک شوشہ ہی تھا۔ وہ پوتے کے لیے اس کا رشتہ مانگ رہے تھے۔ ساجدہ تو چپ کی چپ ہی رہ گئی' عفرا کبھی نہیں مانے گی اس کے لیے پہلے دو تجربے ہی اتنے تلخ تھے کہ کوئی نیا تجربہ کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی' صبیحہ نے ماں کو سمجھایا۔

''عفرا ابھی بہت کم عمر ہے' لڑکیوں کی تو شادی ہی بائیس چوبیس سال کی عمر میں ہوتی ہیں۔ اٹھارہ سال بھی کوئی عمر ہے' پوری زندگی پڑی ہے اس کے سامنے۔ مان جائیں' عفرا کی زندگی سنور جائے گی' آپ ماموں کے خلوص پر شبہ نہ کریں۔ میری طرف دیکھیں' آج تک کوئی دکھ نہیں پایا میں نے اس گھر میں' پپو کی گارنٹی

میں دیتی ہوں اس میں کوئی عیب نہیں۔ سیدھا سادا صبر وشکر کرنے والا بچہ ہے اور پھر ہمیشہ عفرا کے ساتھ تو غلط نہیں ہونے والا۔''

پر...... عفرا کا بچہ اور......'' ساجدہ کے خدشات اپنی جگہ درست تھے مگر صبیحہ اس گھر کے ہر فرد کو جانتی تھی۔

''آپ کو پتا ہے ناں امی ماموں اور ممانی نے اپنے بچوں کی کیسی تربیت کی ہے۔ عفرا کے ساتھ جو کچھ ہوا اس میں اس کا کیا قصور اور پھر سب کچھ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے آگے اللہ نے اس کی زندگی میں آسانیاں لکھ دی ہوں۔ رہی بات حمزہ کی تو وہ کوئی غیر نہیں' ہمارا اپنا ہی بچہ ہے۔ ماموں نے پہلے کھل کر بات کرنے کے بعد ہی آپ سے بات کی ہے' آپ عفرا کی مرضی معلوم کریں بلکہ اسے راضی کریں۔ پچھلی زندگی کو لے کر بیٹھی رہے گی تو کچھ حاصل نہ ہوگا' مزید دکھی ہوگی۔'' لیکن ساجدہ جانتی تھی عفرا کبھی بھی اس شادی کے لیے راضی نہ ہوگی پھر بھی اس نے عفرا کے کانوں میں بڑے بھیا کی خواہش ڈال دی تھی جسے اس نے باقی دوسری باتوں کی طرح قابل اعتبار نہ جانا تھا۔

❀......❀......❀

وہ حمزہ کی نیپی چینج کررہی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی۔

''آجاؤ۔'' اس نے ڈائپر ڈسٹ بن میں پھینکتے ہوئے کہا اور خود ہاتھ دھونے واش روم میں چلی گئی...... تولیے سے ہاتھ پونچھتی جب وہ واپس آئی تو بری طرح چونکی۔ اظہر اس کے کمرے میں موجود تھا' وہ تابندہ کو آوازیں دینے لگی۔

''تابندہ...... تابندہ...... تمہیں کتنی بار کہا ہے کسی کو میرے پاس مت بھیجا کرو' پھر بھی تمہیں سمجھ نہیں آتی۔''

اظہر اٹھ کر پاس چلا آیا۔

''غصہ مت دکھاؤ' میں دس منٹ سے زیادہ ٹائم نہیں لوں گا' بس تسلی اور سکون سے ایک بار میری بات سن لو...... پلیز۔''

''مجھے کچھ نہیں سننا۔'' وہ چلائی۔ ''کیوں تم میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہو' کیوں اپنی زندگی کو نہیں نبا جتے۔ میری زندگی کا تم سے کوئی لینا دینا نہیں سمجھے تم۔''

''لیکن مجھے لینا دینا ہے تم سے بے کار میں تم نے اپنی ضد کی وجہ سے میری زندگی بھی تباہ کی اور اپنی بھی۔ کیا مل گیا تمہیں راشد سے شادی کرکے؟ میری ایک ذرا سی غلطی کو وہ بھی تمہاری غلط فہمی زیادہ تھی' نہ معاف کرکے تم نے جس خسارے کا سودا کیا اور مجھے جس جہنم میں جھونکا ہے تم نے اس سارے کا حساب کون دے گا؟ کس نے حق دیا تمہیں کہ اپنی مرضی سے سارے فیصلے کرتی پھرو؟ بتاؤ مجھے......'' اظہر نے اسے کندھوں سے پکڑا کر جھنجھوڑ ڈالا' وہ اس کی جرأت پر ششدر رہ گئی۔

''چھوڑو مجھے......'' اس نے اپنا آپ چھڑانا چاہا۔

''میری بات مکمل ہونے دو۔'' اس نے عفرا کے احتجاج کی قطعاً پروا نہ کی اور اپنی بات جاری رکھی۔

''عفرا...... میں...... اظہر سعید صرف اور صرف تم سے محبت کرتا ہوں' کرتا رہوں گا۔ سمیرا کی میری زندگی میں کوئی اہمیت نہیں اس نے جس دھوکے سے مجھے تم سے چھینا' ساری عمر وہ اس احساس میں تڑپے گی۔ جسے نارسائی کہتے ہیں' تم کیسی بے حس لڑکی ہو میری محبت کا کبھی تم پر اثر نہیں ہوا۔ ایک بار تمہارے دل نے میرے حق میں گواہی نہیں دی' ایک بار بھی تمہیں نہیں لگا کہ جو کچھ تم نے دیکھا وہ آنکھوں کا دھوکا بھی ہوسکتا ہے۔ کوئی تمہیں وہ سب دکھانے کے لیے صبح فون کرکے گھر بلا رہا ہے اور تم وہ دیکھ رہی ہو اس پر یقین کررہی ہو اور اسی یقین کے بل بوتے پر تم نے مجھ سے ہر رشتہ توڑ لیا۔ ایک لمحہ کو بھی اس محبت پر اعتبار نہیں کیا' کئی سالوں سے جو میں تم سے کرتا چلا آرہا ہوں لیکن عفرا...... اب نہیں تم نے ایک تجربہ کرکے دیکھ لیا شاید اللہ کو ایسے ہی منظور تھا لیکن اب میں تمہیں کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا۔ میں سمیرا کو طلاق دے رہا ہوں' ان چالاک ماں بیٹی کو کچھ تو سزا ملے اور سن لو تم مجھ سے ہر قیمت پر شادی کرو گی اب کی بار میں تمہارا

انکار برداشت نہیں کروں گا۔ میں کچھ بھی کر جاؤں گا کچھ بھی......" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنا فیصلہ سناتا چلا گیا۔ عفرا کئی ثانیے وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی اس کو تو کچھ سمجھ ہی نہ آ رہا تھا تقدیر اس کے ساتھ کیا کھیل کھیل رہی ہے۔ وہ جانے کب تک وہیں کھڑی رہتی کہ تابندہ کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

وہ جلدی سے اپنے آنسو پونچھتی باہر نکل آئی جو جانے کب سے پلکوں کا حصار توڑ بہے جا رہے تھے۔ عنایت علی خالی نظروں سے کبھی ساجدہ کو اور کبھی اسے دیکھ رہا تھا۔ ساجدہ اس کا چہرہ بغور تک رہی تھی۔ وہ جانتی تھی اظہر کیا کہنے آیا تھا اور وہ عفرا کا فیصلہ بھی جانتی تھی، پھر اس نے بات کرنا ضروری سمجھا۔

"جو بھی فیصلہ کرنا عفرا...... بہت سوچ سمجھ کر کرنا، ہمیشہ قربانی کام نہیں آتی۔ تم بھی اتنی ہی خالی ہاتھ ہو جتنی سمیرا اور جیسی کرنی ویسی بھرنی، بس تھوڑی دیر کو خود غرض ہو کر اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں سوچ لینا، زندگی کی خوشیوں پر تمہارا بھی حق ہے آگے تمہاری مرضی۔" وہ چپ کر گئی اور حمزہ کو کندھے پر تھپکتے ہوئے اس نے واقعی ایک لمحے کو خود غرض ہو کر سوچا تھا۔

"جیسی کرنی ویسی بھرنی......" اس نے بھی تو دھوکے سے اظہر کو مجھ سے چھینا تھا اگر میں اپنی خوشیوں کے بارے میں سوچ لوں گی تو کسی کا کیا جائے گا۔ لوگ دو چار روز باتیں کر کے خاموش ہو جائیں گے، ہاں زندگی پر اس کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا سمیرا کا، اس کے دل نے ہمک ہمک کر اس کی خواہش کا احترام کیا تھا۔

❁......❁......❁

"عفرا بنت عنایت علی کیا آپ کو عاصم بن ساجد سے بعوض ایک لاکھ روپیہ حق مہر نکاح قبول ہے؟" مولوی صاحب نے تیسری بار پوچھا اور عفرا نے اقرار میں سر ہلایا تھا۔

مبارک سلامت کا شور مچ گیا، ساجدہ اور ممانی ایک دوسرے کے گلے مل رہی تھیں۔ تابندہ اور شازیہ نادیہ

مریم منور

میرا نام مریم منور ہے، میں سمندری میں رہتی ہوں۔ ایم اے انگلش پارٹ ٹو میں ہوں، ہم پانچ بہنیں آپی سمیرا، عظمیٰ، معظمہ، ماریہ اور دو بھائی بلال اجمل اینڈ عثمان علی ہیں۔ گھر میں ماما، بھائی بلال اجمل اینڈ آپی عظمیٰ کی لاڈلی ہوں۔ پرپٹی ہوں کیئرنگ ہوں اور ایمان دار بھی ہوں، اپنے سے زیادہ دوسروں کی پروا کرتی ہوں۔ اپنی ذات سے کسی کو دکھ نہیں دیتی، مجھے ہر ڈریس پسند ہے اور مجھ پر سب سوٹ بھی کرتے ہیں۔ خوشبو، بلو لیڈی اینڈ شی پسند ہے۔ گلاب کا پھول پسند ہے، کھانے میں اللہ کا شکر ہے میں سب کھا لیتی ہوں لیکن موسٹ فیورٹ چکن بریانی، دال، چاول، کڑھی بہت پسند ہے۔ میٹھے میں سب پسند ہے، اللہ کا شکر ہے مجھ میں خوبیاں ہی خوبیاں ہیں، خامی کوئی نہیں ہے یہ میں نہیں کہہ رہی میری فیملی اینڈ فرینڈز کہتی ہیں مریم میں کوئی خامی نہیں ہے۔ آئی وش میں ورلڈ ٹور پر جاؤں، بارش بہت اچھی لگتی ہے۔ گرمی، سردی جس موسم کی بھی بارش ہو میں نہاتی ہوں، کبھی اپٹو مائنڈ رکھتی ہوں، کسی سے ناراض نہیں ہوتی۔ اپنی فیملی اور فرینڈز سے بہت پیار کرتی ہوں، شاعری سے کافی لگاؤ ہے۔ اب اجازت چاہتی ہوں آپ سب بتایئے گا کہ آپ کو میں کیسی لگی ہوں، اللہ حافظ۔

خوشی سے عاصم سے چھیڑ خانی کر رہی تھیں۔ ماموں نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھا اور دھیرے سے کہا۔

"تم میری بہو نہیں بیٹی بن کر رہو گی۔ بڑی بہو تو صبیحہ ہے پر تمہیں اس گھر میں بیٹی کے حقوق حاصل ہوں گے اور میں کبھی بھی تم پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا، یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔" اور عفرا کی آنکھوں سے دو آنسو ٹپک کر اس کی ہتھیلیاں بھگو گئے تھے۔

"خوشیوں پر اس کا بھی حق ہے۔" اس نے ایک لمحے کے لیے سوچا تھا۔

اظہر کے لیے نرم گوشہ اس کے دل میں بھی تھا اور اس کے جانے کے بعد تمام رات اس نے اظہر کے بارے میں سوچتے گزار دی تھی اور اگلی صبح جب وہ اپنے آپ کو پوری طرح اظہر سے شادی کرنے کے لیے تیار کر چکی تھی، سمیرا پھر آن ٹپکی۔ اس بار وہ کچھ دکھانے نہیں آئی تھی، نہ کوئی چال چلنے (اس کے خیال میں) بس اس نے ایک سوال پوچھا تھا۔

"عفرا...... کیا تم بھی میرے ساتھ وہی کرو گی جو میں نے تمہارے ساتھ کیا؟" وہ حمزہ کا پیمپر چینج کر رہی تھی جب وہ بڑی خاموشی سے اس کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی، عفرا نے ذرا نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا' ستا ہوا چہرہ اس کی نارسائی کا گواہ تھا۔

"ہاں جیسے کو تیسا...... تم نے بھی تو میرے سارے ارمانوں کو روند ڈالا تھا' ایک لمحہ کو بھی نہیں سوچا تھا نہ میرے بارے میں نہ اظہر کے بارے میں۔ تم اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے اس حد تک گر گئیں کہ تہمت لگا ڈالی بلکہ بہتان تراشی کی۔ ایک پل کو بھی تمہیں خوفِ خدا نہیں آیا۔ چھینی گئی خوشیاں' ایک دن واپس چھن جاتی ہیں۔ جھوٹ کے سہارے زندگی کی عمارت کھڑی نہیں ہوسکتی۔ پالینا ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا' تم سے بہتر اور کوئی نہیں جان سکتا' اس گھر میں جو تمہاری حیثیت ہے تم اچھی طرح جانتی ہو۔ اظہر تمہیں مل تو گیا لیکن تمہارا نہیں ہوسکا اور شاید تم اس بات سے بے خبر ہو اظہر آج بھی میرے کہے بغیر تمہیں طلاق دینے کے لیے تیار بیٹھا ہے اور سمیرا ڈیئر ہوتا تو یہی ہے جو بووٴ وہ کاٹو' سو انتظار کرو۔" اس نے حمزہ کے کام سے فراغت حاصل کی اور ہاتھ دھونے باتھ روم چلی گئی، واپس آئی تو سمیرا اس کے قدموں میں آ گری۔

"مجھے معاف کر دو عفرا...... خدا کے لیے جب تک تم مجھے معاف نہیں کرو گی اللہ بھی معاف نہیں کرے گا۔ دیکھو تمہیں تمہارے حمزہ کا واسطہ" وہ گڑگڑانے لگی لیکن پتا نہیں کیوں عفرا کو اس پر رتی بھر ترس نہیں آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وہ سارے پل گھوم رہے تھے جب نشے میں دھت راشد اس کا بدن کسی بھیڑیے کی طرح جھنجوڑتا اور پھر ٹھڈوں لاتوں سے اسے پیٹ ڈالتا۔

"گندی عورت......" اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان ابل پڑتا اور وہ اپنے زخم سہلاتی سارے آنسو اندر ہی اتارتی رہتی۔

اس کا کیا قصور تھا' کیا جرم؟ اور کتنا آسان ہے کسی کی زندگی عذاب کر کے معافی مانگ لینا۔ کوئی کیا جانے کبھی کبھار سانس رک رک کر چلنے لگتی ہے۔ زندگی کا پہیہ چلتا ہے لیکن گھسیٹ گھسیٹ کر۔

"میری منت کرنے کی بجائے اپنے شوہر کی منت سماجت کر' اس کو سنبھالو اور خدا سے دعا کرو' تمہارا گھر بچ جائے۔" اس نے دھیرج سے کہا۔ سمیرا مایوسی سے اٹھی اور کمرے سے نکل گئی اور عفرا نے یکے بعد دیگرے دو نمبر ڈائل کیے تھے۔ ایک اظہر کا یہ کہنے کے لیے کہ وہ عاصم سے شادی کر رہی ہے اور دوسرا ماموں کا یہ کہنے کے لیے کہ...... وہ عاصم سے شادی کرنے کو تیار ہے' آخر خوشیوں پر اس کا بھی تو حق تھا ناں اور بات بند یا کھلے لفافے کی نہیں تھی صرف قسمت کی تھی۔

اس طور ملے

اُمِ اقصیٰ

مجھے یقین تو نہیں ہے مگر یہی سچ ہے
میں تیرے واسطے عمریں گزار سکتی ہوں
یہی نہیں کہ تجھے جیتنے کی خواہش ہے
میں تیرے واسطے خود کو بھی ہار سکتی ہوں

لاؤنج کا دروازہ کھول کر وہ ڈھیلے قدموں سے اندر آئی تھی۔ سامنے ندا بیٹھی کوئی میگزین پڑھ رہی تھی۔

"آیئے...... آیئے محترمہ زہے نصیب......" ندا کی شوخی سے بھرپور آواز ابھری۔ وہ وہیں کھڑی تذبذب کے عالم میں انگلیاں چٹخاتی رہی۔

"ندا وہ حاشر گھر پر ہیں......" چند سیکنڈز کے بعد قدرے جھجک کر اس نے پوچھا۔

"ہاں اپنے روم میں ہیں وہ۔" ندا نے شرارتی نگاہوں سے مسکرا کے کہا۔

"مجھے ذرا ان سے بات کرنی تھی۔" کہتے ہوئے وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔ دروازہ قدرے کھلا تھا جھجکتے ہوئے اس نے دستک دی۔

"یس کم ان......" کی آواز پہ چند لمحے رک کے اس نے اندر قدم رکھا۔

حاشر نے قدرے چونک کے اسے دیکھا' وہ ابھی ابھی نہا کے نکلا تھا شاید' گیلے بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے سرخ ٹی شرٹ اور بلیو ٹراؤزر میں وہ جوگرز کے تسمے کس رہا تھا۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" قدرے ٹھہرے لہجے میں اس نے کہا۔

"میں ہمہ تن گوش ہوں۔" مصروف لہجے میں عجلت نمایاں تھی۔

"مجھے وہ انگوٹھی واپس چاہیے تھی۔" اس کی دھیمی آواز نے کمرے کے سکوت کو توڑا۔

"کون سی انگوٹھی تقویٰ بی بی۔" وہ اب شیشے کے سامنے بال بنانے لگا۔

"وہ جو میں نے اس دن واپس کی تھی۔"

"واپس نہیں کی تھی میرے منہ پہ ماری تھی۔" حاشر کے لہجے میں ترشی در آئی۔

"آئی ایم سوری پلیز آپ مجھے وہ واپس کردیں۔"

حاشر نے شیشے میں نظر آتے اس کے عکس کو دیکھا۔ قدرے کنفیوز لہجہ' انگلیاں چٹخاتی تقویٰ کے چہرے پہ ندامت نمایاں تھی۔

"سو سوری وہ انگوٹھی تو میں اب پاپا کے حوالے ہی

کروں گا۔“

”دیکھیں اب آپ زیادتی کر رہے ہیں۔“ تیز لہجے میں کہتے ہوئے معذرت کے لیے ترتیب دیئے جملے سب بھک سے اڑ گئے تھے۔

”جو بھی تم سمجھو......“ کمرے سے باہر جانے کے لیے قدم بڑھاتے ہوئے حاشر نے کہا۔

”ہمیشہ ایسے ہی کرتے ہیں آپ۔“ تقویٰ کا لہجہ رندھ گیا۔

”مجھ سے اپنے روم میں ناپسندیدہ چیزیں نہیں برداشت ہوتیں‘ سو پلیز......“ وہ جاتے جاتے پلٹ کے دروازے میں کھڑا ہو کر بولا۔

اہانت کے احساس سے تقویٰ چیخ اٹھی تھی پل بھر کی تاخیر کیے بغیر وہ پلٹی اور تیزی سے دروازے سے نکلتی چلی گئی۔ اپنے روم میں آ کے بیڈ پر گرتے ہی وہ ہچکیوں سے رونے لگی۔

❁......❁......❁
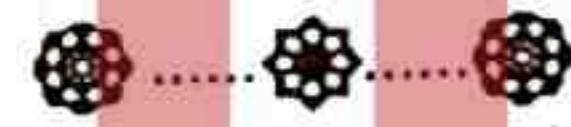
حمید صاحب کے دو ہی بیٹے تھے شاہد اور عابد...... بیوی ان کے بچپن میں ہی وفات پا گئی تھیں۔ حمید صاحب نے دونوں کو ماں بن کے پالا تھا‘ بڑے شاہد کی شادی انہوں نے اپنی بھانجی سلیمہ سے کی تھی جبکہ عابد نے اپنی کلاس فیلو امبرین کو پسند کیا تھا‘ شاہد صاحب کے چار بچے تھے حنا‘ ندا سعدیہ اور حاشر جبکہ عابد کی اکلوتی بیٹی تقویٰ تھی امبرین نے اپنا ایک بھانجا بچپن سے ہی گود لے رکھا تھا‘ سو ولید تقویٰ کا رضائی بھائی تھا......

اچھے وقتوں میں حمید صاحب نے شہر کے وسط میں ہی دو کنال کا پلاٹ لے لیا تھا اور مستقبل کے پیش نظر اس میں دو پورشن بنوائے تھے ایک کرائے پہ اٹھا دیا تھا جو عابد کی شادی کے بعد اس کے حصے میں آیا تھا۔ دونوں بھائیوں میں سلوک اتفاق تو تھا ہی مزید مضبوطی کے لیے حاشر اور تقویٰ کا رشتہ بچپن میں ہی طے کر دیا گیا تھا‘ لیکن بچپن سے ہی دونوں کی ایک منٹ نہ بنتی تھی لیکن دوستی بھی بے حد تھی‘ لڑنے پہ آتے تو لگتا ایک دوسرے کی جان لے لیں گے اور جو صلح ہوتی تو یک جان دو قالب کے مظاہرے ہو رہے ہوتے...... بڑے سب ان کی کھٹی میٹھی لڑائیوں کو انجوائے کرتے رہتے تھے۔

وقت کچھ اور آگے سرکا حنا کی شادی ہو گئی...... ندا کی پڑھائی کو ندا نے ایم فل میں ایڈمیشن لے لیا‘ اپنے ماموں زاد سے اس کا نکاح ہو چکا تھا۔ رخصتی ایم فل کے بعد ہونا تھی...... حمید صاحب اپنے سفر آخرت کو روانہ ہو چکے تھے۔ سعدیہ آرمی ڈاکٹر بننے کے شوق میں پنڈی اپنی خالہ کے ہاں مقیم تھی۔ ولید بھی جاب کے سلسلے میں پنڈی میں ہی تھے...... تقویٰ نے حال ہی میں ایم اے انگلش میں داخلہ لیا تھا جبکہ حاشر نے ایم بی اے کے بعد آفس جوائن کر لیا تھا۔

تقویٰ کی آنکھ کھلی تو شام کے چھ بجے تھے وہ روتے روتے شاید سو گئی تھی۔ آنسو ابھی تک اس کی پلکوں کی باڑوں پہ ہی ٹھہرے ہوئے تھے...... وہ کسلمندی سے بیڈ کی کراؤن سے ٹیک لگا کے بیٹھ گئی اور حاشر سے اپنی آخری لڑائی کے متعلق سوچنے لگی۔

اس دن کوئی بھی تو خاص بات نہ ہوئی تھی‘ تقویٰ کو نوٹس لینے اپنی دوست کے ہاں جانا تھا سو وہ حسب معمول حاشر کی طرف آئی تھی کہ وہ اسے ساتھ لے چلے لیکن سعدیہ کی دوستیں آئی ہوئی تھیں اور حاشر انہیں چھوڑنے جا رہا تھا اور تقویٰ کو ساتھ لے جانے سے اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔ تقویٰ کا کل بے حد اہم ٹیسٹ تھا اور پڑھائی کے معاملے میں وہ شروع سے بہت سنجیدہ تھی سو جھٹ کہہ دیا۔

”تمہیں تو میرا ذرا احساس نہیں۔“

”اچھا تو وہ جو صبح شہر کے دوسرے کونے پہ بنی یونیورسٹی میں چھوڑنے اور لینے گیا تھا وہ بغیر کسی احساس کے تھا۔“ حاشر چڑ گیا تھا۔

”وہ تو تمہارا آفس اسی سائڈ پر تھا تبھی گئے تھے۔“

”آفس سے آف تھا میرا آج......“ حاشر جتاتے ہوئے بولا۔

"تو نہیں جانا تھا نا۔"

"تو اب کب جارہا ہوں۔" تقویٰ کے چٹخنے پہ وہ بھی دوبدو بولا تھا۔

"میں لعنت بھیجتی ہوں تم پہ اور تمہارے لانے لے جانے پہ۔" غصے میں وہ یونہی آؤٹ ہوجایا کرتی تھی۔

"شوق سے بھیجو پر اپنے گھر جاکے۔" حاشر نے دروازے کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا...... مارے غصے کے تقویٰ کا اور بھی برا حال ہوگیا' اس نے انگوٹھی اتار کے حاشر کی طرف اچھالی...... اسے بھی رکھو سنبھال کے' کہتی وہ اپنے پورشن کی جانب آ گئی۔

یہ کوئی ایک دن کی بات نہیں تھی' ہمیشہ دونوں کی ایسے ہی لڑائی ہوتی تھی' زیادتی جس کی بھی ہوتی صلح میں پہل ہمیشہ تقویٰ ہی کیا کرتی تھی۔ ابھی آٹھ دن پہلے ہی تو تقویٰ کی دن بھر کی منتوں کے بعد حاشر نے صلح کی تھی اور پکا وعدہ بھی کہ اب کبھی لڑائی نہیں ہوگی۔

معاً کچھ خیال آنے پہ تقویٰ نے لیپ ٹاپ قریب کیا اور حسب معمول حاشر اسے اپنی آئی ڈی سے ریموو کرچکا تھا۔ تقویٰ نے سیل اٹھا کے حاشر کا نمبر ڈائل کیا اور ہمیشہ کی طرح یہاں سے بھی وہ اسے بلاک کرچکا تھا۔

"بس اب میں بھی کبھی بھی نہیں صلح کروں گی نہ بلاؤں گی اسے سمجھتا کیا ہے خود کو......" بہتے آنسوؤں کے ساتھ وہ دل میں تہیہ کررہی تھی۔

سیل پہ بجتی مدھم ٹیون پہ دل میں ایک خواہش نے انگڑائی لی۔ تقویٰ نے جھٹ سے روشن اسکرین سامنے کی "ولید بھائی کالنگ" وہ بجھے دل سے کال اٹینڈ کرنے لگی۔

"تم رو رہی ہو......؟" ولید کے لہجے میں تشویش تھی۔

"نہیں تو......" تقویٰ نے امڈ آنے والے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"حاشر سے لڑائی ہوئی ہے کیا......؟" ولید ان کی لڑائیوں سے باخبر تھا۔

"نہیں......" یک لفظی کہا...... "ولید بھائی ایک بات کہوں۔"

"پوچھ کیوں رہی ہو...... بہنا کہو۔" ولید کے لہجے میں ہمیشہ والی بشاشت تھی۔

"پوچھ نہیں رہی اندازہ کررہی ہوں کہ آپ میری حمایت کریں گے یا نہیں۔"

"کیسی حمایت......؟"

"ولید بھائی حاشر کی مجھ سے کتنی لڑائیاں ہوتی ہیں ناں...... ہم دونوں خوش نہیں رہ سکتے' کبھی بھی آپ پلیز یہ بات بڑوں تک پہنچادیں' پلیز......" بے ربط سے انداز میں کہتے ساتھ ہی تقویٰ نے سیل بند کردیا اور پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔

"غلطی تو میری بھی تھی ناں......" دل میں حاشر کی حمایت کی ایک کونپل پھوٹی تھی۔

"نہیں اب نہیں کبھی بھی نہیں......" اس نے کونپل کو کچل ڈالا۔

اسے بھولنے کو دل کسی صورت مانتا ہی نہیں
میں ہاتھ جوڑتی ہوں تو پاؤں پڑ جاتا ہے

***

جاتی سردیاں بے کیف دنوں کو طویل کرتی جارہی تھیں اوپر سے فراغت اور بے معنی سوچیں' تقویٰ کو جی بھر کے بور کرتیں اوپر سے اس دشمن جاں کو دیکھے ہوئے کتنے ہی دن ہوگئے تھے۔ کتنے دن ہوگئے بھلا اس نے انگوٹھے کا سرا چھوٹی انگلی کی پور پہ رکھ کے شمار کرنا چاہا ہی تھا کہ دل نے حساب سامنے رکھ دیا نو دن اور سات گھنٹے...... بے بس سی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ آ ٹھہری اب حساب کتاب کا فائدہ......؟

کتنے دن ہوگئے فیس بک یوز کیے ہوئے...... بوریت سے بچنے کی خاطر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنا اکاؤنٹ تو وہ اس دن کا ہی آف کرچکی تھی سو ٹائم پاس کے لیے نئی آئی ڈی بنانے کا سوچا...... نیلا پردہ اسکرین

پہ یہی نام ابھرا' یہ جاشر کا پسندیدہ نام تھا اکثر وہ اسے اسی نام سے پکارا کرتا تھا۔ رات سونے سے پہلے تک وہ بیلا نام سے اپنا اکاؤنٹ بنا کے پانچ لوگوں کو ایڈ بھی کرچکی تھی..... فراغت کے ہاتھوں مصروفیت کا یہ پہلو آچکا تھا۔ فضول سوچیں بھی دم توڑ گئی تھیں اور رات وہ پرسکون نیند سوئی تھی۔

......☆☆☆......

چڑیوں کی چہچہاہٹ سے ایک نئے اور بھرپور دن کے آغاز کا پتہ چل رہا تھا' مگر تقویٰ کسلمندی سے لیٹی رہی' اٹھ کے کرنا بھی کیا تھا..... روز وشب میں جمود در آیا تھا..... ایک سے سپاٹ دن رات نہ جوش' امنگ نہ ولولہ..... ڈھیلے قدموں سے روزمرہ کے کام نبٹاتی وہ لیپ ٹاپ لے کے بیٹھ گئی نوٹیفکیشنز میں اس کی دو دوستیں اس کو پانچ گروپس میں ایڈ کرچکی تھیں' اف یہ فضول گروپس.....'' شاعری' شاعری' شاعری نجانے لوگوں کو اور کچھ کیوں نہیں سوجھتا ہر فیس بک یوزر کے دو تین گروپ لازمی اور گروپ بھی شاعری کے..... ابھی چند ہی روز قبل تقویٰ کو فنانس میں انٹرسٹ ہوا کہ جاشر ایم بی اے فنانس کرچکا تھا گوگل سے مغز ماری کی بجائے اس نے فیس بک کا رخ کیا۔ اس حوالے سے گروپ تو کوئی ملا ہی نہیں' ہاں ایک دو پیج ملے مگر جامد..... نو پوسٹ نو انفارمیشن' تقویٰ کو سخت جھنجلاہٹ ہوئی اور وہ پکا تہیہ کرچکی تھی کہ ماسٹرز کے بعد اپنے مضمون کے حوالے سے گروپ اور پیج بنانے کا..... اس کے پاپا پروفیسر تھے اور بقول ڈاکٹر صفدر محمود کے پروفیسر لوگوں کو جہاں چار آدمی ملے لیکچر دینا شروع کردیتے ہیں۔ سو اس کے پاپا کے بقول علم امانت ہوتا ہے اور یہ بات امانت امانت داری سے آگے پہنچا دینی چاہیے' ذخیرہ نہیں کرنا چاہیے' سو تقویٰ اپنے علم کو اس طرح آگے پہنچانا چاہتی تھی کتنے ہی لاکھوں کی تعداد میں لوگ اس ویب سائٹس پہ موجود ہیں اور کتنے ہی ان میں ماسٹرز یا کسی ہنر میں طاق ہیں اگر سب اسی طریقے سے اپنے علم یا ہنر کو آگے پہنچانے کا بیڑہ اٹھالیں تو کتنے ہی لوگوں کو فائدہ ہوسکتا ہے یہ بھی تو ایک طرح جہاد بالقلم کے ہی زمرے میں آتا ہے' چلو جہاد نہ سہی نیکی تو ہے ہی..... فیس بک پہ ادھر اُدھر نظریں بھٹکائی یکلخت ٹھٹکی مون نام کے کسی شخص نے اس کو فرینڈ ریکویسٹ بھیجی تھی..... میل کی ہر آئی ڈی کو بغیر جانے ہی وہ مٹا دیتی تھی.....

''جو اصول و قوانین واضح ہیں سو ہیں جب معاشرے میں ایک لڑکا اور لڑکی کی دوستی کو اچھی نظر نہیں دیکھا جاتا تو فیس بک پہ کیسے ٹھیک ہے یہ۔'' یہ خیالات تقویٰ کے اس آئی ڈی کو دیکھنے سے قبل کے تھے..... اس نام کو وہ اگنور نہیں کرسکتی تھی۔ کیسے کرتی۔ ''کہ یہ جاشر کا فیورٹ نام تھا' وہ اکثر اس سے فرمائش کرتا کہ مجھے مون کہہ کر پکارو..... لوگ نہیں بھولتے کبھی نہیں بھولتے کیونکہ ان سے وابستہ یادیں ہمیں کبھی کچھ بھولنے نہیں دیتیں..... اور ماضی کی یادیں تلخ ہوں یا خوش گوار ان میں ہمیشہ خوش گواریت ہوتی ہے۔

سو اس نام کو بنا کچھ سوچے اس نے ایڈ کرلیا تھا۔

''تھینکس ٹو ایڈ می.....'' چند لمحے بعد ایک خوب صورت پھول کے ساتھ کہا گیا تھا۔

''ویلکم.....'' کمنٹ میں لکھ کے وہ لاگ آف ہوگئی۔ کتنے ہی کام توجہ طلب تھے..... بال روکھے سے ہو رہے تھے' ان میں تیل لگنا تھا' سردیوں کے گرم کپڑے سنبھال کے الماری کے نچلے خانے میں رکھنے تھے' مارچ کا آخر ہفتہ چل رہا تھا' ریشمی کپڑے تو چل جاتے تھے مگر گرم کپڑے بشمول سویٹرز اور شال کے اپنی مدت پوری کرچکے تھے..... سو بے دلی سے وہ سب نبٹاتی رہی۔

......❁......❁......❁

وہ ایک بے حد خوب صورت چھوٹی سی بچی کی تصویر تھی جو تقویٰ نے اپنی پروفائل پہ لگائی تھی' آج وہ چھ سات دن بعد فیس بک پہ آئی تھی۔ کچھ دیر تصویر کو دیکھنے کے بعد وہ ماڈرن لنگویج کے حوالے سے کسی پیج کی تلاش میں تھی جب نوٹیفکیشن موصول ہوا ''آپ کی طرح بے حد

خوبصورت...... تقویٰ نے اس تصویر کے نیچے انگلش میں لکھے اس کمنٹ کو ہلکی سی ناگواری سے دیکھا...... فیس بک بھی ''پبلک پلیس'' ہے جو جب چاہے آپ کے متعلق جو مرضی کہہ دے وہ دوبارہ سے اپنے کام میں مشغول ہوگئی۔

''آپ کہاں تھیں کسی نے آپ کو مس کیا ڈیئر فرینڈ......؟'' تقویٰ اس کے کمنٹ پہ چونکی اور تو اور میسج بھی موصول ہوا۔ ''ہائے''

''اس کا منہ بند کرنا ضروری ہے......'' تقویٰ نے اس سے بات کرنے کا فیصلہ کیا اور وعلیکم السلام ہائے کہا۔

''کیسی ہیں آپ؟''

''ٹھیک' مجھے آپ سے ایک بات کہنی ہے۔'' تقویٰ نے لکھا۔

''جی کہیے......'' اس کا جواب فوراً موصول ہوا۔

''آپ مجھے فرینڈ مت کہیں پلیز میں آپ کی فرینڈ نہیں ہوں۔ نہ ہی مجھے ڈیئر اور اس قسم کے القاب پسند ہیں۔ میں بوائز کو ایڈ نہیں کرتی' آپ مجھے ڈیسنٹ لگے سو امید ہے آپ میری خواہش کا احترام کریں گے۔''

''ایک بات کہوں میں بھی......''

''جی ضرور۔''

''آپ فیس بک یوز کرنا چھوڑ دیں۔'' تقویٰ اس کی فرمائش پہ حیران ہوئی۔

''کیوں؟''

''بس میں جو کہہ رہا ہوں...... آپ بہت اچھی ہیں ویسے۔'' تقویٰ نے جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔

''بیلا آپ کا نام بے حد خوب صورت ہے۔ مجھے یہ نام بہت پسند ہے۔'' چند دن بعد مون اس سے کہہ رہا تھا۔

''اور اگر میرا یہ نام نہ ہوتو......'' تقویٰ نے جواب میں لکھا۔

''تو بھی آپ بیلا ہی ہیں' میری بیلا'' چند لمحے بعد اس نے جواب دیا تھا۔ تقویٰ نے حیرت سے کھلے منہ پہ ہاتھ رکھا اور لیپ ٹاپ بند کردیا۔ وہ سلجھی ہوئی سوچ کا اچھا نوجوان تھا' بیلا اب اس سے بات کرنے لگی تھی' لیکن اس کی کوئی کوئی بات تقویٰ کو حیرت میں ڈال دیتی' اس نے بیلا کو اپنے متعلق سب سچ بتا دیا تھا' ایم بی اے کے بعد وہ ایک کمپنی میں جاب کرتا تھا' بچپن میں اس کی کزن کے ساتھ اس کی منگنی ہو چکی تھی مگر اس کی کزن اسے پسند نہیں کرتی تھی' مون کی شاید اس کے ساتھ کوئی جذباتی وابستگی تھی' سو آج کل وہ اس کو بھولنے کے چکروں میں تھا سو جاب کے بعد مزید اسٹڈی اور دیگر ایکٹویٹیز جوائن کر رکھی تھیں اس نے...... اچھی بات یہ تھی کہ وہ پرسنل لائف میں دخل اندازی نہیں کرتا تھا' اپنے متعلق اس نے سب بتایا تھا مگر تقویٰ سے کچھ نہیں پوچھا تھا' بے حد تمیز تہذیب سے بات کرتا تھا' تقویٰ سے اس کا نمبر بھی ایک بار مانگا مگر تقویٰ کے انکار کا اس نے بالکل بھی برا نہ مانا...... دونوں کے پاس ورڈز تک ایک دوسرے کو معلوم تھے جو بات تقویٰ کے لیے باعث اطمینان تھی کہ اب حاشر کے متعلق سوچنا' کڑھنا اور پریشان ہونا کم ہوگئی تھی وہ...... اور صرف حاشر کو بھولنے کی خاطر وہ اس سے زیادہ زیادہ بات کیا کرتی تھی۔

اس دن وہ لیپ ٹاپ لیے ٹیرس پہ بیٹھی تھی جب اس نے حاشر کو گھر آتے دیکھا' ایک ہاتھ سے موبائل کے بٹنوں سے چھیڑ خانی کرتا دوسرا ہاتھ عادتاً جینز کی جیب میں گھسائے ہوئے...... تقویٰ بے اختیار اسے دیکھے گئی' چہرے پہ بے حد اطمینان لیے وہ اندر کی جانب بڑھ گیا' بغیر اِدھر اُدھر دیکھے حالانکہ شروع سے اس کی عادت تھی کہ گیٹ سے اندر آتے ہی تقویٰ کے ٹیرس پہ ایک نظر دیکھتا اور ہاتھ ہلاتا تھا کہ تقویٰ زیادہ تر یہاں ہی پائی جاتی تھی۔ بے شک کتنی ہی عجلت میں ہوتا وہ...... لیکن آج...... تو اس نے بھی نئی راہ منتخب کرہی لی...... تقویٰ کے دل کو دکھ نے آ گھیرا۔ ہمیشہ تو وہ مناتی تھی کیا ہوتا اگر جو اس بار وہ اسے منالیتا' قطع نظر اس بات کے کہ غلطی

کس کی تھی...... مون کے میسجز دھڑا دھڑ آرہے تھے مگر اس نے لیپ ٹاپ بند کردیا۔ جاشر ایک ہاتھ میں رول کی پلیٹ لیے اور دوسرے میں مگ اٹھائے لان چیئرز پہ آبیٹھا تھا۔ تقویٰ اٹھ کے اندر کی جانب بڑھ گئی۔

✿......✿......✿

ولید کافی دنوں بعد آیا تھا' ہمیشہ والا مخصوص شفقت بھرا لب ولہجہ وانداز...... نہ کوئی استفسار کیا نہ انکار......

تقویٰ نے بھی جاشر والے موضوع پر دوبارہ ولید سے کوئی بات نہ کی تھی...... اس وقت وہ لاؤنج میں بیٹھا پکوڑوں کے ساتھ چائے انجوائے کررہا تھا۔ تقویٰ ان سے تھوڑی دیر گپ شپ لگانے کے خیال سے کمرے سے نکلی ہی تھی کہ معاً اسے سعدیہ کی آواز سنائی دی۔ اف یہ بھی آئی ہوئی ہے۔ تقویٰ وہیں دروازے کے قریب رک گئی کہ تایا جی کے گھر کا ہر فرد اسے دیکھتے ہی اپنے گھر پہ آنے کا شکوہ کرتا۔ سعدیہ کی شکایت کہ مجھ سے ملنے ہماری طرف کیوں نہیں آئی اس بات کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا سو اس نے لاؤنج میں جانے سے پرہیز کیا اور وہیں دروازے کے قریب چیئر پر بیٹھ گئی۔ دونوں متوقع الیکشن کے حوالے سے سیاسی صورت حال پہ بحث کررہے تھے۔

''تمہارے سیل پہ میسجز آرہے ہیں۔'' ولید نے سینٹرل ٹیبل پہ پڑے سعدیہ کے موبائل کی طرف اشارہ کیا۔

سیل کی اسکرین پہ نظریں جماتے سعدیہ کے چہرے پہ ہلکی سی ناگواری در آئی تھی۔

''کس کے میسجز ہیں۔'' ولید نے یونہی سرسری پوچھا۔

''کوئی unknown ہے۔''

''unknown مطلب؟''

''unknown مطلب پتہ نہیں کون ہے تین چار دن سے لگاتار میسجز آرہے ہیں۔'' سعدیہ نے لاپروائی سے کہا۔

''تو پوچھو بھی کہ کون ہے؟''

''کیوں پوچھوں؟ جب کہ میں جانتی ہوں کہ وہ کوئی unknown ہے' پوچھنے کا مطلب میں خود اس سے بات کرنا چاہتی ہوں۔'' سعدیہ کی اس نرالی منطق پہ تقویٰ کو بے اختیار مون یاد آ گیا۔

''شاید کوئی فرینڈ ہو...... کوئی اپنی یا اپنا جو یونہی تنگ کررہا ہو یا رہی ہو۔'' ولید نے ایک اور نقطہ اٹھایا۔

''اپنے بھی یوں تنگ نہیں کرتے۔''

''اپنے واقعی کب تنگ کرتے ہیں' نہ دکھ دیتے ہیں' نہ ہرٹ کرتے ہیں' پر وہ اپنے ہوں تب ناں۔'' تقویٰ بے اختیار سوچ گئی۔

تقویٰ کے کالج میں اینول پلے کی تیاریاں چل رہی تھیں' اسی سلسلے میں وہ بھی آئی ہوئی تھی' ایسی کسی چیز میں اسے کوئی دلچسپی تو نہ تھی مگر پچھلے سال پریکٹس کرتے ایک اسٹوڈنٹ کو ڈائیلاگ غلط امپریشن کے ساتھ بولنے پہ وہ ٹوک بیٹھی تھی اور سر انصاری کی نظروں میں آ گئی تھی' اب سر ہمیشہ اسے ایسی کسی سرگرمی کی تیاری میں ساتھ ساتھ رکھتے اور تقویٰ بھی ہمیشہ نئے آئیڈیاز پیش کرکے سر کا دل جیت لیا کرتی تھی۔ سر انصاری نے بہت اصرار کیا تھا اسے بھی حصہ لینے کو ڈرامیٹک سوسائٹی کی سیکرٹری بنانے تک کی پیش کش کی مگر اسے ایسی کسی سرگرمی میں کبھی بھی کوئی دلچسپی نہ رہی تھی' ابھی بھی جونیئرز کے ساتھ کھپتے اسے پانچ گھنٹے ہو چلے تھے' اسے بے ساختہ مون یاد آیا وہ ہر دو گھنٹے بعد ایک دو میسجز ضرور کرتا' احوال دریافت کرتا' آفس میں یا باہر بھی ہوتا تو سیل سے فیس بک آن کرکے کردیتا تقویٰ نے بھی ایک سائیڈ پہ کھڑے ہو کے سیل سے فیس بک کا آپشن ٹرائی کیا' چند دن پہلے ہی اس نے سیل پہ نیٹ کی سیٹنگ کروائی تھی۔ مون کے چھ میسجز آ چکے تھے' تقویٰ نے بغیر پڑھے اپنی مصروفیات کا بتا کے سائن آؤٹ ہو گئی۔

✿......✿......✿

وہ ڈھلتی رات کا کوئی پہر تھا' تقویٰ غنودگی میں

جانے کو تمی جب سیل ملکے سے وائبریٹ ہوا...... اف یہ مون بھی نا...... تقویٰ کو خوش گوار سی کوفت ہوئی۔ چوبیس گھنٹے یہ بندہ آن لائن رہتا ہے پتہ نہیں باقی کام کیسے نپٹاتا ہے۔ وہ وہیں لیٹے لیٹے میسج پڑھنے لگی۔

تمہیں وہ مل نہیں پایا
کسی کو میں نے چاہا تھا
مجھے وہ مل نہیں پائی!
ادھوری تم بھی ہو اب تک
ادھورا میں بھی ہوں اب تک
ادھورے پن کی تنہائی تمہیں بھی ڈستی رہتی ہے
ادھورے پن کی تنہائی مجھے بھی ڈستی رہتی ہے
ادھورے پن سے تم بھی اب نکلنا چاہتی ہو ناں......
ادھورے پن سے میں بھی اب نکلنا چاہتا ہوں بس
تمہارے اور میرے مسائل سب ایک جیسے ہیں
سبھی غم ایک جیسے ہیں، سبھی دکھ ایک جیسے ہیں
سنو لڑکی......!
چلو اک کام کرتے ہیں......
مجھے تم ویسا ہی چاہو کہ جیسا اس کو چاہا تھا
تمہیں میں ویسا ہی چاہوں گا جیسا اس کو چاہا تھا
چلو آؤ کہ مل جل کر نیا اک گھر بناتے ہیں......
محبت کے دیئے کو پھر محبت سے جلاتے ہیں

مون کی بھیجی ہوئی نظم پڑھ کر تقویٰ گم صم سی سوچ میں گئی۔ کئی دنوں سے مون باتوں باتوں میں ایسی کسی خواہش کا اظہار کر جاتا تھا...... شادی کے ذکر پہ تقویٰ نے صرف یہی بتایا تھا کہ اس کی کسی کزن سے بات طے تھی لیکن اب سب کچھ ختم ہوگیا ہے، تم بالکل ویسی، ہو بہو ویسی جیسی لڑکی میں چاہتا تھا...... تم میری آئیڈیل جیسی ہو...... ہو بہو میرے خوابوں کی ملکہ جیسی...... اس کی ایسی باتوں پہ تقویٰ کبھی کبھار چڑ جاتی۔

"آپ میرے بارے میں جانتے ہی کیا ہو؟"

"تعلق بنے گا تو جان بھی جائیں گے ناں۔ ابھی جتنا جاننا ضروری تھا جان لیا۔" تقویٰ کی بات پردہ پہ ساختہ کہتا۔

"بیلا......" رات کی آخری ساعت اس نے پکارا۔

"جی۔"

"مجھ سے شادی کرو گی......؟" تقویٰ چند لمحے اسکرین کو گھورتی رہی پھر سیل ایک طرف ڈال کر لیٹ گئی، اس کا دل و ذہن سپاٹ ہو رہا تھا نہ کوئی جذبہ نہ خواہش نہ ادراک، وہ خاموشی سے آنکھیں موند کے لیٹ گئی، جانتی تھی اب مون کا کوئی میسج نہیں آئے گا، جب تک کہ وہ جواب نہ دیتی۔ جانے اس کے جذبے سچے تھے یا نہیں لیکن وہ خود سچا تھا اور تقویٰ یہ کئی بار آزما چکی تھی۔ وہ جو کوئی اور جیسا بھی تھا یہ سچ تھا کہ تقویٰ کو اس کی پروا تھی، اس کا انتظار رہنے لگا تھا۔ یہ آخری اعتراف تھا جو اس نے سونے سے قبل کیا تھا۔

※......※......※

سعدیہ اور ولید کی منگنی...... دونوں گھروں میں سب سے زیادہ حیران کن خبر یہ صرف تقویٰ کے لیے تھی کیونکہ گھر کے حالات سے باخبر رہنا اس نے کب کا چھوڑ رکھا تھا۔ سب صبح سے تیاریوں میں لگے ہوئے تھے، گھریلو پیمانے پر چھوٹا سا فنکشن تھا۔ بلکہ فنکشن بھی کیا دونوں گھر کے افراد نے ہی ہونا تھا، پھر بھی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ بلیو جینز، سفید ٹی شرٹ پہنے رف سے حلیے میں لیکن مطمئن چہرے کے ساتھ حاشر بھی کئی دفعہ گھر آ چکا تھا۔

مما اسے بھی کب کا تیار ہونے کو کہہ چکی تھیں مگر تقویٰ کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ ولید بھی ابھی تھوڑی دیر پہلے کہہ گیا تھا بہنا آپ کو تو سب سے پہلے تیار ہونا چاہیے تھا۔ یہ ولید حاشر کے متعلق کوئی بات کیوں نہیں کرتا؟ تقویٰ کی ذہنی رو پھر بہکی...... شاید یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمیشہ کی طرح معمولی سی لڑائی ہے مگر انہیں کیا پتہ کہ میں نئی راہ کی مسافر بن چکی ہوں، اسے بے اختیار مون یاد آیا۔ نجانے وہ کیسا ہوگا؟ مون نے ابھی تک اسے اپنی کوئی تصویر نہیں دکھائی تھی۔ وہ پہلے ہی وعدہ کر چکا تھا کہ

اگر تقویٰ کا جواب مثبت ہوا تو وہ تصویر، ویڈیو سب دکھائے گا...... اس کے اندر ایک جنگ چھڑی ہوئی تھی، دل نہ حاشر کو بھلانے پہ آمادہ تھا اور نہ موون سے دستبرداری اسے منظور تھی۔ حال یہ تھا کہ چوبیس گھنٹے سر میں درد رہتا۔

"تقویٰ تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔" مما بہ عجلت اندر آئی تھیں۔

"مما میرے سر میں شدید درد ہے۔"

"کیا مطلب ہے اس بات کا۔" ان کی آواز میں غصہ نمایاں تھا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ میں صرف دو منٹ میں تیار ہو کے آئی، آپ بے فکر ہو جائیں۔" تقویٰ نے ڈانٹ سے بچنے کے لیے کہا، حالانکہ اس کا جانے کا قطعی کوئی ارادہ نہیں تھا، دکھاوے کو اس نے کپڑے بیڈ پہ نکال کے رکھے ہوئے تھے یونہی ہر کسی کو دو منٹ کا بہانہ کر کے اس کا ٹائم ویسٹ کرنے کا ارادہ تھا۔

"جلدی آنا۔" مما کے لہجے میں تنبیہہ تھی۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے اشیاء کو نئی ترتیب دے رہی تھی جب دروازہ ہلکے سے بجا۔

"یس......" ہلکے سے کہتے وہ سوچنے لگی یقیناً سعدیہ ہوگی یا ندا...... مگر آئینے میں ابھرتی شبیہہ اس نے بے اختیار مڑ کے دیکھا وہ حاشر ہی تھا بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس۔

"پاپا بلا رہے ہیں۔" وہ کمرے کے وسط میں آ کے بولا۔

"آ رہی ہوں۔" رخ پھیر کے تقویٰ نے جواب دیا۔

چند ساعتیں یونہی بیت گئیں۔ تقویٰ نے اس کی خاموشی پہ مڑ کے دیکھا وہ ویسے ہی کھڑا تھا۔ اس کے دیکھتے ہی بولا۔ "پاپا نے کہا تھا ساتھ لے کے آؤں۔"

تقویٰ اس کی ضدی طبیعت سے واقف تھی سو خاموشی سے کپڑے اٹھا کے باتھ روم میں گھس گئی۔ بالوں میں الٹا سیدھا برش کیا تیار ہونے کا ارادہ نہیں تھا سو چپل بدلتے کن انکھیوں سے حاشر کی جانب دیکھا۔ وہ دوسری سمت دیکھ رہا تھا۔ ایک ملال سا دل میں آ ٹھہرا وہ ہمیشہ گہرے سبز رنگ کے کپڑوں کی بہت تعریف کرتا تھا جو تقویٰ نے پہنے ہوتے' اس وقت بھی وہ دوسری طرف متوجہ تھا' وہ تو یہاں تک تقویٰ سے کہتا کہ برائیڈل ڈریس اسی کلر کا لینا اور اب...... اس نے دروازے کے قریب جا کے مڑ کے دیکھا وہ اسی سمت دیکھ رہا تھا اور کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے یقیناً تیار ہونے کی نصیحت مگر تقویٰ پیشتر اس کے بول اٹھی۔

"مجھ سے اپنے روم میں ناپسندیدہ چیزیں برداشت نہیں ہوتیں سو پلیز۔" ایک جھٹکے سے وہ مڑا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔ تقویٰ استہزائیہ ہنستی اس کے پیچھے چل دی۔

ندا، سعدیہ تو شاید کچن میں تھیں، باقی سب باتوں میں مگن تھے، اس کے آنے کا کسی نے کوئی خاص نوٹس نہیں لیا تھا۔ حاشر نے کیوں کہا تایا جی بلا رہے ہیں، انہوں نے تو اب کوئی خاص نوٹس نہیں لیا وہ الجھتی کچن میں ندا اور سعدیہ کے پاس آ گئی۔

کھانے کے بعد ولید نے سعدیہ کو انگوٹھی پہنائی تھی۔ ندا بہت کوشش کر رہی تھی اس سے باتیں کرنے کو مگر تقویٰ ہوں ہاں کے علاوہ کچھ بول ہی نہیں رہی تھی۔ تقویٰ کا سارا دھیان ہنستے مسکراتے پرسکون مطمئن حاشر کی جانب تھا وہ مسکرا مسکرا کے ہر کام، ہر بات میں پیش پیش تھا۔ تقویٰ کو مکمل نظر انداز کرتے ہوئے یہاں تک کہ جب تایا جی نے شادی کا ذکر کیا، ان کا پلان موسم گرما کے اختتام پر حاشر اور سعدیہ کی اکٹھی شادی کا تھا تو وہ تب بھی کچھ نہ بولا...... وہ کچھ بتاتا کیوں نہیں۔ تقویٰ کو پریشانی نے آ گھیرا۔ کہیں وہ کوئی اور لڑکی تو منتخب نہیں کر چکا، شادی کے لیے، تقویٰ مضطرب ہو اٹھی۔ حاشر کے انداز اسے آگ لگا رہے تھے۔ وہ یونہی سب کے درمیان سے اٹھ کے لاؤنج میں آ گئی۔ سعدیہ جیولری

اتار رہی تھی۔

"سعدیہ میں پی سی یوز کرلوں......" دل میں ایک فیصلہ کرکے وہ سعدیہ کی جانب پلٹی۔

"ہاں شیور۔"

"کیا ہوا......؟" اسے کافی دیر سے الجھتے دیکھ کے سعدیہ نے پوچھا۔ اوہ ہاں اس میں تو کوئی پرابلم چل رہا ہے' تقویٰ آپ حاشر بھائی کا لیپ ٹاپ لے لیں' ابھی میں نے فیس بک پر اپنی تصویریں پوسٹ کی ہیں اور اندر آن ہی چھوڑ آئی ہوں۔ سعدیہ کی بات پہ وہ حاشر کے کمرے میں آ گئی۔ کمرے کی ترتیب بدستور ویسی ہی تھی اسٹول کھینچ کے اس نے لیپ ٹاپ سامنے کیا ابھی لاگ ان ہی ہوئی تھی کہ حاشر آ دھمکا۔

"مجھے ایک بہت ضروری میسج کرنا ہے۔" بوکھلا کے تقویٰ نے وضاحت کی۔

"اوکے......" کہہ کے وہ وہیں کھڑا رہا۔

"ہاں میں کروں گی۔" حاشر نے اسکرین پہ ٹائپ ہوئے ان لفظوں کو کن انکھیوں سے دیکھا تھا۔ میسج سینڈ ہوتے ہی وہ لاگ آؤٹ ہوتی اٹھ گئی تھی۔ رشتے ایسے نہیں بنتے' تعلق ایسے نہیں قائم ہوتے مگر ایسی بات ایک ہوش مند انسان سوچتا ہے غصے میں پاگل' انتقام کی ضد میں جلتا کلستا نہیں' اگر اسے پروا نہیں تو مجھے بھی نہیں ہونی چاہیے' ایک نظر حاشر کو دیکھتی وہ اسٹول کھینچ کے اٹھی۔ حاشر بنا اس کو دیکھے اسٹول پہ بیٹھ کر لیپ ٹاپ سیٹ کر چکا تھا۔ وہ جانے کو مڑی ہی تھی کہ جھٹکا کھا کے پیچھے پلٹی' اس کے دوپٹے کا ایک کونا اسٹول کے نیچے تھا۔ تقویٰ بے بسی سے وہیں کھڑی دیکھنے لگی' حاشر پاس ورڈ ٹائپ کر رہا تھا۔

وہ نیچے جھکی جائزہ لینے لگی' دوپٹہ کسی طور نہ نکل سکتا تھا۔ جب تک کہ حاشر اسٹول پر سے نہ اٹھتا۔

"اوہ یس......" حاشر کی آواز پہ اس نے اٹھ کے دیکھا وہ تھینکس ٹائپ کرکے سینڈ کر رہا تھا۔ تقویٰ نے بے حد حیرت سے سینڈ ہوتے میسج اور اس سے اوپر شو

ہوتے تیج کو دیکھا اور حاشر کی طرف جس کی نگاہوں میں بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

"آپ مون......" حیرت سے اس کی آواز پھٹی پڑی۔

"کیا مطلب......؟" حاشر نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔ ایک نظر ٹیپ نا پہ ڈالی اور تقریباً چیختے ہوئے اٹھ گیا۔ "تم بیلا......" اسٹول ایک جانب کو لڑھک گیا تھا۔ تقویٰ کا بے دھیانی سے دوپٹہ کھینچتا ہاتھ پہلو میں آ گرا تھا' وہ مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑی تھی۔ اس کے تو وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ایسا بھی کچھ ہوسکتا ہے۔ مون حاشر کیسے ہوسکتا تھا بھلا...... مگر ایسا ہو چکا تھا۔ حاشر کچھ پل اس کے جھکے سر کو دیکھتا رہا' اسے بھی حیرت تھی بے حد حیرت کہ اس کے سان وگمان میں بھی ایسی کوئی بات نہ تھی۔ پھر وہ مسکرایا اور بے ساختہ ہنستا چلا گیا۔ تقویٰ نے سر اٹھا کے جانچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میری بیلا......" ہنستے ہوئے حاشر نے تصدیق چاہی۔

"مجھ سے بات مت کریں مجھے بہت سی شکایتیں ہیں آپ سے۔" وہ رخ موڑے نروٹھے پن سے بولی۔

"اچھا کیا کیا شکایتیں ہیں؟"

"آپ نے منایا کیوں نہیں مجھے؟"

"آج منانے ہی تو آیا تھا مگر تمہیں ناپسندیدہ چیز لگا......"

"وہ تو میں نے غصے میں کہا تھا ناں......"

"اچھا اور کیا کیا شکایتیں ہیں......؟" تقویٰ کے خاموش ہونے پہ حاشر نے پوچھا۔

"وہ سامنے ہوئے تو عجب سا حادثہ ہوا
ہر حرف شکایت نے خودکشی کرلی"

تقویٰ کے شعر پڑھنے پر اس نے متاثر ہونے کے انداز میں سر ہلایا......

"اب تو کوئی شکایت نہیں ناں۔"

"ہے...... آپ نے میری تعریف کیوں نہیں کی۔"

"تم اس کلر میں بہت پیاری لگتی ہو بیلا...... مگر اس سڑی بسی شکل میں بالکل نہیں۔"

"ہاں تو دیکھو میرا کیا حال ہو گیا...... آپ کو تو ذرا پروا نہیں تھی ناں۔"

"پروا تھی ناں یار یہ دل کسی طور بہلتا ہی نہ تھا لیکن تمہیں سبق سکھانا بھی مقصود تھا' آخر کب تک چھوٹی چھوٹی غلطیوں پہ یونہی لڑائیاں کرتی رہوگی۔"

"آئی ایم سوری...... غلطی میری ہی تھی۔"

"اٹس او کے یار......" حاشر سے اس کا شرمندہ چہرہ دیکھا نہ گیا۔

"حاشر اگر وہ مون آپ نہ ہوتے اور بیلا میں نہ ہوتی تو......" انجانے خدشے کے تحت تقویٰ نے پوچھا۔

"ہم وہ بات کیوں سوچیں جو ہوئی ہی نہیں۔" حاشر کے لہجے میں اطمینان تھا۔ "ہمیں ہر طور ملنا تھا۔ ہمارا ملنا مقدر میں لکھا تھا' ورنہ سوچو فیس بک پہ اور کتنے لوگ ہیں' ہم ہی کیوں آپس میں ٹکرائے اور دیکھو وہاں ہماری ایک بار بھی تو لڑائی نہیں ہوئی' کتنے اچھے سے انڈراسٹینڈ کرتے تھے ہم دونوں۔ اس نے سائیڈ دراز سے انگوٹھی نکال کے تقویٰ کو پہنائی۔

"اب ٹینس مت ہونا بالکل بھی' جب مجھ سے لڑائی ہوا کرے تم اپنے مون سے ٹائم پاس کرلیا کرنا...... اور میں اپنی بیلا سے۔" حاشر کی بات پہ تقویٰ طمانیت سے مسکرائی حاشر اس کو مل گیا تھا اور اس کا مون بھی جو اسے اچھا لگنے لگا تھا۔

✡

Join Us on Facebook

Get Notificatons of Newly Uploaded Books

Find us on: facebook®

Follow below Image to Get Notifications of Newly Uploaded Books

Urdu Soft Books
Library
Create Call to Action
Liked
Message
Get Notifications
Add to Interest Lists...
Unlike
IN YOUR NEWS FEED
See First
Timeline
About
Photos
Likes
More
Promote
THIS WEEK
87
Post Reach
28
Post Engagement
Recent
2015
Started
2,408 likes +14 this week
Abdul Basit and 42 other friends
87 post reach this week
Status
Photo / Video
Write something...

تیری زلف کے سر ہونے تک

اقرا صغیر احمد

قسط نمبر 3

میں تجھ کو چاہ کے کیسے کسی کی چاہ کروں
تجھے نباہ کے کیوں کر کوئی نباہ کروں
تو زندگی ہی نہیں میری بندگی بھی ہے
کسی کو سوچ کے کیسے کوئی گناہ کروں

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

انشراح کی گاڑی کا ٹکراؤ نوفل اور اس کے دوست بابر سے ہوجاتا ہے ایسے میں نوفل شدید طیش میں آتے اسے شوٹ کرنے کو تیار ہوتا ہے جبکہ انشراح اس کے غصے کو خاطر میں لائے بغیر اپنی غلطی تسلیم کرنے سے انکاری ہوتی ہے ایسے میں بابر نوفل کو سمجھا کر معاملے کو سنگین ہونے سے بچاتا ہے۔ زرقا بیگم بیٹے کے جھگڑے کے متعلق جان کر دنگ رہ جاتی ہیں انہیں اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ نوفل صنف مخالف میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ یونیورسٹی میں ایک مرتبہ پھر انشراح کو روبرو دیکھ کر نوفل اپنی خفگی کا اظہار کیے بنا نہیں رہتا دوسری طرف انشراح کو بھی یہ مغرور سا آدمی ذرا بھی پسند نہیں آتا۔ زید اور مدثر صاحب کے درمیان تلخ کلامی اس حد تک بڑھتی ہے کہ وہ اس پر ہاتھ اٹھا بیٹھتے ہیں ایسے میں سودہ بروقت مداخلت کر کے مدثر ماموں کو سنبھالتی ہے زید اپنی توہین کے خیال سے نہایت اذیت و شرمندگی محسوس کرتا ہے اور باپ کے سامنے اپنی بھڑاس نکالتا ہے۔ یوسف صاحب زید کو سمجھانے کی سعی کرتے ہیں ایسے میں زید اپنے رویے کی تلخی پر معذرت طلب کرتے اپنے دوست کی رحلت کا بتاتا ہے جس پر یوسف صاحب کو اس کے دکھ کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے یوسف صاحب سیاسی سرگرمیوں سے خوب واقفیت رکھتے ہیں اور کچھ عرصے قبل منسٹر بھی رہ چکے تھے لیکن اولاد کے معاملے میں ان کی زندگی محرومی سے عبارت ہے۔ دو بیویوں کے باوجود بھی وہ اولاد کی نعمت سے محروم ہوتے ہیں اور ایسے میں اپنے مرحوم بھائی سیف کی اولاد نوفل کو اپنے بیٹے کے طور پر پالتے ہیں دوسری طرف نوفل بھی انہیں باپ کا درجہ دیتا ہے گزرتے وقت کے ساتھ وہ تنہائی پسند اور زندگی کے ہنگاموں سے دور رہنے لگے تھے۔ سامعہ اپنے بیٹے لاریب کو اپنے حلقے سے کھڑا کرنے کی خواہش مند ہوتی ہیں لیکن اذہان کو یہ سب ناممکن نظر آتا ہے کیونکہ بیٹے کی مشکوک حرکتیں انہیں متفکر کیے دیتی ہیں لیکن سامعہ بیگم ان تمام باتوں کو جوانی کے تقاضے کہہ کر نظر انداز کردیتی ہیں۔
جہاں آرا روشن کے منع کرنے کے باوجود اپنے مراسم پروڈیوسرز اور ڈائریکٹرز سے بڑھاتی ہیں۔ ماضی کے بہت سے تلخ باب وہ بند کیے رکھتی ہیں لیکن اب ان کا سامنے آنا بھی یقینی ہوتا ہے۔ انشراح جہاں آرا کے منہ سے نوریہ کا ذکر سن کر چونک جاتی ہے ایسے میں وہ ان سے تمام حقیقت جاننا چاہتی ہے جہاں آرا یہ کہہ کر اسے مطمئن کرتی ہیں کہ نوریہ اس کی بڑی بہن تھی جواب اس دنیا میں نہیں رہی لیکن جہاں آرا کے سپاٹ اور سرد رویے پر انشراح چونک جاتی ہے۔ سودہ گھریلو تلخیوں سے بے حد رنجیدہ رہتی ہے مائدہ سے اس کی دوستی ہوتی ہے لیکن عمرانہ کو دونوں کا یہ سلوک ذرا بھی پسند نہیں آتا جب ہی وہ سودہ کی بے عزتی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی۔ زید اپنے گھر میں ٹیوشن پڑھتے بچوں کو دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے جب اسے یہ پتا چلتا ہے کہ انہیں ٹیوشن دینے والی سودہ ہے تو اس کا غصہ عود کر آتا ہے۔ صوفیہ کی نند

اچھی آپا اپنے بھائی عارف علی کے مرنے کے بعد بھاوج سے تعلقات بڑھانا چاہتی ہے تاکہ سودہ کا رشتہ اپنے بیٹے سے طے کرکے وہ اس گھر اور جائیداد کی مالک بن جائے جو عارف علی نے اپنی بیٹی کے نام کیا تھا مگر صوفیہ اچھی آپا کی نیت سے بخوبی واقف ہوتی ہیں اور اس بات پر آمادہ نہیں ہوتیں۔

(اب آگے پڑھیے)

❀......❀......❀

''تم نے جرأت کیسے کی یہ کام کرنے کی؟ جانتی ہو یہ گھر میرا ہے باہر لوگ پہچانتے ہیں ہمیں محلے میں بہت عزت ہے لوگ دیکھ رہے ہوں گے اور یہی سوچ رہے ہوں گے کہ ہم تمہارا اور پھوپو کا خیال نہیں رکھتے...... جو تم کو یہ کام کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔'' عزت وقار کے معاملے میں وہ بے حد گریزی تھا شاید باپ کی دوری اور ماں کی حالت نے اسے کم عمری میں ہی بے حد حساس ومحتاط بنا دیا تھا۔ وہ اپنی ذات' خود سے وابستہ لوگوں اور گھر کی طرف اٹھنے والی کوئی انگشت قطعی برداشت نہیں کرسکتا تھا اور سودہ نے انجانے میں اس کی دکھتی رگ پر گھاؤ لگایا تھا بہت گہرا...... بہت شدید۔

''برخوردار...... یہ کیا تم نے میرا گھر...... میرا گھر کی رٹ لگائی ہوئی ہے؟'' وہ بلند آواز میں چیخ رہا تھا آواز اندر گئی تھی اور وہاں بیٹھے مدثر' زمرد اور صوفیہ تک پہنچی تھیں۔ مدثر کے پیچھے وہ دونوں بھی آ گئی تھیں' مدثر برآمدے سے لان تک جاتیں چار سیڑھیاں اترتے ہوئے بارعب انداز میں زید سے مخاطب ہوئے۔

''یہ گھر سب کا ہے۔ تم اس خوش فہمی میں کب سے مبتلا ہو گئے کہ یہ گھر صرف تمہارا ہے اور ہر کام یہاں تمہاری اجازت سے ہوگا۔''

''آپ کا خیال ہے یہ گھر میرا نہیں؟'' وہ آہستگی سے بولا۔

''ارے یہ کیسی باتیں شروع کردی ہیں آپ دونوں اندر چلیں۔'' زمرد نے خوف سے زرد ہوتی سودہ کا ہاتھ تھامتے ہوئے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جبکہ صوفیہ خاموش کھڑی تھیں۔

''ہاں یہ گھر تمہارا نہیں ہے میری زندگی میں یہ گھر تمہارا ہو بھی نہیں ہوسکتا۔ اس کی بنیادوں میں میرے باپ' دادا کی خون پسینے کی کمائی شامل ہے تمہیں کوئی حق نہیں ہے اس گھر کا نام لے کر سودہ پر رعب جمانے کا' اسے ڈی گریڈ کرنے کا۔''

''بھائی جان...... چھوڑیں کیوں بی پی ہائی کرتے ہیں سودہ کی حمایت نہ لیا کریں اگر سودہ خوش نصیب ہوتی تو نہ اس کا باپ مرتا اور نہ ہمیں یہاں رہنا پڑتا میری بچی تو ہے ہی بدقسمت۔'' صوفیہ اچانک ہی روتی ہوئی اندر چلی گئی تھیں' ماحول ایک دم ہی مکدر ہوگیا تھا۔

''ایم ریئلی سوری...... میں غلطی پر تھا جو آج تک اس گھر کو اپنا گھر سمجھتا رہا۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ کر اندر بڑھ گیا۔

❀......❀......❀

''مبارک ہو ہنی...... آخر کار آپ نے جامعہ میں ایڈمیشن لے ہی لیا' اب فضول ایکٹیوٹیز ختم کرکے پڑھائی میں دل لگانا۔ اماں کو کوئی شکایت نہیں ملنی چاہیے کسی بھی جھگڑے کی۔'' روشن آرا نے مبارک باد کے ساتھ ساتھ تنبیہہ بھی کی۔

''یہ کیا بات کی آپ نے آپی میں کوئی جھگڑالو ہوں؟''

''بالکل جھگڑالو ہیں آپ' اماں نے بتایا ہے مجھے آپ نے کچھ دن قبل جو جھگڑا کیا ہے دس از ناٹ گڈ...... اگر وہ لڑکا فائر کردیتا پھر کیا ہوتا؟''

''مائی گاڈ...... اماں بھی نہ...... نا معلوم کیا شے ہیں مجھ سے کہہ رہی تھیں روشن کو نہیں بتانا وہ سن کر پریشان ہوگی اور

خود آپ کو سارا قصہ سنا بھی دیا، کس قدر عجیب بات ہے۔" وہ ہونٹ بھینچ کر گویا ہوئی۔
"وہ تو انہوں نے ایسے ہی کہہ دیا تھا ورنہ اماں کوئی بات مجھ سے نہیں چھپاتی۔" وہ پُراعتماد لہجے میں بولیں۔
"پکی بات ہے۔ اماں آپ سے کچھ بھی نہیں چھپاتیں؟"
"ہوں..... بالکل پکی بات ہے، آپ کو کوئی شک ہے؟" شوخ لہجے میں اسے چڑاتے ہوئے گویا ہوئی۔
"شک تو نہیں ہے کیونکہ میں جانتی ہوں، اماں آپ سے بھی بے حد محبت کرتی ہیں اور جن سے محبت کی جاتی ہے ان سے کچھ بھی چھپایا نہیں جاتا پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ نویرہ کون تھیں؟" اس نے پُراشتیاق لہجے میں دریافت کرنا چاہا تھا مگر دوسری طرف ایک دم خاموشی چھا گئی تھی۔ بالکل ایسے ہی جیسے قہقہے ایک دم ہی آہوں میں بدل جائیں، جیسے بہاروں پر چپکے سے خزاں چھا جائے۔
"ہیلو..... ہیلو آپی....." طویل خاموشی پہ اس نے گھبرا کر پکارا۔
"جی..... انشی سن رہی ہوں۔" دکھ سے بھیگی ہوئی آواز تھی۔
"کیا ہوا؟ آپ رو رہی ہیں، میں نے کوئی غلط بات کہہ دی کیا؟"
"نہیں..... نہیں میری جان، ایسی کوئی بات نہیں۔"
"پھر آپ رو کیوں رہی ہیں؟"
"آپ نے نام ہی کچھ ایسا لے دیا ہے کہ ماضی گھٹا بن کر آنکھوں میں اتر آیا ہے اور اب یہ یادوں کی برسات ہوتی رہے گی۔" ان کی آواز گھٹی گھٹی سی تھی۔
"ایم سوری آپی..... میں نے آپ کو دکھ دیا ہے، دراصل مجھے پتا نہیں تھا کہ میں آپ کو ہرٹ کر رہی ہوں۔" وہ پشیمانی سے گویا ہوئی۔
"میں نے کہا نہ ایسا کچھ نہیں ہے وہ..... بس کبھی کبھی ایموشنل ہو جاتی ہوں۔ ہاں آپ کو کیا پوچھنا ہے نویرہ کے بارے میں؟"
"کون ہیں نویرہ؟ میں نے اپنی لائف میں پہلی بار ان کا نام سنا ہے، نانو نے کبھی بھی پہلے یہ نام نہیں لیا تھا۔"
"نویرہ.....؟" روشن نے گہری سانس لی اور کچھ توقف کے بعد بولی۔
"نویرہ..... اماں کی سگی بیٹی ہے۔"
"کیا.....؟" وہ سخت متحیر رہ گئی تھی۔ "لیکن اماں نے یہ بات کیوں چھپا رکھی ہے؟"
"کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا چھپائے رکھنا ہی بہتر ہوتا ہے۔"
"آپی..... مجھے تو فیل ہوتا ہے ہماری ساری زندگی رازوں کی پوٹلی میں بند ہے، ہر دن کوئی نہ کوئی راز افشا ہو رہا ہوتا ہے مگر پھر بریک کے بعد والا اسٹاپ اور پھر کچھ پتا ہی نہیں چلتا ہے۔"
"ہر راز کے افشاں ہونے کا ایک وقت مقرر ہے اور اگر کوئی کام وقت سے پہلے کر دیا جائے تو پھر ایسے معاملے میں انسان پتھر کا ہو جاتا ہے۔"
"اُف..... وہ ہی پھر الجھی ہوئی بات کرنے لگی ہیں جو مجھے قطعی پسند نہیں۔"
"ہوں، پھر آپ بھی اپنے کام سے کام ہی رکھیے۔"
"یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے نویرہ آنٹی کے بارے میں اب جب تک میں مکمل تفصیلات معلوم نہ کرلوں مجھے سکون کس طرح مل سکتا ہے۔" اس کی کھوجی طبیعت کی اضطراری بیداری ہو چکی تھی۔

”اوکے اب بائیو ڈیٹا اماں سے ہی معلوم کرنا میرے کان مت کھانا۔“

”آپ کے کان کھائے بغیر میرا پیٹ کہاں بھرتا ہے آپی۔“ اس کی شرارت پر وہ بے ساختہ ہنس دی اور قبل اس کے کہ وہ مزید کوئی بات کرید نے کی سعی کرتی اس نے ادھر ادھر کی چند باتوں کے بعد فون بند کردیا تھا۔ انشراح وہیں موبائل رکھ کر تکیوں کے سہارے لیٹ گئی...... اس کی سوچوں کے سمندر میں طغیانی سی آچکی تھی۔ اس کے رشتے بھی بڑے ٹیڑھے میڑھے سے تھے' نانو کے کہنے کے مطابق اس کے والدین بچپن میں اسے چند ماہ کی چھوڑ کر مر گئے تھے' روشن آرا اس کی بڑی بہن ہے پھر تو یہ اس کی حقیقت کیوں سب سے چھپائی گئی؟

❁......❁......❁

لاریب بے حد خوش گوار موڈ میں کار ڈرائیو کررہا تھا' فاسٹ آواز میں میوزک چل رہا تھا اور میوزک کے ساتھ ساتھ خود بھی وسلنگ کررہا تھا معاً اس کی نگاہ فٹ پاتھ پر چلتی دو عورتوں پر پڑی تھی۔ عورت ادھیڑ عمر اور خاصی بیمار دکھائی دے رہی تھی جبکہ اس کے ساتھ جو لڑکی تھی وہ خوب صورت اور اسمارٹ تھی۔ لاریب کی نگاہیں اس لڑکی کے چہرے پر چپک کر رہ گئی تھیں اور یہ اس کی نگاہوں کی تپش ہی تھی جو لڑکی نے بھی اس کی طرف دیکھا تھا۔ لمحے بھر نگاہوں کا تصادم ہوا تھا' لڑکی نے گھبرا کر نگاہیں جھکالی تھیں اور لاریب کا دل پھر دل لگی کے لیے آمادہ ہوگیا تھا۔

”ایکسکیوزمی میم...... کیا میں آپ کی کچھ مدد کرسکتا ہوں؟“ وہ کار کی اسپیڈ کم کرتا ہوا ان کے قریب آ کر گویا ہوا۔

”جی نہیں' شکریہ۔“ وہ لڑکی پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔

”آپ پریشان نہ ہوں' میں آپ کو ڈراپ کردوں گا جہاں آپ کو جانا ہے۔“ وہ ڈرائیونگ ڈور سے سر نکال کر گویا ہوا۔

”کہا نہ شکریہ' ہمیں لفٹ نہیں لینی۔“ وہ لڑکی خاصی ہراساں دکھائی دے رہی تھی سہمے انداز میں گویا ہوئی تھی' لاریب کے اندر پھلجڑیاں سی پھوٹنے لگی تھی۔

اس کے اندر جو ایک سرکشی تھی' حیوانی خواہشات کی پیروی جو ہر دم بے کل و بے قرار رہتی تھی۔ اس ہرنی جیسی خوف زدہ لڑکی کا حصول اس کے لیے ناگزیر ہوگیا تھا' وہ کار سے اتر کر اس ادھیڑ عمر عورت کی طرف بڑھا۔

”آنٹی...... آپ مجھے بیمار اور تھکی ہوئی لگ رہی ہیں یہاں آپ کو کوئی کنوینس بھی نہیں ملے گی۔ آپ مجھ پر بھروسہ کریں جہاں جائیں گی مجھے بتائیں میں آپ کو پہنچادوں گا۔“ خاتون سے بات کرنے کے دوران وہ اپنی بہکتی نگاہوں کو قابو نہیں کرپارہا تھا جو اس لڑکی کے چہرے کے بدلتے رنگوں پر مرکوز تھیں۔

”بیٹا...... ہم اجنبی ہیں اس شہر میں اور آتے ہی لٹ گئے۔“ اس عورت کی آواز میں پریشانی و تفکر تھا۔

”اوہ کیا ہوا...... کہاں سے آئے ہیں آپ لوگ؟“

”خان پور سے آئے ہیں رات کو آنکھ لگ گئی اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر دوسری سیٹ پر بیٹھی ایک فیملی ہمارا سارا سامان لے کر کسی اسٹیشن پر اتر گئی۔ صبح جب آنکھ کھلی تو کچھ بھی نہ تھا صرف ہینڈ پرس میں جو تھوڑی رقم تھی اس سے ہی کرایہ لگا کر ایک رشتے دار کے ہاں گئے تھے اور یہاں بھی قسمت دغا کرگئی۔ وہ رشتے دار بھی کہیں شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔“

”اوہ ویری سیڈ...... یہ بہت برا ہوا آپ کے ساتھ نا معلوم کس طرح سے لوگ دوسروں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھالیتے ہیں' اینی ویز آنٹی آپ کو فکر کی کوئی ضرورت نہیں۔“ سینے پر ہاتھ رکھ کر سر کو ذرا سا خم کرتے ہوئے تابعداری سے گویا ہوا۔

''مجھے آپ اپنا ہی بیٹا سمجھئے' جب تک آپ یہاں رہنا چاہیں بے فکری سے رہیے۔ آپ لوگ میری مہمان ہیں کسی ٹینشن کی ضرورت نہیں۔''

''ارے یہ کس طرح ہوسکتا ہے' ہم کس طرح آپ کے مہمان بن سکتے ہیں؟'' پہلی بار لڑکی نے تعجب خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''جس طرح سے بھی آپ چاہیں میں مہمان بنانے کو تیار ہوں۔''

''نہیں بیٹا...... میں جوان بیٹی کو کس طرح ایک اجنبی کے گھرلے کر رہ سکتی ایک دھوکا میں کھا چکی ہوں۔'' وہ صاف گوئی سے بولیں۔

''ضروری نہیں ہے کہ ایک خراب ہو تو سب کو ہی خراب سمجھا جائے پھر آپ کہاں جائیں گی آپ کے پاس واپسی کا کرایہ ہے نہ رہنے کا ٹھکانہ ہے۔'' وہ دل موہ لینے کے فن سے آشنا تھا' انہوں نے کچھ دیر کے بعد اس کے ساتھ جانے کی رضامندی ظاہر کردی اور وہ سرور ہو گیا تھا۔

''بیٹا آپ تو انسان کے روپ میں فرشتہ مل گئے ہیں مجھے یقین نہیں آرہا آپ جیسے لوگ بھی اس دنیا میں بستے ہیں۔'' وہ عورت اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھیں جبکہ لڑکی بیک سیٹ پر بیٹھی تھی۔

لاریب نے آئینہ اس لڑکی کے چہرے پر مرکوز کر کے کار اسٹارٹ کردی۔ فیصلہ یہ ہوا تھا کہ وہ پہلے انہیں شاپنگ کروائے گا پھر کسی درمیانے درجے کے ہوٹل میں ان کے لیے کمرہ بک کرائے گا' درمیانے درجے کے ہوٹل میں رہنے کی فرمائش لڑکی اور اس کی ممانے کی تھی وگرنہ وہ ان کے لیے فائیو اسٹار میں کمرہ بک کرانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ گھبرائی گھبرائی' ڈری سہمی لڑکی کے چہرے پر اب اطمینان کے رنگ پھیلنے لگے تھے۔ وہ آئینہ میں اس کا عکس دیکھ کر حیا آمیز تبسم سے نگاہیں جھکا لیا کرتی تھی اس کی مما مسلسل لاریب کی تعریف و توصیف کے ساتھ ساتھ دعاؤں سے بھی نوازتی جارہی تھیں۔ وہ دل ہی دل میں ہاتھ آنے والی چڑیا پر جال ڈالنے کے منصوبے ترتیب دے رہا تھا۔

❀......❀......❀

مدثر صاحب سودہ کو لے کر باہر چلے گئے تھے تاکہ وہ جو اس صورت حال سے بالکل اپ سیٹ ہوگئی تھی اس ٹینس ماحول سے نکل کر ریلیکس ہوسکے' گھر میں افسردگی آمیز سناٹا چھا گیا تھا۔ اس خاموشی میں عمرانہ کسی طوفان کی مانند وارد ہوئی تھیں وہ اس وقت باتھ لے رہی تھیں اور ان کی بحث و تکرار کی تمام آوازیں ان کی سماعت تک بخیر و خوبی پہنچ رہی تھیں وہ جلدی جلدی چینج کر کے باہر آئیں تو اس وقت تک معاملہ نبٹ چکا تھا۔ مدثر سودہ کو آؤٹنگ پر لے جاچکے تھے' زید اپنے روم میں بند ہوچکا تھا۔ وہ سیدھی زمرد بیگم کے پاس پہنچی تھیں۔

''بھابی...... یہاں کب تک تماشے ہوتے رہیں گے؟'' وہ بے حد بگڑے موڈ سے ان سے مخاطب ہوئی تھیں زمرد منور صاحب کو ابھی کچھ دیر قبل ہونے والے واقعے کی تفصیل بتارہی تھیں جو ان کی غیر موجودگی میں پیش آیا تھا۔ انہیں دیکھ کر نرم مزاجی سے گویا ہوئیں۔

''آؤ عمرانہ...... یہاں بیٹھو' پہلے میری بات سنو۔''

''کچھ سننا سنانا نہیں ہے مجھے' میں سب سن چکی ہوں۔ میں اسی وقت آپ سے کہہ رہی تھی جب صوفیہ اس فتنی کو لے کر یہاں آئی تھی کہ دونوں ماں بیٹی کو کچھ دے دلا کر چلتا کرو مگر میری کسی نے بھی نہیں سنی اور اس وقت سے آج تک ہم سزا بھگت رہے ہیں۔'' وہ ان کا ہاتھ جھٹک کر چیختے ہوئے گویا ہوئیں۔

''بس...... میں نے بھی فیصلہ کرلیا ہے آج اس گھر سے صوفیہ اور اس کی بیٹی کو نکلوا کر رہوں گی۔ یہ گھر میرے زید کا

ہے وہ مالک ہے اس کا۔‘‘ ان کے چیخنے چلانے پر صوفیہ اور بنارسی بوا بھی وہاں آ گئی تھیں۔

’’جو بھی ہوا غلط فہمی کی بنا پر ہوا ہے عمرانہ...... بات کو طول دینے سے بہتر ہے معاملہ یہیں رفع دفع کر دیا جائے۔‘‘ وہ تحمل سے گویا ہوئے۔

’’نہیں بھائی جان...... اب میں آپ کی بات نہیں ماننے والی اس کو اور اس کی بیٹی کو میں اب اس گھر میں رہنے نہیں دوں گی۔‘‘ وہ صوفیہ کو گھورتے ہوئے گویا ہوئیں۔

’’کیا آپ کی خواہش کبھی پوری ہونے والی نہیں ہے اس گھر پر میرا اور میری بیٹی کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا سب کا ہے۔‘‘ بوا نے گھبرا کر انہیں دیکھا تھا‘ صوفیہ بھی تیوڑی چڑھا کر دوبدو گویا ہوئیں۔

’’تمہیں مجھ سے بکواس کرنے کی ضرورت نہیں‘ میں منور بھائی سے بات کر رہی ہوں۔ میں تمہیں اس قابل ہی نہیں سمجھتی کہ تم سے بات کروں۔‘‘ ایک جہاں کی نفرت دحقارت تھی لہجے میں۔

’’عمرانہ...... ایسی باتیں بالکل نہیں کرو بھلا ایک ساتھ رہ کر بھی ایسی باتیں کی جاتی ہیں۔‘‘ زمرد نے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ماحول میں تناؤ دیکھ کر بوا زید کے روم میں چلی آئی تھیں وہ جو حسب معمول باپ کی بے دردی سے کہی گئی باتوں سے دل گرفتہ سا بیٹھا تھا بوا کو پریشانی سے آتے دیکھ کر فوراً کھڑا ہو کر پوچھنے لگا۔

’’خیریت ہے بوا...... آپ بے حد پریشان لگ رہی ہیں؟‘‘

’’خیریت ہی تو نہیں ہے زید بیٹا۔‘‘

’’کیا ہوا ہے‘ مما کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟‘‘

’’ابھی تک ٹھیک ہے مگر خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ وہ صوفیہ بیٹی سے الجھ رہی ہیں اور ان کو یہ سب برداشت کرنا بہت مشکل ہے۔‘‘ اس نے ان کی پوری بات سنی بھی نہیں اور تیز تیز قدموں سے اس طرف بڑھا آیا۔ صوفیہ اور عمرانہ میں زبردست تکرار ہو رہی تھی۔

’’تم جادوگرنی ہو‘ تمہاری بیٹی جادوگرنی ہے‘ میرے بچوں کا حق کھا رہی ہے۔ اب میں تمہیں اس گھر میں نہیں رہنے دوں گی۔‘‘

’’دیکھتی ہوں میں بھی کون نکالتا ہے اس گھر سے مجھے اور میری بیٹی کو‘ یہ گھر میرا بھی ہے۔‘‘

’’مما...... مما پلیز کول ڈاؤن۔‘‘ زید نے آ کر انہیں بازوؤں کے حصار میں لیا۔

’’دیکھ رہے ہو نا یہ گھر پرائے کے لیے اپنا اور اپنوں کے لیے پرایا بنایا جا رہا ہے۔ مدثر محض آپ کو نیچا دکھانے کے لیے اس دو کوڑی کی لڑکی کو اپنے ساتھ گھمانے لے گئے ہیں۔‘‘ وہ ہذیانی انداز میں کہہ رہی تھیں‘ زید ان کو اسی طرح بازو کے حصار میں لیے ہوئے وہاں سے چلا گیا تھا۔

’’بھائی جان...... دیکھا آپ نے زید کس طرح اپنی ماں کو لے کر چلا گیا‘ میری طرف دیکھا بھی نہیں۔‘‘

’’ٹھیک کیا اس نے‘ جب تک وہ یہاں رہتی تم باز آتیں اور نہ عمرانہ کی زبان قابو میں رہتی‘ چند سیکنڈز میں گھر مچھلی بازار بن گیا تھا۔‘‘

’’عمرانہ بھابی نے اول دن سے مجھ سے بیر رکھا اور بدقسمتی میری یہ ہوئی کہ شادی کے چند سال بعد ہی اجڑ کر پھر اس دہلیز پر آ گئی۔‘‘ انہوں نے جذباتی انداز میں رونا شروع کر دیا تھا۔

’’کیوں بار بار قسمت کو کوسنے بیٹھ جاتی ہو صوفیہ‘ جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔‘‘ ان کے آنسو منور اور زمرد کو بے کل کرنے لگے تھے۔

"صاحب اور بیگم صاحبہ نے ہزاروں رشتوں میں سے عارف بیٹے کا رشتہ چنا تھا...... آہ ہا کیا پتا تھا وہ کم عمر لکھوا کر لائے ہیں۔" بنارسی بوا بھی دوپٹے کے پلو سے آنکھیں صاف کرتی ہوئی بولیں۔

"چلو منہ ہاتھ دھو سودہ کے آنے سے پہلے اپنا موڈ درست کرو۔"

"ہاں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں بہو بیگم اگر سودہ بیٹا نے تمہیں روتے ہوئے دیکھ لیا تو وہ خود بھی رونے بیٹھ جائیں گی بہت حساس دل ہے ان کا اور ابھی وہ خود بھی پوری طرح سے نہیں سنبھلی ہوں گی۔"

"یہ سب میری غلطی ہے مجھے زید کو بتانا چاہیے تھا کہ وہ میرے دوست کے بیٹوں کے بچے ہیں اور میرے کہنے پر ہی سودہ انہیں پڑھا رہی ہے۔" منور کو بھی معمولی سی بات کا اتنا بڑھ جانے کا افسوس تھا۔

"ایک بات تو سچ ہے عمرانہ بہو اور زید بیٹا سودہ کی ذرا سی غلطی معاف نہیں کرتے ہیں بلکہ مجھے لگتا ہے زید تو سودہ کی غلطیوں پر ہی نگاہ رکھتے ہیں کہ غلطی نہ بھی ہو وہ سزا دینے کو تیار رہتے ہیں۔"

"بوا...... بس اب ختم بھی کرو، جلتی پر تیل ڈالنے کی سعی اچھا نہیں۔" زمرد نے انہیں تنبیہہ کی۔

❁......❁......❁

"گرما گرم ناشتہ تیار ہے ماما۔" نوفل لوازمات سے بھری ٹرے سینٹر ٹیبل پر رکھتے ہوئے گویا ہوا۔

"ارے بیٹا...... آپ نے کیوں تیار کیا ناشتہ، مجھ سے کہا ہوتا میں پکا دیتی۔ اتنے ڈھیر ملازمین کی گھر میں موجودگی کس لیے ہے۔" زرقا بیگم نے حیرانی بھرے لہجے میں کہا۔

"ماما...... نوکروں پر منحصر کرنے والا بندہ نہیں ہوں میں، آپ تو میرے لیے کچھ نہ کچھ پکاتی رہتی ہیں۔ آج میرے ہاتھ سے تیار کیا ناشتا ٹیسٹ کر کے دیکھئے کیسا پکا ہے؟"

"بغیر ٹیسٹ کیے بتا سکتی ہوں، بہترین ناشتا ہوگا کیونکہ یہ میرے بیٹے نے پکایا ہے۔ میرا بیٹا کوئی چیز بدذائقہ نہیں پکا سکتا۔" ان کے شفقت بھرے انداز میں بے حد اعتماد و محبت تھی، نوفل کے سنجیدہ چہرے پر لمحے بھر مسکراہٹ ابھر کر غائب ہوگئی تھی۔

"کلاسز شروع ہوگئی ہیں کیا آپ کی؟" انہوں نے ہاف فرائیڈ انڈے پر کالی مرچ چھڑکتے ہوئے استفسار کیا۔

"ابھی کلاسز شروع نہیں ہوئی ہیں ایڈمیشن اوپن ہیں۔"

"ایک عرصہ ہوگیا ہے آپ تنویر بھائی کی طرف نہیں گئے، کچھ دن پہلے وہ آئے تھے بہت یاد کر رہے تھے آپ ٹائم نکال کر کچھ دن کے لیے چلے جائیں وہاں خوش ہو جائیں گے وہ۔"

"کچھ دنوں کے لیے......؟" وہ بوائل انڈا کانٹے میں پھنسا کر بولا۔

"ہوں کچھ دنوں کے لیے، ایک دن سفر میں ہی کٹ جائے گا۔"

"میں جانتا ہوں ماما، مجھے وہاں جاتے ہوئے بہت عجیب سا فیل ہوتا ہے، میرے دل و دماغ نامعلوم احساسات میں جکڑ جاتے ہیں، نا جانے ایسا کیوں ہوتا ہے؟" وہ الجھا الجھا سا بولا تھا۔

"ارے ایسا کیوں فیل کر رہے ہیں آپ بیٹا...... وہ آپ کے ماموں کا گھر ہے، بہت وی آئی پی پروٹوکول دیتے ہیں وہ لوگ آپ کو پھر اس گھر میں آپ کی مما کی یادیں ہیں، رقیہ نے اس گھر میں ہی جنم لیا تھا۔"

"اس عورت کا نام نہ لیا کریں ماما پلیز۔" ایک اذیت ناک جنون اس کے وجیہہ چہرے پر سرخی بن کر ابھرا تھا۔

"سوری بیٹا...... آپ کے لیے وہ عورت نہیں ماں ہے اور ماں صرف ماں ہوتی ہے۔" وہ نرمی سے گویا ہوئیں۔

"ماں اسے قدرت نے بنایا اور وہ ماں بن کر بھی ماں نہ بن سکی ایک عورت ہی رہی ناجائز خواہشوں کے پیچھے بھاگنے والی کمتر عورت۔" وہ گویا شعلوں میں گھر گیا تھا۔

زرقا کو احساس ہوا وہ غلط ٹائم پر کچھ زیادہ ہی جذباتیت کا شکار ہوگئی تھیں۔ وہ ہشاش بشاش موڈ میں ان کے پاس آیا تھا اور وہ بے دھیانی میں اس ٹاپک پر بات کرنے لگیں جو اس کے لیے سب سے زیادہ ناپسندیدہ و ناقابل برداشت تھا۔

"میری ماں آپ ہیں اور صرف آپ ہیں آپ کے علاوہ مجھے کسی دوسری ماں کی ضرورت نہیں۔"

"آئی نو میری جان۔" بہت محبت سے اسے سینے سے لگایا۔

"میری ممتا کو بھی آپ کے روپ میں قرار ملا ہے۔"

"پھر آپ کیوں اس عورت کو میری ماں کہتی ہیں؟"

"کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں بیٹا جن کو مانا جائے یا نہ مانا جائے وہ اپنی جگہ پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں۔"

"آئی ڈونٹ کیئر۔" اس نے نفرت سے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

❁......❁......❁

اس کے چہرے پر اچانک پھیلتی ناگواری نے بابر کو چونک کر گیٹ کی سمت دیکھنے پر مجبور کردیا تھا اور دوسرے لمحے میں گہرا سانس لے کر رہ گیا تھا کیونکہ کل تک وہ جس لڑکی کے نام سے ناواقف تھا اب واقف ہوچکا تھا وہ ان سے جو جیر تھیں ان میں ایک لڑکی عاکفہ اور اس رات تکرار جس لڑکی سے ہوئی تھی اس لڑکی کا نام انشراح تھا۔ دونوں ہی خوش مزاج اور شوخ و چنچل لڑکیاں تھیں۔ وہ وہاں داخل ہوئیں اور ان سے فاصلے پر موجود ٹیبل پر بیٹھ گئی تھی بابر کی نگاہیں بھی پلٹ آئی تھیں۔

"یہ تمہارا موڈ کیوں آف ہوگیا ہے ابھی تو فریش تھا؟"

"کچھ نہیں چلو لائبریری چلتے ہیں۔"

"ابھی تو تمہارا کافی پینے کا موڈ تھا اور آرڈر بھی کردیا ہے۔"

"آرڈر کردیا ہے تو کیا ہوا کافی کسی اور کو سرو ہوجائے گی۔"

"جب آرڈر کیا ہے تو پی کر ہی جائیں گے۔"

"اوکے پھر تم پیو میں جارہا ہوں۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا تو تیزی سے بابر نے اس کا بازو پکڑ کر بیٹھالیا۔

"اس طرح اچانک جانے کا مقصد کیا ہے یار...... کہیں تم اس لڑکی کی وجہ سے تو نہیں جارہے ہو؟ میں نے دیکھا ہے تمہارا موڈ اس کے آتے ہی آف ہوگیا ہے۔ کیا تم اسے بھول نہیں سکتے آئی مین...... اس ایکسیڈنٹ کو جو غلطی سے ہوگیا تھا۔"

"ناممکن، میں دو قسم کے لوگوں کو قطعی نہیں بھولتا ایک وہ جو بہت اچھے ہوتے ہیں اور ایک وہ جو بہت برے ہوتے ہیں اور وہ لڑکی بہت ہی برے وناپسندیدہ ترین لوگوں میں شامل ہے۔" اس کے سنجیدہ لہجے میں آنچ تھی۔

"سمجھ نہیں آتی ہے ویسے تو تم بہت سخی مہربان وملنسار بندے ہو مگر جہاں گرلز کی بات آتی ہے وہاں تم بالکل پتھر بن جاتے ہو۔"

"میری فکر مت کرو اس معاملے میں مجھے پتھر ہی رہنے دو۔" اس کے لہجے میں سخت کھردرا پن در آیا تھا۔

"تو یہ گرم گرم کافی پیو اور برگر کھاؤ۔" ویٹر کافی اور برگر کی پلیٹ ان کے آگے رکھ گیا تو وہ گویا ہوا۔

"ہوں...... میں صرف کافی پیوں گا۔"

"یار...... چکن برگر میں بڑا کلاسک ٹیسٹ ہے کھا کر دیکھو۔"

"تم کھاؤ تمہیں زیادہ ضرورت ہے آئی مین تمہیں بھوک لگ رہی ہے تم میرا برگر بھی باآسانی کھا سکتے ہو۔" اس نے فوراً تصحیح کی۔

"ہوں، بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو دونوں برگر میں کھالوں گا۔"

"کھاؤ...... لیکن برگر میرا دماغ نہیں۔" اس نے کہتے ہوئے کافی کا مگ ہونٹوں سے لگایا۔ اس دوران وہاں آنے جانے والے طلباء سے ہیلو ہائے بھی جاری تھی کیونکہ اس مختصر سے عرصے میں وہاں کئی لڑکوں سے دوستی ہو چکی تھی۔

بابر بڑی مستعدی سے برگرز سے انصاف کررہا تھا ساتھ ساتھ باتیں بھی ہو رہی تھیں۔ بابر کی نگاہیں گاہے بگاہے غیر ارادی طور پر اس ٹیبل کی طرف اٹھ رہی تھیں جہاں وہ دونوں بیٹھیں اردگرد سے بے نیاز باتوں میں مصروف تھیں جبکہ نوفل نے ایک نگاہ بھی اس طرف ڈالنا گوارانہ کی تھی۔ ایک عجیب سا کھنچاؤ اور بغض سا اس کے رویے میں در آیا تھا۔ معاً نوفل کے سیل فون پر اجنبی نمبر سے کوئی میسج آیا تھا جس کو پڑھ کر اس کے چہرے پر پریشانی چھا گئی تھی وہ کافی چھوڑ کر اٹھ گیا تھا۔

"خیریت ہے نا کس کا میسج ہے؟" بابر نے فکر مندی سے پوچھا۔

"خیریت ہے سب، میں جارہا ہوں پیریڈ اٹینڈ نہیں کروں گا۔" وہ کہتا ہوا چلا گیا۔

وہ اس کی آنکھوں میں اترنے والی ٹینشن دیکھ چکا تھا اصرار اس لیے نہ کرسکا کہ جانتا تھا جو بات وہ بتانا نہ چاہے وہ بات کوئی اس سے کسی طرح بھی پوچھ نہیں سکتا تھا کہ اس کے بھی کچھ اصول تھے۔

انشراح عاکفہ سے خفا ہو رہی تھی چائے سموسے اور سینڈوچ ٹھنڈے ہو رہے تھے ان دونوں کی بحث وتکرار میں۔ ہوا یوں تھا کہ دولڑکے یونیورسٹی آتے ہوئے کافی دنوں سے ان کا پیچھا کررہے تھے، شروع شروع میں پیچھا کررہے تھے دو تین دنوں سے ان کی ڈیمانڈ ان سے فرینڈ شپ کرنے کی تھی وہ دونوں سیریس نہ لے کر اگنور کرتی رہی لیکن آج تو حد ہی ہوگئی تھی ان میں سے ایک لڑکے نے عاکفہ کا ہاتھ پکڑنے کی سعی کی تو انشراح نے ان دونوں کے تھپڑوں اور مکوں سے مزاج ٹھکانے لگادیے تھے۔ وہ دونوں تو اس وقت چلے گئے تھے مگر ساتھ ہی ان کو خطرناک نتائج کی سخت دھمکیاں بھی دے گئے تھے اور اس نے ان دھمکیوں کو ہوا میں اڑا دیا تھا جبکہ عاکفہ سخت خوف زدہ ہو رہی تھی ان دھمکیوں سے۔

"پلیز...... مان جاؤ یار پولیس میں کمپلین کرنے دو، وہ لڑکے بڑے بدمعاش لگ رہے ہیں وہ اپنی مار کا بدلہ ضرور لیں گے۔" عاکفہ نے پھر اس کی منت کی۔

"کچھ نہیں ہوگا میں کہہ رہی ہوں جو مار انہوں نے کھائی ہے وہ ان کو ساری زندگی یاد رہے گی وہ اب واپس آنے والے نہیں ہیں، پلیز میرا سر کھانے کے بجائے سموسے کھاؤ۔" وہ صدا کی بے پرواو بے فکری تھی عاکفہ کی پریشانی اس پر ذرا اثر انداز نہ ہوئی تھی سموسے پر کیچپ ڈال کر کھاتی ہوئی مزے سے گویا ہوئی۔

"وہ لوگ مجھے گڑبڑ ٹائپ کے لگ رہے ہیں وہ بدلہ لیے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔ ہمیں آج ہی پولیس میں رپورٹ کرنی ہوگی۔"

"تم جانتی ہو پولیس سے رابطہ کرنے کا مطلب ہے سب کو خبر ہونا اور اگر بات گھر تک پہنچ گئی تو سمجھو امریکہ میں روشن آپی تک بھی پہنچ جائے گی پھر......" وہ خاموش ہو کر سموسہ کھانے لگی۔

"پھر...... پھر کیا ہوگا چپ کیوں ہوگئی ہو؟"

"پھر یہ ہوگا کہ روشن آپی جو پہلے ہی ہمارے یہاں رہنے کے سخت خلاف ہیں فوراً سے پیشتر ہمیں یہاں سے بھگا کر دم لیں گی اور یہ ہوگا کہ اس بار نانو بھی ہمارا ساتھ نہیں دیں گی۔"

"لیکن روشن آپی کو کون بتائے گا؟"

"بالے بھائی ایسے کام بڑے شوق سے کرتے ہیں۔"

"تو یہ..... تم ان کو بالے بھائی کیوں کہتی ہو اتنی کیوٹ تو ہیں بالی آپا۔ تم نے خوامخواہ ان کا نام بگاڑا ہوا ہے۔"

"میرا کوئی بھائی نہیں ہے ان کو بھائی کہنا مجھے اچھا لگتا ہے۔" نوفل وہاں سے گزر رہا تھا ان کو مکمل نظرانداز کرتا ہوا۔

"اس شخص کو دیکھ کر میرا حلق تک کڑوا ہو جاتا ہے بالکل کریلے جیسا آدمی ہے۔" وہ دور جاتے نوفل کی پشت دیکھتے ہوئے بولی۔

"یہ تم زیادتی کر رہی ہو بہت سویٹ پرسن ہیں اینی وے یہ دوسری بات ہے کہ ہمارے قریب سے بھی گزرنا پسند نہیں کرتے گویا ہم چھوت کے مرض میں مبتلا ہوں اور ان کو بیماری لگ جانے کا اندیشہ ہو۔"

❁.....❁.....❁
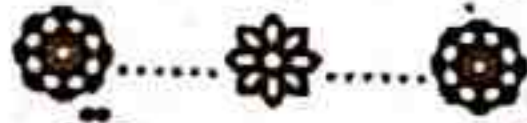
لاریب نے سارا دن ان ماں بیٹی کے ہمراہ گزارا تھا' وہ عورت جتنی باتونی تھی اس کی بیٹی اتنی کم گو اور شرمیلی تھی۔ اس کی خوشی سے باچھیں کھلی جا رہی تھیں کم عمر اور حسین لڑکیاں اس کی کمزوری تھیں۔ پہلے ایک اعلیٰ قسم کے ہوٹل میں وہ ان کو لنچ کروانے لے گیا تھا وہاں سے شاپنگ سینٹر اس کی سخاوت و دریا دلی نے لڑکی کو بھی خاصا متاثر کیا تھا وہ اس کی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دینے لگی تھی۔ کئی مقام پر اس نے اس کی ماں سے نگاہ چرا کر اس کا ہاتھ تھاما تھا اس نے کوئی مزاحمت کیے بنا ہاتھ اسے تھما ڈالا تھا۔ وہ چڑیا کے لیے دانہ ڈال رہا تھا اور چڑیا جال میں پھنسنے لگی تھی۔

"بیٹا..... مجھے سمجھ نہیں آ رہی ہے کس منہ سے آپ کا شکریہ ادا کروں؟ آپ جس طرح ہمارے ساتھ مہربانی کر رہے ہیں' یقین نہیں آ رہا کہ یہ سب حقیقت ہے کوئی خواب نہیں۔" ڈنر کے بعد وہ اس ہوٹل میں آ گئے تھے جہاں انہوں نے رہنے کی فرمائش کی تھی یہ ہوٹل اوسط درجے کا تھا کمرے میں آتے ہی وہ عورت جس نے اپنا نام رفیقہ اور لڑکی کا نام فریحہ بتایا تھا۔ ممنون لہجے میں گویا ہوئی تھی پھر فریحہ شرمیلی مسکراہٹ سے کہنے لگی۔

"آج کا دن بہت ہی مبارک ثابت ہوا ہے ہمارے لیے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ دن اتنا اچھا ہوگا۔"

"دن کو چھوڑو یہ بتاؤ' میں اچھا نہیں ہوں کیا؟" رفیقہ کے واش روم میں جاتے ہی وہ اس کے قریب صوفے پر آ کر بیٹھتے ہوئے سرگوشی میں گویا ہوا۔

"ہا..... یہ کیا بات کی آپ نے..... آپ تو سب سے اچھے ہیں۔"

"جھوٹ بول رہی ہیں آپ؟" وہ اس کو دور ہوتے دیکھ کر خفگی سے گویا ہوا۔

"رئیلی..... قسم سے آپ بہت اچھے ہیں' بہت ہی اچھے۔" اس کو سنجیدہ ہوتے دیکھ کر وہ ہراساں ہوئی۔

"ایک بات میں بھی بتاؤں؟" اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں جکڑتے ہوئے کہا' فریحہ نے اس کی طرف دیکھا مگر فوراً ہی نگاہیں جھکا دی تھیں۔ بہت شرربار آنکھیں تھیں' دہکتی ہوئی' جلاتی ہوئیں۔

"اس دنیا کی تم پہلی لڑکی ہو' جس نے ایک نظر میں ہی میرے دل پر قبضہ کر لیا ہے۔ تمہیں دیکھ کر مجھے لگا جیسے میں تمہیں صدیوں سے جانتا ہوں' تم وہ ہی ہو جو میرے خوابوں میں آتی ہو۔" وہ اس کا ہاتھ تھامے خوابناک لہجے میں کہہ رہا تھا اور فریحہ گم صم ہو گئی تھی اس کی اس کیفیت کو نوٹ کر کے وہ کہنے لگا۔

"کیا ہوا' کیا میرا بے تکلفی سے 'تم' پکارنا برا لگا؟"

"نہیں..... ایسی تو بات نہیں۔"

"پھر کیا میرا پسندیدگی کا اظہار پسند نہیں آیا؟"

"نہیں..... نہیں..... ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"نہیں..... کچھ نہ کچھ تو ہے۔" وہ بضد ہوا۔

"مما ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتی ہیں جو ایک ہی ملاقات میں فری ہو جائیں' میری مما بے حد سخت روایتی عورت ہیں۔"

"او کے میں نے بھی برابر والا روم بک کروایا ہے مما کے سونے کے بعد وہاں آ جانا ہم وہاں بیٹھ کر مما کو راضی کرنے کی پلاننگ کریں گے' دراصل میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" وہ آنے کا وعدہ لے کر اٹھ گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

سودہ نے ان کے ہمراہ سہمے سہمے انداز میں گھر میں قدم رکھا تھا۔ مدثر اس کو گھٹن زدہ حبس بھرے ماحول سے نکال کر از خود لے گئے تھے۔ جانتے تھے اس کا دل بڑا نازک آبگینہ تھا جو زید کی باتوں سے چکنا چور نہ بھی ہوا ہوگا تو دراڑوں سے پُر ضرور ہوا ہوگا' وہ اس کی حساس و نرم طبیعت سے بخوبی واقف تھے۔

آئس کریم پارلر سے آئس کریم کھا کر وہ اسے اللہ دین لے آئے تھے جہاں مختلف گیمز میں اس کے ساتھ حصہ لیتے رہے تھے۔ وہ اسے ریلیکس کرنے کے لیے لائے تھے اور اس مقصد میں کامیاب بھی رہے تھے۔ وہ شروع میں تو اسی طرح مضمحل و چپ چپ رہی تھی' زید کے غصے اور ان باپ بیٹے کی تکرار نے اسے ہمیشہ کی طرح خوف زدہ کر دیا تھا لیکن پھر ان کی شفقت بھری باتوں سے وہ اسٹریس سے نکلتی چلی گئی تھی۔

گھر میں قدم رکھتے ہی شام والا منظر لان میں گزرتے ہوئے از سر نو تازہ ہوا تھا اور دل عجیب سا مکدر ہو کر رہ گیا تھا۔

"ٹیک کیئر بیٹا۔" وہ اسے گیٹ کے اندر تک چھوڑ کر گئے تھے اور اس کا دل بہت تیزی سے دھڑکا تھا کیونکہ لان سے ملحقہ برآمدے کی چار سیڑھیوں میں سے سب سے اوپر وہ بیٹھا ہوا تھا۔

اندر شاید سگنلز کا پرابلم تھا وہ باہر بیٹھا کان سے موبائل لگائے کسی سے گفتگو میں مصروف تھا۔ باپ کو دیکھ کر احتراماً کھڑا ہوا بھی تھا۔ مدثر جلدی میں تھے وہ اسے دیکھ نہ سکے اور چلے گئے تھے۔ یہ اس کی عادت تھی دل میں باپ کے خلاف کتنی بھی بغاوت سہی مگر ان کے احترام میں وہ کھڑا ضرور ہوا کرتا تھا۔ مدثر کے ساتھ ساتھ وہ اس کو بھی دیکھ چکا تھا اور معلوم تھا وہ ادھر سے گزر کر ہی اندر جائے گی سو خاموشی سے لان کی طرف بڑھ گیا تھا' سودہ کی طرف اس نے دیکھنا گوارہ نہ کیا تھا۔ اس کو دیکھ کر بھی نہ دیکھنے کی کٹھور عادت بہت پرانی تھی۔

"سودہ..... آ گئی بیٹی۔" زمرد سے وہ لپٹ گئیں۔

"جی..... ممی کہاں ہیں؟" وہ علیحدہ ہوتی ہوئی استفسار کرنے لگی۔

"سر میں درد ہو رہا تھا صوفیہ کے دوا کھا کر سوئی ہے کچھ دیر پہلے۔"

"سر میں درد..... بہت زیادہ ہو رہا تھا کیا؟" وہ یک دم پریشان ہو گئی ماں کی تکلیف کا سن کر۔

"ارے تم پریشان نہیں ہو بیٹا..... اب آرام آ گیا ہے تب ہی سو گئی ہے درد میں کب نیند آتی ہے۔ کیا مدثر باہر سے چلے گئے؟"

"جی..... کار باہر ہی تھی وہ مجھے لان تک چھوڑ کر گئے ہیں' دیر ہو رہی تھی انہیں وہ جلد آنے کا کہہ کر گئے ہیں۔"

"اچھا اب تم بھی آرام کرو۔" وہ مسکرا کر گویا ہوئی تھیں۔

"جی آپ بھی جا کر ریسٹ کیجیے آپ نے میڈیسن لے لی ہیں؟"

"ہوں لے لی ہیں میں ریسٹ کرنے جا رہی ہوں۔" وہ اس کے ساتھ ہی آگے بڑھتے ہوئے بولیں۔

"ماموں جان جلدی لیٹ گئے ہیں آج؟"

"نہیں وہ زید کے کمرے میں ہیں۔"

"زید بھائی...... لان میں ہیں ماموں وہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"زید کے کسی دوست کا جرمنی سے فون آ گیا ہے اس کے روم میں سگنل نہیں آ رہے تھے اس لیے اسے لان میں جانا پڑا۔" وہ بتا کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور وہ بوا کی طرف آ گئی جو اپنے کمرے میں لیٹی پرانے فلمی گانے سن رہی تھیں۔

"آ گئی میری بٹیا...... وہ ٹیپ بند کر کے اٹھ بیٹھی تھیں خوش ہو کر بولیں۔

"جی بوا۔" وہ ان کے قریب ہی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"اچھا ہی ہوا جو مدثر بیٹا تم کو ساتھ لے گئے تھے اگر تم یہاں ہوتی تو عمرانہ بہو خدا جانے کیا کر بیٹھتیں بہت غصے میں تھیں وہ۔" بوا حسب عادت روداد سنانے لگی تھیں۔

"اوہ...... بوا ممانی کو خبر ہو گئی تھی اس سارے فساد کی؟" وہ خوف سے زرد پڑتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"ہاں بیٹیا...... ان کو خبر کیسے نہیں ہوتی سب سن لیا تھا انہوں نے۔"

"پھر؟" اس کے لیے اس صورت حال کا تصور کرنا محال نہ تھا وہ جانتی تھی عمرانہ ممانی اپنے بچوں کے معاملے میں بے حد کریزی تھیں اور جہاں بات زید کی ہو وہاں تو ان کا جنون پاگل پن کی حد تک بڑھ جاتا تھا پھر یہاں معاملہ منسوب بھی اس کی ذات سے تھا غلطی نہ ہوتے ہوئے بھی وہ سزاوار تھی۔

"کیا کیا انہوں نے؟ ارے یہ پوچھو کیا نہیں کیا انہوں نے؟ زمرد بہو اور منور بیٹے سے الجھیں علیحدہ اور صوفیہ بیٹی کو بھی نہیں بخشا جو منہ میں آیا کہتی چلی گئیں۔ یہ عادت ان کی پرانی ہے لڑتے وقت آنکھیں بند کر لیتی ہیں اور منہ کھول لیتی ہیں پھر کسی کا بھی لحاظ نہیں کرتی ہیں۔"

"بے چاری ممی نے میری وجہ سے کیا کچھ نہ سنا ہوگا' ممانی کو تو بس موقع چاہیے ہمیں ذلیل و بے عزت کرنے کا۔" سوچتے ہوئے وہ رو پڑی۔

"تم روؤ نہیں۔" وہ اس کے آنسو صاف کرنے لگیں۔

"بات زیادہ بڑھنے سے پہلے ہی میں زید میاں کو بلا کر لے آئی تھی وہ اسی وقت ہی ان کو وہاں سے لے کر چلے گئے تھے۔"

"بوا...... ہم کب تک یہاں رہیں گے؟ آپ ہی ممی کو سمجھائیں وہ مجھے لے کر گھر چلی جائیں' اپنا گھر ہوتے ہوئے بھی وہ یہاں کیوں رہ رہی ہیں۔" دلی خواہش ان سے بیان کی۔

"اول تمہارے ماموں کبھی اجازت نہیں دیں گے صوفیہ نے کئی بار کوشش کی کہ وہ تم کو لے کر کہیں شفٹ ہو جائے مگر کسی نے جانے نہیں دیا پھر تمہارے والد کے بنگلے پر تو تمہاری پھوپو اس کا میاں اور بیٹا ناگ و ناگن بن کر بیٹھے ہیں۔ وہ کس طرح تم ماں بیٹی کو وہاں رہنے دیں گے۔" وہ آہ بھر کر گویا ہوئیں۔

"پاپا کو اللہ تعالیٰ نے اتنی جلدی اپنے پاس بلا لیا ہم کو بھی بلا لیتے پھر یہاں کوئی مسئلہ ہی نہیں ہوتا سب خوش رہتے۔" وہ یاسیت بھرے لہجے میں بولی۔

"جگ جگ جیو میری لاڈو رانی...... ایسی باتیں کیوں کرتی ہو۔" انہوں نے جھٹ اسے سینے سے لگالیا۔ زید منور کے سامنے سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا وہ اس کو سمجھا رہے تھے۔

"سودہ کے پاس جو بچے ٹیوشن کے لیے آرہے تھے وہ میرے دوست سجاد کے بچوں کے بچے تھے ایک ماہ کی چھٹی پر ان کا ٹیوٹر کراچی سے باہر گیا ہوا تھا۔ ایگزام کی وجہ سے بچوں کو ٹیوٹر کی ضرورت تھی سجاد پریشان ہو رہا تھا اس کی پریشانی کے خیال سے ہی میں نے سودہ سے کہا کہ وہ بچوں کو ٹیوشن دے اور وہ انکار کب کرتی ہے کوئی بھی کام کہہ دیا جائے وہ کرنے لگتی ہے۔" ان کی وضاحت کسی تھپڑ کی طرح اس کے گال پر پڑی تھی وہ فوری طور پر کچھ کہہ نہ سکا البتہ اپنی جذباتیت و جلد بازی پر شدید شرمندگی کا احساس بیدار ہوا تھا سر جھکا کر رہ گیا تھا۔

"سوری تایا جان...... میں سمجھا تھا وہ یہ سب فنانشل وے میں کر رہی ہے یہ سوچ ہی میرے لیے تکلیف دہ تھی۔" کچھ توقف کے بعد وہ بھاری آواز میں گویا ہوا تھا۔

"میں جانتا ہوں آپ نے یہی سوچا ہوگا کہ بات غلط بھی نہیں ہے۔ یہ سب تو مجھے سوچنا چاہیے تھا بالکل ٹھیک کہا آپ نے ارد گرد بسنے والے کچھ لوگوں ایک وطیرہ یہی ہے کہ وہ ایسی باتوں پر نگاہ رکھتے ہیں اور موقع ملتے ہی رسوا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔" ان کو احساس ہوا تھا وہ عمر میں ان سے کئی گنا چھوٹا ہونے کے باوجود کس قدر معاملہ فہم و وسعت سوچ کا حامل تھا۔

"اب مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا اس کی ٹیوشن دینے پر۔"

"جو بچوں کا لاسٹ ڈے تھا کل سے ان کا ٹیوٹر واپس آجائے گا۔"

"اوہ......" خجالت کی عمیق گہرائیوں میں وہ ایک بار پھر ڈوبا تھا۔

❀......❀......❀
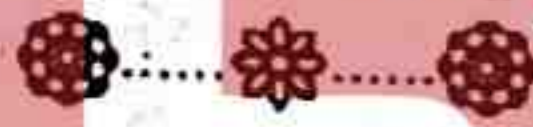
وفا پرست نہیں جو وفا شعار نہیں
وہ شخص کیا جسے انسانیت سے پیار نہیں
فریب کھائے ہیں دنیا میں اس قدر میں نے
تیرا تو کیا مجھے اپنا بھی اعتبار نہیں

نوفل نے ڈرائیو کرتے ہوئے برابر بیٹھے لاریب کی طرف دیکھا تھا جس کے چہرے پر خراشوں اور چوٹوں کے نشانات تھے وہ سیٹ کی بیک سے سر لگائے نڈھال انداز میں بیٹھا ہوا تھا ایک آنکھ بھی سوجھی تھی۔

"سالی حرام زادیوں نے خوب کپڑے کی طرح دھلائی کی ہے بدن کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جہاں درد نہ ہو رہا ہو۔" اس کو اپنی جانب دیکھتے پاکر وہ کراہتے ہوئے گویا ہوا۔

"پوچھو گے نہیں، یہ کیسے ہوا اور کیوں ہوا؟" اس کو خاموش دیکھ کر وہ حیرانی سے بولا۔

"پوچھنے کی کیا ضرورت ہے معلوم ہے مجھے تمہاری یہ حالت کسی پارٹی کی وجہ سے ہی ہوئی ہوگی تمہیں انتہا کے شوق بھی ہیں ایسے تھرلز کے، لیکن فیل ہوتا ہے اس بار پارٹی تم پر بازی لے گئی ہے۔" اس کے لہجے میں سرزنش و ناگواری تھی لاریب کی اس حالت نے اسے ذرا بھی متاثر نہیں کیا تھا۔ کیفے میں آنے والے میسج میں لاریب نے مدد کرنے کے ساتھ ساتھ ہوٹل کا نام و ایڈریس ٹائپ کیا تھا وہ سیدھا وہاں پہنچا تھا ہوٹل مضافات میں تھا اور اس معیار کا ہرگز نہ تھا جس میں لاریب جیسی ہائی کلاس سے تعلق رکھنے والا بندہ رہائش کرتا لیکن لاریب کی نیچر کو وہ جانتا تھا کہ وہ اپنی خواہشوں کی تکمیل کی خاطر گٹر میں اترنے سے بھی دریغ کرنے والا بندہ نہ تھا۔ ہوٹل کا منیجر اس کا ویٹ کر رہا تھا وہ اسے

لے کر سیدھا کمرے میں آیا جہاں لاریب اس کا منتظر تھا' نوفل کو دیکھتے ہی وہ منیجر سے بولا۔
''میں تمہارا ہوٹل سیل کروادوں گا' کیسی سیکیورٹی ہے یہاں کی دو عورتیں میرا سارا قیمتی سامان لے کر فرار ہوگئیں اور کسی نے دیکھا بھی نہیں؟'' وہ منیجر کا گریبان پکڑ کر چیخنے لگا تھا۔
''سر...... سر آپ نے کہا تھا وہ لڑکی آپ کی وائف اور عورت ساس ہے' ہم کیسے ان پر شک کرسکتے تھے لیکن میں پھر بھی آپ سے معافی مانگتا ہوں پلیز سر...... معاف کردیں۔'' نوفل نے اس کی گرفت سے منیجر کا گریبان چھڑوایا تھا' منیجر خاصا گھبرایا ہوا پریشان تھا ہاتھ جوڑ کر عاجزی سے گویا ہوا۔
''ساری رات رسیوں سے بندھا پڑا رہا ہوں' کسی ویٹر نے بھی آ کر نہیں دیکھا میں اس ہوٹل کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا۔''
''سر...... ایسے نہ کریں آپ نے ہی تو دروازے کے باہر ڈونٹ ڈسٹرب کی سلیٹ لگوائی تھی وہ تو اتفاق سے ویٹر کے گرنے سے دروازہ کھلا تو معلوم ہوا وہ لاک نہیں تھا اور آپ رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ معلوم ہوتے ہی ہم نے آپ کی خدمت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی......'' منیجر کافی دیر سے ہی اس کے عتاب کا شکار بنا ہوا تھا اور خوف زدہ بھی تھا کیونکہ اس کی شخصیت اور روپے سے لگ رہا تھا وہ کسی طاقتور فیملی سے تعلق رکھتا ہے پھر نوفل کو دیکھ کر اس کے گمان پر یقین کی مہر لگ گئی تھی اور اسے ہوٹل کی ساکھ اور اپنی نوکری جاتی دکھائی دے رہی تھی۔
''ابھی پتا چل جائے گا تمہیں میرا تعلق کس خاندان سے......''
''اسٹاپ اٹ لاریب...... اب ختم بھی کرو۔'' اس کی مداخلت پر وہ چپ ہوا اور خاموشی سے معاملہ رفع دفع کرنے پر منیجر اس کا بہت ممنون و مشکور تھا لاریب اس کا موڈ آف ہوتا دیکھ کر جھگڑا بھول کر اس کے ساتھ چلا آیا' ہوٹل سے خاصا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے ہی گفتگو میں پہل کی تھی۔
''بائی فیس وہ چالاک ماسیاں بڑی شریف و نیک دکھائی دے رہی تھیں اور وہ فریحہ لگ رہا تھا بہت شائی سے نگاہیں اٹھا کر بات ہی نہیں کرتی تھی اور اس کی موٹی مما کے منہ سے پھول جھڑتے تھے میری تعریفیں کرتی تھکتی نہیں تھی سب فراڈ تھیں سالی۔'' شکار ہاتھ سے نکل گیا تھا' غم و غصے سے اس کا برا حال تھا وہ دہرے صدمے سے دوچار اس لیے ہوا تھا کہ اس نے دھوکا کھایا تھا نہ صرف وہ اس کے ہاتھ آئی تھی بلکہ شرمندگی بھی۔
حسب وعدہ فریحہ رات کو اس کے روم میں آئی تھی اور باتوں کے دوران اس نے پرس سے پرفیوم کی بوتل نکال کر اسپرے کیا تھا یہ سب اتنا اچانک ہوا کہ وہ خود کو سنبھال نہ پایا تھا اور چکرا کر گر گیا تھا لیکن یہ بے ہوشی زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی تھی اس کی آنکھ کھلی تو وہاں عجیب منظر تھا۔ فریحہ اس کی کوٹ کی جیبوں سے والٹ اور دیگر سامان نکالنے میں مصروف تھیں۔ اسے ہوش میں آتے دیکھ کر وہ دونوں چوکنا ہوئی تھیں اس نے فریحہ کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔
''فراڈ...... میرے ساتھ فراڈ کررہی ہو تم لوگ؟''
''ارے اس کم بخت کو بڑی جلدی ہوش آ گیا تم نے اسپرے کم کیا ہے۔'' وہ اس کی رسٹ واچ کھولتے ہوئے تیز لہجے میں بولی۔
''میں چھوڑوں گا نہیں تمہیں ابھی بتاتا ہوں۔'' اس نے غصے سے کہتے ہوئے اٹھنے کی سعی کی لیکن دوسرے ہی لمحے فریحہ نے اس کے چہرے پر ناخنوں سے حملہ کردیا تھا اور وہ ابھی اپنا بچاؤ بھی نہ کر پایا تھا کہ فریحہ کی ممی نے اسٹون کی ایش ٹرے اس کے سر پر ماری تھی پھر وہ مزاحمت نہ کر پایا تھا۔ جب دوبارہ ہوش میں آیا تو خود کو رسیوں میں جکڑا پایا تھا پھر ویٹر کی مدد سے رسیوں سے آزاد ہوا تو معلوم ہوا وہ دونوں فرار ہوچکی ہیں اور جاتے جاتے اس کا والٹ' گولڈ کی چین

اور رسٹ واچ کے علاوہ اس کا موبائل بھی لے گئی تھیں۔ اپنے جال میں صیاد خود ہی پھنس گیا تھا۔

"مجھے تمہاری اس حماقتوں سے بھری اسٹوری سے کوئی دلچسپی نہیں، فکر صرف یہ ہے گھر میں سب کو کیا بتاؤ گے' تمہارا منہ کسی کو دکھانے کے قابل کہاں رہا ہے۔" لہجہ استہزائیہ تھا۔

"آئی ڈونٹ مائنڈ' اڑالو جتنا مذاق اڑانا چاہو مشکل وقت میں تم ہی کام آتے ہو میرے.....اب تم ہی بتاؤ کیا کرنا ہے؟ اس وقت مجھے ممی کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی ہے' اتنی تکلیف میں صرف ماں ہی درد سمجھ سکتی ہے اگر پین اتنا نہیں ہوتا تو میں ایک ہفتہ کے لیے آؤٹ آف سٹی چلا جاتا مگر......"

"تم یہ سب چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"یہ بھی کوئی چھوڑنے کی چیز ہے یار۔"

"تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟ میرے خیال میں تمہیں شادی کر لینی چاہیے ان احمقانہ حرکتوں سے تو بچو گے۔"

"شادی اور میں نو نیور...... ایک ہی چہرہ ساری زندگی برداشت نہیں کر سکتا میرے بھائی...... میں شادی کے لیے پیدا نہیں ہوا ہوں۔" نوفل نے سر جھٹک کر کار کی اسپیڈ بڑھا دی تھی۔

❀......❀......❀
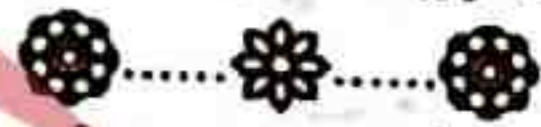
"یار اتنے عرصے بعد ہماری ملاقات ہوئی ہے کیا تم باہر سے ہی مجھے ٹرخا دو گے' کچھ چائے پانی کا نہیں پوچھو گے؟" مومن نے اسے کار کی سمت بڑھتے دیکھ کر بے تکلفی سے کہا۔

"اب ایسا بے مروت بھی نہیں ہوں' مہمان نوازی کے لیے ہی ہوٹل لے کر جا رہا ہوں تمہیں۔" وہ مسکرا کر گویا ہوا۔

"ہوٹل کیوں لے کر جا رہے ہو؟"

"ابھی تو کہہ رہے تھے چائے پانی کا بھی نہیں پوچھا۔"

"لیکن میں ہوٹل سے کھا' کھا کر بے زار ہو چکا ہوں' میں گھر کی پکی ہوئی چائے پینا چاہتا ہوں کسی ہوٹل جانے کا موڈ نہیں۔" اس نے قطعی انداز میں ہوٹل جانے سے انکار کر دیا تھا اور وہ اسے باہر کے باہر ٹرخانے کا اس لیے کر رہا تھا کہ اندر صرف سودہ تھی۔ مما اور مائدہ خالہ کے ہاں گئی ہوئی تھیں اور صوفیہ' زمرد بوا منور صاحب کے ہمراہ کسی عزیز کی عیادت کے لیے گئے ہوئے تھے۔

"کیا ہوا کوئی پرابلم ہے بڑی لمبی سوچ میں گم ہو گئے ہو؟" مومن اس کی رگ رگ سے واقف تھا۔

"کوئی پرابلم نہیں ہے آؤ چلو۔" وہ اسے لے کر لان سے آگے بڑھ گیا۔ مومن کو اپنے روم میں بٹھا کر وہ نیچے آیا تو سودہ لاؤنج میں بیٹھی نوٹس بنا رہی تھی اور اپنے کام میں اس قدر منہمک تھی کہ اس کی آمد کو بھی محسوس نہ کر سکی...... وہ بھی وہیں رک گیا تھا۔

پنک و وائٹ کاٹن کے لیمبر ایئڈری سوٹ میں اس کی ہلکی گلابی رنگت نمایاں تھی' سیاہ ریشمی بالوں کی موٹی لٹیں بائیں شانے سے نیچے لٹک رہی تھیں اردگرد گویا روشنی کا ہالہ سا پھیلا ہوا تھا۔ ایک نامانوس سی کشش تھی' وہ پہلی بار بے خود سا اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ مکھڑا' یہ رنگ روپ یہ جوبن کی مہکتی بہار تمہارے لیے نئی تو نہیں ہے اس سے کہیں زیادہ خوب صورت و دلکش لڑکیوں سے تم نے دوستی نہیں کی مگر تمہاری علیک سلیک رہی ہے تعلیمی مراحل طے کرتے ہوئے ہزاروں نازنینوں و مہ جبینوں سے تم نے دامن بچایا ہے۔ یہ حسن یہ بانکپن تمہارے لیے بالکل بھی نیا نہیں ہے پھر تم اسے دیکھ کر کیوں ششدر رہ گئے؟"

"نہیں..... نہیں..... یہ مجھے کیا ہورہا ہے، میں اس لڑکی کے لیے سوچ رہا ہوں یہ وہ لڑکی ہے جس کو میں خواب میں بھی دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ یہ لڑکی وہ دیوار ہے جو باپ اور بیٹے کے درمیان حائل ہے یہ میرا بھی نہیں، مائدہ کا بھی حق مارے ہوئے ہے اس کی رسائی میری سوچوں تک بھی ممکن نہیں ہوسکتی۔" نفرت کی تندوتیز لہر نے وقتی طور پر ابھر کر آنے والے جذبے کو نیست و نابود کردیا تھا۔ اس کے چہرے پر وہ ہی سرد مہری چھائی ہوئی تھی جو عموماً اسے دیکھ کر چہرے پر از خود درآتی تھی یہ اس کی سرد مہر نگاہوں کی ہی تپش تھی جو اردگرد سے بے نیاز پڑھائی میں گم سودہ کو تپش کا احساس دلا گئی تھی۔

"آپ....." وہ تیزی سے کتاب اور پین رکھ کھڑی ہوئی۔ "کچھ چاہیے آپ کو؟" اس کا حلق خشک ہوگیا تھا۔

"ہوں..... چائے، دو کپ فٹافٹ۔" وہ بے نیازی سے کہتا ہوا چلا گیا۔ وہ چند لمحے کھڑی اپنی منتشر سانسوں کو درست کرتی رہی۔ وہ اس سے کم ہی مخاطب ہوا کرتا تھا وہ ہوتے ہوئے بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل ہی رہتی تھی۔ اس کی اس کم آمیزی و کج ادائی کی وہ اس قدر عادی ہوگئی تھی کہ کبھی ضرورتاً وہ اس سے مخاطب بھی ہوتا تو وہ خوف سے کانپ اٹھتی تھی جیسا ابھی ہوا تھا۔ اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے کچن میں قدم رکھا، کیتلی میں چائے کے لیے دودھ میں پتی ڈال کر برنر پر رکھ دیا۔ زید کو دودھ پتی چائے پسند تھی اس کے لیے وہ عموماً یہی پکایا کرتی تھی وہ صرف چائے کا کہہ کر گیا تھا مگر یہ اس گھر کی روایت نہیں تھی کہ مہمانوں کو صرف چائے ہی پیش کی جائی اس نے فریج سے کیک نکالا جو دوپہر کو ہی اس نے بیک کیا تھا۔ نگٹس اور شامی کباب فرائی کرنے میں زیادہ ٹائم نہ لگا تھا، فروٹ چاٹ اور بریڈ سے ٹرالی خوب سج گئی تھی، وہ ٹرالی لے کر آئی تو دروازہ بند نہیں تھا اس نے جھجکتے ہوئے ٹرالی کمرے کے اندر کی تھی جس سے ٹرالی پر رکھے کانچ کے برتنوں کی ہلکی سی کھڑ کھڑاہٹ گونجی تھی وہ دونوں قریب بیٹھے کوئی فائل دیکھ رہے تھے آواز پر دونوں کی ہی نگاہیں اٹھی تھیں۔

وہ نروس سی ٹرالی پکڑے کھڑی تھی، وہ دونوں ہی کھڑے ہوگئے تھے۔ جھکی جھکی نگاہیں اور گلابی عارضوں پر لرزتی سیاہ ریشمی پلکیں کچھ ایسا ہی منظر پیش کررہی تھیں کہ مومن مبہوت سا رہ گیا تھا۔

"کس نے کہا تھا یہاں آنے کے لیے؟" وہ اس کے قریب آ کر دبے لہجے میں غرایا۔ "جاؤ یہاں سے۔" اس نے اس کے ہاتھ سے ٹرالی لے لی تھی۔ وہ پہلے ہی دھڑکتے دل سے وہاں آئی تھی اس کی غراہٹ نے رہی سہی کسر بھی نکال دی تھی وہ سٹپٹا کر تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

"کون ہے یہ؟" مومن کی نگاہیں ابھی تک دروازے پر چپکی تھیں۔

"کزن ہے۔" زید کو اس کی نگاہوں کے زاویے ذرا نہ بھائے۔

"تمہاری کزن؟" وہ سر پر ہاتھ رکھ کر ذہن پر زور دینے لگا پھر یاد آنے پر حیرانی سے گویا ہوا۔

"اچھا..... اچھا تمہاری کزن، صوفیہ پھوپو کی بیٹی سودہ تھی نا وہ؟ مائی گڈنیس.....! کتنی پریٹی ہوگئی ہے سودہ، بچپن میں تو....." بات کرتے کرتے اسے اس کی خاموشی کا احساس ہوا تو وہ چپ ہوگیا۔

"سوری یار..... شاید کچھ زیادہ ہی بول گیا ہوں۔" وہ ہنوز خاموش تھا۔

❁.....❁.....❁

انشراح ان لڑکوں کی دھمکیوں کو ذرا بھی سنجیدگی سے نہیں لے رہی تھی، وہ بہت زیادہ پُر اعتماد اور نڈر طبیعت کی مالک تھی، بڑی سے بڑی باتوں کو خاطر میں نہ لاتی تھی جبکہ عاکفہ کی جان سولی پر لٹکی ہوئی تھی کیونکہ وہ ان لڑکوں کے چہروں سے ٹپکتی خباثت سے سخت خوف زدہ تھی۔ وہ لڑکے مسلسل ان کے پیچھے آرہے تھے اور ان میں تکرار ہورہی تھی۔

ادب کے افق پر چمکتا ستارہ

ماہنامہ

حجاب کراچی

کامیابی کی پہلی منزل خوب صورتی سے طے کرتے ہوئے
کم وقت میں اپنی پہچان اور اپنا مقام بنانے میں کامیاب ٹھہرا

نومبر 2015ء سے اپنے سفر کا آغاز کرنے والا ماہنامہ حجاب
نومبر 2016ء میں کامیابی کا پہلا سال مکمل کرتے ہوئے
آپ لوگوں کی دعاؤں سے ترقی کی راہ پر گامزن ہے
حجاب کی سالگرہ نمبر میں دیکھئے اپنی پسندیدہ مصنفین کی تحریریں
ساتھ ہی ملک کے نامور شعرا و ادیبوں سے ملاقات
اس کے علاوہ جو آپ چاہیں اپنی آرا ہمیں فوراً ارسال کریں

کہیں دیر نہ ہو جائے، آج ہی اپنی کاپی ہاکر سے بک کرا لیں

''تم کیا سمجھتی ہو یہ سب یوں ہی ہو رہا ہے؟ وہ لوگ ایسے ہی ہمارے پیچھے آ رہے ہیں؟'' عاکفہ فری پیریڈ میں اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

''کچھ لوگوں کی خصلت کتوں کی طرح ہوتی ہے وہ ہر ایک کے پیچھے اسی طرح بھاگتے ہیں اور جب ہڈی نہیں ملتی تو دُم دبا کر بھاگ جاتے ہیں۔ ان کتوں کو جب لفٹ نہیں ملے گی وہ بھی بھاگ جائیں گے۔'' وہ بکھرے بالوں کو کیچر میں جکڑتی بے پروائی سے بولی۔

''مجھے سمجھ نہیں آ رہا تم اس معاملے کو اتنا لائٹ کیوں لے رہی ہو تم میری بات سننے والی نہیں ہو میں کل ہی آنٹی کے پاس آؤں گی اور ان کو ساری صورت حال بتاؤں گی۔'' وہ غصے میں جھنجھلا کر گویا ہوئی۔

''نانو کو بتا کر تم خود ہی تنہا رہ جاؤ گی یاد رکھنا۔''

''کیا مطلب......؟''

''یہی کہ وہ مجھے یونیورسٹی آنے سے روک دیں گی' کہیں اور میرا ایڈمیشن ہو جائے گا یا ہو سکتا ہے ہم واپس ہری پور چلے جائیں کبھی واپس نہ آنے کے لیے۔'' اس کے لہجے میں سچائی تھی عاکفہ دہل کر رہ گئی۔

''رئیلی میں تمہارے بغیر رہ نہیں سکوں گی' پہلی بار مجھے تمہاری جیسی دوست ملی ہے تم سے جدائی کا تصور بھی میں نہیں کر سکتی انشراح......'' وہ رونے لگی۔

''محبت میں بھی تم سے کرتی ہوں عاکفہ۔'' وہ اس کی محبت سے بہت متاثر ہوئی تھی کہ ایسی بے لوث دوستی کبھی نہیں دیکھی تھی۔

''پھر اس مسئلے کا حل نکالو نہ۔''

''اوکے' واپسی میں آج بھی اگر وہ لوگ ہوئے تو پھر ہم پولیس میں شکایت کریں گے تم فکر مت کرو۔''

''یہ ہوئی نہ دوستوں والی بات۔'' وہ آنسو صاف کرتی بولی۔

''ایکسکیوزمی میم...... آپ پریشان لگ رہی ہیں' میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں۔'' بابر کا گزر اتفاقیہ طور پر وہاں سے ہوا تھا وہ عاکفہ کے آنسو دیکھ کر وہاں رک کر استفسار کرنے لگا تھا۔

''جی نہیں' ہمیں آپ کی مدد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' انشراح نے سخت بدمزاجی سے جواب دیا۔

''آپ تو خاصی ناراض محسوس ہو رہی ہیں' کیا آپ اس رات ہونے والے حادثہ کو بھول نہیں سکتی؟'' بابر انشراح سے خاصی شائستگی سے گویا ہوا۔

''کیوں بھولوں' کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو بھول کر بھی نہیں بھولتیں۔'' وہ ہنوز اسی لہجے میں بولی۔

''میم...... آپ ہی اپنی فرینڈز کو سمجھائیے' آپ کو بھی انہوں نے وہ تمام واقعہ بتا دیا ہوگا جو ہمارے درمیان وجہ تنازع ثابت ہوا ہے اور اب اتفاق سے ہم ایک درسگاہ میں پڑھ رہے ہیں تو ہمیں باہمی تنازعات بھلا کر ساتھ چلنا ہوگا۔'' وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔ انشراح فائل و پرس لے کر آگے بڑھ گئی تھی۔

''یہی باتیں آپ اپنے دوست کو بھی سمجھا سکتے ہیں' انشی سے غلطی ہوئی تھی تو زیادتی انہوں نے بھی کم نہیں کی۔ آپ ان کو سمجھائیں وہ اس کو سوری کہہ دیں معاملہ سولو ہو جائے گا ورنہ میں جانتی ہوں وہ پہل کبھی نہیں کرے گی۔'' وہ آگے جاتی انشراح کو دیکھ کر مدھم لہجے میں جلدی جلدی کہہ رہی تھی۔

''پرابلم یہی ہے نوفل بھی کبھی پہل نہیں کرے گا۔''

''پھر آپ اپنے کام سے کام رکھیں۔'' وہ پرس سنبھالتی خفگی سے گویا ہوئی۔

”ہوں.......یہ بھی ممکن نہیں ہے۔“ بے ساختہ جملہ ادا ہوا تھا۔
”کیوں ممکن نہیں ہے؟“ وہ سخت حیران ہوئی۔
”کیوں ممکن نہیں ہے؟“ اس نے عجیب انداز میں جملہ دہرایا اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا۔
”واہ......عجیب پاگل آدمی ہے۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی۔ جامعہ سے واپسی پر کرے کار نے ان کا پیچھا نہیں کیا تھا وہ دونوں ہی مسلسل اِدھر اُدھر دیکھتی ہوئی آئی تھیں۔
”دیکھا میں نے کہا تھا نہ کتوں کو ہڈی نہ ملے تو وہ پیچھا چھوڑ دیتے ہیں بھاگ گئے وہ لوگ بھی نئے شکار کے پیچھے۔“ وہ کار ڈرائیو کرتی عاکفہ سے گویا ہوئی۔
”مجھے یقین نہیں آرہا ہے کہ وہ لوگ ہمارا پیچھا چھوڑ چکے ہیں۔“ عاکفہ کے لہجے میں ابھی بھی بے اعتباری و خوف تھا۔
”اب یقین نہ آنے کی کیا بات ہے؟“
”مجھے لگ رہا ہے یہ ان کی کوئی چال نہ ہو۔“
”حد ہوتی ہے وہم وشک کی بھی اب وہ ہم سے چال چل کر کیا کریں گے پہلے وہ ہمارے پیچھے یہ سوچ کر آئے تھے کہ ہم بھی آج کل کی ان بے وقوف لڑکیوں کی طرح ان کی باتوں میں آجائیں گے مگر جواب میں جب ان کو تھپڑ اور لاتیں ملیں تو وہ ڈرانے دھمکانے کی نیت سے ہمیں فالو کرتے رہے اور ہم ڈرے نہیں تو وہ دُم دبا کر بھاگ گئے ایسے لوگ ایسا ہی کرتے ہیں جب ان کی دال نہیں گلتی تو۔“ اس نے چیونگم سے بڑے بڑے ببل بناتے ہوئے کہا۔
”ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔“ وہ کھل کر مسکرائی۔

❁......✻......❁

موسم ایک دم بدل گیا تھا ماحول میں خنکی اور ہوا میں ٹھنڈک بڑھ گئی تھی۔ رات کھانے کے بعد وہ ماما کے ساتھ عقبی لان میں واک کررہا تھا ساتھ ہی وہ باتیں بھی کرتے جارہے تھے۔ ماما کچھ دیر میں ہی تھک گئی تھیں وہ ان کا ہاتھ تھام کر قریبی بنچ پر بیٹھ گیا۔
”میری خاطر آپ واک کیوں چھوڑ دیتے ہیں آپ واک کریں۔“ وہ نوفل سے شفقت سے مخاطب ہوئیں۔
”آپ کے ساتھ مجھے واک کرنا اچھا لگتا ہے ماما۔“
”لیکن میرا بڑھاپا آپ کا ساتھ کہاں دے سکتا ہے بیٹا۔“
”محبت صرف محبت دیکھتی ہے عمر نہیں۔“
”اللہ آپ کی عمر دراز کرے سدا خوش رکھے۔ میں سوچ رہی ہوں ابھی آپ کی منگنی کردوں شادی تعلیم مکمل ہونے کے بعد کروں گی۔“
”کیا......کیا ماما......!“ اس کو گویا چار سو چالیس وولٹ کا جھٹکا لگا تھا وہ بالکل ہک دک رہ گیا تھا۔
”ارے آپ اس قدر حیران کیوں ہورہے ہو بیٹا۔“ اس کی حیرانی پر وہ بے ساختہ ہنس پڑی تھیں۔
”آپ مذاق کررہی ہیں نا آئی نو آپ مذاق کررہی ہیں۔“ اس نے بیٹھتے ہوئے حیرانی سے پوچھا۔
”میں مذاق کیوں کروں گی؟ منگنی شادی کوئی مذاق نہیں ہے۔“
”آپ کو معلوم ہے میں ایسی کوئی خواہش نہیں رکھتا۔“
”لیکن میں شدید خواہش رکھتی ہوں آپ کی شادی کرنے کی۔“

"میرے علاوہ اور بھی لوگ ہیں آپ ان کی شادیاں کر کے اپنا شوق پورا کر لیجیے میں کبھی شادی نہیں کروں گا۔" اس کا لہجہ اٹل تھا کسی چٹان کی طرح سخت و بے لچک۔

"ان میں سے کوئی بھی نوفل نہیں ہے سب میرے بیٹے جیسے ہیں مگر کوئی بھی میرے نوفل جیسا نہیں۔" فرط جذبات سے ان کی آواز بھاری ہوگئی تھی، وہ کچھ نہیں بولا صرف انہیں دیکھتا رہا۔

"یہ کس طرح ممکن ہے سب کے گھر بس جائیں اور میرے نوفل کا گھر آباد نہ ہو ہر کوئی زندگی کے رنگوں سے کھیلے اور میرا بیٹا بے رنگ رہے۔"

"ماما...... آپ وہ خواب دیکھ رہی ہیں۔ جس کی تعبیر نہیں ہوتی ہے ایسے خواب صرف خواب رہتے ہیں ان بے بس و بے کس پنچھیوں کی مانند جو پیدائشی پروں سے محروم ہوتے ہیں اڑنے کی صلاحیت سے نابلد۔"

"خواب کس طرح حقیقت کے پروں کے ساتھ منزل تک پہنچتے ہیں یہ میں آپ کو بتاؤں گی آج شام ہی تنویر اور اس کی بیٹی ساریہ سے میری اسکائپ پر بات ہوئی ہے ساریہ ماشاء اللہ بہت پیاری ہے۔" وہ گویا تصور میں ساریہ کی صورت دیکھ رہی تھیں۔ "اس کو دیکھتے ہی میرے دل میں اسے اپنی بہو بنانے کا خیال آیا ہے۔"

"بہت غلط خیال آیا ہے آپ کے دل میں۔"

"کیا حرج ہے وہ آپ کی ماموں زاد ہے۔"

"کوئی بھی ہو۔ مجھے اس صنف سے ہی نفرت ہے۔"

"ایک عورت کی غلطی کی سزا ہر عورت کو دیں گے آپ؟" وہ دکھی انداز میں گویا ہوئیں۔ "پھر میں بھی ایک عورت ہوں، مجھ سے بھی نفرت کرتے ہیں؟"

"اوہ ماما......" وہ گھٹنوں کے بل ان کے قریب بیٹھ گیا۔

"آپ عورت نہیں میرے لیے ماں ہیں صرف ماں۔" ان کے ہاتھ اس نے چومتے ہوئے کہا۔

"آپ مجھ سے جان مانگیں دینے کو تیار ہوں مگر آئندہ پلیز ایسی بات مت کیجیے گا جو مجھے آپ کو چھوڑ کر جانے پر مجبور کردے۔" اس کا لہجہ پتھریلا تھا۔

"نوفل......! مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟"

"جی...... ہمیشہ کے لیے اس دنیا کو چھوڑ کر۔" وہ کہہ کر رکا نہیں تھا سیدھا چلا گیا۔

"آہ...... یہ کیا کہہ ڈالا نوفل...... ماں کا دل ہی کھینچ لیا سینے سے۔" وہ بری طرح آبدیدہ ہوگئی تھیں۔

❁......❁......❁

"بے بی ڈارلنگ...... عاکفہ کی مما کی کال آئی تھی۔" وہ یونیورسٹی کے لیے تیار ہو رہی تھی معابالی نے وہاں آ کر کہا۔

"کیا کہہ رہی تھیں آنٹی؟" وہ بالوں میں برش کرتی ہوئی بولی۔

"کہہ رہی تھیں عاکفہ کو بخار ہوگیا ہے وہ آج جامعہ نہیں جائے گی۔"

"اچھا...... ہلکا ہلکا بخار کل بھی ہو رہا تھا اس کو۔"

"عاکفہ نہیں جا رہی تم بھی نہیں جاؤ آج چھٹی کرلو۔"

"کیوں چھٹی کرلوں؟" اس نے پرفیوم اسپرے کرتے ہوئے کہا۔

"شاپنگ پر چلیں گے تم نے جب سے یونیورسٹی جانا شروع کیا ہے تب سے میں گھر میں قید ہو کر رہ گئی ہوں۔"

"سوری میری آج امپورٹنٹ کلاس ہے عاکفہ نہیں جارہی تو مجھے ضرور جانا ہوگا۔" وہ سن گلاسز اور دیگر سامان لے کر کمرے سے نکل گئی۔

"تم نے اچھا یونیورسٹی جانا شروع کیا ہے میں خوار ہو کر رہ گئی ہوں۔"

"تو نے خود تو کچھ پڑھا نہیں ہے اب اس کو بھی جاہل بننے کی ترغیب دے رہی ہے تمہی کہیں کی۔" ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھیں جہاں آرا نے کہا۔

"آنٹی...... میں جاہل ہرگز نہیں ہوں اردو انگریزی سب پڑھنی آتی ہے اور حساب تو فر فر کرتی ہوں۔" بالی نے برا مانتے ہوئے کہا۔

"ڈگری تو نہیں ہے نا تیرے پاس۔"

"ذہانت کبھی ڈگری کی مرہون منت نہیں ہوتی۔"

"ہاں ہاں جانتی ہوں بڑی علامہ ہے تو۔"

"نانو...... میں جارہی ہوں۔" وہ شوز پہن کر بولی۔

"ناشتا کر کے جاؤ۔" وہ اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"بالکل بھی بھوک نہیں ہے۔"

"صبح ہی صبح خالی پیٹ ہرگز جانے نہیں دوں گی۔"

"قسم سے بالکل دل نہیں چاہ رہا پھر باہر سے کیپ بھی لینے میں ٹائم لگے گا عاکفہ یونیورسٹی نہیں جارہی ہے آج۔"

"ارے کتنے لوگوں سے کہہ رکھا ہے کوئی اچھا ڈرائیور ملے تو بتادے اور ابھی تک کسی نے بھی نہیں بتایا۔"

"آپ مجھے اجازت دے دیں میں خود ڈرائیور کرسکتی ہوں۔"

"آنٹی...... ایسی غلطی بھول کر بھی نہ کیجیے گا۔" بالی نے فوراً ہی کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"بالے بھائی۔" اس نے اسے غصے سے گھورا۔

"بالی کو آنکھیں مت دکھاؤ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے وہ چلو یہ اورنج جوس پی کر جاؤ نا معلوم کینٹین کا بدمزہ کھانا کیوں اچھا لگتا ہے۔" انہوں نے اسے زبردستی جوس پلایا اور خود جاکر اسے کیپ تک چھوڑ کر آئی تھیں۔

"سیفی...... تجھے یقین ہے وہ اسی راستے سے گزرے گی؟" اونچی جھاڑیوں کے پیچھے چھپے لمبے بالوں والے لڑکے نے دوسرے سے پوچھا۔ وہ تین لڑکے تھے جو وہاں چھپے تھے اور جامعہ کے اندر جانے والی سڑک کو وہ دیکھ رہے تھے۔

"آف کورس وہ روز یہاں سے ہی گزرتی ہیں آج بھی یہاں سے ہی گزریں گی۔" تیسرے لڑکے کا لہجہ پُریقین تھا۔

"میں کہتا ہوں ابھی بھی وقت ہے سوچ لو وہ لمبی نازک سی لڑکی بہت خطرناک ہے آسانی سے ہاتھ آنے والی نہیں ہے۔" دوسرے لڑکے نے کہا تو وہ دونوں ہنس کر گویا ہوئے۔

"مشکل سے ہاتھ آنے والا شکار ہی تو شکار کا مزہ دیتا ہے۔"

"تمہیں ہنسی آرہی ہے اور مجھے خوف۔"

"دیکھنا ابھی وہ ٹارزن ٹائپ کی لڑکی جب تمہارے سامنے پڑی ہوگی تو تمہارا خوف کہاں بھاگتا ہے۔"

"وہ لڑکی تمہارے ہاتھ نہیں آئے گی بہت تیز ہے وہ۔"

"اس وقت تک وہ آجاتی ہے ابھی تک آئی کیوں نہیں؟" سیفی ریاض کی بات ان سنی کر کے گویا ہوا۔

”شاید وہ لوگ نہ آئیں آج یونیورسٹی......“
”اس طرح تو ہماری ساری پلاننگ فیل ہوجائے گی۔“ رفیق کراہا۔
”ہم نے ان کو فالو کیا ہے وہ چھٹی کرنے والی اسٹوڈنٹس نہیں ہیں۔“
”ہوسکتا ہے آج ان کو ہمارے منصوبے کی خبر ہوگئی ہو۔“
”تم نے خبر کی ہے ان کو؟“ سیفی استہزائیہ انداز میں بولا۔
”تم گدھے ہی رہو گے ہر حال میں ریاض۔“ اس دوران وہاں یلو کیب آکر رکی تھی اور اس میں سے نکلنے والے وجود کو دیکھ کر وہ چونکے تھے پھر مستعدی سے کھڑے ہوگئے تھے۔
”ارے لو وہ آ گئی...... مگر آج یلو کیب میں آئی ہے وہ بھی تنہا ہے دوسری لڑکی ساتھ نہیں ہے۔“ سیفی نے کہا۔
”دوسری لڑکی کی ہم کو ضرورت بھی نہیں تھی۔“ انشراح پرس اور کتابیں سنبھال کر کیب سے نکل آئی تھی‘ نانو کیب والے کو کرایہ پہلے ہی ادا کرچکی تھیں وہ خراماں خراماں چلتی ہوئی گیٹ کی جانب بڑھ رہی تھی‘ موسم ابر آلود تھا۔ خنک ہوائیں چل رہی تھیں وہ گیٹ سے بہت دور تھی ارد گرد سناٹا تھا‘ چند طلباء گیٹ سے قریب جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ پہلی بار اسے اپنی تنہائی سے خوف آیا تھا اور وہ تیز تیز چلنے لگی معاً وہ دونوں لڑکے تیسرے لڑکے کے ہمراہ جھاڑیوں سے نمودار ہوئے تھے۔
”آداب عرض ہے۔“ لمبے بالوں والا لڑکا آگے آ کر بولا۔
”راستہ چھوڑو میرا۔“ وہ راستہ روک کر کھڑے تھے۔
”ہم راستہ چھوڑنے والے نہیں ہیں‘ بہتر یہی ہے چپ چاپ ہمارے ساتھ چلو۔“ وہ تیسرا شخص غرا کر بولا۔
”کیا بکواس کررہے ہو‘ میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔“ اس نے چیخ کر کہا تب ہی اس لمبے بالوں والے لڑکے نے آگے بڑھ کر اس کے رخسار پر زوردار تھپڑ مارا۔
”چیخو مت‘ تم کو ہمارے ساتھ جانا ہوگا۔“ پھر اپنے ساتھیوں سے بولا کہ وہ کار لے کر آئیں کوئی بھی ادھر آسکتا ہے۔ وہ دونوں وہاں سے بھاگ کر کار لینے گئے اور اس نے منہ پر ہاتھ رکھے کھڑی انشراح کا ہاتھ پکڑ کر کھینچنا شروع کردیا تھا۔ اس کے رخسار پر پڑنے والا تھپڑ بہت طاقت سے پڑا تھا‘ تکلیف کے مارے اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا۔
پرس اور کتابیں گر گئی تھیں وہ اسے بازو سے پکڑے لے جارہا تھا چند لمحے اس کو حواس بحال کرنے میں لگے اور حواس درست ہوتے ہی اس نے آنکھیں کھول کر اس لڑکے کو دیکھا اور دوسرے لمحے زوردار لات اس کے پیٹ میں ماری تھی۔ لڑکے کے لیے یہ غیر متوقع تھا‘ لات کھا کر وہ بے اختیار نیچے گر گیا تھا‘ انشراح نے ٹھوکر مارنی چاہی تو اس نے ٹانگ پکڑ کر اسے گرادیا تھا‘ وہ چیختی ہوئی منہ کے بل گری تھی۔
اس اثناء میں اس کے ساتھی کار لے آئے تھے اور پھرتی سے انشراح کو کار میں ڈالا تھا اور کار لمحوں میں ہوا ہوگئی تھی۔
(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

دھوپ اور آنگن

بشریٰ گوندل

جو آنسو پہ گرتے ہیں، وہ آنکھوں میں نہیں رہتے
بہت سے حرف ایسے ہیں جو لفظوں میں نہیں رہتے
کتابوں میں لکھے جاتے ہیں دنیا بھر کے افسانے
مگر جن میں حقیقت ہے، کتابوں میں نہیں رہتے

محبت ہمیشہ کسی شکار کی تلاش میں یہاں سے وہاں چکراتی پھرتی ہے اور بالآخر کسی نہ کسی کو شکار کرکے چھوڑتی ہے۔ محبت بھی وداس کی طرح ہوتی ہے اس کا اپنا کوئی گھر، کوئی نگر، کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا، اسی لیے آدمی کو بے ٹھکانہ کردیتی ہے اور اپنا آپ بھلا کر ہوش وحواس سے بیگانہ کردیتی ہے۔

ایک زمانے میں محبت زندگی بن کر اس کی رگوں میں اتری تھی اس کے خون میں شامل ہوئی تھی، اسے گھر سے بے گھر کیا تھا، اس کے ظاہری خدوخال کو بدل کر ایک نئی شکل میں ڈھالا تھا، محبت نے اور جب وہ سر سے پاؤں تک محبت کے رنگ میں رنگ گئی تو محبت نے اس کے سارے رنگ اتار دیئے اور وہ بڑی دیر تک محبت کے اس ظالمانہ رویے کو دیکھتی رہی۔

وہ جو محبت کی طلب وآس میں ایک عمر جی چکی تھی خوابوں کے ملبے پہ بیٹھ کے زار وزار رو چکی تھی کہ آنکھیں بنجر اور ویران ہوگئیں...... اب تو کوئی آس وطلب تھکن بن کے اس کی پلکوں میں سمائی رہتی اور پلکوں کی جڑیں ہر وقت نم رہتیں...... اس کی پور پور کو تھکا دیا تھا محبت میں نباہ کی خواہش نے، ہمیشگی کی طلب نے...... اور جب وہ سب نصیب کا لکھا سمجھ کر قبول کر بیٹھی تو دل کی زمینوں پر ایسا موسم در آیا کہ تھکن زدہ پلکوں کے پار ٹھہری اداس آنکھوں میں حیرت بن کر ٹھہر سی گئی تھی۔ یہ...... کیسے ہوسکتا ہے؟ ایک بار پھر اس گلی سے کوئی کیسے گزر سکتا ہے؟

جہاں طلب کے کالے اندھیرے میں دکھ گھات لگائے بیٹھا ہو...... ہستی کی ویران عمارت میں زلزلہ آیا تھا...... کھنڈر لرز گئے تھے اور ملبے کے ڈھیر سے آہیں، سسکیاں ایک ساتھ ابھری تھیں جیسے کوئی زخموں کے کھرنڈ اتار دے تو خون رسنے لگے۔ ٹھہرے پانیوں کے گہرے سکوت میں کوئی کنکر گرا تو پُرشور تلاطم ہوا، کنارے پر کھڑی وہ دنگ وحیران رہ گئی۔

کبھی کبھی ایسا ہی ہوتا ہے اور ایسا نہ جانے کیوں ہوتا ہے کہ چلتے چلتے زندگی میں اچانک کوئی ایسا موڑ آتا ہے کہ آدمی چاہتا ہے ذرا سا ٹھہر کر...... کوئی لمحہ بھر ستا کر ایک عمر کی تھکن اتار لی جائے اور محبت میں پڑاؤ ڈالنے کی خواہش بڑی شدید ہوتی ہے۔ تب پاؤں گرم ریت پر آکر جلنے لگتے ہیں اور سورج بھی سوا نیزے پر ٹھہر کر اپنی شناخت بھول جاتا ہے۔

"یہاں کیوں کھڑی ہو......؟" اس کے کانوں کے بہت قریب گونجنے والی سرگوشی نے اسے سوچوں کے گرداب سے باہر نکالا وہ بے ساختہ چونکی جیسے کسی گاڑی کو ایک دم بریک لگنے سے بڑی زور کا دھکا لگتا ہے اس نے ایک دم پلٹ کر اپنے بہت قریب کھڑے اس شخص کو دیکھا جس کے چہرے پر بڑی دلفریب مسکراہٹ سجی تھی، وہ جس پلر سے ٹیک لگائے کھڑی تھی وہ اس پلر پر اپنا دایاں ہاتھ ٹکائے اس کے اتنے قریب کھڑا تھا کہ اس کے لباس سے اٹھتی مخصوص مدھم خوشبو کی مہک بے ساختہ اس کی سانسوں سے ٹکرائی تھی اس نے ایک بہت خاموش

نگاہ اس پر ڈالی اور سیڑھیاں اترنے لگی جیسے بڑی دیر سے فقط اس کے آنے کی منتظر ہو۔ وہ بھی قدم بہ قدم اس کے ساتھ چلنے لگا۔

وہ مسلسل بول رہا تھا یونہی اِدھر اُدھر کی باتیں' صبح سے اب تک رونما ہونے والے واقعات تمام جزئیات سمیت...... وہ محوِ گفتگو تھا بے تکان بول رہا تھا اس بات کی پروا کیے بغیر کہ کوئی اس کی گفتگو کتنی توجہ اور دلچسپی سے سن رہا ہے' سن بھی رہا ہے یا نہیں...... وہ ہنوز خاموش تھی' پھر وہ بھی چپ ہوگیا اور آخری سیڑھی پر بیٹھ گیا تو اسے بھی بڑھتے قدم روکنا پڑے۔

"لگتا ہے آج تم نے کچھ بھی نہ بولنے کی قسم کھا رکھی ہے یار بولا کرو' باتیں کیا کرو تم اکتا نہیں جاتی اتنا چپ رہ کر...... اپنے وہ شکیب جالب نے تمہارے جیسوں کے لیے ہی کہا تھا۔"

گفتگو کرو کہ یہ فطرتِ آدم ہے شکیب
جالے لگ جاتے ہیں جب بند مکاں ہوتا ہے

"کوئی بات ہو تو......" وہ بیزار سی تھی اس کے شعر سنانے پر بھی کوئی ردعمل نہ دیا۔

"گویا میں فضول بکواس کررہا ہوں گھنٹے بھر سے۔" وہ چڑ کر بولا۔ "مجھے لگتا ہے میری کسی بات کی تمہارے نزدیک کوئی اہمیت ہی نہیں...... میں زیادہ بولوں' کم بولوں' یا بولنا ہی بند کردوں اور بعض اوقات مجھے لگتا ہے کہ جب میں بولتا ہوں تو تم اپنے کان ہی بند کرلیتی ہو' شاید کوئی خفیہ لاک لگا دیتی ہو...... میں ہی پاگل ہوں نا جو صبح صبح تمہارے پیچھے خوار ہونے لگتا ہوں' بے کار ہوں نا اور کوئی کام دھندا بھی نہیں ہے۔" وہ اس کی صورت کے خفا خفا نقوش دیکھ کر ہنس دی۔

"ارے...... تم ہنستی بھی ہو۔ واٹ اے سرپرائز......!" اس نے حیران ہونے کی اداکاری کی۔

"تم ہنستی اچھی لگتی ہو......" گنگناتے ہوئے وہ اٹھا اور اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور بائل برش کے تناور درخت سے ٹیک لگا کر بہت فرصت و سہولت اور محبت سے اس کے چہرے کے ایک ایک نقش کو دیکھتا اور دل میں اتارتا رہا۔

"آج میں نے صبح صبح تمہارا چہرہ دیکھا ہے آئی ہوپ میرا آج کا دن بہت اچھا گزرے گا۔"

"فار یور کائنڈ انفارمیشن سعد سکندر کہ یہ صبح نہیں...... دوپہر کے دو بج چکے ہیں۔"

"ارے واہ۔" سعد جھوم اٹھا "تم نے تو کچھ اس طرح کہا ہے جیسے کبھی بچپن میں ریڈیو پاکستان کو آن کرنے پر ایک ہی آواز سننے کو ملتی تھی یہ ریڈیو پاکستان ہے دوپہر کے دو بج چکے ہیں اب آپ خبریں سنیں۔" سعد نے کچھ اس انداز میں ریڈیو نیوز کاسٹر کی نقل اتاری کہ اس نے بمشکل اپنی ہنسی روکی مگر وہ بھی اسے ہنسی دباتے دیکھ چکا تھا۔

"تم ہنس لو پیارے پاکستان میں ابھی ہنسنے پر کوئی ٹیکس نہیں لگا۔" وہ ایک دم دوبارہ سیریس ہوئی تو سعد سکندر نے کہا۔

"میں تمہیں بتاؤں میرے ساتھ جو واقعہ ہوا ہے وہ پہلی بار ہوا ہے' دنیا میں اگرچہ اور بھی بڑے بڑے سپر ہٹ واقعات رونما ہوتے ہیں مگر محبت کا واقعہ بھی کوئی معمولی نہیں ہوتا' میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے کہ میں صبح شام کے اوقات بھول گیا ہوں۔ موسموں کا آنا جانا بھول گیا ہوں۔ جب سے تم ملی ہو آئمہ بخاری...... میں جگہ' وقت' موسم ہر چیز سے بے نیاز ہوگیا ہوں۔ یاد رہتا ہے تو صرف تمہیں سوچنا' تمہیں دیکھنا' تم سے ملنا اور تم سے باتیں کرنا...... باقی سارا کچھ میرے لیے غیر ضروری ہوگیا ہے۔ میں رات کو سو نہیں پاتا کہ صبح تمہیں دیکھنا ہے یہ میرے دل کی سب سے بڑی خوشی ہے۔" وہ اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے کسی مقدس کتاب کا کوئی مقدس ورق۔

"صبح صبح آتے ہی میں نے تمہیں دیکھا' تم اس پلر کے ساتھ کھڑی تھیں ٹیک لگائے' ساکت نگاہ اور چپ چاپ...... جیسے کوئی سنگی مجسمہ ہو' جیسے کوئی مورت ہو...... میں تمام کام بھول گیا' سب چھوڑ چھاڑ کر بس تمہیں دیکھتا

Parizad

پری زاد

TUESDAY 8:00 pm

TV ONE

aap se rishta pyar ka

کیا توڑے گی پری زاد۔۔۔ شادی کا بندھن یا محبت کی ڈور؟

پری زاد ایک ذہین اور خوبصورت لڑکی ہے جو لڑکیوں کی تعلیم کی زبردست حامی ہے۔ اس کا تعلق ایک مڈل کلاس گھرانے سے ہے اپنے گھر کے خرچ میں ہاتھ بٹانے کے لیے وہ ایک اسکول میں پڑھاتی ہے اور سہ پہر میں پڑوس کی لڑکیوں کو بھی زیور تعلیم سے آراستہ کرتی ہے۔ وہ اسکول میں اپنے ایک کولیگ علی سے محبت کرتی ہے اور دونوں شادی کا خواب دیکھتے ہیں، مگر عین اس وقت جب علی اپنا رشتہ بھیجنے والا ہوتا ہے پری زاد کے خاندان میں ایک ایسی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے جو پری زاد کو ایک اہم فیصلے کے دوراہے پر لاکھڑا کرتی ہے۔ پری زاد کے بھائی کو ایک [illegible] کے ساتھ [illegible] کر لیتی ہے [illegible] بھاری [illegible] رقم کا مطالبہ [illegible] [illegible] اپنے [illegible] عزت بچانے کے لیے پری زاد کو ایک مالدار شخص منصور سے شادی کرنا پڑتی ہے جس کی بیوی کا انتقال ہو چکا ہے اور وہ دو جوان لڑکیوں کا باپ ہے۔ منصور پری زاد کے بھائی کی رہائی کے لیے مطلوبہ رقم فراہم [illegible] پری زاد کو شادی کے بعد [illegible]

ہے کہ منصور صاحب ایک سخت گیر انسان ہیں جو فرسودہ اور کٹر روایتی خیالات رکھتے ہیں اور وہ لڑکیوں کی تعلیم کے سخت مخالف ہیں۔ منصور صاحب کے گھر کا ماحول کافی گھٹا گھٹا سا ہے منصور صاحب کا بھانجا ارشد ایک عیار، لالچی اور سازشی شخص ہے جو ماموں کی دولت اور اُن کی عزت پری زاد پر بری نظر رکھتا ہے۔ پری زاد کی اس پریشان کن زندگی میں اچانک علی واپس آتا ہے اور اسے منصور سے دامن چھڑانے اور اپنی شریک زندگی بننے کی پیشکش کرتا ہے۔ اب پری زاد زندگی کے ایک اہم دوراہے پر کھڑی ہے کہ وہ کیا فیصلہ کرے؟ کیا وہ علی کی محبت کو خاندان کی عزت پر [illegible] [illegible] دے گی یا [illegible] اور فرسودہ خیالات کے مالک منصور کے گھر دو سوتیلی بیٹیوں کے ساتھ گزارا کر سکے گی؟

رہا کیونکہ میرے لیے اس سے ضروری اور کوئی کام نہ تھا بلیوی......'' سعد سکندر نے اس کے صبیح چہرے پر اپنی نگاہ گاڑ رکھی تھی شاید اس کی آنکھوں میں اُگے بے یقینی کے ببول ڈھونڈ رہا تھا یا یونہی محبتوں کی شدتوں کا یقین دلانا مقصود تھا۔ وہ کچھ بھی نہ بولی' نہ ہوں نہ ہاں...... اور وہ بڑی دیر تک اس کی آنکھوں کی سنہری زمینوں پر اپنی محبت کی فصل ڈھونڈتا رہا چاہت کے کھلیان تلاش کرتا رہا' جہاں صرف بے یقینی کے شجر تھے' سناٹوں کے راج تھے اور گہری چپ کے سائے تھے' وہ ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گیا لیکن اسے حوصلہ نہیں ہارنا تھا یہ اس نے روز اول سے سوچ رکھا تھا کیونکہ زندگی کی راہوں میں جو حوصلہ ہار دیتے ہیں ہار پھر ان کے نصیب میں لکھ دی جاتی ہے۔

وہ پلٹ کے چل دی تو وہ چند لمحہ بعد اس کے ساتھ ہولیا۔ اب وہ نارمل ہو چکا تھا جیسے...... بارش کے بعد کی دھوپ نرم اور چمکیلی...... جیسے بادل برس کر اپنے اندر کا جمع سارا پانی دھرتی پہ انڈیل چکے ہوں۔ وہ بالکل پہلے جیسے تھا ہنستا' مسکراتا' قہقہے لگاتا' آتے جاتے لوگوں پر بے لاگ تبصرہ کرتا اور پھر خود ہی محظوظ ہوتا ہوا...... ہاں البتہ آئمہ بخاری کو جانے کیوں سعد سکندر سے ملنے کے بعد خود کو نارمل کرنے میں کچھ وقت لگتا تھا' اس کے کہے ذومعنی جملے اسے ڈسٹرب کر دیتے تھے۔

''آج تم کچھ زیادہ ہی اداس اور چپ ہو......؟'' ساتھ چلتے چلتے اس نے سوال کیا۔

''نہیں...... کچھ خاص نہیں۔''

''خاص نہ سہی عام ہی بتا دو۔'' اس نے قدم روکے۔

''کچھ نہیں ہوا سعد......'' وہ آہستگی سے بولی۔ وہ اسے کیا بتاتی کہ اداسی بعض اوقات بے سبب بھی ہوتی ہے اور یونہی دل کے آسمان پر کالے سیاہ بادلوں کی طرح چھا جاتی ہے کہ آنکھ پھر رونے کا بس بہانہ تلاشتی ہے۔

سعد نے حسب عادت کریدنا چھوڑا اور اس کی یہ عادت بہت اچھی تھی کہ وہ بلاوجہ کسی بات کے پیچھے نہیں پڑتا تھا۔

''جوس پیو گی؟'' اس وقت وہ کیفے ٹیریا کے سامنے سے گزر رہے تھے۔

''نہیں۔''

''چائے یا کولڈ ڈرنک؟''

''نہیں' اس وقت کسی چیز کا بھی موڈ نہیں ہو رہا ہے۔ بس گھر جاؤں گی۔''

''اوکے ڈراپ کر دوں......؟''

''نہیں' میں چلی جاؤں گی۔'' اس نے رسان سے کہا۔

''ٹھیک ہے' اللہ حافظ!'' بنا اس کی جانب دیکھے وہ یوں سیڑھیاں چڑھ گیا جیسے اسے کوئی بہت ضروری کام یاد آ گیا ہو' اس نے جاتے جاتے پلٹ کر نہ دیکھا تھا لیکن وہ اگلے کئی پل ایک ایک سیڑھی پر اس کے قدموں کے نشان دیکھتی رہی...... اس کے دل پر جانے کیوں کوئی بوجھ سا آ پڑا تھا۔

''اپنا خیال رکھنا۔'' وہ ابھی اسٹاپ کے قریب تھی جب سیل پر اس کا میسج جگمگانے لگا۔

وہ ایسا ہی تھا کبھی مہربان بادل ہو جاتا اور کبھی کڑی دھوپ میں تنہا چھوڑ جاتا...... بعض اوقات اس کے اتنا قریب ہو جاتا کہ اسے اپنے دل کے کہیں آس پاس محسوس ہوتا اور کبھی کئی قرنوں کے فاصلے پر...... جیسے کچھ کتابیں' ہم سمجھتے ہیں کہ ہم لفظ لفظ' حرف حرف پڑھ چکے ہیں لیکن اگلے ہی صفحے پر غیر واضح' ناآشنا اور مبہم تحریر نگاہ کے سامنے آ جاتی ہو۔

دھوپ چھاؤں جیسا مزاج رکھنے والا وہ شخص...... جس کے بارے میں وہ سارے راستے سوچتی آئی تھی۔ جس کے لفظوں کی بازگشت نے بڑی دور تک اس کا پیچھا کیا تھا کبھی سچ لگتا' کبھی من گھڑت کہانی' کبھی جھوٹ کا فسانہ...... وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسی کو سوچ رہی تھی۔

''وہ میرا ہے ہی کون؟ کوئی ناتا' کوئی تعلق' کوئی رشتہ...... یونہی راستے میں ملا ہے' جانے کب بچھڑ جائے...... راہ میں ملنے والوں کو رستہ بدلنے میں یا سفر کا

اختتام کرنے میں دیر کتنی لگتی ہے بھلا...... اور ایسے راستوں پر کیا چلنا جو بے نشان منزلوں کی جانب لے جائیں۔ وہ سمجھا رہی تھی اور دل سمجھ بھی رہا تھا کسی سمجھدار بچے کی طرح......

وہ خود سے الجھتی...... سوال کرتی گھر پہنچی تو شام تقریباً قریب تھی۔

"توبہ...... ایک تو سردیوں کا دن اتنی جلدی ختم ہوجاتا ہے اِدھر شروع ہوا اُدھر ختم......" گھر میں وہی جانی پہچانی خاموشی تھی جو روز بڑے والہانہ انداز میں اس کا استقبال کرتی تھی۔

اماں ہمیشہ کی طرح مصلے پر کسی لمبے وظیفے میں مشغول تھیں اور ہمیشہ ہی کی طرح اس کے آنے پر کوئی رسپانس نہیں دیا سو سلام کے جواب کا انتظار کرنا فضول تھا وہ بیگ رکھ کر سیدھی کچن میں چلی آئی۔ کچن بھی دل کی طرح بھائیں بھائیں کر رہا تھا' کوئی وحشت تھی جو سیڑھیوں پہ' کمروں میں' صحن میں' کچن میں چکراتی پھرتی تھی۔ وقت جیسے ایک جگہ آکر ٹھہر سا گیا تھا۔ اس نے کچن کی کھڑکی کھولی شام کی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا کچن کی کھڑکی کے ساتھ شاخ در شاخ لٹکتی اوپر کو جاتی انگور کی بیل کس قدر بے رونق اور اجڑی اجڑی سی لگ رہی تھی۔ جیسے ہجر رسیدہ کوئی عورت۔

اس نے چولہے پر چائے کا پانی رکھا اور خود کھڑکی میں کھڑی ہوگئی...... پہلے کیسی رونق ہوا کرتی تھی اس گھر میں' حالانکہ زیادہ لوگ نہ تھے صرف گنتی کے چند افراد...... ابا' اماں' صائمہ اور وہ...... زندگی کیسے سکھ کی قلانچیں بھرا کرتی تھی کسی الہڑ ہرنی کی طرح' اگرچہ آسائشوں کے انبار نہ تھے دولت کی ریل پیل نہ تھی مگر مڈل کلاس سفید پوشی کا بھرم قائم تھا ابا بنا کہے ہر ضرورت پوری کردیتے' کوئی خواہش تشنہ نہ رہنے دیتے...... دونوں بیٹیوں کی تربیت ایسے کی کہ لوگ حسد و رشک سے دیکھتے...... صائمہ کے قہقہے پورے گھر میں گونجتے اس کی شوخیاں' شرارتیں اور پھر اماں کا اس کو ڈانٹتے رہنا...... اور ابا کا ان دونوں بہنوں کے ساتھ لاڈ بھرا انداز...... وہ سب کے سامنے فخر سے اپنی بیٹیوں کی قابلیت' فرماں برداری' شرافت اور فہم و فراست' کا تذکرہ کرتے۔ مان اور فخر محسوس کرتے اور کہتے کہ بیٹیاں تو مان ہوتی ہیں بھرم اور فخر ہوتی ہیں نہ صرف والدین کے لیے بلکہ پورے معاشرے کے لیے...... اگرچہ ان کی تربیت میں کمی نہ رہنے دی جائے ان کی قابلیت اور کردار پر اعتماد کیا جائے بدگمانی' بے یقینی اور بے اعتباری کی آلودگی سے بچایا جائے۔ وہ بیٹیوں کے حوالے سے بولتے رہتے اور اماں برابر کلستی رہتیں۔

"مگر بیٹیاں تو بیٹیاں ہوتی ہیں ان کا موازنہ بیٹوں سے تو نہیں کیا جاسکتا ناں؟" اور ابا جانتے تھے کہ ایک بیٹے کی چاہ وہ ان کے دل سے پوری زندگی نہیں نکال سکے۔ پھر صائمہ کو رسالے پڑھنے کا چسکہ جو لگا تو اماں عاجز آگئیں۔

"تمہارے ان کچھ لگتے رسالوں کو تو میں آگ لگاتی ہوں' اتنا قرآن پاک پڑھ لیا کرو کہ آگاہ کچھ سنور جائے......" اماں غیظ و غضب سے مذہب کو درمیان میں لاتیں' صائمہ ذرا کی ذرا شرمندہ ہوتی تو رسالہ رکھ دیتی لیکن اگلے ہی پل کسی ادھوری کہانی کے خیال سے رسالہ پھر اس کے ہاتھ میں ہوتا اور اماں پھر تاڑ لیتیں۔

"پڑھو...... بے شک پڑھو' میرا کیا جائے گا تمہارا ہی نقصان ہوگا' غضب خدا کا نقطوں کی طرح مہین حرف...... اور چھاپا اتنا باریک ہے اندھی ہوجاؤ گی اور پھر دنیا دیکھنے جوگی بھی نہ رہوگی زیادہ دیر تک لاٹھی بھی کوئی نہیں پکڑاتا' اپنے بھی اکتا جاتے ہیں۔"

"اماں اس انداز سے تمہارے مستقبل کی تصویر کشی کرتی ہیں کہ وائٹ اسٹک ہاتھ میں پکڑے ٹٹول ٹٹول کر قدم رکھتی کوئی مائی تصور میں آجاتی ہے۔" آمنہ ہنستی۔

"ہائے توبہ...... شرم کرو تم۔" وہ جھرجھری لیتی۔

''کبھی تم بھی کرلیا کرو۔'' آئمہ کہتی۔ پھر اس کے بعد صائمہ نصاب کی کتاب کے اندر چھپا کر رسالہ پڑھنے لگی۔

''ہیروئن کے تو مزے ہیں یار' کیا رومینٹک ہیرو ہے۔'' کبھی وہ پڑھتے پڑھتے جھوم جاتی۔ ''ویسے یار اس طرح کے مرد ریئل لائف میں بھی پائے جاتے ہیں کیا؟'' اس نے نہایت معصومیت اور سادگی سے پوچھا۔

''کس طرح کے مرد؟'' آئمہ اسی وقت نماز پڑھ کے آئی تھی تسبیح پر کوئی درود پڑھ کے پورے گھر پر پھونکیں مارتے ہوئے پوچھا۔

''یہی کہانیوں والے...... ڈیشنگ' ہینڈسم' انتہائی دولت مند' اتنے کیئرنگ' اتنے لونگ۔'' وہ آنکھیں میچ کر کسی اور ہی جہان میں پہنچی ہوئی تھی اور آئمہ گھر کے در و دیوار کے ساتھ اس پر بھی پھونکیں مارنے لگی۔

''جی نہیں اس طرح کے لوگ صرف افسانوں اور فلموں میں ہی پائے جاتے ہیں اور ایسے خیالی ہیروز ہی لڑکیوں کے دماغ خراب کرتے ہیں کیونکہ حقیقی زندگی میں انہیں ویسے ہیروز کی ہی خواہش اور ڈیمانڈ ہوتی ہے...... تم بھی ذرا کم ہی پڑھا کرو' اماں ٹھیک ہی تمہیں منع کرتی ہیں۔''

''تو پھر بندہ کیا کرے۔'' وہ بیزار سی تھی اور ہم لوگوں کی زندگی بھی کتنی محدود سی ہے کوئی تفریح نہیں' کسی قسم کی کوئی ایکٹویٹی ہم لوگوں کی نہیں ہے' رشتے داروں کے ہاں جانا ابا پسند نہیں کرتے۔ دوستوں کے گھروں میں جانے پر بھی پابندی ہے' آخر بندہ جائے تو کہاں جائے؟ کسی ہیرو نے خود چل کے تو دروازے پر نہیں آ جانا' میری تو چلو شکل واجبی سی ہے تمہاری زندگی میں کسی ہیرو کے آنے کے چانسز بہت زیادہ ہیں وہ تو بے چارہ تمہاری سونے جیسی آنکھوں اور سنہری لمبے بالوں کو دیکھتے ہی فوت ہو جائے گا لیکن تم آئی سویئر' اپنے ہاتھوں سے گنوا دو گی۔''

''اچھا...... وہ کیسے؟'' آئمہ ہنسی۔

''تمہاری ہنسی ہی اتنی پیاری ہے کہ سانس روک لیتی ہے اوپر سے تمہاری من موہنی صورت' اگرچہ ڈفر ہو لیکن دیکھنے والوں کو معصوم لگتی ہو' بس حلیہ تھوڑا سا چینج کرلو اس حلیے میں تو بالکل ہیڈ مسٹریس لگتی ہو۔'' آئمہ اس کے انداز پر کھلکھلا کر ہنس دیتی اور وہ برابر اسے فیشن ایبل لگنے کے طریقے بتاتی رہتی اور آئمہ نیند کی وادیوں میں اتر جاتی جبکہ وہ رات گئے تک لحاف میں چھپی ڈائجسٹ پڑھتی رہتی اسی لیے اکثر فجر کی نماز قضا ہو جاتی اور اماں کو پھر غصہ آ جاتا۔

''کیا ملے گا اس کو؟ فرشتے جب رزق تقسیم کر رہے ہوتے ہیں تو یہ لڑکی خواب دیکھ رہی ہوتی ہے۔ حشر کے دن خالی ہاتھ پھرے گی۔''

''رہنے دو ہر وقت ڈانٹتی نہ رہا کرو۔'' ابا ہمیشہ اس کی ڈھال بن جاتے۔

''بیٹیوں سے اتنا لاڈ پیار اچھا نہیں ہوتا بگڑ جاتی ہیں اور پھر انہیں اگلے گھر بھی تو جانا ہوتا ہے۔'' اماں کا وہی ماؤں والا خصوصی وہم بھرا انداز اور ابا کا سر جھٹک کے رد کر دینا۔

ایسے میں صائمہ تھوڑی سی اور دلیر ہو جاتی ابا کی شہ پاکر۔ اس کے قہقہے بلند ہو جاتے اور شوخیاں آسمان کو چھونے لگتیں۔ اماں کی ڈانٹ ڈپٹ کو کسی خاطر میں لائے بغیر وہ اکثر اماں کا موڈ خراب دیکھ کر اماں کے گلے میں جھول کر کوئی ایسا شوخی بھرا جملہ کہتی کہ اماں بھی اپنی ساری ناراضی بھول جاتیں اور بے ساختہ ہنسی کو پھر کوئی نہ روک پاتا۔

''اف توبہ...... کتنا ہنستی ہو تم صائمہ۔'' آئمہ رٹا لگا رہی ہوتی اور صائمہ کی ہنسی کی آواز اس کے رٹے میں خلل ڈال دیتی اور یاد کیے ہوئے جملے ذہن سے نکلنے لگتے۔

''ہاں' تو کیا ہے اب بندہ ہنسنے والی بات پہ ہنسے بھی ناں۔''

''کبھی پڑھ بھی لیا کرو۔''

"بہت بہتر ہیڈ مسٹریس صاحبہ۔" وہ سرِ تسلیم خم کرتی ہوئی ہنستی چلی جاتی۔

آئمہ یونہی اپنے بڑے ہونے کا رعب ڈالتی کیونکہ وہ اس سے فقط گیارہ مہینے بڑی تھی مگر صائمہ رعب میں کہاں آنے والی تھی ویسے بھی وہ جانتی تھی کہ صائمہ کو پڑھنے کے لیے رٹا لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بی ایس سی میں صائمہ کی جب پوزیشن آئی تو آئمہ نے بے ساختہ اسے اپنے ساتھ لگا کر اس کا ماتھا چوم لیا۔ سب کتنا خوش ہو رہے تھے ابا کی آنکھیں اس روز کیسے چمک رہی تھیں خوشی، فخر اور مان سے......اور یہ چمک کسی آنسو کے ٹھہر جانے کی واضح نشان دہی بھی کر رہی تھی۔ آنکھ کا پانی کب گواہی دیتا ہے کہ آدمی کے جذبات غم کے ہیں یا خوشی کے......کبھی کبھی خوشی کی شدت سے بھی آنکھ رو پڑتی ہے۔ گھر پہ چھوٹی سی پارٹی کا انتظام تھا۔ سب کتنا ہنس بول رہے تھے زور و شور سے بحث ہو رہی تھی ہر ٹاپک ڈسکس ہو رہا تھا۔ پھر لڑکیوں کا ہر فیلڈ میں نمایاں ہونا دیر تک ہاٹ ایشو بنا رہا۔ بڑی پھوپو کا بیٹا کیپٹن محسن اس روز کچھ زیادہ ہی چہک رہا تھا۔

"یہ لڑکیاں اسی طرح ہر فیلڈ میں ہم لڑکوں کا حق مارتی ہیں جب ان کو پتا ہوتا ہے کہ ان کی ڈگریوں کی حیثیت مستقبل میں کاغذ کے ٹکڑوں کے سوا کچھ نہیں تو پھر فائدہ......آنے والے دنوں میں یہ قیمتی ڈگریاں زرق برق ملبوسات کے نیچے بکسوں میں قید ہوں گی اور یہ بچے پال رہی ہوں گی یا بیگمات بنی فائیو اسٹار ہوٹلز میں فنکشن اور پارٹیاں اٹینڈ کرتے ہوئے یہ بھول جائیں گی کہ کن کن بے چاروں کا حق مار آئی ہیں۔"

"تو کیا جاہل رہ جائیں؟" لڑکیاں معترض ہو کر چلائیں۔

"کیپٹن محسن...... یہ آپ لڑکوں کی ہی ڈیمانڈز ہیں پڑھی لکھی لڑکیاں۔" صائمہ نے آئینہ دکھایا۔

"ہاں ہاں...... لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لائق فائق اور قابل لڑکوں کو کھڈے لائن لگا دو۔"

"جو کسی قابل ہوتا ہے وہ کھڈے لائن نہیں لگتا۔" صائمہ نے برجستہ جواب دیا۔

"آہ......!" محسن نے ٹھنڈی ٹھار مصنوعی آہ بھری تھی۔

اور اسی روز خبر ہوئی تھی کہ صائمہ کی بات محسن سے طے ہے۔ اب پتا نہیں یہ کون سی کتاب میں لکھا ہے کہ بچوں کی باتیں ان کے بچپن میں طے کر دی جائیں۔ آئمہ زچ ہوگئی اور حیرت بھری نگاہوں سے پورے گھر میں صائمہ کو تلاش کیا لیکن یہ کیا......؟ جب وہ ملی تو اس کی آنکھوں کی روشنیاں تو کوئی اور بات ہی کہہ رہی تھیں گویا وہ دونوں پہلے سے ہی اس راز سے آگاہ تھے نہ صرف آگاہ تھے بلکہ پورے دل سے رضا مند بھی تھے اگر ہمیشہ کی طرح بے خبر تھی تو صرف آئمہ......اسے اکثر ملنے جلنے والوں، رشتہ داروں اور کبھی کبھی گھر کی اہم باتوں کا علم بھی بہت بعد میں ہوتا تھا......بہرحال اس خبر نے پہلے اسے حیرت میں مبتلا کیا پھر وہ ان دونوں کی خوشی میں خوش ہوگئی یہ اس کی بڑی اچھی عادت تھی دوسروں کی خوشی میں خوش ہو جانا۔ گویا...... اس واجبی سی شکل والی افسانوی ہیروئن نے خاندان کا سب سے خوبرو ہیرو کیپٹن محسن رضا ہائی جیک کر لیا تھا۔ جب اس نے صائمہ سے کہا تو اس کی روشنیوں سے جگمگاتی آنکھیں بار حیا سے جھک گئیں......اس وقت وہ بہت پیاری لگ رہی تھی نظر لگ جانے کی حد تک اور نظر لگ جانے کے خوف سے آئمہ نے فوراً نگاہ پھیر لی تھی۔

◆......●♥●......◆

اگرچہ یہ کوئی زیادہ پرانی بات تو نہ تھی مگر جانے کیوں کبھی کبھی کچھ باتوں کو یاد کرو تو لگتا ہے زمانے گزر گئے ہیں......اس میں قصور ہماری یادداشت کا نہیں ہوتا، بعض اوقات وقت یوں ہی ٹھہر ٹھہر کر گزرتا ہے حالانکہ یہ فقط چار سال پہلے کی بات تھی اور چار سال ایسا کوئی طویل عرصہ بھی نہیں ہوتا......بس گزارنے والے کو پتا ہے کہ لمحہ لمحہ کیسے صدیاں ہو کر گزر رہی ہیں۔

وہ کھڑکی بند کرکے پلٹی تو چولہے پر رکھا چائے کا پانی ابل ابل کر خشک ہوچکا تھا اس نے دوبارہ پانی رکھا۔ صائمہ کا فون آیا تھا۔ اماں نے وہیں سے اطلاع بہم پہنچائی تو اس نے فوراً چولہے کے ساتھ یادوں کا برنر بھی بند کیا۔ اماں کے اور اس کے مابین اسی طرح کی گفتگو ہوتی تھی پھر چائے کپوں میں ڈال کر وہ اماں کے پاس آ بیٹھی۔ بڑی دیر اس نے اماں کے کوئی اور بات کرنے کا انتظار کیا پھر خود ہی بولنا پڑا۔

"کیا کہہ رہی تھی وہ؟"

"تمہارے لیے فکر مند تھی۔" اماں متانت و تاسف سے بولیں۔

اب یا تو چائے زیادہ گرم تھی یا اس نے گھونٹ لینے میں احتیاط نہ برتی کہ گرما گرم چائے اس کا حلق تک جلاتی گئی۔ پھر بڑی دیر تک ان دونوں میں سے کوئی نہ بولا۔ شام کی سرد ہوا خشک پتوں کے ساتھ مل کر کوئی نامحسوس سرگوشیاں کررہی تھی خنک فضا میں عجب سا سوز تھا۔

"اس ویک اینڈ پر آنے کا پروگرام تھا پھر اچانک تیمور کو فلو ہوگیا اب کیا پتا اگلے ویک اینڈ پر آئیں وہ لوگ۔" کچن میں خالی کپ رکھ کر جب وہ دوبارہ اماں کے پاس آ بیٹھی تو اماں نے بتایا۔

پھر اماں نے اپنے اور صائمہ کے مابین ہونے والی چیدہ چیدہ گفتگو اسے سنانے لگیں اور وہ چپ چاپ سنتی رہی کیونکہ اس ذکر میں زیادہ تر اس کا تذکرہ تھا۔ وہ کچھ بھی نہ بولی' یہ بھی نہ بتایا اماں کو کہ صبح اس کی صائمہ کے ساتھ بات ہوئی تھی اور کم و بیش یہی گفتگو وہ اس کے ساتھ کرچکی تھی۔ شام کو اگر پھر فون آئے گا تو تقریباً وہی باتیں ہوں گی۔ اب ہر صبح شام نئی نکور باتیں کہاں سے آئیں...... اسے اونگھ سی آنے لگی تو اس نے اماں کی گود میں سر رکھ دیا۔ اماں اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں پھر اسے خبر ہی نہ ہوئی وہ کب سوئی اور کتنی دیر تک سوئی جب جاگی تو اماں رات کا کھانا تیار کرچکی تھیں۔

"میں کھانا پکالیتی نا اماں' آپ نے کیوں تکلیف کی۔" وہ کچن میں چلی آئی۔

"ہر روز تم ہی پکاتی ہو آج اگر میں نے پکا دیا تو کیا ہوا؟" روٹی توے سے اتارتے ہوئے اماں نے سہولت سے جواب دیا تو وہ چپ چاپ پلٹ گئی۔

کھانے سے فارغ ہوکر اماں نے عشاء کی نماز کی نیت باندھی تو کچن صاف کرنے' برتن دھونے کے بعد اس نے بھی جائے نماز اماں کے ساتھ بچھالی۔ نماز سے فارغ ہوکر وہ اٹھ کھڑی ہوئی جبکہ اماں کا ابھی کوئی ایسا ارادہ نہ تھا ویسے بھی ان کا زیادہ وقت جائے نماز پر ہی گزرتا تھا۔

"اماں' پہلے دوائی کھالیں۔" نیم گرم دودھ گلاس میں ڈال کر گولیاں ہتھیلی پر رکھے وہ چلی آئی۔ گولیاں کھا کر خالی گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اماں دعا دیتے ہوئے بولیں۔

"سدا سکھی رہو میری بچی۔ صائمہ کیسی کام چور اور سست الوجود ہوا کرتی تھی سوائے رسالے پڑھنے کے کوئی کام نہ تھا اسے' گھر کے کاموں میں ذرا دلچسپی نہیں لیتی تھی' نہ ہاتھ میں ذائقہ' نہ ہی کوئی اور گھریلو ہنر اور نصیب دیکھو...... اور تم میں کوئی کمی بھی نہ تھی پھر بھی......" ایک سرد آہ بھر کے انہوں نے بات آدھی چھوڑ دی۔ اماں کی یہ پرانی عادت تھی وہ جو سوچتیں کہہ دیتیں فوراً اور اب تو اماں ہر وقت اسی کو سوچتی تھیں اور ظاہر ہے وہ ان کی سوچوں پر پابندی تو نہیں لگا سکتی تھی نا کہ آخر وہ ماں جو ہوئیں۔ اس کے دکھ کو ان سے زیادہ کون محسوس کرسکتا تھا' جتنی محبت ماؤں کو اپنی بیٹیوں سے ہوتی ہے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔

وہ چپ چاپ سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ رات پوری طرح اپنا سیاہ آنچل کائنات پر پھیلا چکی تھی۔ آخری تاریخوں کا آدھا چاند دھند میں چھپ کر شاید اپنا اداس چہرہ اوجھل کرنا چاہتا تھا۔ آدھا چاند دیکھ کر اس نے سوچا کہیں زندگی سے بعض اوقات سب کچھ آدھا ہی ملتا ہے

آدھا سکھ، آدھی خوشیاں، آدھے خواب، آدھی خواہش
آدھا پیار، آدھی پیار کی کہانی۔

"آہ...... زندگی اپنا پورا حصہ ہمیں کیوں نہیں دیتی......؟ کمی کہاں رہ جاتی ہے؟" وہ اماں کو کیا سمجھاتی کہ صرف مقدر میں ہی کمی رہ جاتی ہے ورنہ انسان اپنی طرف سے پوری تگ و دو کرتا ہے مگر پھر بھی ساری محنت، ریاضت، کوشش دھری کی دھری رہ جاتی ہے، تمام تدبیریں ہار جاتی ہیں جیت اگر ہوتی ہے تو فقط قسمت کی...... نصیب والوں کی۔

شکل و صورت، تعلیم، فہم و فراست، عقل و دانائی اور طبقاتی تقسیم کا جھگڑا سب ڈھکوسلہ ہے، محض فریب نظر ہے سب، جھوٹے بہانے ہیں ورنہ سب نصیب کی ٹھوکر پر ہیں پھر جو اتراتے ہیں تو ناحق...... وہ کیسے بھول جائے...... گزرے دن بھولتے نہیں ہیں نہ سکھ کے اور نہ دکھ کے۔ رشک و حسد کی ملی جلی نگاہیں کیسے ایڑیاں اٹھا اٹھا کر دیکھتی تھیں ان دنوں اسے...... جب عباس رضا اس کے رستے میں آ گیا تھا۔ عباس رضا نے اگرچہ اس کا رستہ نہیں روکا تھا مگر راہ میں ضرور حائل تھا۔ ہاں...... اسے مگر خبر نہ ہوئی وہی پرانی عادت نظر اٹھا کر نہ دیکھنے والی، کچھ لوگ اس کی اس عادت کو غرور جانتے تو کچھ کمپلیکس کی کوئی صورت گردانتے مگر وہ ناک کی سیدھ میں ہمیشہ اپنے رستے ہی چلا کرتی۔ وہ تو اچانک انگلش ڈیپارٹمنٹ سے نکلتے ہوئے راہ میں ایستادہ تقریباً رستہ روک کر کھڑے تیکھے اور مغرور نقوش کے حامل شخص کو دیکھا تو خیال آیا کہ رستہ اگرچہ پہلی مرتبہ روکا گیا ہے مگر یہ آنکھیں اجنبی نہیں...... کبھی کیفے ٹیریا سے نکلتے ہوئے، کبھی لائبریری کی سیڑھیوں پر تو کبھی پوائنٹ کی طرف جاتے ہوئے ان بہت روشن آنکھوں نے بڑی دور تک اس کا تعاقب کیا تھا اور آج پہلی بار رستے میں آ ٹھہرنے کی جسارت......

آنکھوں میں غرور کی دہکتی آگ، کشادہ پیشانی پہ سجا مل اونر کا ٹیگ، امارت، بینک بیلنس، گاڑیوں کے بدلتے

ماڈلز کا زعم' غرور و فخر کے لیے کتنا سامان تھا وہ بہت لوگوں میں بہت ممتاز اور نمایاں لگا کرتا۔ ہر قسم کی آسائشیں اسے زندگی نے جھولیاں بھر بھر عطا کی تھیں' اسے پتا تھا کتنے لوگ ٹھہر ٹھہر کر اسے دیکھتے ہیں' کتنی آنکھیں طلب بن کے اس کی راہ روکتی ہیں' اپنا سب کچھ اس کے قدموں میں وار کر دینے کی ہوک لے کر...... کتنی چیزیں تھیں جو اس کی گردن میں کلف لگا جاتیں' وقت کی ساری گواہیاں اسی کے حق میں تھیں...... اور اس ایلیٹ کلاس شہزادے کی نگاہ ٹھہری بھی تو کہاں...... اسکارف اوڑھے' دھلے دھلائے چہرے والی آئمہ بخاری پر جو کسی کی جانب ضرورتاً بھی نظر اٹھا کر نہ دیکھتی اور نہ جانے کیسے عباس رضا نے اس کی آنکھوں کی سنہری زمینیں دیکھ لی تھیں اور اسے لگا تھا کہ یہ آنکھیں اس جہان کی نہیں ہیں۔ ہوتے ہیں نا کچھ ایسے لوگ...... اور ہوتی ہیں نا کچھ ایسی زمینیں جو راہ چلتوں کی راہ روک لیں' انہیں فتح کرنے کی چاہ آگے بڑھنے ہی نہ دے۔

آئمہ بخاری پورے قد سے کھڑی نظر اٹھا کر اسے دیکھتی تب بھی وہ بلندی پر اس سے بڑے فاصلے پر تھا اور جب وہ کاسہ دل لیے کسی سائل کی طرح اس کے سامنے آیا تو اس نے حیرت بھری آنکھوں سے بڑی دیر تک اسے دیکھا۔ ذرا سی توجہ کا طلب گار اور بدلے میں عمر بھر کی محبت کا حسین وعدہ' کوئی بے مول نہ بکتا تو کیا کرتا...... لفظ کیسے نقب لگاتے ہیں کہ قلعے کے قلعے مسمار ہو جائیں' ہستیاں فنا کر دیں اور بستیاں اجاڑ دیں۔ محبت نے بڑی ہنر مندی سے تانا بانا بن کے اسے کسی ان دیکھے جال میں جکڑ لیا تھا۔ محبت میٹھے پانی کی ندی ہوگئی کہ گھڑوں پیتے رہو اور پیاس نہ بجھے...... لفظوں کے موتی آسمان سے گرنے لگے۔

''مجھے تم سے محبت ہے آئمہ بخاری...... اتنی کہ میں اپنی پوری زندگی میں نے کبھی کسی سے نہیں کی۔''

وہ اپنے لہجے میں دنیا جہان کی سچائیوں بھری چاہتیں لے کر آنکھوں کے رستے پورا پورا دل میں اتر رہا تھا' صدیوں کا تعلق دنوں میں پھلانگنا چاہتا تھا اور چاہے جانے کی چاہ کسے نہیں ہوتی......؟ اپنے خول میں بند اپنی ذات کے قلعے میں محصور آئمہ بخاری نے اپنے گرد تڑ تڑ گرتی دیواروں کے ملبے کو بڑی دیر تک حیرت سے دیکھا اور پھر بہت دیر سامنے کھڑے فاتح کو...... اور اولین خواب تو ہوتا ہی بڑا سندر ہے پہلی نظر' پہلا جملہ' پہلا پیار...... انسان اپنی سدھ بدھ ہی کھو بیٹھتا ہے سب کچھ بھول جاتا ہے' یاد رہتا ہے تو صرف یہی کہ کوئی ہمیں چاہتا ہے' کوئی ہمیں اپنی زندگی سے بھی عزیز رکھتا ہے۔

عباس رضا اور آئمہ بخاری کا ٹاپک ہاٹ ایشو بن گیا' ہر کوئی ڈسکس کر رہا ہوتا۔

''ارے...... کچھ سنا' عباس رضا مرمٹا ہے۔''

''نہیں...... کس پر......؟'' بتانے والے جوش سے بتاتے اور سننے والا غیر یقینی سے سنتا۔

''انگلش ڈیپارٹمنٹ کی آئمہ بخاری پر۔''

''لیکن وہ تو...... اور اس کا اسٹیٹس بھی عام سا ہے۔''

''دیکھ لو......'' چٹخارہ لیا جاتا...... کوئی حسد سے مرتا تو کوئی رشک سے۔

''اتنی عام سی لڑکی؟'' پر محبت خاص اور عام کہاں دیکھتی ہے' محبت تو عام کو بھی خاص بنا دیتی ہے۔ لوگ' حسد سے' رشک سے' حیرت سے' مڑ مڑ کر پلٹ کر' ٹھہر کر اسے دیکھنا ضروری سمجھتے۔ اور اسے اپنا آپ معتبر لگتا۔

''مجھے تم سے محبت ہے آئمہ بخاری...... اتنی کہ میں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی سے نہیں کی۔'' اس جملے کی تکرار ہر پل اس کا احاطہ کیے رکھتی۔

چاند ہنس کر یہی کہتا' ہواؤں کی سرگوشی' آسمان سے برستے پانی کے قطرے یہی گنگناتے...... وہ ایک دم سخی ہوگئی' سخاوت کا سمندر اور یہ احساس ہی کتنا خوب صورت ہے کوئی آپ کو چاہتا ہو بے حد و بے حساب اور پھر بہت چاہت سے آپ سے آپ کو مانگے......

''میری محبت کا یقین کرو آئمہ بخاری......!'' بے

یقینی کی مالا میں ہر روز نئے سرے سے یقین کا موتی پرویا جاتا۔ لڑکیوں کو تو عادت ہوتی ہے مٹھی بھر یقین پر عمروں کا سودا کر لینا اور اس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا وہ بھی کسی عام سی لڑکی کی طرح ایک عام سے مگر خاص دکھنے والے مرد کی خوب صورت باتوں میں الجھ گئی تھی اور پھر...... مڈل کلاس لڑکیوں جن کا اوڑھنا بچھونا ہی شادی ہوا کرتی ہے اولین خواب اور آخری خواہش بس یہی......

عباس رضا کا پرپوزل آیا اور کتنی دیر تک گھر کے در و دیوار بھی دنگ اور ساکت رہ گئے تھے اماں گو کہ دل ہی دل میں خوش تھیں مگر پھر بھی گھڑی گھڑی کئی وہم ستاتے رہتے۔

''ان کی اور ہماری کلاس میں بڑا فرق ہے......''

''اللہ مالک ہے وہ اسی طرح اسباب پیدا کرتا ہے اور وہ بہتر جانتا ہے کہ ہمارے لیے کیا صحیح ہے اور کیا غلط...... اس سے ہمیشہ اچھا گمان رکھو۔'' ابا بڑی جلدی حوصلے کو ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے۔ زندگی کا کوئی فیصلہ بھی ہمارے تابع نہیں ہوتا نہ ہی ہماری مرضی کا پابند...... سب کچھ کہیں اور ہی طے ہوتا ہے ہمیں تو تمام فیصلوں کو قبول کرنا ہوتا ہے کہ اس کے سوا چارہ بھی تو کوئی نہیں ہوتا۔

عباس رضا نے تو شادی کے لیے ایسی جلدی مچائی کہ اسے رزلٹ کا انتظار بھی نہ کرنے دیا اور اس کی ضد کے آگے وہ چپ کے گھونٹ پی گئی یہ سنا تو پھوپو کو بھی اپنی تنہائیاں، بیماریاں اور گھر کی ویرانیاں نظر آنے لگیں۔ صائمہ چلاتی چیختی رہ گئی مگر کسی نے اس کی ایک نہ سنی وہ ہر وقت بوکھلائی پھرتی، بڑبڑاتی رہتی...... میری تعلیم ادھوری......

''کوئی بات نہیں۔'' اماں کا اطمینان قابل دید تھا۔

''میرا ڈاکٹر بننے کا خواب......''

''ہر خواب کو تعبیر نہیں بھی ملتی پھر تمہارے ڈائجسٹوں کے افسانوں میں اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔''

آئمہ اسے چھیڑتی۔

''عباس رضا کی فیملی کو جلدی ہے......'' اماں بتاتیں تو وہ چڑ جاتی۔

''تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ لو بھلا یہ بھی کوئی بات ہے، محبت عباس رضا کو ہوئی اور بھگتان سارا شہر بھگتے......''

''محبت جو ہوئی۔'' آئمہ کی آنکھیں ست رنگی چنری اوڑھ لیتیں۔

''پریشان کیوں ہوتی ہو ہم بھی کر لیں گے محبت، ہم پر کوئی حد نافذ ہے کیا......؟'' کیپٹن محسن صائمہ کی جھلاہٹوں پر محظوظ ہوتا۔

''کوئی نہیں......'' اس کی سمجھ میں ہی نہ آتا کہ وہ کس طرح ری ایکٹ کرے اور محبت کے قہقہے چھوٹ جاتے تھے۔

بار بار اماں کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں کوئی گہری اداسی دل کی دیواروں سے لپٹ رہی تھی صائمہ تو ایسے وقت میں دھاڑیں مار مار کر رونے لگتی۔ میرے گھر کی رونق، اماں نے بھی زندگی میں پہلی بار اعتراف کیا اور اپنے آنسو پونچھ کر صائمہ کو گلے سے لگا لیا، ابا بھی آتے جاتے...... دونوں بہنوں کو ساتھ لگاتے اور ماتھے پر پیار کرتے، ایسے میں ضبط مشکل ہو جاتا۔

اماں اور ابا اکیلے کیسے رہیں گے؟ یہ خیال دل کو دکھی کر دیتا اور ایک بھائی کی کمی شدت سے محسوس ہوتی۔

❖......●❤●......❖

شادی گو کہ بہت سادگی سے ہوئی تھی، لیکن...... آئمہ کے ولیمے کی تقریب بہت شاندار تھی اور یہ شان دیکھنے گویا پورا شہر امڈ آیا تھا کوئی رنگ و بو کا سیلاب تھا کہ آنکھ خیرہ ہو رہی تھی۔ ایسی دھوم دھام، ایسی شان، ایسی لگژری تقریب اس نے پہلے کہاں دیکھی تھی، خواب میں، خیال میں، کہیں نہیں اور اوپر سے عباس رضا کی مدھم شوخ سرگوشیاں وہ زمین پہ کہاں تھی؟ ہواؤں کے سنگ سنگ کہیں آسمانوں میں اڑ رہی تھی۔ زندگی حیرت و سرخوشی آنکھیں مل مل کے اسے دیکھتی۔

خوشبوئیں رنگ، موسم...... ہر منظر خوب صورت تھا، ہر لمحہ مدہوش کر دینے والا...... اور ان فسوں خیز لمحوں نے اسے ایسی خوب صورتی عطا کی کہ عباس رضا کی وارفتہ نگاہ بھٹک بھٹک کر اسے دیکھتی اور ٹھٹک کر رک جاتی۔

کیا حسین موڑ تھا جہاں زندگی آن ٹھہری تھی۔ صائمہ شادی کے فوراً بعد کراچی چلی گئی کہ محسن کا ٹرانسفر اسکردو سے کراچی ہو گیا تھا۔ صائمہ بھی بہت خوش تھی اور پہلے سے بھی زیادہ ہنسنے بولنے اور قہقہے لگانے لگی تھی۔ دوسروں کی وہ پہلے بھی کم ہی سنتی تھی، اب تو اپنی سنانے پر زیادہ زور دیا جاتا اور دوسروں کی باری آتے آتے کریڈٹ ختم ہو چکا ہوتا۔

''اے...... تمہارا ہیرو کیسا ہے؟'' آئمہ پوچھتی۔

''ہیرو...... ہیرو تو بس ہیرو ہوتا ہے، زندگی میں ہو یا افسانوں میں۔'' وہ آسودگی سے ہنس دیتی۔ ویسے بھی جو لوگ خوش ہوں آسودہ حال ہوں انہیں یہ بتانا نہیں پڑتا۔

اور اماں ابا ان دونوں کو خوش گوار زندگی میں مگن دیکھ کر کیسے آسودہ اور خوش باش ہو گئے تھے اور بیٹیوں کی خوشیوں بھری زندگی کے لیے نظر بد سے محفوظ رہنے کی دعائیں کرتے...... مگر سب دعائیں کہاں مقبول ہوتی ہیں......؟ اور نظر تو لگ جاتی ہے کبھی زہر بجھی، کبھی پیار بھری۔

انسان ہمیشہ خوشی کی دعا مانگتا ہے، سکھ طلب کرتا ہے، محبت کے خواب دیکھتا ہے ساری عمر چاہے جانے کی چاہ نہیں جاتی...... کوئی رستے میں بھٹکتے ہوئے منزل پا لیتا ہے تو کوئی منزل پر پہنچ کر نامراد ٹھہرتا ہے، کبھی کبھی بھٹکنے والے ستارہ بن جاتے ہیں اور منزل پہ پہنچ جانے والے خاک...... محبت خوشبو ہے، رنگ ہے لیکن...... تمام خوشبوئیں کہاں دیرپا ہوتی ہیں بھلا...... اور سارے رنگ...... کچھ رنگ تو نرم دھوپ سے بھی اڑ جاتے ہیں پہلا قطرہ بارش کا بھی نہیں سہہ پاتے۔

عباس رضا کے اتنے ملنے جلنے والے اور دوست تھے کہ دعوتوں کا سلسلہ ختم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ وہ تنگ آ جاتی۔ وہ کہاں عادی تھی گیٹ ٹو گیدر کی اور پھر اس طرح کی گیدرنگز میں سب کچھ کتنا مصنوعی لگتا۔

آسمان کو چھوتے قہقہے ہیں تو وہ دھوکا...... محبتوں کے اظہار و اعتراف ڈھکوسلہ لگتے حتیٰ کہ کسی سے خیر خیریت دریافت کرنا بھی محض رسمی لگتا۔ آنکھیں ویران، بیابان اور قبرستانوں سی اداسی لیے اور چہرے ہنستے ہوئے۔ لڑکیاں یوں پیاس میں ڈوبی بھوکی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتیں جیسے کوئی شکار ڈھونڈتے ہیں اور عورتوں کی مضطرب، بے چین اور شکی نگاہیں اپنے اپنے شوہروں سے ہٹتی ہی نہ تھیں جیسے وہ کوئی جادوئی ٹوپی پہن کر ابھی غائب ہو جائیں گے اس معزز کلاس کے مرد...... ان کی نگاہیں یوں دیکھتیں گویا اندر تک چھید رہی ہوں آئمہ سارا وقت اپنا دوپٹا سنبھالتے سنبھالتے ہلکان ہو جاتی...... تھکن اس کے چہرے پر لکھی ہوتی۔

''آپ...... ان ایزی فیل کر رہی ہیں شاید؟'' اس آواز پہ اس نے بے ساختہ چونک کر دیکھا وہ عباس رضا کا کوئی دوست تھا جو گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ چمکتی ایکسرے کرتی آنکھیں اس کے پورے جسم کو ٹٹول رہی تھیں...... اس سے پہلے کہ وہ جواب میں کچھ کہہ پاتی کہ اچانک ان موصوف کی بیگم نے اپنے میاں کو دبوچتے ہوئے آئمہ کو یوں دیکھا کہ وہ پانی پانی ہو گئی۔

''یہ شاید اپنے آپ کو مس فٹ محسوس کر رہی ہیں، ظاہر ہے یہ اس کلاس سے بی لونگ جو نہیں کرتی ہیں۔'' ان انتہائی ماڈرن خاتون کی آنکھوں سے کیسے شعلے لپک رہے تھے، بھسم کر دینے کی پوری طاقت سے لبریز اور بھسم تو وہ ہو گئی تھی تبھی عباس رضا سے الجھ پڑی تو وہ ہنس دیا۔

''لوگ جلتے ہیں یار......'' وہ بہت آرام سے بولا۔

''کیوں...... کیوں جلتے ہیں لوگ؟ میں نے کیا کیا ہے؟'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''ہائے اس سادگی پہ کون نہ مر جائے، تم نے کیا کیا ہے یعنی کہ تمہیں خبر ہی نہیں ہے کہ تم نے کیا کیا ہے؟

تمہارا قصور کیا ہے؟ تم نے عباس رضا کو چھینا ہے۔“

”میں نے کسی سے کسی کو نہیں چھینا اور پھر یہ تو نصیب کی بات ہے کہ......“ وہ جملہ مکمل ہی نہ کرپائی کہ اسے بے ساختہ ابا یاد آ گئے کہ یہ تو ابا کا مخصوص جملہ تھا یہ تو نصیب کی بات ہے۔

اور صائمہ اکثر یہ جملہ ابا کی زبانی سن کر اکثر بھڑک جاتی...... یہ راہ فرار کا اچھا طریقہ ہے کہ آدمی اپنے ہر فعل کو نصیب کی بات کہہ کر خود بری الذمہ ہو جائے...... پھر ابا اسے دلائل دے کر بالآخر قائل کر ہی لیتے‘ اس کا دل چاہا وہ رات کے اس لمحے...... اماں ابا سے ملنے چلی جائے‘ وہ اس سے ملنے اس کے گھر کبھی نہیں آئے تھے اس نے ایک دن شکوہ کیا تو ابا نے بڑی سہولت سے منع کر دیا۔

”ہمیں اپنا قد چھوٹا لگنے لگتا ہے تمہارے گھر آ کر بیٹی...... اور پھر تم ملنے آ تو جاتی ہو یہی کافی ہے۔“ اس نے بھی دوبارہ اصرار نہیں کیا تھا‘ ویسے بھی عباس رضا کو ان کا آنا کون سا پسند تھا۔ اس سوچ نے اس کی آنکھوں میں پانی بھر دیا۔

●♥●

پھر بہت سارے دن یونہی گزر گئے۔ ایک جیسے...... یکسانیت سے بھرپور اور ایک جیسے دن اکثر بور کرنے لگتے ہیں۔ انسان اکتا جاتا ہے‘ اپنے ماحول‘ اپنی مرضی سے ہٹ کر جینا...... اور پھر جو چیز آپ کی تربیت‘ آپ کی فطرت میں شامل ہو اس کو آپ بڑی جلدی نہیں چھوڑ سکتے۔

اس دن عثمان انٹر پرائزز کے ہاں وہ لوگ مدعو تھے‘ شہر کی کریم کلاس جمع تھی وہاں...... روشنیاں‘ چکا چوند‘ قہقہے‘ میوزک پروگرام اس روز اس نے بزنس کی دنیا کے بے تاج بادشاہ آغا کریم کی اکلوتی بیٹی سویٹی کو دیکھا‘ وہ گولڈن ڈریس میں ملبوس تھی‘ ڈریس کہنا شاید صحیح نہ ہوگا‘ سلیولیس شارٹ اور ٹاپ میں وہ قیامت ڈھاتی پھر رہی تھی اس کی چہچہاہٹ اور فرینکنس‘ بات بے بات قہقہے...... جہاں مردوں کے دلوں پر بجلیاں گر رہی تھیں وہیں خواتین بھسم ہو رہی تھیں۔ اس کی سفید دودھیا برہنہ پنڈلیوں پر ہر نگاہ رینگ رہی تھی جب وہ اسٹیج پر آئی تو لوگوں کی سانسیں رکتی تو آئمہ نے خود دیکھیں...... کسی انگلش گیت کی دھن پر اس نے تھرکنا شروع کیا اور ہوائی بوسے لوگوں کی طرف اچھالے۔

”او...... کم آن پلیز جوائن اس۔“ اس نے بہت فراخ دلی سے ہر ایک کو دعوت دے ڈالی‘ نوجوان‘ بزرگ‘ گورے‘ کالے کی تخصیص کے بغیر...... کہ دل تو ہر ایک پہلو میں دھڑکتا ہے۔ لمحہ بھر کو تو ہر ایک کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا لیکن کچھ توقف کے بعد کچھ جی دار اسٹیج کی طرف بڑھ گئے اور کچھ باوجود شدید خواہش کے بھی نہ اٹھ سکے کہ اٹھتے اٹھتے بٹھا دیئے گئے تھے۔

اس نے بڑی ادا سے برہنہ شانوں کو چھوتے سونے کے رنگ جیسے بال بکھرائے جس طرح گندم کے سنہری خوشوں کے بوجھ سے بھری فصل کو ہوا بکھیر دے...... صاف چھپتے بھی نہیں‘ سامنے آتے بھی نہیں‘ کی مکمل تفسیر اس کا لباس تھا راک اینڈ رول کے تیز میوزک پر اس کا نیم برہنہ جسم ایک ایک اسٹیپ پر خم کھاتا جانے کس کس کے ہوش اڑا رہا تھا۔ اب جانے یہ کس مشروب کا اثر تھا جو وہ کڑا امتحان ثابت ہو رہی تھی اور ہر اسٹیپ پر لڑھکتی‘ ڈولتی بل کھاتی مقابل کے سینے سے جا ٹکرائی اور ہر مرد کے سینے میں دھڑکتا دل اس لمحے کسی ضدی بچے کی طرح ایڑیاں رگڑنے لگتا۔

”کیا چیز ہے یار......“ سرگوشیاں‘ تبصرے‘ ہوٹنگ‘ سیٹیاں‘ معنی خیز اشارے‘ وہ ہنس ہنس کے بہت تفاخر سے اور خندہ پیشانی سے وصول کر رہی تھی۔ معاشرے کے انتہائی معزز افراد کی انتہائی معزز محفل تھی۔

ہر کوئی خوش تھا‘ چکا چوند روشنیاں اور رونق اپنے عروج پر تھی بس بھری محفل میں ایک آئمہ تھی جو چپ چاپ ہر چیز سے بے زار ایک کونے میں بیٹھی اکتائی سی محسوس کر رہی تھی۔ ٹھیک کہا تھا مسز صدیقی نے کہ وہ اس

سوسائٹی میں مس فٹ تھی اور شاید اس طرح کی محفلوں میں تمام عمر وہ مس فٹ ہی رہتی۔ وہ فٹ کیسے ہوسکتی تھی اس کی تربیت میں اس کی عبادت گزار ماں کا ہاتھ تھا۔ وہ اس طبقے سے اس کلاس اس گھر سے تعلق رکھتی تھی جہاں زندگی کی سب سے قیمتی متاع عزت ہوا کرتی ہے اور عزت سڑکوں...... بازاروں اور محفلوں میں رول دینے کی چیز نہیں ہوا کرتی۔

"سنو...... تم کٹنگ کروالو......" برش اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا...... اس کے لانبے بال پشت پر بکھرے تھے اور وہ حیرت سے گنگ اس فرمائش پر عباس کو دیکھ رہی تھی۔

"کیوں؟"

"بس میری خواہش ہے اور یہ تو کبھی ہوا نہیں تھا کہ وہ عباس کی کوئی خواہش رد کردے...... مگر اپنی کمر کو چھوتے ریشمی لانبے اور سونے جیسے بال اسے پسند تھے اور خود عباس کو بھی اور عباس کو تو اس کے بال اوڑھ کے سونے کی عادت تھی پھر اب یہ خواہش...... وہ الجھی۔

"لیکن عباس پہلے تو آپ کو میرے بال پسند تھے؟"

"یار وہ تب کی بات تھی۔"

"اور اب...... اب کیا ہوا......؟" وہ مسکرائی۔

"پسند بدل بھی تو جاتی ہے۔"

"اتنی جلدی......؟" اس نے ایک دم چونک کر عباس کو دیکھا تو وہ نظریں چرا گیا۔

"کیا آپ کی ہر پسند اتنی ہی دیرپا ہوتی ہے عباس......؟" اس نے اگرچہ طنز نہیں کیا تھا پھر بھی عباس کا موڈ آف ہوگیا۔

"ایک تو تم آج کل بحث بہت کرنے لگی ہو۔ میں نے یونہی ایک خواہش کا اظہار کردیا ورنہ...... اور اگر تمہارا دل نہ چاہے تو نہ سہی۔"

"سوری عباس......" اس کی یہ بڑی پیاری عادت تھی فوراً دوسرے کا دل صاف کردیتی غلطی اپنی ہو یا چاہے اگلے کی...... وہ کسی کو خفا نہیں کرسکتی تھی اور عباس کو ناراض کرنے کا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

"آج کل فیشن میں نہیں ہیں نا لمبے بال اور پھر اس روز پارٹی میں عثمان انٹرپرائزز والوں کے ہاں تم نے سوئٹی کے بال دیکھے تھے نا وہ......" عباس کی بات کو اس نے تیزی سے کاٹا۔

"میں سوئٹی نہیں ہوں عباس۔"

"آئی نو یار کہ تم سوئٹی نہیں ہو اور تم سوئٹی ہو بھی کیسے سکتی ہو؟"

"میں سوئٹی ہونا بھی نہیں چاہتی۔" اس کے ٹھوس لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ عباس کچھ دیر اس کے چہرے سے نظریں نہ ہٹا سکا۔

اگلے دن وہ کٹنگ کروا آئی تھی۔ عباس کی کوئی بات ہو کوئی خواہش ہو وہ رد کردے یہ کیسے ہوسکتا تھا بھلا...... یہ اور بات کہ کٹنگ کے دوران اسے آنسو روکنے مشکل ہورہے تھے وہ ضبط کے کن کٹھن مراحل سے گزری تھی گھر آکر وہ بہت روئی تھی وہ خود کو سمجھا سمجھا کر تھک گئی تھی کہ کیا ہے جو لمبے بال نہیں رہے اور پھر یہ عباس کی خواہش ہے اور اس کی خواہش تو ہر بات سے مقدم...... عباس نے دیکھا تو بے ساختہ سراہا۔

"واؤ...... سو بیوٹی فل...... یقین نا نو تم بہت خوب صورت لگ رہی ہو اس نئے گیٹ اپ میں۔ ہیئر اسٹائل بدلنے سے تمہاری لک چینج ہوگئی ہے۔ بہت ماڈرن سی لک آرہی ہے وہ پہلے والی آئمہ تو بالکل بھی نہیں لگ رہی ہو تم۔"

"آپ اسی پہلے والی آئمہ پر ہی مرمٹے تھے عباس رضا......" اس کا دل چاہا کہہ دے مگر چپ رہی۔ ہاں اس روز پہلی بار عباس کی تعریفیں، سرگوشیاں، وارفتگیاں، کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"رہنے دو یار، بس ایسے ہی ٹھیک ہے۔" اس روز بھی وہ کسی گیدرنگ میں جانے کے لیے تیار ہورہی تھی اور عباس ہمیشہ کی طرح بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بہت

محویت سے اسے تیار ہوتا دیکھ رہا تھا پہلے پہل تو وہ عباس کے اس طرح دیکھنے سے پزل ہو جاتی تھی' بلش آن لگاتے ہوئے برش چھوٹ جاتا' کبھی لپ اسٹک ہونٹوں کے کناروں کو چھو لیتی اور کبھی آئی لائنر لگانا بھول جاتی...... اب وہ عادی ہو گئی تھی۔ اگرچہ عباس چاہتا تھا کہ وہ ہر پارٹی کے لیے پارلر سے تیار ہو کے آئے مگر آئمہ ہمیشہ ٹال جاتی وہ خود لائٹ سا میک اپ کرنے کی عادی تھی۔

"جلدی کرو یار' پہلے ہی خاصا لیٹ ہو چکے ہیں۔" عباس کی چین پکڑے اب اس کے پاس کھڑا تھا' اس نے جلدی سے بالوں میں برش پھیرا اور دوپٹا اٹھا کر جب سر پہ اوڑھنے لگی تو عباس نے ہاتھ بڑھا کر روک دیا۔

"رہنے دو بس شانو پر پھیلا لو...... اس طرح تو اتنی مہنگی کٹنگ کا ستیاناس ہو جائے گا۔ دوپٹا ہی اوڑھنا تھا تو پھر کٹنگ کا فائدہ؟"

"لیکن عباس......!"

"کوئی لیکن ویکن نہیں' اس طرح یہ تنبو اوڑھ کر تو تم کوئی بزرگ خاتون لگتی ہو' قسم سے اولڈ لیڈی...... جبکہ ہماری کلاس کی اولڈ لیڈی تم نے دیکھی ہے نا' کس طرح تیار ہوتی ہے کہ لڑکیوں کے چھکے چھڑا دیتی ہے وہ تو یہاں وہاں سے خبر ملتی ہے کہ محترمہ خیر سے دادی نانی کے عہدے پر فائز ہیں...... چھوڑو یار' یہ پینڈو بیک ورڈ اسٹائل......" اس کے ہاتھ وہیں کے وہیں ٹھہرے تھے اور نگاہ ساکت تھی۔ عباس رضا نے یہ تمام گفتگو معلوم نہیں کون سی زبان میں کی تھی وہ سمجھ نہ سکی یا سن نہ سکی' بس ایک لفظ تھا جو سماعتوں میں ترازو ہو گیا تھا اور لہولہو کر رہا تھا۔

"ہماری کلاس......؟ تو کیا انسان کی پہچان کلاسوں سے ہوا کرتی ہے...... لوئر مڈل کلاس' مڈل کلاس' اپر مڈل کلاس' ایلیٹ کلاس' انسان نے ہی انسان کو کتنی کلاسوں میں تقسیم کر دیا ہے کتنے طبقے بنا دیے ہیں اور کتنا فرق ہے ہر طبقے میں' ہر کلاس میں...... جتنا زمین اور آسمان کے درمیان' کیا ہم مسلمان ہیں؟

"پیغمبر آخر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرق کو ختم کرنے کا حکم دیا تھا' مسلمانوں میں مساوات' بھائی چارے اور برابری کا درس دے کر مسلمانوں کو بھائی بھائی قرار دیا تھا جبکہ آج کا نام نہاد مسلم رواداری کا درس بھلا کر طبقاتی تقسیم کے جھگڑے میں الجھ گیا ہے۔" وہ دیر تک کسی گہری سوچ میں گم رہی۔ اس روز وہ پارٹی اٹینڈ نہ کر سکی تھی' اچانک طبیعت خراب ہونے کا بہانہ کر دیا لیکن اس کے بعد جہاں بھی جاتی دوپٹا اوڑھنے کی بجائے یوں ہی گلے میں ڈال لیتی پھر...... آہستہ آہستہ عباس نے گلے سے بھی دوپٹا کھینچ لیا تھا' اسے اب کوئی فرق بھی نہ پڑتا تھا اور عباس رضا کی کلاس میں اب دوپٹا نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی۔ پہلے پہل اسے کتنا معیوب لگتا تھا' ٹی وی ڈراموں میں لڑکیوں کو دوپٹے کے بغیر انتہائی بے حیائی سے گھومتے دیکھ کر...... اور اب وہ خود اسی بے حیائی کی مرتکب ہو رہی تھی۔ اماں ابا سے ملنا بھی ترک کر دیا تھا نظر کیسے ملاتی...... سامنے کیسے آتی؟ وہ کیا نہیں پوچھتے کہ حیا کا درس کیا ہوا؟ ان کی تربیت کہاں گئی؟ وہ کیا بتاتی' کس کس بات کی وضاحت دیتی۔

ہر برائی آپ کو شروع شروع میں بری لگتی ہے پھر رفتہ رفتہ عادت ہو جاتی ہے' پہلے پہل اسے بھی بڑا مشکل لگتا تھا جیسے بھرے بازار میں وہ برہنہ کھڑی ہو اور ہر نظر اس کا بدن چھید رہی ہو خواہ مخواہ ہی ستر ڈھانپنے کو ہاتھ سینے پر پھیلا لیتی...... اسے لگتا ہر نگاہ میں اس کے لیے ہوس ہے' پیاس ہے اور وہ خود سر تا پا دعوت گناہ ہے...... وہ مر مر جاتی' اف......! کتنا تاوان ادا کرنا پڑتا ہے کلاس بدلنے کے لیے۔

شاید کچھ لڑکیاں جلدی بہ خوشی اس ماحول میں ایڈجسٹ ہو جاتی ہوں مگر اس کی تربیت میں یہ چیز شامل نہ تھی اور تربیت آدمی کے ساتھ زندگی کے سفر میں آخری لمحے تک زاد راہ ہوتی ہے۔

وہ بڑے عرصے سے ٹھوکروں کی زد پہ تھی‘ راہ میں پڑے کسی پتھر کی طرح ایک ٹھوکر سے دوسری پھر تیسری اور یہ اس کی ول پاور تھی‘ اس کی ثابت قدمی یا کسی عہد کے نباہ کا وعدہ کہ وہ ہر ٹھوکر کے بعد سنبھل جاتی...... مگر اس دفعہ تو ٹھوکر لگانے والے نے انتہا کردی...... اتنی زور سے ٹھوکر لگائی...... اتنی دور اچھالا کہ وہ پاتال میں اترتی چلی گئی...... کالا سیاہ گھور اندھیرا کہ ہاتھ سے ہاتھ سجھائی نہ دیا‘ آنکھیں شاید اپنی بینائی کھو بیٹھیں‘ سانس کو انتہائی دشواری اور گھٹن کا احساس ہوا جیسے زندگی کا آخری لمحہ ہو‘ کیا وہ مزید جی پائے گی......؟

کچھ عادتیں وقت کے ساتھ بہت پختہ ہو جاتی ہیں ماننے کی ہو یا منوانے کی‘ اپنی بات کہہ دینا اٹل حرف آخر کی طرح بس اپنی خواہش کا اظہار کر دینا اور پھر ریجیکٹ ہونے کا کوئی خدشہ نہ ہو‘ جن کو انکار سننے کی عادت نہ ہو وہ انکار کبھی قبول نہیں کرتے...... تیرا دست مہرباں نہیں تو کسی اور کا دست مہرباں سہی...... دامن میں ہوس بھری ہو یا محبت پھیل جاتا ہے۔

”جان...... ادھر دیکھو...... یہ زمر نعیم ہیں‘ بزنس کی دنیا میں ان کا بڑا نام ہے‘ بہت قد آور شخصیت ہیں‘ ان کی پروڈکٹ نہ صرف نیشنلی بلکہ انٹر نیشنلی ہر مارکیٹ میں ان ہیں۔ ٹی وی کا ہر چینل ان کی پبلسٹی آنر سمجھ کر کرتا ہے۔“ عباس آئمہ کا ہاتھ تھام کے مسٹر زمر نعیم کے سامنے لے گیا تھا۔ یوں تو عباس اپنے حلقہ احباب بلکہ تمام ملنے جلنے والوں کے ساتھ اسے متعارف کراتا لیکن اس روز بزنس کی دنیا کی قد آور شخصیت زمر نعیم سے ملواتے ہوئے عباس کی آنکھوں کی چمک بہت انوکھی سی تھی۔ وہ ان کے سامنے بچھے جا رہے تھے۔ آئمہ نے مسکراتے ہوئے سامنے کھڑے شخص کو دیکھا تو اس کے مسکراتے ہونٹ سکڑ کر ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔ مقابل کی آنکھوں سے لپکتے ہوس کے شعلوں اور بھوک پکارتی نظر نے تقریباً اسے بدحواس کر دیا تھا۔ وہ فقط ایک نظر میں سامنے کھڑے اس شخص کی نیت کو جان گئی تھی اشارے اور واضح پیغام دیتی ان آنکھوں کو پہچان گئی تھی تبھی چونک کر تقریباً ہر چیز سے بے نیاز نارمل کھڑے عباس کی طرف دیکھا تھا۔

”کیا یہ شخص ان غلیظ آنکھوں کی زبان نہیں سمجھتا یا سمجھنا چاہتا ہی نہیں ہے؟“ بوجھل دل کے ساتھ وہ وہاں سے ہٹ گئی۔

”آپ کی مسز کو شاید ہم پسند نہیں آئے۔“ دور جاتے جاتے اس کی سماعتوں نے مسٹر زمر نعیم کی آواز سنی تھی۔ عباس نے بھی جواب میں کچھ کہا ہوگا لیکن وہ سن نہ سکی بلکہ سننا چاہتی بھی نہ تھی۔

زندگی نے اور ابھی جانے کتنے روپ بدلنے تھے۔ کتنے رنگ دکھانے تھے...... پرت در پرت چونکا رہی تھی۔ ٹھٹھک کر ٹھہر جانے پر مجبور کر رہی تھی۔ بدہیت‘ بدنما‘ ڈراؤنے چہرے پہن کر اس کے سامنے آ رہی تھی کوئی عجائب خانہ تھا جس میں وہ خود کو مقید محسوس کرتی۔

”کاش وہ مر جائے......!“ موت کی خواہش‘ آرزو کرنا یقیناً گناہ ہے لیکن کبھی کبھی بے ساختہ آدمی کے اندر یہ خواہش جنم لیتی ہے۔ وہ بہت حیران ہو کر بت بنی اس شخص کو ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی جو اپنا تھا اور اس لمحے کیسا پرایا لگ رہا تھا...... یکسر اجنبی جیسے اس سے کوئی رشتہ نہ ہو‘ کوئی دور کا تعلق بھی نہ ہو۔

وہ لڑکھڑاتے‘ ڈولتے قدموں سے اس کی جانب بڑھا تھا‘ اس کی آنکھوں میں ایسی خیرہ کن چمک تھی جیسے شیشے پیس کر ڈال دیئے ہوں یا ہیرے...... بہکے بہکے الفاظ‘ رعشہ زدہ ہاتھ اور زبان کی لکنت اسے جو کچھ سنا رہی تھی وہ سننا نہیں چاہتی تھی اور نہ ہی سمجھنا لیکن حقیقت کو کس طرح ٹھکرا دیتی...... نظر کا دھوکا جان کر جھٹلا بھی دیتی مگر کیسے...... کیونکر؟ پھر وہ اس کے اتنے قریب تھا کہ اس کی سانسوں سے اڑتے بدبو کے بھبکے اسے وومٹنگ ہونے لگی۔ عباس رضا کا تعلق جس کلاس سے تھا وہاں برائی کوئی مفہوم نہیں رکھتی‘ کوئی درجہ نہیں رکھتی۔

عباس کو اپنی کلاس کا زعم تھا‘ بے تحاشہ دولت کا غرور

اور مردانہ وجاہت کا فخر اور وہ ان چیزوں کا بے دریغ استعمال کرتا مگر آئمہ ہر دفعہ نظروسماعت کا دھوکا جان کر اگنور کردیتی کیونکہ وہ اس شخص سے محبت کرتی تھی اور بدگمان نہیں ہونا چاہتی تھی کہ بدگمانی محبت کی موت ہوتی ہے۔ حالانکہ اس کے قبیلے کے کئی لوگوں نے اسے بتایا تھا کہ عباس رضا کے کئی عورتوں کے ساتھ خفیہ روابط ہیں لیکن اس نے جھوٹی کہانی کہہ کرٹال دیا تھا۔

چھوٹی موٹی خرابیوں کو اگنور کردینا اور بات ہے عباس ڈرنک کرتا تھا یہ بات اس کے علم میں پہلی بار آئی تھی اور ہمیشہ کی طرح کوئی اور یہ بات اسے بتاتا تو وہ اپنی نیک فطرت کے باعث کبھی یقین نہ کرتی کہ وہ بہت جلد بدگمان ہوجانے والوں میں سے نہ تھی۔

''عباس آپ......آپ ڈرنک کرتے ہیں کیا؟''
اس نے یوں پوچھا جیسے جواب نفی میں آئے گا۔

''نن......نہیں یار......ڈر......ڈرنک کہاں یہ تو انگور کا......پانی ہے اور یہ......پانی کی مم......ممانعت تو کہیں بھی نہیں ہے کسی مذ......مذہب میں بھی......''
لڑکھڑاتی زبان جانے کیا کیا اگل رہی تھی' کون کون سے راز کہاں کہاں کے قصے' ناقابل بیان کہانیاں' شرم ناک واقعات' لفظ تھے یا پگھلا ہوا سیسہ کہ وہ سماعت سے محروم ہوتی جارہی تھی اور زندگی میں پہلی بار اس کا جی چاہا کہ وہ دھاڑیں مار مار کے روئے......اور زندگی میں پہلی بار اس کا جی چاہا کہ وہ مرجائے......

صبح دم وہ زخم زخم نڈھال جسم وجان کے ساتھ ویران آنکھوں سے چھت کو بڑی دیر تک دیکھتی رہی۔ بعض اوقات آنکھ خالی ہوجائے تو انسان تمام مناظر یوں ہی دیکھتا ہے جیسے دنیا کو زندگی میں پہلی بار دیکھ رہا ہو...... تمام کا تمام ملمع اتر گیا' سارے رنگ ایک ایک کرکے بکھر گئے ابھی تو محبت کی خوشبو کو جی بھر کے اپنے اندر اتارا بھی نہ تھا کہ وہ تعفن زدہ ہوگئی۔ محبت کوئی کریہہ صورت اوڑھ کے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔
اماں کبھی ملتیں تو اسے ساتھ لگا کررو دیتیں۔ ان کے سارے وہم' تمام اندیشے' دھیرے دھیرے حقیقت کا روپ دھار رہے تھے۔ نہیں سب ٹھیک ہے' وہ اپنے آپ کو دھوکا دیتی اور اپنے ساتھ ساتھ صائمہ اور اماں ابا کو بھی......لیکن آنکھ کہاں جھوٹ بولتی ہے سارے راز فرفر بتا دیتی ہے پھر جو ہمارے اپنے ہوں ہم سے پیار کرتے ہوں وہ تو آنکھ کے رستے ہمارے اندر تک جھانک آتے ہیں دکھ کا پانی بھی اور سکھ کا موسم بھی۔

وہ عباس کو دیکھتی رہتی پوری آنکھیں کھول کر پھر بھی دھندلا نظر آتا...... ایلیٹ کلاس کا شہزادہ جانے کیوں دھوئیں میں مدغم نظر آتا......ایلیٹ کلاس کا لگژری لائف اسٹائل' بدھیت صورتیں' بدنما تقاضے......اور یہ تقاضے نباہتے نباہتے اس کی سانس پھول رہی تھی وہ ہانپ رہی تھی مگر قدم منزل کی خواہش میں رستے ناپ رہے تھے' انا کا بھرم قدموں سے لپٹتا' بلکنے لگتا مگر وہ سماعت سے محروم ہوجاتی' آنکھ بند کرلیتی......کبوتر کے آنکھ بند کرلینے سے بلی کا خطرہ نہیں ٹل جاتا۔ زندگی آدھی موت ہوگئی تھی۔ پوری موت آدمی کو ہر اذیت سے چھٹکارا دیتی ہے مگر آدھی موت جیسے کسی نیزے کی انی پہ آن ٹھہری ہو۔

''ارے تم آئمہ بخاری ہونا......؟'' ہفتوں نے ابھی مہینوں کی شکل اوڑھی تھی کہ اس کی اپنی شکل اپنی شناخت کھو بیٹھی تھی۔ وہ لوگ بہت حیران ہوکر اسے دیکھتے جو اسے پہلے سے جانتے تھے۔

''نہیں' میں مسز عباس رضا ہوں۔'' وہ نئے حوالوں سے اپنا تعارف کرواتی......کوئی اس کے اندر بڑی دکھ بھری سسکاری بھرتا' ٹھیک کہا تھا عباس رضا نے کہ وقت کے ساتھ ساتھ آدمی کی پسند بدلتی رہتی ہے' عباس رضا کسی ایک چیز پر قناعت کرنے والا آدمی نہ تھا اور آئمہ بخاری کو بھی اس نے کسی چیز سے زیادہ اہمیت نہ دی تھی اس کی پسند بدلتی رہتی' رنگ' خوشبو' دوستیاں' روابط' لڑکیاں' عورتیں' میل' ملاقاتیں' کتنے مشاغل تھے کتنا کھلم کھلا تھا سب کچھ......نہ کوئی گناہ کا خوف نہ زمانے کو خبر ہوجانے کا کوئی خدشہ......کوئی ریلیشن کس حد تک ہے......سو

واٹ یا پر کلاس ہے اور یہاں سب چلتا ہے۔

وہ محبت تو خواب و خیال ہوئی جس نے پہلی بار دل کی سرزمین کو بہت نرمی سے چھوا تھا اب تو اس زمین پر بس پانی گرتا رہتا وہ بھی کبھار انمکین پانی۔ کون کہتا ہے کہ محبت نہیں مرتی...... محبت مر بھی جاتی ہے...... ہوتے ہیں کچھ ایسے کم ظرف جو محبت کو مار دیتے ہیں اور محبت خود کو مارنے والوں کو بھی معاف نہیں کرتی اور محبت کی موت پر دل کی دیواریں بڑی دیر تک بین کرتی ہیں اور اس شخص نے محبت کے تابوت میں خود اپنے ہاتھوں سے آخری کیل ٹھونک دی تھی۔

"میں بہت خوش نصیب ہوں کہ تم میری زندگی میں آئی ہو۔ تم میرا لکی نمبر ہو آئمہ...... میری قسمت کا روشن ستارہ، تم میری دوست ہو، بیوی ہو، محبوبہ ہو، سب کچھ تم ہو۔" اپنی پر حرارت بانہیں اس کے شانوں پر پھیلائے عباس رضا کہہ رہا تھا اور وہ پاتال میں گری سن رہی تھی کیونکہ وہ آج کل پاتال میں سانسیں لیتی تھی کسی پستی میں زندہ تھی۔

"دیکھو جان...... زمر نعیم بزنس کی دنیا کا وہ تابناک ستارہ ہے، جس کے ساتھ ڈیل کرنا ہر بزنس مین کا خواب ہے اور میں چاہتا ہوں کہ یہ کانٹریکٹ مجھے ملے، میں یہ سنہری موقع کسی بھی صورت گنوانا نہیں چاہتا، مجھے تم پر پورا بھروسا ہے آئمہ خود سے بھی زیادہ......" وہ خاک نہ سمجھی۔ "تمہیں یہ کانٹریکٹ میری کمپنی کو دلانا ہے ہر حال میں، ہر صورت...... سمجھ گئی ہو نا میری بات؟" عباس رضا کے لہجے میں اس لمحے محبت، مان، بھروسا کچھ بھی، کوئی شے بھی نہ تھی ہاں فقط تحکم تھا، وارننگ تھی۔ اور آئمہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ جو اس کا مجازی خدا تھا۔ خدا کے حکم سے روگردانی تو عورتیں کر جاتی ہیں لیکن مجازی خدا کے حکم کو ٹالنا...... اماں نے وقت رخصت کہا تھا کہ زندگی میں کبھی اپنے مجازی خدا کا حکم نہ ٹالنا وہ جو کہے، جیسا کہے کبھی انکار نہ کرنا تم سکھی رہو گی...... کیا سکھ کی شرائط صرف یہی ہیں۔

اس نے بہت نفرت سے زمین پر اکڑ کر کھڑے اس شخص کو دیکھا جس کا قد گزرتے دنوں کے ساتھ چھوٹا ہوتا جا رہا تھا اب تو گھٹتے گھٹتے وہ کوئی بونا ہو گیا تھا اور پھر اسے خیال آیا کہ وہ تو بڑے عرصے سے بونوں کی بستی میں رہ رہی ہے۔ وہ اس سے محبت کی قیمت طلب کر رہا تھا، اتنا بھاری معاوضہ...... اس نے پھر ایک بار پوری آنکھیں کھول کے اسے دیکھا اور پہچاننے کی کوشش کی مگر پہچان اپنی آنکھیں پھوڑ بیٹھی تھی اور اب لہولہان آنکھوں پہ ہاتھ دھرے خون رو رہی تھی۔ یہ وہ شخص تو نہیں ہے جو سرتاپا محبت ہی محبت تھا اور جس کی روح میں بس جانے کے خواب آنکھوں نے دیکھے تھے، پتا نہیں آنکھیں دھوکا تھیں یا محبت فریب...... پھر اس نے چپ چاپ وہ چار دیواری چھوڑ دی جسے وہ بڑے مان، بھروسے اور محبت سے گھر کہتی تھی۔

یہ بڑا خوب صورت سپنا ہوتا ہے لڑکیوں کا...... ایک گھر خواہ چھوٹا سا ہی کیوں نہ ہو، بس گھر ہو...... اور اس کا گھر اس کے خوابوں کی طرح ٹوٹ گیا تھا...... آہ......

⬥......●♥●......⬥

اماں اس کا دکھ جان گئی تھیں۔ ماؤں کو یہ کیسا ہنر آتا ہے بن کہے بیٹیوں کے دکھوں کو جان لینا۔ اس نے اگرچہ جھٹلایا بھی مگر اس کی آنکھوں کی ویرانیوں سے وہ بھانپ گئیں اور کیسے نہ بھانپ جاتیں وہ ان کے جسم کا حصہ تھی ان کا جگر تھی وہ کب تک بہلاوے میں آتیں اور اس کے سب ٹھیک ہے پر یقین کر لیتیں وہ بھی جب ماں کے سینے سے لگی تو بھربھری دیوار کی طرح ڈھے گئی۔

کیسی صدیوں کی تھکن بھری زندگی جی آئی تھی حاصل اور وصول...... خسارہ اور گھاٹا...... اور جب پتا چلا تو کیسے بلک بلک کے روئی تھی جیسے کوئی کسی کے مرنے پہ روئے اور مر تو وہ گئی تھی۔ محبت جاتے جاتے اس کا دل مار گئی تھی اور مردہ دل کے ساتھ آپ جب تک بھی جیے جاؤ زندگی آپ کے اندر دوبارہ نہیں اگتی۔

"کتنی دیر تک تم نے خود کو اور ہم سب کو دھوکے میں

رکھا آئمہ......؟" صائمہ نے شکوہ کیا تو وہ تب بھی خاموش ہی رہی کوئی لفظ نہ بولی۔

"میری بات سنو آئمہ...... دنیا اس ایک شخص پر ختم نہیں ہے کہ زندگی بس اسی کے نام لکھ دو جو تمہارا نہیں ہوا۔ میری مانو تو ختم کرو یہ ریلیشن شپ بتا کر اسے بھی پتا چلے کہ تم اس کے بغیر بھی رہ سکتی ہو۔ بتاؤ اسے کہ تمہارا ساتھ زندگی جینے کے لیے کوئی شرط نہیں ہے' ارے دفع کرو یہ کہاں کی دانش مندی ہے کہ اپنی زندگی آرام سے کسی دوسرے کو سونپ دو کہ لو بھئی یہ بھی تم ہی جی لو اور پھر وہ تمام عمر بڑے مزے سے ہمارے حصے کی زندگی بھی جیتا رہے' جبکہ حاصل وصول کچھ بھی نہ ہو' مائی فٹ۔"

صائمہ ہمیشہ کی طرح بول رہی تھی اور وہ ہمیشہ کی طرح چپ تھی چاہتے ہوئے بھی صائمہ سے یہ نہ کہہ سکی کہ اس کی محبت جھوٹ سہی' دھوکا اور فریب سہی...... لیکن خود میری محبت تو سچی تھی نا...... میں کیسے بیچ راہ میں آ کر بے وفائی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لوں۔

گھونٹ گھونٹ بے وفائی کا زہر پی چکنے کے بعد بھی محبت ہمیشہ کی طرح نا آسودہ ہی' ہوتا ہے نا کچھ لوگوں کو غم سہنے کی عادت ہو جاتی ہے اور پھر وہ غم کے اسی تار چرسیل میں عمریں گزار دیتے ہیں۔ اس کی ماں جائی آنسو بھری آنکھوں سے بڑی دیر تک اسے دیکھتی رہی اور اس کے بدن پر جمی محبت کی پپڑیوں کو......!

وہ بہت زیادہ تو پہلے بھی نہ بولتی تھی' اب تو چپ کی چادر اوڑھ بیٹھی تھی۔ بدن کے گھاؤ تو بھر ہی جاتے ہیں بالآخر...... روح کے زخموں پر کھرنڈ آتے آتے ہی آتے ہیں۔ محبت نے کیسا وار کیا تھا کہ جینا تو دوبھر ہوا ہی تھا وہ تو مرنے جوگی بھی نہ رہی تھی دل آخری ہچکیوں پر تھا۔ عباس رضا نے اس سے رابطہ کیا تھا پتا چلا وہ دوبارہ اسے اپنے گھر میں بسانا چاہتا ہے...... کیا کسی کے گھر میں بس جانے سے دل کی بستی بس جاتی ہے اس نے خود کو ٹٹولا مگر دل کی بستی تو اب کھنڈر ہو چکی تھی جیسے سونامی کا سانحہ گزرا ہو۔

"تم خود اس سے بات کرو آئمہ' اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکل ہی آئے گا۔"

"حل...... حل کون سا......؟ کوئی ریاضی کا سوال تھوڑی تھا جس کو چٹکی میں حل کر دیا جاتا...... ازدواجی زندگی میں تو کمپرومائز ہوتا ہے صرف اور صرف کمپرومائز...... نبھاؤ کرو دل چاہے تب بھی نہ چاہے تب بھی۔" تب بھی وہ تلخ ہو جاتی۔

آدمی ضرورتوں کے رشتے نباہتے نباہتے ختم ہو جاتا ہے اندر سے...... ضرورتاً بات کرنا' ضرورت کے لیے ایک چھت تلے رہنا...... ایک بستر شیئر کرنا' حسب ضرورت ایک دوسرے سے ملنا...... پھر من کا ملن کیسے ممکن ہو؟ محبت تو وہ زہر ثابت ہوئی تھی جس نے زندگی کا چہرہ نیل و نیل کر دیا تھا دعوے کھوکھلے ہوئے تو وعدے ٹوٹ ٹوٹ کر کسی خالی برتن کی طرح بڑی دیر تک بجتے رہے۔ تعلق' مان' یقین سب بے بھروسا ہو گئے تھے پھر بھی اس نے واپس جانے کا قصد کر لیا' بھرم قائم رکھنا تھا' گھر کو ٹوٹنے سے بچانا تھا' زمانے کی نظروں میں سرخرو ہونا تھا...... یا ماں باپ کو کسی مزید صدمے سے بچانا تھا...... زہر کا پیالہ تو پینا ہی تھا اور زہر کا آخری گھونٹ جب وہ بھرنا ہی چاہتی تھی کہ کسی نے زہر کا پیالہ چھین سے توڑ دیا۔

اس کا دل چاہا وہ چیخے' چلائے' بین کرے' دھاڑیں مار مار کر روئے مگر وہ خالی آنکھوں سے محبت کی قبر کے سجے کتبے کو دیکھتی رہی۔ کچھ رشتوں کی عمر کتنی تھوڑی ہوتی ہے' وہ حساب لگانے بیٹھی...... رشتے کی' محبت کی' تعلق کی' ازدواجی زندگی...... میعاد کل ملا کر ایک سال...... صرف ایک سال ہوئی اور اس ایک سال میں وہ کتنی صدیاں جی آئی تھی' بعض اوقات خسارے کا حساب ہم لگا ہی نہیں سکتے' کبھی لگتا ہے ہونے والے نقصان میں سارے کے سارے قصوروار ہم خود ہیں کبھی قسمت سے گلہ ہونے لگتا ہے۔

اک ذرا سی رنجش سے

شک کی زرد روشنی پر
پھول بدگمانی کے
اس طرح سے کھلتے ہیں
زندگی سے یارے بھی
اجنبی سے لگتے ہیں
غیر بن کے ملتے ہیں
دوست دار لہجوں میں سلوٹیں سی پڑتی ہیں
عمر بھر کی چاہت کا آسرا نہیں ملتا
دست بے یقینی میں راستہ نہیں ملتا
پھول رنگ وعدوں کی...... منزلیں سکڑتی ہیں
راہ مڑنے لگتی ہے
بے رخی کے گارے سے، بے دلی کی مٹی سے
فاصلوں کی اینٹوں سے اینٹ جڑنے لگتی ہے
خاک اڑنے لگتی ہے
واہموں کے سائے سے عمر بھر کی محنت کو
پل میں توڑ جاتے ہیں
بھیڑ میں زمانے کی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں
اک ذرا سی رنجش سے
ساتھ چھوٹ جاتے ہیں
خواب ٹوٹ جاتے ہیں

ایک سال...... صرف ایک سال میں سب کچھ ختم ہوگیا تھا۔ دھند ہوتی آنکھوں سے وہ خوابوں کا ملبہ دیکھتی رہی، اماں کو بھی کوئی گہری چپ لگ گئی تھی۔ یہ نصیب کا فیصلہ تھا اور نصیب پر لوگ شاکر ہو ہی جایا کرتے ہیں زندگی کو پرسہ تو دینا ہی پڑتا ہے۔ ابا کا بیمار دل یہ صدمہ سہہ نہ پایا ایک معمولی سا اٹیک موت کا بہانہ بن گیا۔ وہ جو بہت باحوصلہ تھے، ذرا سی بات تو کیا بڑی بات کو بھی دل پر نہ لیتے تھے آنے والی مصیبت کو صبر اور شکر کے ساتھ اللہ کی آزمائش جان کر سرخرو ہونے کی دعا کرتے تھے مگر یہ اولاد کا دکھ تھا اور اولاد کو آزمائش یوں ہی تو نہیں کہا گیا اور اب تو ان کو گئے بھی تین سال ہونے کو تھے زندگی کا سفر کہاں رکتا ہے کوئی دل سے جائے یا دنیا سے...... زندگی اپنا نیل و نیل چہرہ لیے سفر کر رہی تھی، زندگی کوئی افسانہ نہیں ہوتی جس میں آپ محبت بھرے ڈائیلاگ لکھ دیں، سکھ کے موسم دکھا دیں دوسروں کے لیے جینا مرنا اور پھر ہیپی ہیپی اینڈ...... کیونکہ قلم آپ کے ہاتھ میں ہوتا ہے...... یہی کچھ فلموں میں ہوتا ہے تین گھنٹے میں آپ کو کہانی وائنڈ اپ کرنی ہے ہیرو آسمان سے تارے توڑ لائے یا چاند...... لیکن حقیقی زندگی میں ایسا کب ہوتا ہے؟ حقیقت میں تو آدمی خواب بھی نہیں دیکھ سکتا کہ خواب اگر ایک بار ٹوٹ جائیں پھر آنکھوں کا پانی نہیں سوکھتا۔

زندگی کے ساتھ پوری رفتار سے دوڑنا پڑتا ہے ورنہ آپ پیچھے رہ جاتے ہیں...... بہت پیچھے۔

''تم کب تک یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہو گی......؟'' صائمہ اس سوال کے ساتھ اس کے روبرو تھی۔ وہ اسے دیکھنے لگی صائمہ کیسی بڑی بڑی ہوگئی تھی اور بہت سمجھدار بھی۔ واقعی جو لوگ زندگی سے اپنا پورا حصہ وصولتے ہیں ساری خوشیاں حاصل کرتے ہیں وہ پھر اسی طرح پالش ہو جاتے ہیں۔

''تو کیا کروں میں......؟'' وہ اکتائی۔

''سوچو اور سوچ کے فیصلہ کرو کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے ہاں...... سوچنے میں اتنا ہی وقت لگانا جتنا کہ وقت ٹھہر کر تمہارا انتظار کر سکے......'' وہ اس کے لیے حل طلب سوال چھوڑ گئی۔

زندگی تو پہلے بھی کوئی سوالیہ نشان ہوگئی تھی کوئی پزل جس کے کئی ٹکڑے مل کے ہی نہ دے رہے تھے۔ کچھ لوگوں کے نصیب کتنے گنجلک اور نامہربان ہوتے ہیں۔

پھر اس نے سوچ و بچار میں زیادہ ٹائم نہ لگایا اور ذرا سے حوصلے کو زاد راہ کیا اور صائمہ کے مشورے کے مطابق سوچنے کے لیے اتنا ہی وقت لیا جتنا کہ وقت نے ٹھہر کر انتظار کیا۔

اس کٹھن اور مشکل وقت میں اس کی دوست رابعہ نے اس کا بہت ساتھ دیا، لحہ بہ لحہ قدم بہ قدم اس کا سایہ

بن گئی اس کی ڈھال ہوگئی اور زندگی کی طرف جانے والی راہ گزر قریب لگنے لگی کہ راستے واضح ہوتے گئے۔ اس کی نم آنکھوں کی سطح پر اداسی کے ہلکورے دیکھ کر وہ نرمی سے اس کا ہاتھ تھام لیتی اور اسے سمجھانے بیٹھ جاتی۔

''سنو آئمہ...... تکلیف وہ باتوں کو جب یاد کرو تو ہر نئے سرے سے اذیت کے کھاتے کھل جاتے ہیں تو پھر ایسی باتوں کو بھول جانا ہی بہتر ہے تم بھی بھول جاؤ آئمہ سب کچھ...... وہ لمحۂ وہ دن تم یوں سمجھو کہ کوئی خواب تھا وہ یوں سمجھو تمہاری زندگی میں وہ ایک سال آیا ہی نہیں تھا' کچھ لوگوں کی زندگی میں براوقت آتا ہے تو ٹھہر جاتا ہے تم تو خوش نصیب ہو شکر کرو کہ تمہیں آزمایا نہیں گیا مزید...... یوں سمجھو عباس رضا کا تمہاری زندگی سے کبھی گزر ہوا ہی نہیں ہے۔'' دل اس دشمن جان کے نام پر کیسے بلک اٹھا تھا اور آنکھ سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

''دیکھو آئمہ...... بارگاہ الٰہی سے یہ زندگی ہمیں اپنے جینے کے لیے ملی ہے پھر اپنے حصے کی زندگی کسی دوسرے کے نام پر رول دینا...... جب کوئی دوسرا ہماری پروا نہیں کرتا تو ہم کیوں اس کے لیے راتوں کو سونا چھوڑ دیں...... بھاڑ میں جائے ایسی محبت جو آپ سے آپ کی انا چھین لے۔''

''محبت......؟'' اس نے دل میں بہت احتیاط سے جھانکا اندر ویرانیاں تھیں محبت جانے کب سے وہ مکان چھوڑ چکی تھی جہاں محبت ختم ہوتی ہے وہاں نفرت اگ آتی ہے چپکے سے...... لیکن اس کے دل میں تو عباس رضا کے لیے نفرت بھی نہ تھی کہ وہ اس شخص کے ساتھ نفرت کا رشتہ بھی نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ اس کی فطرت ہی ایسی تھی کہ وہ اپنے قاتل سے بھی نفرت نہیں کرسکتی تھی۔ کیونکہ وہ عباس رضا کی نفرت کا پودا اپنے دل میں نہیں اگانا چاہتی تھی کہ پھر اس کو یاد کا پانی دینا پڑتا اس کی آبیاری کرنا پڑتی...... کتنی محبت کی تھی اس نے عباس رضا سے۔ رابعہ نے اس کے چہرے سے کہانی پڑھ لی۔

''آئمہ...... عباس رضا کے پاس محبت کرنے والیاں

> صرف تیرے نام
>
> تیری سوچ کی سب روایتیں
> کسی اور پر سایہ فگن رہیں
> لیکن پھر بھی
> میرے لفظوں کے سارے شہر
> صرف تیرے ہی نام ٹھہرے ہیں
>
> مشاعلی مسکان' قمر مشانی

بھی بہت اور ضرورت پوری کرنے والیاں بھی...... تمہاری حیثیت اس کے نزدیک پچھلے اسٹیشن پر چھوڑی ہوئی کسی غیر ضروری چیز جتنی بھی نہیں...... میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا لیکن یہ سچ ہے کہ اس شخص کو کبھی بھول کر بھی تمہاری یاد نہیں آئی ہوگی اور تم ہو کہ اس محبت کا ماتم کررہی ہو جو تم دونوں کے درمیان کبھی آئی ہی نہیں تو پھر جانے کا کیا سوال......؟'' اس نے رابعہ کی کسی بات کی تردید نہیں کی ہاں اتنا ہوا کہ کئی ہفتوں کے بعد وہ پہلی رات تھی کہ سلیپنگ پلز کے بغیر وہ سوئی تھی پھر رابعہ کے کہنے پر ہی اس نے جاب کے لیے اپلائی کیا اور یہاں قسمت نے بہت یاوری کی اور وہ فوری طور پر سلیکٹ ہوگئی۔ اماں کی آنسو بھری دعائیں اس کے ہم قدم تھیں اور جن کے ساتھ دعائیں ہوتی ہیں وہ ڈوبتے نہیں سمندر بھی ان کو اچھال دیتا ہے۔ بالآخر اس نے بھی زندگی جینے کا راز پالیا تھا۔ رب سے اپنے لیے حوصلہ مانگ کر' استقامت طلب کرکے...... اور صدق دل سے مانگو تو رب حوصلہ بھی دیتا ہے اور زندگی جینے کا سلیقہ بھی' کبھی کبھی اعتماد کی پہلی اینٹ ہی کافی ہوتی ہے۔

''کیا واقعی میں زندہ ہوں......؟'' اس نے بہت اعتماد سے زینہ بہ زینہ اپنے اندر اتر کے بڑے عرصے بعد خود کو پہلی بار دریافت کیا تب معلوم ہوا کہ زندگی خودغرض لوگوں کی راہ میں رول دینے کے لیے نہیں ہوتی۔ نئے موسم نیا ماحول' نئے چہرے...... اگر اندر تبدیلی آئی تھی تو باہر بھی بہت کچھ بدل گیا تھا۔ دن مصروفیت کی نذر

ہوئے تو بہت سی یادوں کو یاد کرنے کا وقت ہی نہ ملتا۔
کبھی کبھی مجھے لگتا ہے میں بے حس ہوگئی ہوں۔
ورنہ جو کچھ میرے ساتھ ہوا وہ بھول جانے کے قابل نہ تھا۔ وہ وقت نکال کر اپنا ہی تجزیہ کرنے بیٹھ جاتی' رابعہ ایک نظر اس کی الجھی صورت کے پریشان نقوش پر ڈالتی پھر ٹوٹتے حوصلے کا سرا اس کے ہاتھ میں تھماتی۔ اچھی بات ہے بے حسی بھی کبھی اچھی ہوتی ہے' اگر آپ بے حسی کی چادر خود پر تان لیں تو دل کو کسی بات پر کم از کم دکھ تو نہیں ہوتا ناں۔

اچھوتے' ان دیکھے خوب صورت موسموں کے خواب...... امید کی لڑی میں پروئے کتابوں سے مستعار لیے لفظ اور لفظوں سے بنت بنت کہانیاں...... خواب لفظ' کہانیاں اسے ایک بار پھر کسی ان دیکھے جزیرے پر پڑاؤ نہیں کرنا تھا...... مگر ہمیشہ ایسا کب ہوتا ہے جو ہم چاہیں' پھر دل کو تو ضد ہے نہ ماننے کی۔ نئی منزل کی طرف قدم چل رہے تھے اور قدم بھی کبھی چلنے کی خواہش میں ٹھہر جاتے...... جیسے کوئی لمحہ ٹھہر جائے' پل ساکت ہوجائیں...... جب آتے جاتے چلتے پھرتے کام کرتے ہر ساعت اسے لگتا کہ وہ مسلسل دو آنکھوں کے حصار میں ہے۔

ایک بار پھر مرد سعد سکندر کے روپ میں سامنے ڈٹ گیا تھا۔ کوئی بہروپ تھا یا حقیقت...... اور جب وہ لفظ کہانی شروع کرتا تو بولنے کی خواہش اس کے اندر سر پٹخنے لگتی اور لفظ گونگے ہوکر اس کے اپنے اندر ہی گرتے رہتے۔ وہ بہت نظر انداز کرتی بچ کر نکل جانے کی کوشش کرتی لیکن ہر راہ پر سعد سکندر کو کھڑا پاتی' اس پر نظر پڑتے ہی سعد سکندر کی آنکھیں چمکنے لگتیں جیسے سیاہ رات میں آسمان پر ستارے چمکتے ہوں...... اور وہ ان لو دیتی آنکھوں سے نظر بچا جاتی...... وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتا تو قدم اس کے لفظوں کی زنجیر سہار نہ پاتے...... وہ جھٹلاتی' نفی کرتی' نگاہ پھیرتی' راہ بدلتی مگر ہونی ہوکے رہتی ہے آپ جتنی بھی تدبیریں کرلیں...... محبت تو

عرصہ ہوا اس نے دل بدر کردی تھی۔ پھر یہ کون سا جذبہ تھا جو آنکھ کے کنارے آن بیٹھا تھا۔

''تم اس سے پہلے کہاں تھیں آئمہ بخاری......؟''
ساتھ ساتھ چلتے ہوئے وہ قدم روکتا پھر ایک دم اس کے روبرو آ ٹھہرتا...... یہ جذبوں سے سجی آنکھوں کی بے تحاشا روشنی تھی یا کچھ اور کہ وہ زیادہ دیر اس کی سمت نہ دیکھ پاتی تھی۔

''یہاں ہی تھی...... اسی دنیا میں......''

''یہاں تھیں' اسی دنیا میں لیکن میری دنیا میں تو نہیں تھیں ناں تم...... میری دنیا میں تو اب آئی ہو۔ جیسے روشن' اجلی صبح دبے پاؤں چلی آئے' بالکل ایسے ہی تم نے میرے دل کی زمین کو اجالوں سا روشن کردیا ہے۔''

''تمہیں کیا خبر سعد سکندر میرے اندر کتنے اندھیرے ہیں۔'' اس نے ایک خاموش نگاہ سعد کے اجلے چہرے پر ڈالی' سورج کی آخری کرنیں براہ راست اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ وہ اپنی دھن میں بول رہا تھا ہمیشہ کی طرح مگن اور اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر۔

اس کا دل چاہا جذبوں کا یقین دلاتے' لفظ لفظ محبت بولتے' اظہار صداقت کرتے اس شخص کے ہونٹوں پہ سختی سے ہاتھ رکھ دے اسے بولنے سے روک دے۔ اسے بتائے کہ تم نے خار خار راستوں کا انتخاب کیا ہے اور خار راستوں پر منزلوں کے نشان نہیں ملتے' سعد سکندر تم نے خالی دامن لوٹ آنے والوں کے چہرے غور سے نہیں دیکھے شاید...... لفظ اس کے اندر گونجتے رہتے مگر ہونٹوں پہ چپ کی مہر لگی ہوتی۔

''میں تمہیں بتاؤں کہ محبت نے پہلی بار میرے دل کو کب چھوا......؟'' وہ پہلا لمحہ بتانے لگتا' محبت کہانی شروع کردیتا۔

''جب میں نے پہلی بار تمہیں آؤٹ ڈور کی سیڑھیاں چڑھتے دیکھا' اس روز پہلی بار میں نے اپنا آپ دریافت کیا' اس روز زندگی میں پہلی بار اپنا آپ

اچھا لگا‘ اس روز پہلی بار مجھے یہ دنیا اچھی لگی...... وہی پرانی دنیا‘ وہی پرانے لوگ‘ وہی ہزاروں بار کے دیکھے ہوئے پرانے رستے‘ اس روز مجھے سب کچھ اچھا لگا کیونکہ مجھے تم اچھی لگی تھیں‘ میں محبت کے بارے میں کچھ نہیں جانتا مجھے نہیں پتا کہ محبت کیسی ہوتی ہے‘ بس یہ ہے کہ مجھے اپنی گزری زندگی ضیاع لگتی ہے اور آنے والی محبت کے لیے کم...... میں نے محبت جینے کے لیے عمر خضر کی دعا مانگی ہے‘ میرے ساتھ ایسا پہلی بار ہوا ہے‘ میں نے کسی لڑکی کے بارے میں پہلے کبھی اس طرح سے نہیں سوچا تھا‘ بلیو می......“ وہ ایک بار پھر صدق اور یقین کا سرا اسے تھمانے کو پلٹا مگر وہ ہمیشہ کی طرح گم صم تھی۔

کیسی عجیب سی بات ہے نا بعض اوقات ہم کسی کے اپنی سمت بڑھتے قدموں کو روک دینا چاہتے ہیں‘ لیکن جانے کیوں باوجود خواہش کے بھی روک نہیں پاتے...... اور تمہیں کیا خبر سعد سکندر کہ اپنے حصے کی محبت میں جی آئی ہوں۔ اور اس محبت نے میرے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا۔ وہ اب اکثر اسے اپنی سوچ کے رستوں پر کھڑا ملتا تھا۔

......●♥●......
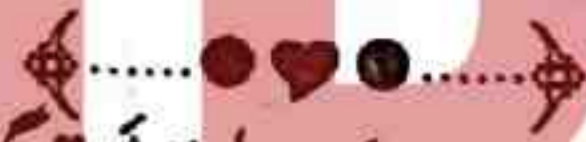
صائمہ کچھ روز رہنے کے لیے آئی تو گھر میں کیسی رونق ہوگئی تھی اس نے آفس سے چھٹی کرلی۔ تین سالہ تیمور کی معصوم قلقاریوں نے دلوں کے ساتھ ساتھ گھر کے اداس چادر اوڑھے خاموش در و دیوار پر بھی خوش گوار اثر ڈالا تھا۔ صائمہ اماں کے ساتھ زیادہ تر مصروف رہتی‘ کبھی کچن میں‘ تو کبھی ملنے ملانے اِدھر اُدھر آنے جانے میں...... اور وہ سارا وقت تیمور کے ساتھ گزارتی۔ اس کی گدگدی پر تیمور جو کھلکھلاتا تو وہ بھی دیر تک ہنستی رہتی اور ہنستے ہنستے اسے خبر ہی نہ ہوتی اور کوئی آنسو آنکھ کنارے آن بیٹھتا وہ فوراً ہتھیلی کی پشت سے اناڑی بچوں کی طرح آنکھ صاف کرتی مگر صائمہ کی نظر سے اس کی یہ حرکت پوشیدہ نہ رہ پاتی...... کم و بیش اکثر ایسا ہوتا ہے دوسروں کی خوشیوں بھری کتاب میں ہم اپنی محرومیوں

جہاں پھولوں کو کھلنا تھا

جہاں پھولوں کو کھلنا تھا وہیں کھلتے تو اچھا تھا
تمہی کو ہم نے چاہا تھا تم ہی ملتے تو اچھا تھا
کوئی آ کر ہمیں پوچھے تمہیں کیسے بھلایا ہے
تمہارے خط کو اشکوں سے شب غم میں جلایا ہے
تم ہی کو ہم نے چاہا تھا تم ہی ملتے تو اچھا تھا
ہزاروں زخم ایسے ہیں اگر سلتے تو اچھا تھا
تمہیں جتنا بھلایا ہے تمہاری یاد آتی ہے
بہار نو جو آئی ہے خوشبو لاتی ہے
تمہارے لب میری خاطر ملتے تو اچھا تھا
تم ہی کو ہم نے چاہا تھا تم ہی ملتے تو اچھا تھا
ملا ہے لطف کبھی ہم کو جن یادوں کے جھلمل میں
کٹی ہے زندگی تمہارے بن مگر اتنی سی ہے
اگر آتے تو اچھا تھا اگر ملتے تو اچھا تھا
تم ہی کو ہم نے چاہا تھا تم ہی ملتے تو اچھا تھا

جی کنول خان...... موسیٰ خیل

کے صفحے ڈھونڈ کے کھول بیٹھتے ہیں۔

صائمہ اس کے لیے اپنی سسرال سے کوئی پرپوزل لائی تھی۔ وہ دنگ رہ گئی۔ یہ بھی دن آنا تھا زندگی میں...... اس نے سرد آہ بھری تو دل کے کئی زخم ادھڑتے ادھڑتے رہ گئے۔

”تو کیا شادی نہیں کروگی؟“ صائمہ کی حیرت پردہ حیران ہوئی۔

”میں نے شادی کی تھی صائمہ...... شادی خوشی کا بندھن ہے اور ضروری نہیں کہ یہ بندھن ہر کسی کو سکھ دے‘ ہر ایک کو راس آئے۔“ صائمہ زچ ہوئی۔

”اور یہ بھی ضروری نہیں آمنہ کہ ہر تجربے کا ہمیشہ ایک جیسا ہی نتیجہ آئے۔“

”ہونہہ......“ وہ ہنسی تو ہونٹوں کے کنارے کتنے ہی دکھ رو دیئے۔ ”زندگی اتنی ارزاں نہیں ہے صائمہ کہ اسے نت نئے تجربوں کی بھینٹ چڑھا دیا جائے۔“

"کب تک اور کیوں تنہا پھرتی رہوگی؟" صائمہ نے اس کا برف جیسا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے چھوا۔

"تنہا...... تنہا کب ہوں یار...... اماں اور میں دو ہیں اور دو انسان تنہا نہیں ہوتے...... دیکھو صائمہ تیمور سوتے میں کتنا کیوٹ لگتا ہے نا......" تیمور کے ماتھے سے سنہری بال ہٹاتے ہوئے اس نے بوسہ لیا۔ صائمہ نے اس کی بات بدلنے کی کوشش ناکام بناتے ہوئے کہا۔

"دیکھو آئمہ جو ہوا سو ہوا یہ نصیب کی بات تھی اور نصیب کو نہ تو ہم بدل سکتے ہیں اور نہ ٹال سکتے ہیں۔"

"پھر جھگڑا کیا ہے؟" وہ اداسی سے مسکرائی۔

"اماں کی طرف دیکھو وہ کتنی پریشان رہنے لگی ہیں تمہاری وجہ سے۔ بیٹیوں کے دکھ ماؤں کو عمر سے پہلے ضعیف کردیتے ہیں۔" صائمہ کے آنسو بہہ نکلے۔ وہ خاموش بیٹھی رہی کہتی بھی کیا۔ کون سا حرف تسلی کا تھا اور پھر اس کو تسلی دیتی یا خود کو۔ ایک اور جاگتی رات سر پر آ کھڑی ہوئی تھی۔

"تین دن کی غیر حاضری کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟" پورے تین دن کے بعد وہ آفس آئی تھی اور وہ او پی ڈی کی سیڑھیوں پر ہی اسے مل گیا تھا۔ وہی اسے دیکھتے ہی جگنوؤں کے جھرمٹ سے بجی آنکھیں...... کسی بے تابی سے وہ اس کی جانب لپکا تھا۔

"ایسی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ...... تمہیں پرواہی نہیں ہے کوئی چاہے جان سے گزر جائے۔"

"بھئی کون جان سے گزر رہا ہے؟" وہ ہنسی۔ سعد سکندر اس پر آنکھیں گاڑے سامنے کھڑا تھا۔ وہ ایک طرف ہوکر آگے چل دی۔ وہ بھی اس کے ساتھ چلنے لگا۔

"ہاں...... ظاہر ہے کیسے بھلا خبر ہوگی ہمارے جان سے گزر جانے کی۔ نہ اناؤنس منٹ' نہ جنازہ' نہ مزار...... اس طرح مرنے والوں کا۔"

"پھر مرنے کا فائدہ......؟" اس نے مذاق اڑایا۔

"یہ دیکھو......" اپنا سیل اس کے سامنے کھولتے ہوئے وہ بولا۔ "میں نے کتنی مرتبہ تمہیں کال کرنے کی کوشش کی مگر...... کم از کم اپنا فون تو آف نہ رکھا کرو...... اور پھر ان تین دنوں میں میں نے کتنے ایس ایم ایس بھیجے تمہیں...... یقیناً وہ بھی پڑھنے کی فرصت نہیں ملی ہوگی تمہیں؟" وہ خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔ اسے یہ بھی نہ بتایا کہ اس کے تمام ایس ایم ایس وہ نہ صرف پڑھ چکی تھی بلکہ ڈیلیٹ بھی کر چکی تھی۔ پھر یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گئی کہ تین دن کی غیر حاضریوں کے دوران اس کے حصے کا سارا کام نمٹا دیا گیا تھا اور یہ یقیناً سعد سکندر کے علاوہ کوئی نہیں کرسکتا تھا۔ وہ تو آتے ہوئے تمام رستے میں یہی سوچتی ہوئی آئی تھی کہ اس کی عدم موجودگی کی بنا پر سارا کام پینڈنگ میں ہوگا اور آج پورا دن وہ بہت مصروف رہے گی...... کام نمٹاتے نمٹاتے شام تو لازمی ہوجائے گی۔

اب خوش ہونے کے بجائے وہ بہت الجھ گئی تھی۔

"کیوں کرتا ہے وہ میرے لیے اس طرح؟ اور پھر فائدہ......؟" لنچ ٹائم میں کیفے ٹیریا میں بیٹھی وہ اسی کے متعلق سوچ رہی تھی کہ وہ اچانک آیا اور کرسی گھسیٹ کر اس کے روبرو آ بیٹھا۔

"تم اس طرح کیوں کر رہے ہو؟" وہ خاموشی سے اسے دیکھتے ہوئے پانی گلاس میں ڈال کر ایک بڑا سا گھونٹ لے کر گلاس ٹیبل پر رکھا' نگاہ ہنوز اس پر ٹکی تھی۔ جہاں بہت کچھ بدلا بدلا تھا آج اس کے لہجے میں وہ طوفانی ہواؤں جیسی تندی نہ تھی بلکہ کوئی تھکن سی تھی۔

"اگر تمہارے اس سوال کا یہ مطلب ہے کہ میں محبت کیوں کر رہا ہوں؟ تو محبت ڈیئر ایک قطعی غیر اختیاری جذبہ ہے اس میں انسان کی عقل یا سوچ سمجھ کا کوئی دخل نہیں ہوتا...... یہ تو دل کی بستی پر بہت اچانک حملہ آور ہوکر واردات کرتی ہے کہ آدمی دنگ رہ جاتا ہے۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے کہ میں حیران رہ گیا۔" وہ ہاتھ پہ ہاتھ رکھے بہت فرصت سے دل پہ ہونے والی واردات کی روداد سنا رہا تھا جبکہ آئمہ کچھ سن رہی تھی اور کچھ نہیں۔

"بائی دا وے...... اب کیا کیا ہے میں نے...... کیا کوئی گستاخی؟" اس کی آنکھیں اگرچہ شرارت سے چمک رہی تھیں مگر چہرے پہ ہنوز سنجیدگی تھی۔

"اپنے حصے کا کام میں خود کرلوں گی کسی کو بلاوجہ کوئی ضرورت نہیں۔" وہ کچھ دیر اس کی صورت کے روٹھے روٹھے نقوش دیکھتا رہا پھر ہنس دیا۔

"تمہارے تھینکس کہنے کا اگر یہی طریقہ ہے تو اچھا لگا۔ رہی بات حصے کی تو مجھے نہیں لگتا آئمہ بخاری کہ میرا اب تم سے الگ بھی کوئی حصہ ہے کیونکہ محبت کرنے والوں کے درمیان حصے نہیں ہوتے، تقسیم نہیں ہوتی، بس محبت ہوتی ہے، تم میرے بارے میں کیا سوچتی ہو؟ سوچتی بھی ہو یا نہیں لیکن میری سوچ تم سے ہوکر تمہی پر ختم ہے، میری خواہشیں، میرے خواب، میرے سکھ کے سارے موسم، میری تمام دعائیں...... میری بس اتنی سی خواہش ہے کہ میں اپنے حصے کی خوشیاں تمہیں سونپ دوں...... اور تم اپنے دل کے سارے دکھ، آنکھوں کی سب اداسیاں مجھے دے دو، تم کبھی اپنی آنکھ نم نہ کیا کرو میری سانس سینے میں کہیں ٹھہرنے لگتی ہے رکنے لگتی ہے۔" وہ ایک جذب سے بول رہا تھا اور آئمہ کی آنکھوں کے پیچھے جانے کتنے آنسوؤں کے سیلاب رکے ہوئے تھے لیکن ہمیشہ کی طرح چپ اوڑھے گلاس کے نرم کناروں پر انگلی پھیر رہی تھی۔ "مجھے نہیں پتا یہ محبت ہے یا کیا ہے ہاں میرے لیے تمہارا ساتھ بہت ضروری ہوگیا ہے۔ میں ہر لمحہ، ہر پل، ہر ساعت تمہیں اپنے قریب دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم سے دوری اب عمر کی رائیگانی ہے، میں اپنی پوری زندگی تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں...... تمہارے لیے تمہاری خاطر میں دنیا کی ہر چیز چھوڑ سکتا ہوں اے لڑکی، تم بھی کچھ تو کہو۔" وہ بڑی آس سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

"میں لڑکی نہیں ہوں سعد سکندر۔"

"تو پھر؟" وہ متوجہ ہوا تو جیسے رواں رواں سماعت ہوگیا۔

عائشہ نذیر

ماہ بدولت 2001 کو جنوری کی ٹھنڈی رات میں دنیا میں جلوہ افروز ہوئی (آہم) میری فیملی میں میرے ابو امی، مزید دو عدد بہنیں اور ایک بھائی۔ میں سب سے بڑی میرے بعد اقصیٰ، ثمرہ اور پھر بھائی حسنین جو کہ بہت شرارتی ہے۔ میرے ابو بہت ہی شفیق انسان ہیں امی بھی بہت ہی اچھی ہیں آئی لو یو امی جی۔ میں میٹرک کی طالبہ ہوں، سائنس سبجیکٹ میں میٹرک کررہی ہوں۔ خوبیوں اور خامیوں کی بات کی جائے تو خامی یہ ہے کہ بہت ہی زیادہ ٹچی ہوں۔ غصہ بہت آتا ہے پڑھائی میں دل کم لگتا ہے اور خوبیوں کی بات کی جائے تو نرم دل، خوش مزاج، صفائی پسند، کوئی بھی جھوٹ یا بری بات برداشت نہیں ہوتی بہت گراں گزرتی ہے طبیعت پر۔ میری فیورٹ کتاب قرآن مجید "ساری بھول ہماری تھی" ناول بہت پسند ہے۔ پسندیدہ شخصیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے آمین۔ پسندیدہ لباس، فراک اور چوڑی دار پاجامہ ساتھ میں لمبا دوپٹہ، رنگوں میں پنک رنگ بہت پسند ہے۔ میری زندگی کا مقصد ہے ایک دن اپنے والدین کا نام روشن کروں، کچھ ایسا کرجاؤں کہ دنیا یاد رکھے کیونکہ آتے تو سبھی ہیں اور چلے جاتے ہیں مگر دنیا انہی کو یاد رکھتی ہے جو اپنی محنتوں سے کوئی کارنامہ سر انجام دیں۔ اس کے علاوہ استاد بننا چاہتی ہوں، اللہ کامیاب کرے، آمین اور ملک پاکستان کو آفات سے محفوظ رکھے اور ترقی دے آمین، اللہ حافظ۔

"تمہیں کوئی مغالطہ ہوا ہے، کوئی غلط فہمی ہوگئی ہے میرے بارے میں۔"

"اوں...... ہوں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"لڑکی...... تم وہ لڑکی ہو جس نے میرے دل کو پہلی بار چھوا ہے۔ جسے دیکھ کر زندگی پیاری لگی ہے، بہت ہی خاص لڑکی، آئمہ بخاری...... اور وہ کوئی عام لڑکی ہو ہی

نہیں سکتی جس نے سعد سکندر کے دل پر پہلی دستک دی ہے۔ تم سے مل کر ہی تو لگا ہے کہ میری عمر بھر کی تلاش ختم ہوئی ہے۔" اس کی جگر جگر کرتی آنکھیں آئمہ کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔

"اور تم...... تم کہتی ہو کہ مجھے مغالطہ ہوا ہے' غلط فہمی ہوئی ہے...... انسان کم فہم ہو سکتا ہے لیکن دل کبھی نہیں چوکتا...... کوئی وار خالی نہیں جانے دیتا۔"

"تم کچھ نہیں جانتے ہو سعد' تمہیں بالکل بھی کچھ بھی نہیں پتا۔" آئمہ نے بمشکل چھوٹتے حوصلے کو پکڑا تو اس کے پپڑی زدہ ہونٹوں پہ سرگوشی آن ٹھہری مگر سننے والے کی سماعتیں بھی بہت تیز تھیں۔

"کیا...... کیا نہیں جانتا میں...... کون سی چیز ہے جس کا مجھے نہیں پتا...... ایسی کون سی بات ہے جو راز ہے......؟" جوش سے بھرا اس کا لہجہ تیز ہو گیا۔ وہ کنفیوز سی ہوئی اور ہونٹ کو دانتوں میں داب لیا۔

اس نے شاید ان دشوار راہوں پر بہت چل لیا تھا اور شاید بہت زیادہ تھک چکی تھی اور جب ہم بہت چل لیتے ہیں جب تھکن قدم قدم لپٹنے لگتی ہے پور پور چھونے لگتی ہے تب شدت سے دل چاہتا ہے کہ کوئی ہو' کوئی تو ہو جس سے بے نشاں منزلوں کی تھکن...... مسافت سمیت تمام کہانی حرف حرف کہہ دی جائے۔ پیاسے جذبوں کا' تشنہ کامی کا' آبلہ پائی کا' تمام قصہ...... محبت کے نام پر دھوکا' ہجر کی اذیت' وچھوڑے کی دیمک' کتنے دکھ تھے' کتنے رونے تھے' کتنے آنسو تھے جو آنکھوں کے پیچھے ٹھہرے تھے۔ کوئی تو کاندھا ہو جس کو بھگو دیں' کوئی تو سماعت ہو جس میں انڈیل دیں۔ بشرطیکہ سننے والا آپ کے لیے اپنے دل میں گداز رکھتا ہو' آنسو پونچھ لینے کا' دکھ بھری اداسیاں تحمل سے چن لینے کا ظرف رکھتا ہو۔ وہ ناخن سے میز کی سطح کھرچ رہی تھی اور چہرے پر کتنے زمانوں کی تھکن بھری اذیت رقم تھی۔ وہ بہت دیر تک بہت تحمل سے اسے دیکھتا رہا ایک ایک نقش کو...... پھر سرد آہ بھر کے بولا۔

"زندگی کے سفر میں ملنے والا ہر آدمی عباس رضا نہیں ہوتا آئمہ بخاری۔" بے ساختہ چونک کر اس نے سر اٹھایا اور سعد کی طرف دیکھا جو اٹھ چکا تھا اور یوں مصروف سے انداز میں والٹ اپنی پاکٹ میں اڑس رہا تھا جیسے ابھی کچھ دیر قبل اس نے ایسا کوئی جملہ نہ بولا ہو اور اس جملے نے کسی کی ہستی نہ ہلا دی ہو۔

"اوکے...... میں چلتا ہوں' اپنا خیال رکھنا۔" لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ وہاں سے چل دیا اور آئمہ بخاری حیرت بھری آنکھوں سے بڑی دیر تک کیفے کے ادھ کھلے دروازے کو دیکھتی رہی تھی۔ وہ ایک آہ بھر کے رہ گئی۔

تو گویا تم ہر بات سے باخبر تھے سعد سکندر اور...... یہ تمام معلومات یقیناً رابعہ نے دی ہوں گی' تبھی آج کل رابعہ سعد کے فیور میں اتنا بولتی...... اور وہ جو سوچے بیٹھی تھی کہ جب سعد کو تمام صورت حال کا اور آئمہ کی گزشتہ زندگی کا علم ہوگا تو اسے کیا شاک لگے گا پھر اس کے بعد جانے وہ کیا رویہ اختیار کرے...... کیا اس کی آنکھوں کی روشنی سلامت رہ پائے گی......؟ وہ یقیناً تمام محبت بھرے ڈائیلاگز بھول بھال کر اس سے معذرت کر کے اپنی راہ چل دے گا کہ کون اتنا اعلیٰ ظرف ہوتا ہے......

اور بعض دفعہ کتنا مشکل لگتا ہے نا اپنے لیے کسی کی روشنیاں اگلتی آنکھوں کی جوت بجھ جانا...... اور محبت کی شمع گل ہو جانا۔ وہ نہ جانے کب سے یہ راز جانتا تھا؟ دوسرے دن اور پھر اگلے کئی دنوں تک وہ تو ہمیشہ کی طرح نارمل رہا' جیسے کوئی بات ہوئی ہی نہ ہو۔ ظاہر ہے اس کے لیے یہ کوئی نیا انکشاف نہ تھا' وہ اس بات سے کیسے چونکتا جو پہلے سے ہی اس کے علم میں تھی۔ ہاں مگر...... آئمہ جانے کیوں نظر چرائے ہوئے تھی شاید زندگی کے اتنے اہم راز کے افشا ہونے پر یا دکھوں سے پردہ اٹھ جانے پر۔

"تم نے مجھے یہ بات بتائی کیوں نہیں تھی آئمہ......؟" بالآخر ایک دن اس نے پوچھ ہی لیا۔

"تم نے پوچھا ہی نہیں تھا تو بتاتی کیسے؟" اتنے دن

گزر جانے کے بعد اب وہ بھی نارمل ہو چکی تھی۔

پھر ان دونوں کے درمیان بڑی دیر تک کوئی بات نہ ہوئی۔ بس شام کی خنک ہوا دونوں کو چھو کے گزر رہی تھی۔ وہ طویل روش پر قدم سے قدم ملا کر چل رہے تھے اپنے اپنے درمیان میں گم...... چپ چاپ۔ سعد سکندر ٹھہرا تو وہ بھی ٹھہر گئی۔ وہ اس کے سامنے آن رکا پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے ہوئے......

"کیسا تھا وہ؟" سوال کی طرح لہجہ بھی بہت نارمل تھا۔

"جیسے سب ہوتے ہیں۔" وہ ہولے سے بولی۔

"سب ایک جیسے تو نہیں ہوتے۔" ہوا کے سنگ اڑتا آئمہ کا آنچل کا کونا اس نے بہت نرمی سے ہاتھ سے چھوا اور ہتھیلی پر اس کی ملائمت کو محسوس کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"آپ ہر انسان کو ایک ہی کسوٹی پر نہیں پرکھ سکتے۔ ہر انسان دوسرے سے مختلف ہے' دوسرے سے جدا ہے' صورتیں' عادتیں' مزاج فطرت' کوئی بھی تو سو فیصد کسی دوسرے کے جیسا نہیں ہوتا۔"

کوئی ندامت کا سایہ تھا جو آئمہ کے چہرے سے ہو کر گزرا تھا' جسے سامنے کھڑے سعد سکندر نے پوری شدت سے محسوس کیا تھا۔ اسے وہ کیا بتاتی کہ وہ کیا تھا؟ سعد سکندر بڑے غور سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا اور وہ سامنے ہوا سے جھومتے بائل برش کے پیڑ کو۔

"کیسا تھا وہ......؟" وہ کہاں بھولی تھی وہ کیسے بھول سکتی تھی؟ اور اپنے قاتل کو کون بھولتا ہے؟

کوئی پورے خدوخال سے آنکھ کی دہلیز سے گزرا تو آنکھ پانی سے بھر گئی۔

"تمہیں برا لگا؟ آئی ایم سوری...... مجھے یہ سوال نہیں کرنا چاہیے تھا۔" اس کی بے تحاشا سرخ ہوتی آنکھیں دیکھ کر سعد نے معذرت کی' پھر یوں ہی اِدھر اُدھر کی بات کرتے بات کو وہاں تک لایا...... اور یہ سعد سکندر کو ہی کوئی ہنر آتا تھا کہ اس نے غیر محسوس طریقے سے روح کے اندر کوئی ایسی کھڑکی کھولی کہ وہ گزرے پر

نظم

جب شام کے سائے منڈلاتے ہیں
پنچھی گھروں کو لوٹتے ہیں
تب یاد بہت تم آتے ہو
جب بارش کی بوندیں زمیں پہ گرتی ہیں
مٹی کی سوندھی خوشبو من کو بہلاتی ہے
تب یاد بہت تم آتے ہو
جب ساحل کی ٹھنڈی ریت پر
قدموں کے نشاں ابھرتے ہیں
تب یاد بہت تم آتے ہو

انیلا سخاوت...... تحصیل پپلاں ضلع میانوالی

آزار دنوں کی کہانی کا ایک ایک لفظ اس کو سناتی چلی گئی اور وہ مٹھی پہ تھوڑی جمائے بہت محویت سے اور پورے دل سے سنتا رہا اور دل پر محسوس کرتا رہا۔

⊹......●♥●......⊹

وہ چھٹی کا دن تھا۔ پورے صحن میں سردیوں کی چمکیلی نرم دھوپ پھیلی تھی۔ وہ نہا کر دھوپ میں آ بیٹھی جہاں اماں سب کاموں سے فراغت کے بعد پہلے سے موجود تھیں ویسے بھی دو بندوں کا آخر کام ہی کتنا ہوتا ہے۔

ہم پرندے ہیں نہ مقتول ہوائیں پھر بھی
آ کسی روز کسی دکھ پہ اکٹھے روئیں!!

میل پہ سعد کا میسج نہ جانے کب سے آیا تھا جو اس نے اب پڑھا تو اس کے لبوں کی تراش میں مدھم سی مسکان ٹھہری تھی۔ یہ اس کے جذبوں کا ہی اعجاز تھا کہ آئمہ کی آنکھیں آج کل کم روتی تھیں۔

ڈور بیل کی آواز پر اماں دروازہ کھولنے چل دیں اور کچھ ہی دیر بعد اماں کے ہمراہ اندر داخل ہوتے سعد سکندر کے ہمراہ ایک باوقار خاتون کو دیکھ کر وہ آنکھیں جھپکنا بھول گئی۔

"اے لڑکی...... تمہاری سسرال والے پہلی بار تمہارے گھر آئے ہیں شرمانا نہیں تو کم از کم نگاہ ہی جھکا

لیے" سعد نے قریب آکر سرگوشی کی تو وہ مزید بوکھلا گئی۔ ساری خوداعتمادی ہوا ہوگئی تھی۔

وہ حیران ہوگئی تھی کہ سعد اسے بتائے بغیر اس کے مشورے کے بنا یہ سب...... اس کی حیرت سارا وقت کم نہ ہوئی...... اور پھر سب کچھ آناً فاناً ہوگیا۔ واقعی ہماری زندگیوں کے سب فیصلے کہیں اور کسی اور جگہ ہوتے ہیں ہمیں تو صرف مان لینے کا حکم ہے رضا پہ راضی رہنے کا اذن ہے۔

سعد کی والدہ بہت ہی بااخلاق اور ملنسار طبیعت کی حامل خاتون تھیں ان سے مل کے لگا ہی نہیں تھا کہ پہلی بار مل رہے ہیں پھر انہوں نے بہت سلیقے اور رکھ رکھاؤ سے اماں سے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا اور اماں کو بھی اپنے گھر مدعو کیا۔ وہ حیران ہی ہوتی رہ گئی کہ اس زمانے میں بھی ایسے مخلص اور بے ریا لوگ پائے جاتے ہیں؟ ان کے جانے کے بعد آئمہ کے عجیب سے احساسات تھے...... خوشی، حیرت، بے یقینی...... اور اماں تو فوراً نوافل پڑھنے میں مصروف ہوگئیں کہ یہ ان کی ہی دعاؤں کا ثمر تھا...... پھر رات گئے تک سعد فون کرتا رہا، میسج بھیجتا رہا لیکن اس نے کوئی رسپانس نہ دیا۔ اگلے روز وہ اس کے روبرو تھا بے حد فریش موڈ کے ساتھ۔

"تم مجھے بتائے بغیر اپنی امی کو لے کر آگئے۔ مجھے بتایا کیوں نہیں؟" اسے دیکھتے ہی آئمہ نے شکوہ کیا۔

"ضروری نہیں سمجھا۔"

"مجھ سے مشورہ بھی نہیں کیا؟"

"یہ بھی ضروری نہیں سمجھا۔"

"کیوں؟" دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی تیکھے چتون سے وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیونکہ میرے دل نے مجھے مشورہ دیا تھا یہ میری دل کی گواہی تھی اور دل کی گواہیاں کبھی جھوٹ نہیں ہوتی۔ اینڈ آئی ہوپ میرا دل کبھی غلط مشورہ نہیں دیتا مجھے۔ وہ کسی شاعر نے کیا خوب کہا تھا۔"

اک شخص اچھا لگا اسے صاف کہہ دیا

دل کی بات تھی ہم سے منافقت نہ ہوئی

"اگر میں انکار کردوں تو؟"

"تو......" اپنے دونوں ہاتھ دیوار پہ اس کے دونوں اطراف ٹکاتے ہوئے اس کے کلون کی مہک اپنے اندر اتار کے سعد سکندر نے کہا۔ "نو پرابلم ڈیئر...... کیونکہ نقصان میں تو صرف تم رہوگی ظاہر ہے میرے جیسا ہینڈسم لڑکا گنوا کے......" وہ کئی لمحے اس کی آنکھوں کی سنہری زمین دیکھتا رہا، جہاں محبت کی فصل اگ آئی تھی۔

"ہونہہ...... خوش فہمی۔" اس نے پہلی فرصت میں اپنے گرد تنے سعد کے بازو ہٹائے۔

"نہیں...... خوش فہمی نہیں محبت...... وہ محبت جو ابھی ابھی کسی کی آنکھوں میں دیکھی ہے۔" آئمہ نے ذرا کی ذرا آنکھ اٹھا کر بلیک پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے کھڑے اسمارٹ سے سعد سکندر کی طرف دیکھا۔

"تو پھر...... کیا خیال ہے؟" اس کی حد درجہ محویت پر سعد سکندر نے سوال کیا تو وہ چونکی اور اس کے ہونٹ ذرا سا مسکرا دیئے۔

"اچھا ہوں نا......؟" اس کی آنکھیں جگر جگر کررہی تھیں۔

وہ نگاہ کی چوری پکڑے جانے پر خائف سی ہوگئی تو سعد کھل کے ہنس دیا۔ وہ ایسا ہی تھا پُراعتماد، مضبوط مسکراتا ہوا...... کسی روشن سویرے کی طرح یقین دلاتا ہوا اور یقین تو کرنا ہی تھا کہ کسی مہربان لمحے کی طرح اس کی محبت نے دل پر سایہ جو کردیا تھا۔

✿

آگاہی

عاصمہ عزیز

قدم قدم پہ ملے اک نئی خوشی تم کو
اندھیری راہ میں مل جائے روشنی تم کو
میری دعا ہے خدا سے کہ کاش لگ جائے
میری حیات کے لمحوں کی زندگی تم کو

آئی سی یو کے گلاس ڈور سے وہ اس وقت شدت ضبط سے سرخ ہوتی آنکھوں اور زرد ہوتے چہرے کے ساتھ اپنی چار سالہ بیٹی کو پٹیوں میں جکڑے ہسپتال کے بستر پر بے سدھ لیٹے دیکھ رہا تھا۔ خون کی لگی بوتل سے قطرہ قطرہ خون اس کے جسم میں انڈیلا جارہا تھا لیکن وہ ابھی تک ہوش وخرد سے بیگانہ تھی۔ دسمبر کی اس سرد رات میں وہ شخص پچھلے دو گھنٹے سے اپنے شل ہوتے وجود کی پروا کیے بغیر ہاسپٹل کے کوری ڈور میں یک ٹک شیشے کے اس پار دیکھے جارہا تھا۔ اس ٹھٹھرتی ہوئی سردی کے باوجود اس کے سن ہوتے وجود کو سردی کا احساس تک نہیں تھا۔ وقت گویا تھم چکا تھا' گھڑی کی سوئیاں اسے کسی گلیشیر کی طرح ساکت وجامد محسوس ہورہی تھیں۔ کاش وہ وقت کو چند گھنٹے پیچھے لے جانے پہ قادر ہوتا جب اس کی بیٹی کی زندگی ہلا دینے والا لمحہ وارد نہیں ہوا تھا۔ لیکن وقت کبھی ہماری خواہش اور منشا کے تابع نہیں رہتا۔ وقت کی گاڑی ہمیشہ اپنے طے شدہ راستوں پر محوسفر رہتی ہے۔ اس نے مڑکر قریب ہی بنچ پہ ہاتھوں میں تسبیح لیے آنسوؤں بھرے چہرے کے ساتھ بیٹھی ہانیہ کو دیکھا۔ اس کی شکوے بھری اور الزام دیتی نظروں میں دیکھتے ہوئے وہ شرمندگی کی عمیق گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔ آج اگر وہ اسے ایمان کی اس حالت کا ذمہ دار ٹھہرا رہی تھی تو کچھ غلط نہیں تھا کیونکہ زندگی میں بہت سی آزمائشیں ہمارے اپنے ہی گناہوں کے سبب ہمارے سامنے مجسم روپ میں آکھڑی ہوتی ہیں۔ جس اولاد کی خوشیوں اور مستقبل کی خاطر اس نے دولت کے انبار لگانے چاہے تھے آج وہی اولاد زندگی اور موت کی جنگ لڑرہی تھی۔ وہ اپنے دکھتے سر کو تھامے ہانیہ سے نظریں چراتے ہوئے بنچ پہ بیٹھ گیا۔ بلاشبہ آزمائش بہت کڑی تھی کہ اس کی روح اذیت ودرد سے بلبلا اٹھی تھی۔

''ہمارے گناہ چاہے کتنے ہی عظیم کیوں نہ ہوں ہمارا رب ان سے کئی درجے غفور ورحیم ہے۔ اس کی عظمت کی انتہا اور کیا ہوگی کہ وہ ہم گناہ گاروں کی سچے دل سے کی گئی توبہ پر ہمارے گناہ معاف کردیتا ہے۔'' اس نے بنچ سے اٹھتے ہوئے سوچا اور امید کا جگنو ہاتھوں میں تھامے اپنے قدم ہسپتال سے ملحق مسجد کی طرف بڑھادیے۔

☆☆☆

موسم گرما کی اس جھلسا دینے والی گرمی میں دن بھر ملازمت کی تلاش میں کئی جگہ انٹرویو دینے کے بعد وہ اس وقت اپنے چھوٹے سے گھر کے صحن میں کرسی کی پشت سے سر ٹکائے آنکھیں موندے بیٹھا تھا۔ چہرے پر تھکن اور مایوسی کے اثرات نمایاں تھے۔ پچھلے ایک سال کی طرح ہر جگہ دھکے کھانے کے باوجود آج بھی اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ شاید قسمت کا پہیہ اس کی کوششوں کے بالکل مخالف سمت چل رہا تھا۔ اس نے انگلیوں سے اپنی پیشانی کو مسلتے ہوئے سوچا۔ وہ سرکاری دفتر میں ایک ایمان دار معمولی کلرک کا بیٹا تھا۔ میٹرک سے ایم بی اے تک اس نے اپنے تمام تعلیمی اخراجات اکیڈمیز میں ٹیوشنز پڑھا کر پورے کیے تھے۔ ابا اور اماں کی وفات کے بعد ان کی تمام جمع پونجی پچھلے تین سال سے گھر کے اخراجات میں خرچ ہو چکی تھی اور اب مستقبل کا خیال اسے کسی زہریلے ناگ کی طرح ڈس رہا تھا۔ داخلی دروازے پر کھٹکے کی آواز پر اس نے سر اٹھا کر اس سمت دیکھا۔

"بابا جان......" چار سالہ ایمان آنکھوں میں ڈھیروں آنسو لیے اور منہ میں لولی پاپ لیے اسے پکارتے ہوئے اس کی سمت آرہی تھی۔ جبکہ ہانیہ نے ہاتھوں میں پکڑے سامان کو رکھنے کے لیے کچن کا رخ کیا تھا۔

"کیا ہوا بیٹا؟" عاشر نے ایمان کی آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے بظاہر مسکرا کر پوچھا۔

"بابا مارکیٹ میں اتنی بڑی اور پیاری ڈولز تھیں ماما نے ایک بھی نہیں لے کر دی۔" ایمان نے سوں سوں کرتے ہوئے شکایتی لہجے میں کہا۔ ایمان کی آنکھوں میں حسرت اور شکایتی لہجے میں کہی گئی بات سن کر اس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ لمحوں میں غائب ہوگئی تھی۔

"کوئی بات نہیں بیٹا...... بابا آپ کو خود ڈھیر ساری ڈولز لے کر دیں گے۔" عاشر نے خود پر قابو پاتے ہوئے ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر اس کو بہلایا تھا۔

"کیا بنا جاب کا؟" ایمان کے جانے کے بعد ہانیہ نے اس کے سامنے براجمان ہوتے ہوئے امید بھرے لہجے میں پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب......؟" ہانیہ نے وضاحت طلب کرنا چاہی۔

"مطلب کچھ نہیں ہانیہ بی بی...... جس ملک میں رشوت اور سفارش کسی زہر کی طرح پھیل چکے ہوں وہاں غریب لوگوں کا بے بسی کے تماشے کے سوا کیا بن سکتا ہے۔" وہ تلخی سے چیخ اٹھا تھا۔ ہانیہ نے اپنے اندر سرائیت کرتی افسردگی پر قابو پاتے ہوئے ٹھنڈی سانس ہوا کے سپرد کی۔

"پلیز آپ مایوسی کی باتیں مت کریں۔ اللہ ہے ناں وہ سب بہتر کرے گا۔"

"اللہ تو سب کے لیے بہتر نہیں بلکہ بہترین کرتا ہے لیکن بڑی کرسیوں پر بیٹھے لوگ کبھی غریب کا بھلا ہونے نہیں دیتے۔" ایک تلخ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں کو چھو کر گزری تھی۔

"اوں ہوں...... وہ جب کسی کو دولت' عزت اور شہرت سے نوازنا چاہے تو دنیا کی کوئی قوت اور طاقت اس کے اٹل ارادوں کو بدل نہیں سکتی۔" ہانیہ نے آہستگی سے سر نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔ عاشر پل بھر کے لیے لاجواب ہوگیا تھا۔

"جو دل یقین کامل جیسی دولت سے مزین ہو اس کے لیے غربت بھی زحمت نہیں بنتی۔" اس نے ہانیہ کو ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے سوچا۔ وہ اس کی ہر ناکامی کے بعد اسی طرح اسے تسلی دیا کرتی جس سے مسلسل ناکامیوں کے باعث عاشر کے ذہن پر چھایا مایوسی کا غبار چاہے وقتی طور پر ہی سہی چھٹ ضرور جاتا تھا۔ وہ ہانیہ کو کوئی جواب دیے بنا اٹھا اور گرمی کی شدت سے تپتے چہرے اور جھلستے اعصاب کو ٹھنڈا کرنے کی غرض سے صحن میں بنے واش بیسن سے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارنا شروع کردیے تھے۔

☆☆☆

زندگی اسی طرح اپنی ڈگر پر چل رہی تھی۔ چاہے کسی کی زندگی میں غموں کے طوفان آجائیں یا خوشیوں کے

شادیانے بجنے لگیں زندگی کی گاڑی ہمیشہ رواں دواں رہتی ہے۔ آج سے ایک ماہ قبل اسے ایک بینک میں اکاؤنٹنٹ کی نوکری مل گئی تھی جو کہ ایک ہفتے بعد ہی اس کی معمولی سی لغزش کی بنا پر اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی اور وہ ایک دفعہ پھر پہلے کی طرح انٹرویو دینے چل نکلا تھا۔ اور آج وہ اپنے یونیورسٹی فیلو کے بہت یقین دلانے پر اس کے آفس اس کے باس سے ملنے آیا تھا۔ ریوالونگ چیئر پر بڑے طمطراق کے ساتھ بیٹھے باس نے عاشر کو اڑی رنگت کی شرٹ پہنے استہزائیہ انداز میں سرتاپا دیکھا اور اس کے ہاتھ سے فائل لیتے ہوئے سرسری انداز میں جائزہ لے کر سپاٹ لہجے میں گویا ہوا۔

”ابھی تک تو ہمارے پاس کوئی ویکنسی نہیں ہے جیسے ہی ہمیں مناسب لگا ہم آپ کو کال کرلیں گے۔“ اس شخص کے تاثرات دیکھتے ہی عاشر کو اندازہ ہوگیا تھا کہ اسے کال کرنا اس شخص کو کبھی بھی مناسب نہیں لگے گا کیونکہ اس شخص کو ڈگریوں سے زیادہ شاید ظاہری حلیہ متاثر کرتا تھا۔ شام کے سائے گہرے ہوتے ہی وہ گھر لوٹا اور آتے ہی بستر پر گرنے والے انداز میں لیٹ کر یک ٹک چھت کو گھورنے لگا۔ ہانیہ اسے اس طرح لیٹے دیکھ کر جائے نماز تہہ کرکے اٹھی اور کچن سے پانی کا گلاس لاکر بیڈ سائڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

”اس طرح پریشان ہونے سے کیا حاصل؟“ ہانیہ نے اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھتے ہوئے تسلی دی۔

”اٹس اینف، نہیں چاہیے مجھے یہ تسلی کے بودے الفاظ، یہ الفاظ ہماری بچی کا مستقبل نہیں سنوار سکتے، کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرکے انسان حقیقت سے نظریں تو چرا سکتا ہے لیکن ان تلخ حقیقتوں کا سامنا کرنے سے نہیں روک سکتا خود کو۔“ وہ درشتگی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

”تو آپ کا کیا خیال ہے صرف روپیہ پیسا بہترین مستقبل کی ضمانت ہوسکتے ہیں، ایسا نہیں ہے، آپ کو معلوم ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے انتقال کے وقت اپنے بچوں کے لیے دو روپے بھی نہیں چھوڑے تھے جبکہ ہشام بن عبدالملک دس دس لاکھ درہم چھوڑ کر اس دنیا سے گیا تھا۔ لیکن تیس برس بعد چشم فلک دیکھتی ہے کہ ہشام کی اولاد دمشق کی جامعہ مسجد کی سیڑھیوں میں بیٹھ کر بھیک مانگتی ہوئی پائی گئی تھی جبکہ عمر کی اولاد ایک مجلس میں سو سو گھوڑے خیرات کرتے تھے۔ یہ سب مقدر کے کھیل ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز نے لوگوں کے طعنہ دینے پر فرمایا تھا۔

”حرام کھلایا نہیں حلال تھا نہیں، میرے بچے نیک ہوں گے تو اللہ سنبھال لے گا۔ ایسا ہی کامل یقین ہونا چاہیے اللہ پر اور پھر آپ کے پاس ڈگری تو ہے نا مسلسل کوشش سے بند دروازے کھل ہی جاتے ہیں۔“ وہ رسانیت سے سمجھاتے ہوئے گویا ہوئی۔

”ہنہ ڈگری......“ اس نے تنفر سے ہنکارا بھرا اور سامنے پڑی فائل کو اس کے سامنے لہراتے ہوئے تلخی سے بولا۔

”ردی کے کاغذوں کی سی حیثیت ہے ان ڈگریوں کی۔ کون سے زمانے میں جی رہی ہیں آپ ہانیہ صاحبہ...... یہاں ڈگریوں کی بنیادوں پر نہیں حیثیت دیکھ کے نوکریاں ملتی ہیں۔ وہ اپنی تمام تر تلخی ہانیہ پر انڈیلتے ہوئے لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے نکل گیا اور ہمیشہ کی طرح ہانیہ کا سمجھانا بیکار گیا تھا۔

☆☆☆

اسلام آباد کی معروف سڑک کے دائیں جانب واقع چائے کے ڈھابے میں وہ اس وقت اردگرد سے بے نیاز گم صم بیٹھا تھا۔ سڑک کے بائیں طرف کچھ فاصلے پر شاندار سی کھلونوں کی شاپ سے اس نے ایمان کی ہم عمر بچی کو ہاتھوں میں ڈھیروں بیش قیمتی کھلونے پکڑے کسی شخص کے ساتھ نکلتے دیکھا۔ اس بچی کے چہرے سے پھوٹتی خوشی کی لہر کا اندازہ دور سے بھی لگایا جاسکتا تھا۔ ایسی ہی خوشی وہ اپنی ایمان کے چہرے پر بھی دیکھنے کی آرزو رکھتا تھا۔ اس نے اسی سمت نظریں جمائے اپنی شرٹ کی جیب ٹٹولی، جیب سے برآمد ہونے والی رقم اتنی ہی تھی جس سے

بمشکل گھر کا خرچ پورا ہو پاتا۔ اس نے مایوسی سے لب بھینچ کر اپنی نظروں کا رخ سڑک پر چلتی گاڑیوں کے ہجوم پر مرکوز کردیا۔ اسے اپنے اندر سناٹا پھیلتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔ سڑک پر لوگوں کے ہجوم اور آوازوں کا اسے احساس تک نہیں تھا۔

''شاید ہماری تنہائی کا تعلق بھی ہمارے دل و دماغ کی کیفیت سے ہے۔ بعض دفعہ لوگوں کا ہجوم ہوتے ہوئے بھی ہم خود کو تنہا محسوس کرتے ہیں اور بعض اوقات ہماری تنہائی بھی ہمارا سہارا ثابت ہوتی ہے جو ہمارے غم کے لمحات میں ہمارے ساتھ آنسو بہاتی ہے۔'' اس نے سوچا۔ اچانک کسی کا ہاتھ اسے اپنے کندھے پر محسوس ہوا اور ایک بھاری آواز کانوں سے ٹکرائی۔

''کن سوچوں میں گم ہو صاحب زادے...... ان آنکھوں میں حسرتیں اور مایوسی کیوں ڈیرا ڈالے ہوئے ہیں۔'' عاشر نے چونک کر اس آواز کی سمت دیکھا۔ سامنے بیٹھا بڑی بڑی مونچھوں اور قدرے بھاری جسامت والا شخص نجانے کب سے اس کی کیفیت کو جانچ رہا تھا۔

''جب کوشش کے باوجود حق نہ ملے اور انسان کو پائی پائی کے لیے ترسنا پڑے تو آنکھوں میں ناآسودہ خواہشات کی کرچیاں اور حسرتیں ہی ڈیرا ڈال لیتی ہیں۔'' نجانے کیوں وہ اس اجنبی شخص کے سامنے اس لمحے اپنی کیفیت کو چھپا نہیں پایا تھا۔

''دنیا سے اپنا حصہ اور حق نہیں ملتا تو چھین لو یہی دستور ہے دنیا کا۔'' سامنے بیٹھے ہوئے شخص نے گویا مشورے سے نوازا۔

''مجھے چھیننے کا ہنر آج تک نہیں آیا' میں چاہ کر بھی کچھ ایسا نہیں کرسکا۔'' اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے مایوسی سے کہا۔

''سب آجائے گا' یہ ناکام حسرتیں اور خواہشات انسان کو سب سکھا دیتی ہیں۔ ہمارے ساتھ کام کروگے۔''

''کیسا کام؟'' اس نے چونک کر اس شخص کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہی چھیننے والا کام جو اس ملک کی آدھی یا آدھی سے زیادہ آبادی کررہی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ہم یہ کام ڈنکے کی چوٹ پر کرکے مجرم کہلا جاتے ہیں۔'' اس شخص نے مونچھی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ عاشر حیرت سے گنگ اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔ سامنے بیٹھا شخص اگر مجرم تھا تو اپنی گفتگو اور لہجے سے لگ نہیں رہا تھا۔ اس کی بات کڑوی ضرور تھی لیکن کسی حد تک سچ بھی تھی۔

''ٹھیک ہے مجھے منظور ہے لیکن میں کسی بھی طرح تمہارا پابند نہیں رہوں گا۔'' اس کی باتوں اور اپنے حالات نے اسے اس کانٹوں بھری راہ پر چلنے کے لیے قائل کرلیا تھا۔ زمین میں فساد اور تہلکہ مچانے والے صرف ماحول کو برباد نہیں کرتے بلکہ اپنے لیے بھی کانٹوں کا انتخاب کر لیتے ہیں۔ شاید اس لمحے وہ یہ بات بھول گیا تھا۔

☆☆☆

اور اس دن رات دس بجے شکستہ قدموں سے گھر لوٹتے ہی صحن میں بنی سیڑھیوں پر بیٹھ گیا تھا۔ اس راہ کا انتخاب کرتے ہی اس کا دل مطمئن ہونے کے بجائے ایک دم بوجھل ہوگیا تھا۔ رات کے اس پہر آسمان کی مانگ پر چاند دمک رہا تھا اور اردگرد تاروں کا جھرمٹ عجیب مبہوت کردینے والا منظر پیش کررہا تھا۔ وہ یک ٹک قدرت کے اس حسن کو دیکھتا رہا۔

''کہاں تھے آپ؟'' ہانیہ نے اس سے تفتیشی انداز میں پوچھا۔

''کیوں تم میری گمشدگی کا اعلان کروانے والی تھیں کیا؟'' اس نے لہجے میں بشاشت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بات کو مذاق میں اڑایا۔

''نہیں میرا کوئی ایسا ارادہ نہیں تھا۔'' ہانیہ نے خفگی سے گھورتے ہوئے کہا۔

''ہاں آپ تو شکر کے نوافل ادا کریں گی کہ اس نکمے بندے سے جان چھوٹی۔ لیکن افسوس آپ کو اس کا موقع نہیں ملے گا کیونکہ مجھے آج بہت اچھی جاب مل گئی ہے۔'' ہانیہ بدستور اس کی باتوں پر اسے گھوریوں سے نواز رہی تھی

جبکہ عاشر نے بڑے آرام سے اس سے پہلی دفعہ جھوٹ بولا تھا اور وہ جانتا تھا یہ پہلا جھوٹ آخری قطعاً نہیں ہوگا۔ جھوٹ کبھی بھی تنہا وارد نہیں ہوتا بلکہ چھوٹے بڑے جھوٹ کی ایک چین بنا کے آتا ہے۔

اگلے دن رات کے نو بجتے ہی وہ گھر سے نکلتے ہی اس شخص کے بتائے ہوئے ٹھکانے پر جا پہنچا تھا۔ اس سے چند ضروری ہدایات لینے کے بعد وہ اس کے آدمیوں کے ساتھ مل کر اسلام آباد کے ایف ٹن کے علاقے میں واقع ایک عالی شان بنگلے کو لوٹنے کے لیے انہوں نے نشانہ بنایا تھا۔ چہروں پر نقاب چڑھائے گھر کی دیوار پھلانگ کر لان کو عبور کرکے ان لوگوں کے اندر گھستے ہی گھر کے افراد میں خوف اور کھلبلی مچ گئی تھی۔ الماریوں سے زیور اور رقم نکالتے ہوئے اس کے ہاتھوں میں واضح لرزش تھی۔ گناہ کے رستے پر پہلا قدم ہی اٹھانا دشوار ہوتا ہے۔ باقی کے تمام قدم خود بخود اٹھتے چلے جاتے ہیں۔ اس پہلے قدم پر ہی ہمارا ضمیر ہمیں ملامت کرکے ہمارے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنے کی کوشش کرتا ہے لیکن جب اس ضمیر کی آواز پر بھی کان نہ دھرے جائیں تو وہ بھی تھک ہار کر خاموش ہوجاتا ہے۔ اسی طرح یہ پہلا قدم اٹھانے کے بعد عاشر کے دل پر بھی بوجھ آن پڑا تھا اور اپنے ضمیر کی لعنت ملامت کو دبانے کی کوشش کرنے کے باوجود وہ ایسا نہیں کر پا رہا تھا۔ کئی ماہ اسی طرح پر لگا کر گزر چکے تھے۔ ان لوگوں کے ساتھ مل کر اس نے کئی گھروں کو لوٹا تھا لیکن بعض دفعہ حالات کی نوعیت کو سمجھنے کے باوجود وہ کسی کی جان نہیں لے پایا تھا اور ان گزرتے سات آٹھ ماہ میں اس کے گھر کے حالات بھی کافی سنبھل چکے تھے۔ وہ روز ایمان کے لیے گھر جاتے ہوئے کھلونے اور چاکلیٹس لاتا اور گزشتہ کئی عیدوں کے بعد اس عید پر ہانیہ نے بھی ڈھیروں شاپنگ کی تھی۔ سب کچھ اپنی جگہ پر ہونے کے باوجود اس کا سکون غارت ہوگیا تھا لیکن گھر میں رہتے ہوئے چہرے پر مصنوعی خوشی کا خول چڑھانا اس نے خوب سیکھ لیا تھا۔

آج ان لوگوں کا ارادہ بڑا ہاتھ مارتے ہوئے ایک بینک کا صفایا کرنے کا تھا۔ رات آٹھ بجے وہ گھر سے نکلنے کی تیاری کر رہا تھا۔ ہانیہ کچن میں رات کا کھانا پکانے میں مصروف تھی۔ معاً ڈور بیل بجنے کی آواز سن کر وہ اپنی تیاری چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ ہانیہ جو کہ شام سے چھت پر کھیلتی ایمان کو بلانے کی غرض سے کچن سے نکلی تھی عاشر کو داخلی دروازے پر ایستادہ دیکھ کر اس طرف بڑھ گئی۔

"آج اس علاقے میں پولیس پہلے ہی ڈیرا ڈالے ہوئے ہے ایسے میں کوئی بڑی واردات کرنا خطرے سے ہرگز خالی نہیں ہے۔" دروازے کے باہر کھڑے شخص کے جملے نے اس کے قدم اپنی جگہ جکڑ لیے تھے اور اس کی تمام باتیں سن کر ہانیہ کو عاشر کی "جاب" کی نوعیت سمجھنے میں لمحہ لگا تھا۔ اس کا سارا وجود اس انکشاف پر آندھیوں کی زد میں تھا۔ حیرت اور دکھ کی زیادتی سے اس کے قدم ایک جگہ جم گئے تھے کہ اچانک اسے ایمان کی چیخ اور کچھ ہی دیر بعد دھڑم سے کچھ گرنے کی آواز سنائی دی۔ ہانیہ نے عاشر کو بدحواس ہوکر سیڑھیوں کی جانب لپکتے دیکھا۔ اس نے گردن موڑ کر اس سمت دیکھا اور آخری سیڑھی پر ایمان کے ننھے وجود کو بے سدھ پڑے دیکھ کر اسے اپنے جسم سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ایمان کے سر سے خون کا فوارہ نکل کر ارد گرد کی زمین کو سرخ کر گیا تھا۔ ہانیہ یہ سب دیکھ کر اس کی طرف لپکی۔ ایمان کو بے ہوش پڑے دیکھ کر عاشر کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے وہ جلدی سے ٹیکسی لایا لیکن اس دوران ایمان کا بہت سا خون بہہ چکا تھا۔

"اگر تمہاری حرام کی کمائیوں اور گناہوں کی سزا میری بیٹی کو ملی تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" اور ایمان کو آئی سی یو میں منتقل کرنے تک عاشر کو ہانیہ کے اس طرح کے کئی جملے اور لعنت ملامت سننی پڑی تھی۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ بہت زیادہ خون بہہ جانے سے اگر ایمان کو چوبیس گھنٹے میں ہوش نہ آیا تو وہ کومہ میں بھی جا سکتی ہے۔ اس وقت آئی سی یو میں اپنی بیٹی کو بے سدھ پڑے زندگی اور موت کی جنگ لڑتے دیکھ کر عاشر کو احساس ہوگیا تھا کہ ماں باپ

کے گناہوں کی سزا بعض دفعہ اولاد کو بھی اٹھانا پڑتی ہے۔

✿☆☆☆✿

ہسپتال سے مسجد تک شکستہ قدموں سے چلتے ہوئے اس نے مسجد کی دہلیز پر قدم رکھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے عشاء کی جماعت کرائی جاچکی تھی اس لیے مسجد میں اکا دکا لوگ موجود تھے۔ وضو کرنے کے بعد اس نے نمازِ عشاء اور نوافل ادا کرکے اللہ کے حضور اپنے گناہوں کی توبہ اور ایمان کی صحت وتندرستی کی دعا کے لیے ہاتھ اٹھادیے۔

''یا اللہ...... تو ہی میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے مجھے پیدا فرمایا اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں اپنی طاقت کے مطابق تیرے عہد اور وعدے پر قائم ہوں، میں تجھ سے ہر اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جس کا میں نے ارتکاب کیا، میں تیرے سامنے تیرے انعام کا اقرار کرتا ہوں جو مجھ پر ہوا اور میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں، لہٰذا تو مجھے معاف کردے، سچ یہ ہے کہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف نہیں کرسکتا۔ اے اللہ ایمان کو صحت اور تندرستی کے ساتھ زندگی عطا کرنا۔'' آنسو چہرے کو بھگو رہے تھے اور مسلسل اشک بہانے سے آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں لیکن اپنے رب کے حضور بہائے گئے ندامت کے آنسو رائیگاں نہیں گئے تھے اور ادھر ہسپتال کے بستر پر بے سدھ پڑی ایمان نے دھیرے سے ہوش کی وادی میں قدم رکھا۔ رات کی سیاہی اپنے پر سمیٹ رہی تھی اور مؤذن فجر کی اذان دینے کی تیاری کررہے تھے۔ وہ ابھی تک مسجد کی دیوار سے ٹیک لگائے دل میں اللہ سے ایمان کی سلامتی کے لیے دعا گو تھا کہ اسے اپنے سیل فون میں وائبریشن محسوس ہوئی۔ انجانے نمبر سے آتی کال ریسیو کرکے موبائل کان سے لگایا۔ دوسری طرف ہسپتال سے ہانیہ بات کررہی تھی۔ ہانیہ نے اسے خوشی کی نوید سنائی تھی۔ ایمان کو ہوش آگیا تھا اور اسے روم میں شفٹ کردیا گیا تھا۔ عاشر نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنی پیشانی زمین پر ٹکادی۔

''بلاشبہ اللہ بہت مہربان ہے اور اس کی رحمتوں کی کوئی حد مقرر نہیں۔'' اس نے سجدے سے سر اٹھاتے ہوئے بے اختیار سوچا۔ مسجد سے باہر قدم رکھتے ہی دسمبر کی سرد ہوائیں اسے اپنے اندر گھستی ہوئی محسوس ہوئیں۔ پریشانی کے ختم ہوتے ہی اس کی ساری حسیات جاگ اٹھی تھیں۔ باہر سڑک پر اسٹریٹ لائٹس روشن تھیں اور آسمان پر چھائے سیاہ بادل کسی بھی پل برسنے کو بیتاب تھے۔ وہ ہسپتال کی جانب قدم اٹھاتا اپنی سوچوں کی انگلی تھامے ذہن کے بند دریچوں کو وا کررہا تھا۔ ذہن سے مایوسی کا غبار ہٹتے ہی اسے احساس ہوا کہ اس نے اللہ کی رحمت سے مایوس ہوکر کتنے بڑے گناہ کا ارتکاب کیا تھا۔ دولت اور رزق کی کمی سے تنگ آکر اس نے جس کانٹوں بھری راہ کا انتخاب کیا اس کی منزل اندھی کھائی ہی تھی لیکن اللہ نے اس کے گناہ گار ہونے کے باوجود اسے ذرا سی ٹھوکر دے کر اسے اندھی کھائی میں گرنے سے بچالیا تھا۔ انسان کی زندگی میں بعض اوقات ایسے تکلیف دہ حالات پیش آتے ہیں جن کو وہ اپنے لیے مصیبت سمجھتا ہے لیکن اس میں بھی دراصل خیر اور بھلائی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کچھ ایسی چیزوں کو ثابت کرنا چاہتے ہیں جو ان حالات سے گزرے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ ایمان کی زندگی کا خطرے میں ہونا بھی ایک ایسا ہی حادثہ تھا جس نے اس پر آگاہی کے دروازے کھول دیے تھے اور اس نے اپنے گناہوں کی رب سے توبہ کرلی تھی کہ کٹھن حالات ہونے کے باوجود وہ اب حرام کا انتخاب نہیں کرے گا اور یہ اس توبہ کا انعام ہی تھا کہ اللہ نے ایمان کو ایک نئی زندگی بخش دی تھی اور اس تکلیف دہ رات کے اختتام کے بعد صبح جب وہ ہانیہ کو گھر چھوڑنے آیا تو سات ماہ قبل ایک کمپنی میں دیے گئے انٹرویو کا اپائنٹمنٹ لیٹر کی صورت میں اللہ کا اس کے لیے ایک اور انعام موجود تھا۔

✿

زخم زدہ بت

قرۃ العین سکندر

جب سے تیرے نام کردی زندگی، اچھی لگی
تیرا غم اچھا لگا، تیری خوشی اچھی لگی
تیرا پیکر، تیری خوشبو، تیرا لہجہ، تیری بات
دل کو تیری گفتگو میں سادگی اچھی لگی

بسمہ کو شروع ہی سے اسماء کی ہر شے پر اپنا تسلط جمانے اور قبضہ کرنے کی بُری عادت اس قدر راسخ ہوچکی تھی کہ جب اسماء کے لیے یاسر کا رشتہ آیا تو وہ اماں سے اپنی رائے زنی پر خود کو باز نہ رکھ سکی۔

''اماں میرے لیے وہ موا درزی رمضان ہی رہ گیا تھا کیا اور اسماء کے لیے تو اس بانکے یاسر کے رشتہ پر جھٹ ہاں کرنے کا غور وخوض ہورہا ہے۔'' اماں نے پہلے تو دو ہتھڑ بسمہ کی کمر پر رسید کیے اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولیں۔

''اری بدبخت پہلے اپنا تھوبڑا تو دیکھا آئینے میں، تجھے وہ درزی رمضان بھی مل گیا ہے تو غنیمت جان۔ کہاں تو اور کہاں وہ دھان پان سی سفید مرمریں گڑیا جیسی اسماء بھلا کیا مقابلہ تیرا اور اس کا؟'' بسمہ کو اماں سے اس قدر تلخ حقیقت پسندی کی توقع نہ تھی مگر کیا کیا جائے سچ تو کڑوا ہی ہوتا ہے۔ بسمہ دل کے ارمان دل میں ہی دبائے رہ گئی مگر یہ کم بخت دل جو گھبرو جوان بانکے سجیلے یاسر کو بہنوئی کی صورت میں اپنانے پر کسی طور آمادہ نہ تھا۔

بچپن میں جب بسمہ کو اسماء کی گڑیا کے چمک دار کپڑے زیادہ لبھا جاتے تو جھٹ سے اپنی گڑیا اس کو تھما دیتی اور اس کی گڑیا کو اپنا لیتی تھی مگر یہ معاملہ کسی گڑیا اور گڈے کا تو نہ تھا۔ یہ تو زندگی بھر کا معاملہ تھا، کچھ اماں بھی خاموشی کا لبادہ اوڑھے رہتی تھیں کیونکہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ بسمہ یہ سب کیوں کررہی ہے؟

بسمہ کا پکا سانولا رنگ اور اس پر دانوں کے گہرے نشان اسے بے حد بھدا بنادیتے تھے اور وہ ہو بہو اپنے ابا کا پرتو تھی جبکہ اسماء اماں پر گئی تھی اور وہ ہو بہو اماں کی کاربن کاپی تھی۔ وہی تیکھے نقش اور دودھیا رنگت، من موہنی سی صورت حتیٰ کہ شاکر رہنے کی عادت بھی اسماء نے ورثے میں اپنی اماں سے ہی لی تھی تبھی بسمہ کی ہر نا انصافی پر دل مسوس کر رہ جاتی مگر بڑی بہن کے آگے چوں چراں تک نہ کرتی تھی۔ محلے میں ملنے والیاں اسماء کی صورت و سیرت کی گرویدہ تھیں۔ بسمہ مزید غصے اور کھولن سے خود کو بچا نہ پائی اور دن بہ دن مزید چڑچڑی اور خودسر ہوتی چلی گئی جب بھی عید یا کسی دوسرے تہوار پر

اماں بازار جا کر بسمہ اور اسماء کے لیے کپڑوں کی خریداری کرتیں تو بسمہ خوب بحث وتکرار کے بعد اپنا ہی منتخب کردہ جوڑا جب گھر لاتی تو اس کو وہ سوٹ اسماء کے ایک پل میں کسی جوڑے پر ہاتھ رکھ کر خریدے گئے کپڑوں سے بہت معمولی سا دکھائی دیتا۔

"ایں اس پر تو میری نگاہ ہی نہ پڑی تھی۔" بسمہ سخت حیرت زدہ رہ جاتی۔

"اسماء تو ایسا کر یہ میرا سوٹ رکھ لے نا معلوم کیوں میں نے اس قدر تیکھا سا رنگ لے ڈالا سب میرا انداق بنائیں گے۔" بسمہ کی بہت کمزور سی تاویل کے سامنے اسماء بس لحظہ بھر کے لیے کمزور پڑتی اور پھر اٹھ کر بسمہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیتی۔ اسماء اچھی طرح جانتی تھی کہ سوٹ نہ بھی دیا تو بسمہ اس قدر رو اویلا مچائے گی کہ اس کے لیے یہ گلابی پھولوں والا جوڑا پہننا سخت دشوار ہو جائے گا۔

ماں اس سارے معاملے میں خاموش تماشائی کا کردار ادا کرتی تھیں شاید ان کے دل میں بھی گہرا ملال تھا کہ بسمہ کی شکل وصورت کی محرومی پر پردہ ڈالنے کو اس کی ناانصافی پر بھی آنکھیں بند کر لیتی تھیں...... مگر یہیں ان سے سخت غلطی سرزد ہو گئی تھی پھر وہی گلابی پھولوں والا جوڑا بسمہ جب نہایت ذوق وشوق سے تیار کر کے زیب تن کرتی تو اس قدر بھونڈی معلوم ہوتی اور بسمہ کے خریدے فیروزی کلر کے سوٹ میں اسماء کسی اپسرا سے کم معلوم نہ ہوتی۔ بسمہ کیا کرتی کہ خدا نے جو رنگ روپ اسماء کو ودیعت کیا تھا اس کو وہ نہ ہی چھین سکتی تھی اور نہ ہی اسماء سے مانگ سکتی تھی۔

یوں ہی زندگی ایک مخصوص نہج پر گامزن رہی بالآخر اماں نے اسماء کے لیے یاسر کا رشتہ قبول کر لیا۔ یاسر اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا اور وہ لوگ اسماء کو اپنی بہو کی صورت میں دیکھنے کے لیے بے قرار تھے بسمہ کا رشتہ تو رمضان سے طے تھا۔ وہ ایک ٹیلر ماسٹر تھا اس کی بہت بڑی بوتیک تھی۔ خوب روپیہ پیسا تھا سوائے شکل و صورت کے۔ رمضان کے والدین کا انتقال ہو چکا تھا صرف ایک شادی شدہ بڑی بہن تھی۔ اماں نے دونوں بہنوں کی رخصتی کے لیے ایک ہی تاریخ دی تھی دونوں بہنوں کے لیے ایک جیسے عروسی ملبوسات سلوائے گئے۔ ایک جیسے ہی پارلر سے تیار کروایا گیا تاکہ بسمہ کی کسی طور دل شکنی نہ ہو اور کسی قسم کا احساس محرومی دل میں جاگزین نہ ہو۔

مگر عین رخصتی کے وقت جب دونوں بہنوں کو دلہناپے میں عین مقابل بٹھایا گیا تو اسماء کی سج دھج ہی نرالی تھی۔ نگاہ کسی طور پر اسماء کے روپ سے ہٹنے کو آمادہ ہی نہ تھی اگرچہ آج بسمہ بھی معمول سے ہٹ کر قدرے اچھی لگ رہی تھی مگر اسماء کے سامنے اس کی یہ تیاری بھی بہت معمولی دکھائی دے رہی تھی۔ اردگرد سے تبصرہ کرنے والیاں بھی بسمہ کے کانوں میں صور پھونک رہی تھیں۔

"دیکھو ذرا خدا کی قدرت، لگتا ہے کہیں سے کہ دونوں سگی بہنیں ہیں اسماء کو دیکھو ذرا کیا رنگ روپ چڑھا ہے آج اور بسمہ تو کہیں سے اس کی بہن ہی نہیں لگتی، بے چاری کے نین نقش......"

مزید سننا بسمہ کے لیے دشوار ہونے لگا۔ بسمہ کو یوں لگا جیسے آنسوؤں کا ریلا گولا بن کر اس کے گلے میں پھانس بن گیا ہو۔ ان آنسوؤں کو وہ چارونا چار دبانے پر مجبور تھی پھر جب رمضان اور یاسر بارات لے کر آئے اور جس وقت بسمہ کے پہلو میں رمضان اور اسماء کے پہلو میں یاسر کو بٹھایا گیا تو اس پر الگ ہی تبصرے تھے۔

"خوب چاند سورج کی جوڑی ہے اسماء اور یاسر کی۔" ایک خاتون نے توصیفی انداز میں کہا۔

"بسمہ اور رمضان کی بھی تو کہو۔" دوسری خاتون نے کہا اور مل کر کھی کھی کرنے لگیں۔

بمشکل تمام مراحل طے ہوئے اور بسمہ نے اپنے گھر رخصت ہو کر سکھ کا سانس لیا۔ کلثوم رمضان کی بڑی آپا نے اس کا استقبال کیا اور اسے اس کی خواب گاہ تک پہنچایا یہاں آ کر بسمہ کو گونا گوں سکون کا احساس ہوا تھا۔

"کم از کم یہ میرا اپنا آشیانہ ہے خالصتاً میرا یہاں مقابلے بازی کی کوئی فضا نہیں ہوگی۔" خوب پروٹوکول ملا تھا۔

اچانک بسمہ نے خود کو ہلکا پھلکا محسوس کیا پھر جب رونمائی میں رمضان نے اس کو سونے کی موٹی موٹی چوڑیاں پہنائیں تو وہ خوشی سے سرشار ہوگئی اور رمضان کے سخت بازوؤں کے حصار کی گرفت میں وہ کسمسا کر رہ گئی۔

"رمضو...... اس قدر بُرا بھی تو نہیں۔" بسمہ کے دل سے صدا آ گئی۔

اگلے چند دن دعوتوں کی نذر ہوگئے رمضان کا حلقہ احباب بے حد وسیع تھا۔ ہر دن کسی نئی جگہ پر وہ لوگ دعوت پر مدعو ہوا کرتے تھے بسمہ کے لیے زندگی کے یہ رنگ بہت انوکھے اور دلفریب تھے۔ رمضان بھی اس کے ایک اشارے پر ہر شے نچھاور کر دیا کرتا تھا۔ زندگی کے کتنے سال وہ محرومی اور گھٹن میں جی چکی تھی مگر اب شاید خوشیوں اور آسودگی نے اس کے در پر دستک دے ڈالی تھی اور وہ شاد و فرحاں تھی پھر رمضان نے باقاعدہ کام پر جانا شروع کر دیا۔ بسمہ کے پاس مصروفیت کے لیے کچھ کام نہ تھا۔ کام والی صفائی ستھرائی کر جاتی تھی جیسا کہ شادی سے قبل یہاں کام والی کی صفائی کا معمول تھا کیونکہ رمضان اکیلا تھا اور صفائی ستھرائی اور اوپر کے کاموں کے لیے کام والی رکھی تھی اور کھانا وہ اکثر باہر ہی کھا آتا تھا اور کبھی کبھار اس کی آپا جو تین چار گلیاں چھوڑ کر ہی رہتی تھیں رمضان کو پکا دیا کرتی تھیں مگر یہ سب تو شادی سے قبل کے معاملات تھے مگر اب اس کی بھی حاجت نہ رہی تھی۔ آپا سمجھ گئی تھیں کہ گھر والی گھر آ چکی ہے اور رمضان اب اکیلا نہیں ہے، مگر بسمہ کو کام کاج سے کچھ خاص رغبت نہ تھی۔

شادی سے قبل بھی اسماء یا اماں ہی گھر کے کام کرتی تھیں وہ کام کی چور تھی اور اتنے دن ہونے والی دعوتوں نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔ اب اس کا قطعاً کچن

میں جا کر ہنڈیا چڑھانے کا دل نہ کرتا تھا' پڑی سارا دن اینڈتی رہتی تھی۔ رمضان بھی ابھی تک ناز نخرے اٹھا رہا تھا' آتے ہوئے بازار سے نان کباب' کبھی نان حلیم اور کبھی بسمہ کی فرمائش پر چکن روسٹ لے آتا۔ بسمہ کے ناز و انداز جاری تھے' رمضان بھی بسمہ کے ناز اٹھا رہا تھا کیونکہ وہ بھی تنہائی کا شکار رہا تھا۔

اب ہر شام جب بسمہ بجی سنوری ملتی تو وہ اپنے اندر خوشی کا جہان آباد پاتا تھا مگر کبھی کبھی رمضان کا بھی دل کرتا تھا کہ بسمہ بھی اس کے ناز اٹھائے۔ اس کا ایک ایک کام اپنے ہاتھوں سے کرے جب وہ تھکا ہارا گھر آئے تو اپنی فرمائشوں کی لسٹ گنوانے کی بجائے اس کے لیے چائے لائے۔ اس کے پاس بیٹھے اور دن بھر کی مصروفیات کا احوال دریافت کرے۔ کبھی اس کا من پسند کھانا بھی پکائے' درحقیقت کھانا پکانا تو بہت دور کی بات وہ تو رمضان کی پسند اور ناپسند تک سے ناواقف تھی اور نہ ہی بسمہ نے اس کی پسند جاننے کی سعی کی تھی۔ بسمہ کے یہی تیور رہتے اگر ایک دن کلثوم آپا کی آمد نہ ہو جاتی۔ کلثوم آپا کے پاس بھی گھر کی چابی ہوا کرتی تھی' ایک دن دوپہر کے وقت کلثوم آپا آئیں تو گھر کی ناگفتہ حالت دیکھ کر چکرا کر رہ گئیں۔ کلثوم آپا کو زیادہ دھچکا تب لگا جب بسمہ کو خواب خرگوش کے مزے لوٹتے ہوئے دیکھا' بسمہ کا تو یہی معمول تھا۔

بسمہ کو تو قطعاً علم بھی نہ ہوتا کہ رمضان کب کام پر جاتا تھا۔ رمضان بھوکے پیٹ ہی روزانہ صبح سویرے روانہ ہو جایا کرتا تھا۔ بسمہ کو جگاتا بھی نہیں تھا' ایک آدھ بار جگانے کی کوشش بھی کی تو بسمہ نے سخت برا منایا تب سے رمضان اپنی پہلی والی ٹائمنگ پر آچکا تھا۔

کلثوم آپا کے جگانے پر بسمہ بوکھلا کر جاگ گئی۔ بسمہ کا حلیہ ملگجا سا ہو رہا تھا' رمضان نہانے کے بعد تولیہ بیڈ کی سائیڈ پر ہی رکھ گیا تھا۔ رات کے چائے کے برتن سائیڈ ٹیبل پر جوں کے توں پڑے تھے۔ بسمہ کو وقتی طور پر شرمندگی محسوس ہوئی مگر اس نے کلثوم آپا پر عیاں نہ ہونے دی۔

''بسمہ میں یہ سب کیا دیکھ رہی ہوں' کیا میں تمہیں اپنے پیارے بھائی کے لیے اسی دن کے لیے بیاہ کر لائی تھی کہ وہ بھوکا صبح چلا جائے اور یہ گھر کی حالت؟'' کلثوم آپا کا صدمے کے مارے برا حال تھا۔

''کیا ہوا ہے گھر کو؟'' بسمہ نے سخت ناگواری سے نخوت سے جواب دیا۔

''یہ تم مجھ سے بہتر سمجھتی ہوگی۔'' کلثوم آپا کی بات پر بسمہ کا موڈ سخت آف ہو گیا تھا۔

''دیکھیں آپا...... مجھے یہ پسند نہیں کہ آپ میری ذاتی زندگی میں مداخلت کریں۔ کیا میں کبھی آپ کے گھر آ کر بنا اجازت یوں سوالات کی بوچھاڑ کرتی ہوں۔'' بسمہ نے ہر لحاظ بالائے طاق رکھ کر کہا۔ کلثوم آپا نے سرد آہ بھری۔

''تمہیں کچھ بھی کہنا اور سمجھانا بے کار ہے۔ بسمہ تم جب تک خود ٹھوکر نہیں کھاؤ گی' تمہیں سمجھ نہیں آئے گی۔ میری ایک بات یاد رکھنا یہ میں نند بن کر نہیں بلکہ ایک بڑی بہن بن کر تمہیں سمجھا رہی ہوں۔ مرد کا پیار محبت کا دعویٰ محض تب تک ہی رہتا ہے جب تک اسے چارم دکھائی دیتا ہے جو محض چند دنوں کا ہی ہوتا ہے۔ اس کے بعد گھر گرہستی کرتی ہوئی عورت ہی مرد کی مطلوب نگاہ ہوا کرتی ہے' بناؤ سنگھار تو ہر کوئی کر سکتا ہے۔ اصل خوب صورتی تو کردار اور سوچ کی خوب صورتی ہوا کرتی ہے۔ خود غرض عورت بہت جلد اپنی ہی خود غرضی کی بھینٹ چڑھ جایا کرتی ہے' میں اب چلتی ہوں۔'' نہ تو بسمہ نے روکا اور نہ ہی آپا نے رکنا تھا۔

شام کو رمضان آیا تو بسمہ نے ذکر تک نہ کیا کہ اس کی آپا آئی تھیں۔ رمضان نے اسے بتایا کہ یاسر کا فون آیا تھا' کل شام ویک اینڈ پر یاسر اور اسماء نے دونوں کو رات کھانے پر مدعو کیا تھا۔ بسمہ ایک دم ہی بہت پرجوش ہو گئی تھی کیونکہ یہی موقع تھا اسماء کو دکھانے کا کہ وہ اپنی گھر گرہستی میں کس قدر خوش حال اور آسودہ ہے۔ بسمہ اگلی

اقراء بی بی

السلام علیکم! تمام آنچل اسٹاف' ریڈرز اینڈ رائٹرز کو اقراء بی بی کی طرف سے سلام۔ ناچیز کو اقراء بی بی کہتے ہیں' تاریخ پیدائش 27 جولائی ہے اس لحاظ سے میرا اسٹار لیو ہے۔ فیملی کے لحاظ سے اعوان فیملی سے تعلق ہے۔ ہم سات بہن بھائی اور امی ابو سمیت نو افراد تھے مگر ابو کی وفات ہوگئی اور وہ ہمیں نو سے آٹھ کر کے وہاں چلے گئے جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا' اللہ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے آمین۔ بیکری آئٹمز' آئس کریم' پیزا' چاٹ' گول گپے ایسی چیزیں بہت پسند ہیں۔ خزاں کا موسم بہت پسند ہے۔ ڈوبتا سورج اور مغرب کا ٹائم بہت اٹریکٹ کرتے ہیں' کلرز میں پنک' بلیک' وائٹ' پرپل اور ہلکے کلرز پسند ہیں۔ گھر میں لانگ شرٹ اور ٹراؤزر استعمال کرتی ہوں۔ جیولری میں بریسلیٹ' انگوٹھیاں اور کانچ کی چوڑیاں پسند ہیں۔ میک اپ میں آئی میک اپ' ڈیکوریشن کی چیزوں میں گڑیا' لیمپ' بھالو وغیرہ بہت پسند ہیں۔ پسندیدہ خوشبو' مٹی' موتیا اور چنبیلی کی ہے۔ پسندیدہ ہستی نبی پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر فاروقؓ۔ پسندیدہ ناول ''جنت کے پتے'' پسندیدہ شاعر علامہ اقبال۔ گھر میں میری اپنی سسٹر نائلہ کے ساتھ بہت بنتی تھی مگر اب وہ مجھے بہت کم ٹائم دیتی ہے بھئی شادی جو ہوگئی اس کی۔ تمام بہنوں سے التجا ہے کہ دوسروں کے ساتھ ساتھ آپ اپنی عزت کرنا بھی سیکھیں کیونکہ جب آپ اپنی عزت کرنا سیکھ جاتے ہیں تو آپ دوسروں کی اور دوسرے آپ کی عزت کرنا سیکھ جاتے ہیں' اللہ حافظ۔

صبح جلد اٹھ گئی' دوپہر سے ہی شام کی تیاری میں لگ گئی۔ کپڑوں کا انتخاب ہی بسمہ کے لیے ایک دشوار طلب مسئلہ بن گیا تھا بالآخر اس نے سب سے بھاری بھرکم کام والا سوٹ منتخب کیا' خوب دل لگا کر وہ تیار ہوئی اور انتہائی وزنی سونے کا سیٹ زیب تن کیا' ڈارک میک اپ کیا' رمضان بسمہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

رمضان کی موٹر سائیکل پر بسمہ یوں سوار ہوئی جیسے وہ کسی ریاست کی شہزادی ہو' گردن اکڑائے تفاخر سے راستے پر نظریں ٹکائے ہوئے وہ مسکرا رہی تھی۔ موٹر سائیکل اسماء کے گیٹ پر جا کر رکی تو بسمہ نے دل کی دھڑکن تیز ہوتی محسوس کی۔ دروازہ یاسر نے کھولا' سفید کرتا شلوار میں یاسر نہایت نکھرا نکھرا اور وجیہہ لگ رہا تھا۔ بسمہ کی نگاہ رمضان پر تقابل میں اٹھی۔ رمضان اسی ملگجے سے حلیے میں ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ بسمہ نے اپنی تیاریوں میں رمضان کے متعلق تو سوچا بھی نہ تھا' بسمہ نے سخت کوفت محسوس کی۔ یاسر کے چوڑے چکلے شانے پُروجاہت سراپا اور رمضان کا دبتا ہوا رنگ' معمولی نین نقش اور بوٹا سا قد۔ بسمہ نے دل میں سرد آہ بھری' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی دونوں کا موازنہ کرنے پر مجبور تھی۔

اسماء کی ساس اور سسر نے خوشدلی سے استقبال کیا تبھی اسماء بھی ٹرے میں مشروبات سجائے آ گئی' سبز چکن کے سوٹ میں ملبوس اسماء بالوں کو چٹیا کی شکل میں گوندھے نہایت سادے حلیے میں تھی۔ زیور کی شکل میں صرف ایک لاکٹ اس کے گلے میں تھا اور کانوں میں بالیاں بھی نہ تھیں مگر اس کی سادگی میں بھی اس کا حسن ماند نہ ہوا تھا بلکہ جب اسماء نے یاسر کو گلاس پکڑایا تو یاسر نے کس قدر محبت پاش نظروں سے اسماء کو دیکھا وہ بسمہ کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکا تھا اور اسماء یاسر کی نگاہوں کی تپش محسوس کر کے شرما کر ہٹ گئی تھی۔ ایک مکمل خوش حال گھرانے کا نقشہ سامنے تھا۔

تھوڑی دیر باتوں کا سلسلہ چلا پھر اسماء نے کھانا دستر خوان پر لگایا تو سب وہیں جمع ہوگئے۔ بسمہ کے لیے اتنے بھاری بھرکم لباس کے ساتھ نیچے بیٹھنا سخت مشکل ہو رہا تھا۔ شکستہ پاؤں کے ساتھ بسمہ بیٹھ گئی' اسماء

خوشدلی سے ماتھے پر بل لائے بنا کبھی ساس اور کبھی سسر کے آگے کھانا پیش کررہی تھی۔ اسماء نے اس قدر لذیذ کھانے پکائے تھے کہ بسمہ بھی اپنا ہاتھ نہ روک پائی اور بریانی کی دوسری پلیٹ بھرلی۔ کباب نہایت مزے دار تھے ہر شے میں اسماء کے ہاتھ کی لذت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ سب نے کھانے کی نہایت تعریف کی۔

کھانے کے بعد جب اسماء چائے ٹرے میں سجائے لیے چلی آئی تو اسماء کی ساس نے اسماء کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے دعا دی۔

"جب سے اسماء بہو بن کر ہمارے گھر میں آئی ہے اتنا سکھ دیا ہے اس بچی نے ہمیں۔ الفاظ کم ہیں اس کی سعادت مندی کی تعریف میں۔" سسر بھی اس کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔

"واقعی اسماء باجی بہت اچھی ہیں۔" رمضان نے بھی کھلے دل سے تعریف کی۔ بسمہ واش روم کی جانب گئی اسے میک اپ سے وحشت سی ہورہی تھی وہ میک اپ کم کرنے گئی۔ واپسی پر وہ اپنے نام پر رک سی گئی، ڈرائنگ روم میں اسی کا ذکر ہورہا تھا۔

"آنٹی آپ دعا کریں میری بیگم کو بھی میرا خیال آجائے، سچ کہوں تو شادی کے بعد بھی میرے معمولات زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ آج اتنے عرصے کے بعد میں نے گھر کا پکا اتنا لذیذ کھانا کھایا ہے اسماء بہن آپ ہی اپنی باجی کو کچھ سمجھاؤ کبھی تو ہمیں بھی گھر کا کھانا نصیب ہو۔" رمضان کے لہجے میں حسرت ہی حسرت تھی، یہ رمضان وہ رمضان تو نہ تھا جو ہر پل اس کی تعریف کیا کرتا تھا۔ یہ رمضان اس رمضان سے یکسر مختلف تھا، اصل مرد جو گرہستی کا سکھ پانے کا خواہاں تھا۔

"رمضان بھائی...... آپ فکر مت کریں، اسماء کو میں چند دن کے لیے آپ کی طرف بھیج دیتا ہوں، وہ بسمہ آپا کو سمجھا اور سکھا بھی دے گی۔" یاسر نے کھلے دل سے آفر کی۔

"رمضان بھائی...... اسماء نے تو شادی کے اگلے دن سے ہی گھر گرہستی سنبھال لی۔ میری امی تو ہر وقت اسماء کے ہی گن گاتی رہتی ہیں۔" یاسر کے لہجے میں اسماء کے لیے کس قدر مان، پیار تھا، فخر سے لبریز سرشار سا لہجہ تھا جس سے بسمہ کے دل میں جیسے کچھ ٹوٹ سا گیا تھا۔ اس کا زعم زر و دولت کس قدر اونچائی سے گرا تھا۔
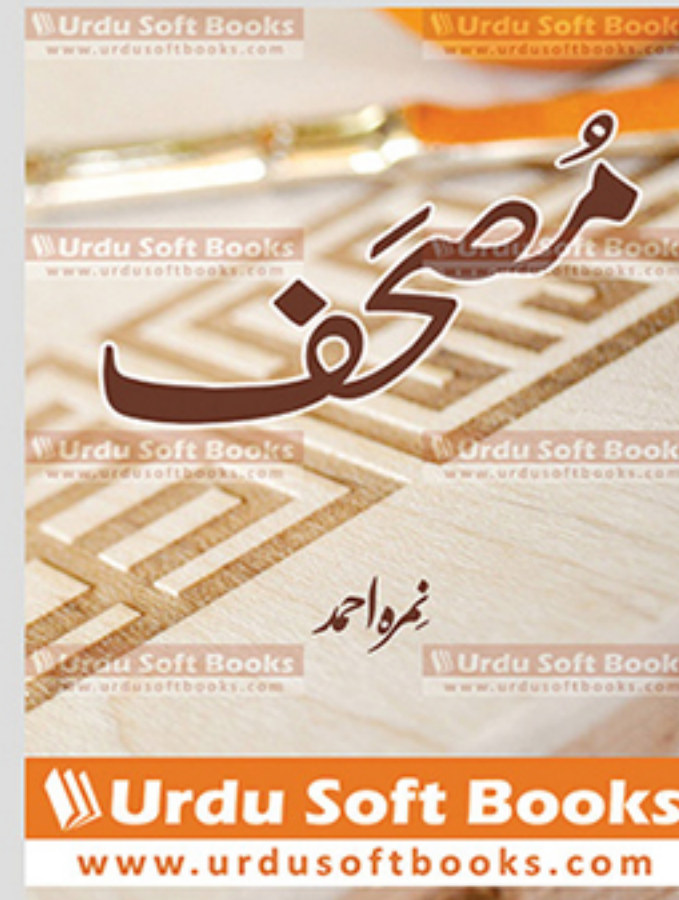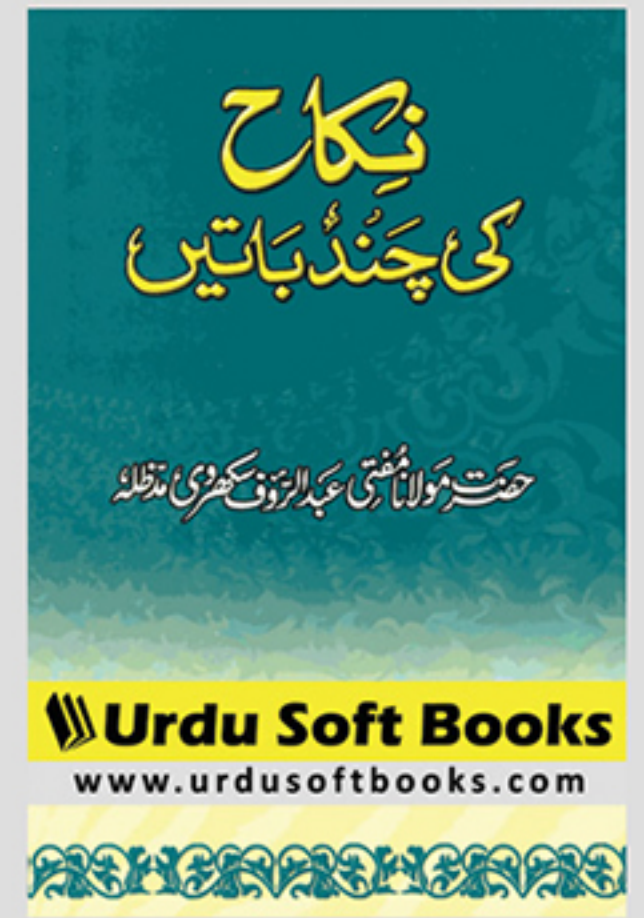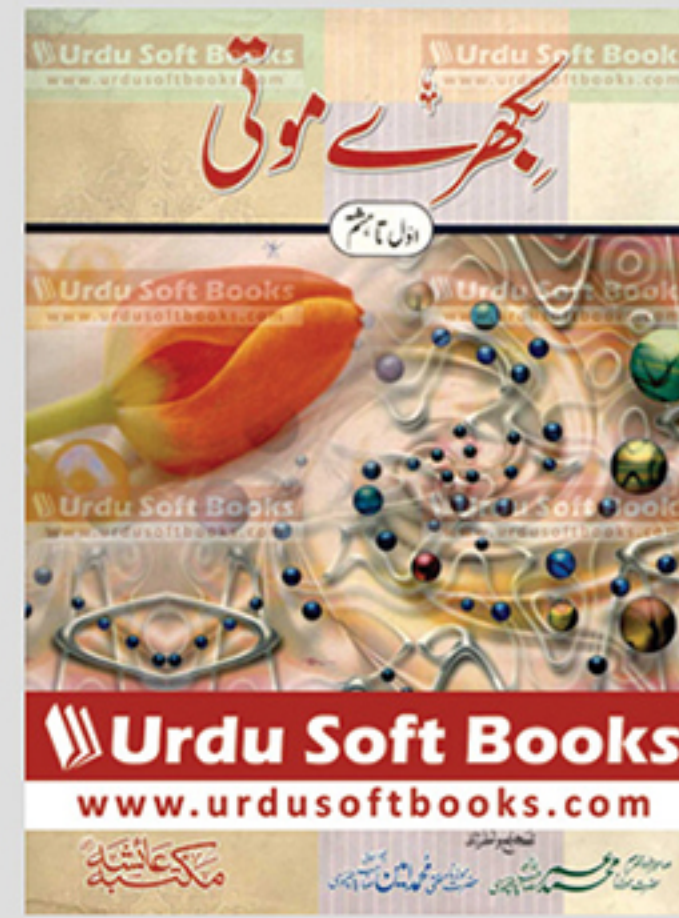
"سچ تو یہ ہے کہ اسماء کی شکل و صورت تو ہمیں بھائی ہی تھی مگر اصل میں ہم سب اس کے اخلاق کے گرویدہ ہوئے ہیں، خوب صورتی کی کمی کو تو اخلاق پورا کرسکتا ہے مگر سچ میں رمضان بھائی اخلاق کی کمی کو کبھی بھی خوب صورتی پورا نہیں کرسکتی۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ ہمیں اسماء ملی۔" یاسر نے چاہ سے کہا۔

یاسر کے الفاظ بسمہ کے کانوں میں گونجنے لگے۔ اس نے پردے کی اوٹ سے یہ سارا منظر دیکھا اور سنا اور خود سے عہد کرنے لگی کہ وہ بھی رمضان کی زندگی میں خوشیوں کے سچے رنگ بھردے گی۔ انمول رنگ، جو احساس کے گھروندے سے بنے ہوں گے۔ ابھی اتنی بھی دیر نہ ہوئی تھی کہ سارے خواب ادھورے رہتے، وہ رمضان کی ہر ضرورت ہر خوشی کا خیال رکھے گی۔ پختہ عہد کرتے ہوئے بسمہ مطمئن سی ہوکر ڈرائنگ روم کی جانب چل دی۔

شبِ ہجر کی پہلی بارش

نازیہ کنول نازی

قسط نمبر 17

میں اس حصار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں
تمہارے پیار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں
رچا ہوا ہے تیرا عشق میری نس نس میں
میں اس غبار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں

گزشتہ قسط کا خلاصہ

زاویار صمید حسن کو فون پر اپنی اور مریرہ رحمان کی ملاقات کا بتاتا ہے اس کے لہجے کی کڑواہٹ کو محسوس کرتے صمید حسن اس پر برہم ہوتے رابطہ منقطع کردیتے ہیں انہیں زاویار کے رویہ پر افسوس ہوتا ہے وہ بڑبڑاتے ہوئے خیالوں کی دنیا میں مریرہ سے معافی مانگتے ہیں۔ پریہان ہوزان کے بتائے ہوئے ایڈریس پر پہنچ جاتی ہے جہاں ہوزان مذہب اسلام سے متاثر ہوکر عمر عباس کا اپنی ماں کے ساتھ دوستی کا بتاتی ہے اور ساتھ ہی زاویار صمید سے اپنی محبت کا اظہار بھی پریہان سے کردیتی ہے ہوزان پاکستان جانا چاہتی ہے تب پریہان اسے پاکستان بھیجنے کی ہامی بھرلیتی ہے پریہان پورے تین ماہ بعد اپنی ماں (سارا بیگم) کو فون کرتی ہے اور ہوزان کو گھر ٹھہرانے کا کہتی ہے۔ شہرزاد صیام سے محبت کا اظہار کرتی ہے اور مریرہ رحمان کا صیام کے گھر والوں سے بات کرنے کا بھی بتاتی ہے جبکہ صیام حیران رہ جاتا ہے اور اس کی غلط فہمی دور کرتا ہے شہرزاد ششدر رہ جاتی ہے ساتھ ہی اسے شرمندگی بھی محسوس ہوتی ہے کہ وہ خوامخواہ میں صیام کی عام بات کو بھی محبت کا رنگ دے رہی تھی، شہرزاد صیام سے معذرت کرتی گھر آجاتی ہے شہرزاد اپنے کمرے میں آ کر رونے لگتی ہے تب درمکنون اس کے پاس آتی ہے جس پر شہرزاد ساری بات اس کے گوش گزار کرتی ہے درمکنون کو اپنے اندر اطمینان اترتا محسوس ہوتا ہے۔ کرنل شیر علی صمید حسن کو کال کرتے سدید کے شہید ہونے کی خبر دیتے ہیں دوسری طرف سدید کی شہادت کی خبر سے عائلہ کا نروس بریک ڈاؤن ہوجاتا ہے وہ پورے تین دن اسپتال میں گردوپیش سے بے خبر رہتی ہے کرنل شیر علی کو وقت نے آہستہ آہستہ ایک ایک حادثے کے ساتھ توڑا تھا مگر وہ پھر بھی چٹانوں کی طرح مضبوط اور حوصلہ مندر ہے لیکن سدید کی شہادت اور اس پر عائلہ کی حالت نے انہیں اچھا خاصہ ڈسٹرب کردیتی ہے تب کرنل صاحب صمید حسن سے عائلہ کے نکاح کی بات کرتے ہیں۔ مریرہ پر زاویار کے لفظوں نے چابک کا کام کیا تھا ماں ہونے کے ناطے وہ زاویار کو سینے سے لگانا چاہتی ہے لیکن زاویار اسے دھتکارتا ہوا چلا جاتا ہے مریرہ کو اس کی بے خبری اور بدگمانی پر افسوس ہوتا ہے۔ مریرہ رحمان کو وہ رات یاد آتی ہے جب وہ درمکنون کو اپنے سینے سے لگائے صمید حسن کے گھر سے نکلی تھی صمید حسن نے زاویار کو ساتھ لے جانے سے منع کردیا تھا اور اب زاویار صمید اسے بدکردار عورت کا خطاب دے گیا تھا۔ سدید ڈوماری فلک شگاف پہاڑی سلسلے میں وہ بے یارومددگار پڑا ہوتا ہے تھکاوٹ اور زخموں سے چور ہوکر اس کی آنکھ بار بار بند ہورہی ہوتی ہیں کچھ پل اسی حالت میں لیٹے رہنے کے بعد اس کی دوبارہ آنکھ لگ جاتی ہے تقریباً تین گھنٹے کے بعد اس کی آنکھ کھلی تو وہ وہاں تنہا نہیں ہوتا۔ عائلہ بستر چھوڑ کر نماز کے لیے اٹھتی ہے تب کرنل صاحب کے کمرے سے کسی چیز کے گرنے کی آواز آتی ہے عائلہ کرنل صاحب کے کمرے میں آتی ہے تو وہ اپنے بستر پر اوندھے منہ پڑے ہوتے ہیں عائلہ ہمسایوں کی مدد سے

کرنل صاحب کو اسپتال پہنچانے میں کامیاب ہو جاتی ہے صمید حسن کرنل صاحب کی خراب طبیعت کا سن کر اسپتال آتا ہے کرنل صاحب صمید حسن سے مریرہ کو ڈھونڈنے کا کہتے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

سنو جب خوش بوئیں اعلان کرتی ہیں
کسی کے لوٹ آنے کا
تو پھر لفظوں میں کیسے لکھ سکیں گے اس کی آمد کی کہانی کو
وفا کی حکمرانی کو......
سنو تم بھی ذرا دیکھو
محبت کی دعائیں مانگتی شب نے
نئے اک سرخرو دن کے سہانے خواب دیکھے ہیں
یہ کیسا خوش نما احساس ہے کہ آئندہ برسوں میں
ہر اک موسم، ہر دن کی دھنک کرنوں کو
ہم اک ساتھ دیکھیں گے
سنو یہ خوش بوئیں اعلان کرتی ہیں

شب کے اڑھائی بج رہے تھے جب زاویار ایئرپورٹ سے گھر پہنچا۔ گیٹ پر موجود چوکیدار دونوں ہاتھوں میں رائفل پکڑے اونگھ رہا تھا ٹیکسی کی ہیڈلائٹس پر وہ ہڑبڑا کر بیدار ہوا اور فوراً مستعد ہوگیا۔ زاویار نے ٹیکسی سے اتر کر کرایہ ادا کیا پھر اپنا بیگ اٹھا کر بنا چوکیدار کو لتاڑتے وہ سیدھا اپنے کمرے کی طرف چلا آیا۔ رات کے اس پہر وہ اپنی وجہ سے کسی کو بھی ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔

اگلی صبح جس وقت اس کی آنکھ کھلی صمید صاحب گھر سے آفس کے لیے نکل چکے تھے، وہ فریش ہو کر نیچے ڈائننگ ہال میں آیا تو سارا بیگم اکیلی ڈائننگ ٹیبل پر موجود ناشتہ کر رہی تھیں۔ وہ قریب چلا آیا۔

''گڈ مارننگ مام۔'' سارا بیگم چونکیں اور پھر زاویار پر نگاہ پڑتے ہی حیران رہ گئیں۔

''زاویار تم......!''

''ہوں۔'' وہ مسکرایا...... سارا بیگم نے اٹھ کر اسے گلے لگا لیا۔

''کیسے ہو، کہاں چلے گئے تھے بنا بتائے۔''

''کہیں نہیں، بس ایک ضروری کام یاد آ گیا تھا تو انگلینڈ پرواز کر گیا آپ سنائیں کیسی ہیں۔؟''

''کیسی ہو سکتی ہوں، جس ماں کے بچے اسے چھوڑ کر چلے جائیں وہ ماں کیسی ہو سکتی ہے۔'' زاویار کا چہرہ دونوں ہاتھوں کے پیالے میں لے کر وہ آنکھوں میں آنسو بھر لائی تھیں جواب میں زاویار نے محبت سے ان کے دونوں ہاتھ تھام کے چوم لیے۔

''میں کہیں نہیں گیا تھا مما، پری بھی آجائے گی جب اسے حقیقت کا پتا چلے گا۔''

''وہ نہیں آئے گی زاویار میں اس کی ماں ہوں، بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں کہ وہ کتنی ضدی ہے۔''

''میں لاؤں گا اسے آئی پرامس۔'' اب وہ ان کے ہاتھ مضبوطی سے دبا رہا تھا سارا بیگم نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا دیں۔

"تم کب آئے۔" وہ اپنی سیٹ پر بیٹھ چکی تھیں زاویار بھی ان کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔
"رات پہنچا تھا بہت تھکا ہوا تھا اس لیے بنا کسی کو ڈسٹرب کیے سو گیا۔"
"ہوں ناشتہ کرو گے۔"
"جی۔" سارا بیگم نے اس کے لیے کپ میں چائے ڈالی۔
"تمہاری ملاقات نہیں ہوئی پری سے لندن میں۔"
"نہیں مام، میں نے اور پاپا نے اسے ڈھونڈنے کی کافی کوشش کی مگر وہ نہیں ملی۔"
"میرے پاس فون آیا تھا اس کا کہہ رہی تھی اس کی کسی دوست کو پاکستان دیکھنے کا بہت شوق ہے لہٰذا ہم اسے یہاں گھر میں ٹھہرالیں کیونکہ اس کا شاید پاکستان میں کوئی جاننے والا نہیں ہے۔"
"یہ پری بھی ناں بس پاگل ہی ہے ہر کسی پر مہربان ہو جاتی ہے۔" سلائس کا بائٹ لیتے ہوئے زاویار نے پری کے لیے اپنی رائے دی۔ سارا بیگم نے اپنا چائے کا کپ خالی کر کے میز پر رکھا۔
"تم ناشتہ کر کے آرام کر لینا، مجھے ذرا اسپتال جانا ہے۔"
"کیوں خیریت؟"
"ہوں خیریت ہی ہے عائلہ کے دادا جی کرنل شیر علی اسپتال میں ایڈمٹ ہیں ان کی دیکھ بھال کے لیے میں اور تمہارے پاپا روزانہ عیادت کرنے جاتے ہیں۔"
"مگر کیوں ان کی پوتی ہے بھتیجی ہے وہ کریں عیادت ہم کیوں کریں ہمارے کیا لگتے ہیں وہ۔"
"ایسے نہیں کہتے زی تمہارے پاپا کو بیٹے کی طرح پالا ہے انہوں نے۔"
"جی ہاں، شاید اسی لیے ان کی بھتیجی انہیں چھوڑ کر کسی اور کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔" وہ تلخ ہو رہا تھا سارا بیگم حیران رہ گئیں۔
"تمہیں کس نے کہا یہ سب؟"
"پاپا نے اور میں جانتا ہوں میرے پاپا کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔" سارا بیگم بے ہوش ہوتے ہوتے بچیں۔
"کیا اسی لیے تم گھر چھوڑ کر چلے گئے تھے؟"
"نہیں گھر سے تو میں ناراض ہو کر گیا تھا میں سمجھتا تھا شاید آپ دونوں نے مل کر میری مما کے ساتھ زیادتی کی ہے اسی لیے میں کتنے ہی دن تک اندر ہی اندر گیلی لکڑی کی مانند سلگتا رہا میں نے سوچ لیا تھا میں پاپا کو اتنا مجبور کر دوں گا کہ وہ آپ کو طلاق دے کر خود مما کو منا کر گھر لائیں گے مگر...... میں غلط تھا حقیقت وہ نہیں تھی جو میں سمجھتا تھا بلکہ حقیقت وہ تھی جو پاپا نے مجھے بتائی۔" وہ جذبات میں اپنے ارادے بھی ظاہر کر گیا تھا۔ سارا بیگم سنسنا اٹھیں۔ اگر واقعی ایسا ہو جاتا تو اس عمر میں وہ کہاں جاتیں ان کا تو کوئی بھی نہیں تھا دنیا میں زاویار شاید ابھی کچھ اور بھی کہتا مگر اس سے پہلے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔
"او کے بیٹا آپ ابھی آرام کرو میں بس تھوڑی دیر میں اسپتال کا چکر لگا کر آتی ہوں۔" ان کے ہاتھوں کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئی تھیں، آنکھوں میں الگ شرمندگی کے رنگ تھے۔ مگر یہ رنگ وہ زاویار کو نہیں دکھانا چاہتی تھیں تبھی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ زاویار مسکرا کر اثبات میں سر ہلا گیا اس کی نظر میں سارا بیگم کا قد بہت اونچا ہو گیا تھا۔

❀ ...... ❀ ...... ❀

ڈوماری کی بلند و بالا چوٹیوں کے دامن میں پڑا اس کا وجود زخموں سے چور چور تھا بدن کے ایک ایک عضو سے ناقابل برداشت درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں تبھی اس نے پھر سے پلکیں موند لیں۔ اس وقت اس کا دل بے حد شدت کے ساتھ بس

ایک ہی دعا کررہا تھا کہ کاش کسی طرح وہ اپنی رجمنٹ تک پہنچ جائے اس کے جسم کا کوئی حصہ مفلوج یا ناکارہ نہ ہو وہ صدیوں اپنے وطن کی سرحدوں کی حفاظت کرے اپنی مٹی کے کام آئے مگر اس بار شاید اس کی دعائیں دربار الٰہی میں قبولیت کا شرف پانے والی نہیں تھیں۔ اس نے پلکیں موندی تھیں اور ساتھ ہی درد کی شدت سے دوبارہ بے ہوش ہوگیا تھا۔ جانے کتنا وقت بیتا تھا۔

اس کی دوبارہ آنکھ کھلی تو وہ ڈوماری کی بلند و بالا پہاڑوں کے دامن کی بجائے ایک تاریک کال کوٹھری نما سیل میں زمین پر پڑا تھا۔ یکبارگی اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

گرفتاری کے خیال نے اس کے پورے وجود میں جیسے چیونٹیاں سی دوڑادی تھیں، اس کے ہاتھ کمر کے پیچھے بندھے تھے جبکہ آنکھوں پر بندھی کالی پٹی سیل کے فرش پر قریب ہی پڑی نظر آرہی تھی۔ شاید نہیں وہ یقیناً گرفتار ہوچکا تھا۔

❁......۞......❁

اس وقت وہ دونوں اسپتال کے کوریڈور میں موجود تھے جب سارا بیگم نے صمید حسن کی طرف دیکھتے ہوئے ان سے پوچھا۔

"آپ نے زاویار کو اس کی ماں کے بارے میں کیا بتایا تھا؟" صمید صاحب کو سارا بیگم سے اس سوال کی توقع نہیں تھی تبھی وہ چونکے۔

"تم یہ سوال کیوں پوچھ رہی ہو۔"

"ضروری ہے اس لیے۔"

"یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں ہے سارا۔" وہ مضطرب ہوئے تھے تبھی انہوں نے پہلو بدلا تھا۔ سارا بیگم کا لہجہ مزید سپاٹ ہوگیا۔

"جانتی ہوں یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں ہے مگر زاویار کے منہ سے اپنی ماں کے لیے غیر مناسب الفاظ سن کر بہت حیران ہوں میں۔ اس کا کہنا ہے کہ آپ نے اسے اس کی ماں کے غلط کردار کے بارے میں بتایا ہے مجھے یقین نہیں ہو رہا بھلا آپ مریرہ کے لیے کچھ بھی غلط کیسے کہہ سکتے ہیں۔" وہ اپنی الجھن زیادہ دیر تک قائم نہیں رکھ سکی تھیں۔ صمید حسن کی شرمندگی مزید بڑھ گئی وہ بولے تو ان کا لہجہ بے حد شکستہ تھا۔

"مریرہ رحمان کے بیٹے کو کھو جانے سے بچانے کے لیے اس کی ذات پر کیچڑ اچھالنا ضروری تھا۔" وہ وضاحت نہیں دے رہے تھے۔ صرف اپنا دفاع کررہے تھے۔ سارا بیگم گہری سانس بھر کر رہ گئیں، مریرہ رحمان کے لیے صمید حسن کی محبت ان کی سمجھ میں آنے والی نہیں تھی۔

❁......۞......❁

اس رات صمید حسن جان بوجھ کر رات دیر تک گھر نہیں لوٹے تھے۔ زاویار نے کچھ دیر ان کی گھر واپسی کا انتظار کیا پھر گاڑی نکال کر سیدھا ان کے پاس آفس چلا آیا۔ چاندنی رات اور سرد ہواؤں کے سنگم سے فضا میں عجیب سی چاشنی بکھیر رہی تھی، ہر سو پھیلی خاموشی کے جنگل میں صمید حسن تنہا اپنے کمرے میں موجود جانے کن بھول بھلیوں میں گم تھے۔ وہ ان کے مقابل آبیٹھا۔

"پاپا......" وہ چونکے اور پھر زاویار پر نگاہ پڑتے ہی ان کی آنکھوں میں جیسے چمک اتر آئی تھی فوراً سے پیشتر اپنی سیٹ سے اٹھ کر وہ خاصی گرمجوشی کے ساتھ اس سے گلے ملے تھے۔

"کب آئے۔"

"کل رات۔"

"کل رات......!" انہوں نے اچنبھے سے دہرایا تو وہ مسکرا دیا۔

"ہوں کل رات، صبح آنکھ لیٹ کھلی تو آپ گھر سے آفس کے لیے نکل چکے تھے میں نے گھر پر ہی کافی ویٹ کیا لیکن آپ نہیں آئے تو مجبوراً یہاں چلا آیا۔" مکمل وضاحت دے کر وہ ان کے سامنے دھری کرسی پر ٹک گیا۔

"چلو اچھا کیا۔" خفیف سا سر ہلاتے ہوئے صمید حسن بھی اپنی سیٹ پر بیٹھ گئے۔

"میں جانتا تھا میرا بیٹا میرے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا۔" انہوں نے جیسے خود کلامی کی۔ "تم جانتے ہو میں نے تمہیں یوں ایمرجنسی میں پاکستان کیوں بلایا ہے۔"

"نہیں پاپا۔"

"مجھے تمہاری ضرورت پڑ گئی ہے زاویار۔"

"میری ضرورت......!"

"ہوں۔" زاویار کی حیرانگی پر صمید حسن نے پُرسوچ انداز میں خفیف سا سر ہلایا۔

"حکم کریں۔"

"اپنے باپ کے لیے کیا کرسکتے ہو تم زاویار۔" اب ان کی نظریں زاویار کے چہرے پر گڑی تھیں وہ پریشان ہوگیا۔

"آپ ایسا کیوں پوچھ رہے ہیں پاپا، سب ٹھیک تو ہے۔"

"ہوں۔"

"میں جان دے سکتا ہوں اپنے پاپا کے لیے۔"

"مجھے تمہاری جان نہیں چاہیے۔"

"تو پھر......"

"نکاح کرسکتے ہو اپنے پاپا کے لیے۔" وہ ماہر کھلاڑی تھے اور اسی مہارت سے پتے پھینک رہے تھے زاویار شاکڈ سا انہیں دیکھتا رہ گیا۔

"نکاح......!"

"ہوں نکاح۔"

"مگر کیوں اور کس سے؟"

"میں نے کسی کو زبان دی ہے اس لیے۔" اس کے کیوں کا جواب انہوں نے دے دیا۔

"مگر پاپا......"

"اگر مگر نہیں زاویار صاف اور سیدھے بتاؤ اپنے پاپا کے لیے اپنے پاپا کی عزت اور زبان کے لیے اس کی منتخب کی ہوئی کسی لڑکی سے شادی کرسکتے ہو یا نہیں۔"

"شادی تو کرسکتا ہوں مگر پاپا یہ ٹھیک نہیں ہے۔"

"جانتا ہوں۔" زاویار کے اضطراب پر انہوں نے گہری سانس بھری تھی۔ "میں جانتا ہوں شادی بیاہ کے معاملات ایسے طے نہیں کیے جاتے اس کے لیے دلی اور دماغی رضامندی بہت ضروری ہوتی ہے مگر میرے بیٹے یہ ایک مرتے ہوئے انسان کو تسلی دینے کے لیے بہت ضروری ہے یوں سمجھ لو کسی کے زندگی بھر کے احسانوں کا قرض چکانے کا وقت آگیا ہے۔"

”کہو..... کہیں آپ کرنل صاحب کی بات تو نہیں کررہے.....؟“

”ہوں۔“

”نہیں پاپا ایم سوری۔ میں اس جنگلی لڑکی سے شادی کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا اس سے شادی سے بہتر ہے آپ اپنے ہاتھوں سے مجھے گولی ماردیں۔“

”یہ شادی نہیں ہوگی زاویار صرف ایک سودا طے کررہا ہوں میں تمہارے ساتھ اس وقت تک کے لیے جب تک مجھے عائلہ کے لیے اس کے لائق کوئی بہترین لڑکا نہیں مل جاتا یوں سمجھو تو یہ صرف پیپر میرج ہے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے مگر صرف میں ہی کیوں پاپا کوئی اور کیوں نہیں؟“ وہ ابھی بھی جھنجلا رہا تھا صمید حسن نے تھک کر پلکیں موند لیں۔

”کسی اور پر اعتبار نہیں ہے مجھے۔“ اپنے تئیں انہوں نے بات ختم کردی تھی۔ زاویار کے پاس فرار کا کوئی راستہ باقی نہ رہا زندگی میں جو کچھ اس کے باپ نے اس کے لیے کیا تھا اور اسے دیا تھا اس کے مقابلے میں پیپر میرج کی یہ قربانی بہت چھوٹی تھی۔

❀......۞......❀

سلگتے صحرا کو چھوڑ کر میں......
عجیب آب و ہوا میں آیا
جو پھول تھے وہ بکھر چکے تھے
وہ چاند چہرے اتر چکے تھے
میں خواب دیکھوں تو کس کے دیکھوں؟
تمام موسم بکھر چکے تھے
اداسیوں کی جو سرزمیں تھی
وہی مقدس شناس نکلی
جسے میں لڑکی سمجھ رہا تھا
وہ ایک زندہ سی لاش نکلی

وہ ایک سرد ترین رات تھی۔ آتش دان سے بیرونی دروازے تک آتے آتے اس کا پور اوجود جیسے سنسنا اٹھا تھا مسلسل جاگنے سے آنکھیں الگ سرخ ہورہی تھیں۔ دستک دوبارہ ہورہی تھی۔ مریہ جانتی تھی کہ اس وقت اس کے دروازے پر کون ہوسکتا ہے تبھی اس نے بنا تصدیق کیے دروازہ کھول دیا۔ ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی اسے ایک سچے غمگسار کی ضرورت تھی اور وہ پہنچ گیا تھا۔ باہر طوفانی ہواؤں اور برف نے سارے لندن کو جیسے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا عمر عباس نے اندر داخل ہوتے ہی اپنی لیدر کی جیکٹ سے برف کے چھوٹے چھوٹے ذرات ہٹائے تھے۔ مریہ نے دروازہ بند کرکے اپنے آنسو صاف کرلیے، تبھی وہ بولا تھا۔

”لندن شہر میں آج بہت ٹھنڈ پڑرہی ہے جانتی ہو کیوں؟“ چلتا چلتا وہ رکا تھا مگر مریہ نے سر اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھا۔

”نہیں۔“

”اس ٹھنڈ کی وجہ تم ہو مریہ ہر وقت کسی پرنالے کی طرح آنسو جو بہاتی رہتی ہو۔“ وہ شاید اس کی بھیگی آنکھیں دیکھ چکا

تھا۔ مریرہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"طبیعت ٹھیک ہے تمہاری۔"

"ہوں۔"

"تو پھر مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔"

"پتا نہیں۔"

"کیا بات ہے میرو کیا تم ناراض ہو مجھ سے۔"

"نہیں۔"

"نہیں تو پھر ایسے بات کیوں کررہی ہو۔"

"پتا نہیں۔" وہ اندر سے ڈسٹرب تھی۔ عمر لب بھینچتا آتش دان کے قریب کرسی پر ٹک گیا۔

"کیا ہوا ہے، بتاؤ مجھے۔"

"کچھ نہیں ہوا تم کیوں آ گئے ہو میرے ضبط کا امتحان لینے کے لیے۔" اس بار وہ نا چاہتے ہوئے بھی رو پڑی تھی۔ عمر کے دل میں جیسے کسی نے سوئی چبھو دی۔

"تمہیں میرا اس وقت یہاں آنا برا لگا ہے۔"

"ہاں۔" سرخ ناک کو دوپٹے سے رگڑتی ہوئی وہ اسے بیس سالہ پرانی مریرہ لگی تھی۔ تبھی وہ سنجیدہ ہوا تھا۔

"اپنا قصور جان سکتا ہوں میں مریرہ۔" کتنے سالوں کے بعد اس نے اس کا پورا نام لیا تھا۔ وہ خاموش کھڑی رہی۔ کتنے ہی لمحے یونہی بیت گئے تھے جب وہ بولی۔

"میں چاہتی ہوں تم آج کے بعد مجھ سے کوئی تعلق نہ رکھو، میں جیوں مروں تمہاری بلا سے۔" کسی کا غصہ وہ کہیں نکال رہی تھی۔ عمر نے لب بھینچ لیے۔

"ٹھیک ہے اور کچھ؟" مگر اس نے اور کچھ بھی کہنے کی بجائے پھر خاموشی کی بکل مار لی تھی۔ عمر کے اندر دھواں بھرنے لگا۔ وہ اٹھا تھا جب مریرہ نے سسکیوں کے ساتھ رونا شروع کردیا۔

"میں چلا جاؤں گا میرو، کبھی تم سے کانٹیکٹ بھی نہیں رکھوں گا مگر اتنا تو بتا دو بات کیا ہوئی ہے آخر کس نے ہرٹ کیا ہے تمہیں۔" مگر اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے وہ پھر شدت سے رونے لگی تھی عمر نے اسے کرسی پر بٹھا دیا۔

"یہاں بیٹھو اور رونا بند کرو شاباش۔" اب وہ پرانی جون میں پھر لوٹ آیا تھا مریرہ نے گال رگڑ لیے۔

"کیا صمید سے ملی ہو تم؟" اس کے سر پر کھڑا وہ پوچھ رہا تھا جب مریرہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں۔"

"تو پھر......؟"

"اس کا بیٹا ملا تھا مجھے کل۔ اس کا کہنا ہے کہ اس کی ماں یعنی کہ میں ایک بدکردار عورت ہوں میں نے اپنے عاشق کے لیے اس کے باپ کو اسے اور اس کے گھر کو چھوڑا تھا۔"

"ویری گڈ تم نے منہ نہیں توڑا اس کا۔"

"اس کا قصور نہیں ہے عمر اس کے دماغ میں یہ سب ڈالنے والی مسز حسن ہے یا پھر صمید حسن جس سے شادی میری زندگی کی سب سے بڑی فاش غلطی تھی۔"

"ہوں اور اسی لیے تم نے فیصلہ کرلیا کہ تم اب مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھو گی۔"

"میں خود پر الزام برداشت نہیں کرسکتی عمر۔"
"کیسا الزام، ایک ایسا شخص جس نے تمہیں سوائے دکھ کے کچھ اور دیا بھی نہیں جس نے تم سے تمہارا سب کچھ چھین لیا تمہاری عزت نفس بھی اسی شخص کی گھٹیا سازش کو تم خود پر الزام کہہ رہی ہو، وہ تم سے بدلہ لے رہا ہے میرو تمہاری اولاد کو تمہارے ہی خلاف کھڑا کرکے تمہیں شکست دینا چاہ رہا ہے اور تم شکست کھا رہی ہو۔"
"تو میں اور کیا کروں۔"
"صبر کرو وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا۔" عمر کے لہجے میں سختی تھی۔ مریہ نے کرب سے پلکیں موند لیں۔ آتش دان میں انگارے دہک رہے تھے مگر پھر بھی سردی جیسے ہڈیوں میں گھستی جارہی تھی بھیگا ہوا چہرہ مسلسل رونے سے سرخ پڑ گیا تھا مگر اندر جلتی آگ کی تپش میں کوئی کمی واقع نہیں ہوسکی تھی۔
"لندن میں کب تک ہو۔" کمرے میں چھائی چند لمحوں کی خاموشی کے بعد عمر نے پوچھا...... جب وہ بولی۔
"کل صبح کی پہلی فلائٹ سے پاکستان جارہی ہوں میں۔"
"ہوں اچھی بات ہے شہرو کا خیال رکھنا بانو بھابی انگلینڈ واپس آ گئی ہیں۔"
"ٹھیک ہے۔"
"اب چلتا ہوں میں۔ اپنا خیال رکھنا۔" اگلے ہی پل کہتے ہوئے وہ پلٹ گیا تھا مریہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔
"عمر......" وہ رکا تھا مگر اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔
"ایم ویری سوری عمر میں نے پتا نہیں جذبات میں کیا کیا کہہ ڈالا تمہیں۔"
"کوئی بات نہیں۔ تمہاری جذباتیت کا عادی ہوں میں۔"
"شکریہ۔"
"خدا حافظ۔" وہ چلا گیا تھا مریہ نے بیرونی دروازہ لاک کرکے خود کو پھر سے اسی کرسی پر گرا لیا جو تھوڑی دیر پہلے اس کے تصرف میں تھی۔ بھیگی ہوئی اس رات نے ابھی جانے اس کے کتنے زخموں کو ادھیڑنا تھا۔

❀......۞......❀

اس روز کافی دیر تک بارش ہوتی رہی تھی۔ درمکنون اس روز صیام کے ساتھ سائٹ پر آئی تھی واپسی میں نا چاہتے ہوئے بھی تاخیر ہوگئی تھی بارش کے باعث سڑکیں تقریباً سنسان پڑی تھیں۔ درمکنون نے اس وقت باریک کریپ کا سی گرین کلر کا سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا جبکہ صیام گرے پینٹ کے ساتھ سفید شرٹ میں ملبوس تھا۔ صیام کی فل توجہ ڈرائیونگ پر تھی جبکہ درمکنون اپنے موبائل کے ساتھ مصروف تھی جب گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔ صیام نے دوبارہ اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا بھی مجبوراً اسے گاڑی سے باہر نکلنا پڑا تھا۔
"میں چیک کرتا ہوں۔" درمکنون نے اثبات میں سر ہلایا۔ موبائل گیم سے اس کی توجہ ہٹ کر اب گاڑی کی طرف مبذول ہوگئی تھی ایک تو ہر طرف پر پھیلاتی رات کی تاریکی اوپر سے خراب موسم اور سنسناہٹ اس کا پریشان ہونا فطری بات تھی۔ صیام بونٹ کھول کر انجن پر جھکا اور چند لمحوں کے بعد سر اٹھا کر اس نے درمکنون کو بتایا جو ابھی تک گاڑی میں بیٹھی تھی۔
"انجن گرم ہوگیا ہے آپ تسلی سے بیٹھیں میں ابھی پانی لے کر آتا ہوں۔"
"ٹھیک ہے جلدی آنا۔" اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس نے موبائل ڈیش بورڈ پر رکھا اور خود گاڑی سے باہر نکل آئی۔ فضا میں بے حد ٹھنڈک تھی۔ اس نے بے ساختہ جھرجھری سی لے کر دونوں بازو سینے پر باندھ لیے۔ یہی وہ وقت تھا

جب دو موٹر سائیکل سوار اس کے قریب آ کر رکے تھے سنسان سڑک پر اکیلی لڑکی کو خراب گاڑی کے ساتھ دیکھ کر جیسے ان کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ پچھلا سوار پھرتی سے اترا اور فوراً پسٹل درمکنون پر تان لیا۔

"جان پیاری ہے تو گاڑی کی چابی اور جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے ہمارے حوالے کردو ورنہ یہیں کھڑی کھڑی اللہ کو پیاری ہوجاؤ گی۔" درمکنون کے لیے یہ صورت حال قطعی غیر متوقع تھی تبھی وہ گھبرا گئی تھی۔

"گاڑی خراب ہے۔"

"ہم چلالیں گے نکالو چابی۔" پسٹل تان کر کھڑے لڑکے نے رعب سے کہا تو اس نے جلدی سے جھک کر گاڑی کی چابی کے ساتھ ساتھ اپنے پرس میں موجود رقم بھی ان کے حوالے کردی۔ صیام پانی لے کر آیا تو وہاں منظر ہی بدلا ہوا تھا۔

"ہینڈز اپ۔" اسے قریب آتے دیکھ کر لڑکے نے اس پر پسٹل تان لیا تھا جواب میں پانی والی بوتل نیچے گراتے ہوئے اس نے ہاتھ کھڑے کرلیے۔ موٹر سائیکل پر سوار لڑکے نے اسی اثنا میں خاصی ہوشیاری دکھائی اور پانی کی بوتل اٹھا کر گاڑی کے بونٹ پر جھک گیا۔ اگلے کچھ ہی لمحوں میں گاڑی اسٹارٹ ہوگئی تھی۔

"چل آجا۔" پہلے لڑکے نے پسٹل تانے کھڑے لڑکے کو اشارہ کیا تھا جب وہ بولا۔

"چلتے ہیں یار اتنی بھی کیا جلدی اصل کیش تو ہم یہیں چھوڑ کر جارہے ہیں دیکھتے نہیں کیسا ہوش ربا حسن کھڑا ہے یہاں۔" اس کی میلی شریر نگاہیں اب درمکنون کے شفاف بدن پر پھسل رہی تھیں تبھی بے ساختگی میں اس نے صیام کا بازو تھاما تھا۔ اس کی سرد انگلیوں کی لغزش اس وقت وہ بخوبی محسوس کرسکتا تھا شاید اسی لیے اس کا پارا ہائی ہوا تھا۔

"خبردار...... تمہیں جو چیز بھی درکار تھی مل گئی اب دفع ہوجاؤ یہاں سے۔"

"واہ...... بڑا بہادر انسان ہے بھئی...... موت کو سامنے دیکھ کر بھی ہم ہی پر دھاڑ رہا ہے۔" پسٹل تانے کھڑے لڑکے نے استہزائیہ انداز میں کہا اور پھر اگلے ہی لمحے اس نے درمکنون کا بازو دبوچ لیا۔

"چلو ہمارے ساتھ...... اس بارود سے تو نپٹ لیتے ہیں ابھی۔" اس لڑکے نے درمکنون کا بازو دبوچنا چاہا تھا کہ صیام کے اندر جیسے طوفانوں نے سر اٹھالیا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ لپک کر ایک مکا پسٹل تانے کھڑے لڑکے کی ناک پر رسید کردیا یہ اچانک وار اتنا شدید تھا کہ وہ لڑکا لڑکھڑا کر رہ گیا پسٹل بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا تھا۔ صیام نے موقع ضائع نہیں کیا اور اس کے ساتھی کے گاڑی سے نکل کر سر پر پہنچنے تک وہ اس لڑکے کے چہرے پر اس طرح ضربیں رسید کرچکا تھا کہ وہ اٹھ کر بیٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ کر وہ اب دوسرے لڑکے سے الجھ رہا تھا جو پہلے والے کی نسبت زیادہ ہوشیار اور طاقت ور تھا۔ درمکنون بیری کے پتے کی مانند کانپتی، چیختی رہی تھی اس کی چیخوں کا ہی اثر تھا کہ اگلے دس منٹ کے بعد وہاں اکادکا لوگ جمع ہوگئے تھے۔ صیام دوسرے لڑکے کے ساتھ جھگڑے میں زخمی ہوا تھا مگر اسے اپنے زخموں کی پروا ہی کب تھی۔ اس کا تو بس نہ چلتا تھا کہ وہ ان لوگوں کو مار مار کر ان کا بھرکس نکال دیتا اور شاید وہ ایسا ہی کرتا اگر لوگ درمیان میں نہ آجاتے۔ درمکنون نے دیکھا اس کے دائیں ہاتھ سے بہت زیادہ خون بہہ رہا تھا مگر وہ پروا کیے بغیر گاڑی میں جا بیٹھا تھا۔

"بیٹھ جائیں گاڑی میں۔" انجن اسٹارٹ کرتے ہی اس نے درمکنون سے کہا اور گاڑی ریورس کرلی۔ درمکنون گاڑی میں بیٹھی تو اس کا پورا وجود کانپ رہا تھا صد شکر کہ عزت کے ساتھ ساتھ ساری قیمتی چیزیں بھی بچ گئی تھیں۔ صیام کے دائیں ہاتھ سے خون بہت تیزی سے بہہ رہا تھا جب وہ پریشان ہوتے ہوئے بولی۔

"آپ کا ہاتھ زخمی ہے بہتر ہے آپ گاڑی کسی کلینک کے قریب روک کر پہلے مرہم پٹی کروالیں۔" مگر اس نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ اس وقت بے حد سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا درمکنون کی ندامت بڑھ گئی تھی۔

"ایم سوری مسٹر صیام۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے شاید مجھے گاڑی سے باہر نہیں نکلنا چاہیے تھا مگر آپ اپنے ساتھ زیادتی کیوں کررہے ہیں۔" اس کی نگاہیں بدستور اس کے زخمی ہاتھ پر ٹکی تھیں۔ صیام نے اس کے سوال کا جواب نہایت برق رفتاری سے سڑک کا موڑ کاٹ کر دیا وہ اس کا ملازم تھا اس کی شان میں کسی قسم کی کوئی گستاخی نہیں کرسکتا تھا۔ مگر اندر جو طوفان اٹھے ہوئے تھے ان کے تھمنے میں بھی ابھی وقت لگنا تھا۔ درمکنون کو باحفاظت اس کے گھر ڈراپ کرنے کے بعد وہ خود پیدل ہی وہاں سے روانہ ہوگیا تھا۔ جبکہ وہ اسے روکتی رہ گئی تھی مگر صیام نے پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ شہرزاد اوپر اپنے کمرے کی کھڑکی سے یہ منظر دیکھ رہی تھی درمکنون اندر ہال کمرے میں آئی تو وہ عجیب سودائیوں سے اجڑے حلیے میں صوفے پر بیٹھی بند ٹیلی وژن کو دیکھے جارہی تھی۔ اس کا چہرہ بے حد زرد اور ستا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ درمکنون شکستہ قدموں سے چلتی اس کے قریب آ بیٹھی۔

"اب کیسی طبیعت ہے شہرو۔"

"ٹھیک ہوں۔ تم لیٹ ہوگئیں آج۔"

"ہاں موسم ٹھیک نہیں تھا، سائٹ پر دیر ہوگئی وہاں سے نکلے تو راستے میں ایک چھوٹا سا حادثہ پیش آ گیا۔"

"کیسا حادثہ......؟"

"وہی جو معمول بن چکا ہے ہمارے معاشرے کا۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"گاڑی کا انجن گرم ہوگیا تھا صیام پانی لینے کے لیے گیا تو دو موٹر سائیکل سواروں نے مجھے گھیر لیا ان میں سے ایک بدتمیزی کی کوشش کررہا تھا صیام اس سے الجھ پڑا بہت زخمی ہوا ہے۔"

"ہوں......!" شہرزاد نے اس کی روداد سن کر بے ساختہ گہری سانس بھری۔

"تمہیں پتا ہے دری صیام نے ایسا کیوں کیا؟"

"ہوں......یہ اس کی باس کی عزت کا سوال تھا۔"

"نہیں۔"

"تو پھر......!" اب درمکنون اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شہرزاد کے لبوں پر پھیکی سی مسکان بکھر گئی۔

"اس نے یہ سب اس لیے کیا کیونکہ...... کیونکہ جس لڑکی سے وہ بہت زیادہ محبت کرتا ہے وہ لڑکی کوئی اور نہیں تم ہو دری۔"

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔"

"ہوں۔"

"میری اور اس کی حیثیت میں بہت فرق ہے۔"

"دل دولت اور دنیا کے فرق کو نہیں دیکھتا۔"

"تمہارا دماغ چل گیا ہے شہرو اور کچھ نہیں۔"

"میرا دماغ نہیں چلا۔ میں نے اب اس کی باتوں پر غور کیا ہے اس نے کہا تھا وہ لڑکی اس کے ساتھ آفس میں کام کرتی ہے اور یہ بھی کہ جب اس کے والد کی رحلت ہوئی تو وہ اس کے گھر آئی تھی اس کے آفس کی طرف سے اس کے باپ کی رحلت پر اس کے گھر جانے والا ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔"

"سو واٹ۔ مجھے ان باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا! گر وہ ایسا سوچتا ہے تو یہ اس کے دماغ کا فتور ہے میرے لیے اس

معروف مصنف و کالم نگار مشتاق احمد قریشی کے قلم سے ایک اور شاہکار

پیہم خیال

مشتاق احمد قریشی

شائع ہو گئی ہے

کی حیثیت ایک ملازم کے علاوہ اور کچھ نہیں۔"
"اگر یہی حقیقت ہے تو تم نے اپنا ذاتی فلیٹ اسے کرائے پر کیوں دے رکھا ہے۔"
"ضروری تھا اس لیے اور پلیز تم اب یہ سیاپا ختم کرو کیونکہ اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا۔" تنک کر کہتی وہ فوراً وہاں سے اٹھ گئی تھی پیچھے شہزاد نے آہستہ سے پلکیں موند لیں جانے اسے صبر کیوں نہیں آ رہا تھا۔

کرنل صاحب آئی سی یو سے پرائیویٹ روم میں شفٹ ہو چکے تھے۔ صمید حسن نے عائلہ کو زبردستی آرام کرنے کے لیے سارا بیگم کے ساتھ گھر بھجوا دیا ان دونوں کے اسپتال سے روانہ ہونے کے بعد انہوں نے کرنل صاحب کو بتایا۔
"میں نے عائلہ کے لیے لڑکا تلاش کر لیا ہے اللہ نے چاہا تو آج شام تک نکاح ہو جائے گا۔" کرنل صاحب کی آنکھوں میں ان کی اس بات سے چمک آ گئی تھی۔
"ملنا چاہیں گے آپ اس لڑکے سے۔"
"ہوں۔" صمید حسن کے سوال کا جواب انہوں نے خفیف سا سر ہلا کر دیا تھا جواب میں صمید حسن نے کمرے کے باہر موجود زاویار کو آواز دے ڈالی۔
"یہ رہا لڑکا فی الوقت عائلہ کے لیے مجھے اس سے بہتر کوئی نہیں لگا۔" وہ کہہ رہے تھے اور کرنل صاحب کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو جھلملا اٹھے تھے عائلہ ان کے بعد مریرہ رحمان کے بیٹے کی عزت بن جاتی بھلا اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی تھی زاویار ان کی نظر میں ویسے بھی ایک بہترین لڑکا تھا۔ وہ خوش ہوئے تھے۔ صمید حسن کا ہاتھ دباتے ہوئے انہوں نے اس کا شکریہ ادا کیا تھا صمید حسن کو لگا جیسے انہوں نے کرنل صاحب کے احسانوں کا تھوڑا سا بدلہ چکا دیا ہو۔
عائلہ شام میں اسپتال آئی تو صمید حسن کی پڑھائی ہوئی پٹی کے باعث ڈیوٹی انچارج ڈاکٹر نے اسے اپنے آفس میں بلا لیا۔
"السلام علیکم۔"
"وعلیکم السلام۔ آئیں بیٹھیں۔" عائلہ علوی کے چہرے پر بکھری پریشانی کرنل صاحب کی ذات سے اس کی محبت کی گواہ تھی ڈاکٹر انصاری نے فقط چند لمحوں میں ہی اس کی شخصیت کا جائزہ لے لیا۔
"آپ نے مجھے یہاں بلایا خیریت؟"
"ہوں، کرنل صاحب کی صحت کے بارے میں کچھ ضروری بات کرنی تھی۔"
"جی کہیے سب ٹھیک تو ہے ناں۔"
"ہوں بظاہر تو سب ٹھیک ہے مگر......!"
"مگر......؟"
"مگر کرنل صاحب کی حالت ابھی مکمل طور پر خطرے سے باہر نہیں ہے۔ خدانخواستہ کسی بھی وقت انہیں پھر سے دل کا دورہ پڑ سکتا ہے ایسی صورت حال میں ان کی زندگی کی حفاظت کے لیے انہیں خوش رکھنا بہت ضروری ہے یاد رکھیے کسی بھی قسم کی الجھن یا پریشانی انہیں زندگی سے دور اور موت کے قریب کر سکتی ہے۔"
"جی میں سمجھ سکتی ہوں۔ ان شاء اللہ میں ان کا پورا خیال رکھوں گی۔"
"گڈ۔ آپ جیسی سمجھدار لڑکی سے مجھے یہی امید تھی اب آپ جا سکتی ہیں۔"
"شکریہ۔" خفیف سا سر ہلا کر وہ ڈاکٹر انصاری کے کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ کرنل صاحب کے کمرے میں آئی تو

مسز امتیاز

السلام علیکم! بابدولت 26 تاریخ اکتوبر 1997ء کو اس دنیا میں تشریف لائی اب آجائیں کچھ رائٹرز کی طرف تو جتنے بھی رائٹرز ہیں سب کی کہانیاں پسند کرتی ہوں۔ آنچل سے میری وابستگی 2007ء کو ہوئی کیونکہ میری بڑی بہن بہت پڑھتی تھی یوں ایک دن میں آنچل اٹھا کے پڑھنا شروع کیا۔ 2007ء میں ''شہر چارہ گر'' کی قسطیں آرہی تھیں یوں ایک قسط پڑھی تو دل کو چھو گئی اور اب تک پڑھتی آرہی ہوں۔ ہم پانچ بہنیں اور ایک بھائی ہے اللہ اس کی لمبی عمر کرے میرا نمبر سب سے آخر میں ہے ماشاء اللہ سب شادی شدہ ہیں۔ 18 اکتوبر 2012ء میں میری شادی ہوئی پسند سے میری پھوپو کے بیٹے سے اور ماشاء اللہ دو بچے ہیں بیٹی اور بیٹا۔ بہت حساس ہوں کسی کو دکھ میں نہیں دیکھ سکتی۔ وائٹ کلر میرا پسندیدہ ہے غصے کی بہت تیز ہوں پھر جلد اتر ہی جاتا ہے۔ لمبی قمیص کے ساتھ شلوار اور لمبا سادہ دوپٹہ اوڑھنا پسند ہے۔ بریانی شوق سے کھاتی بھی ہوں ور پکاتی بھی ہوں جی اب رخصت ہوتے ہیں۔ اس دعا کے ساتھ کے اللہ آنچل وحجاب کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین اللہ حافظ

صمید حسن بھی وہیں موجود تھے وہ انہیں سلام کرتی کرنل صاحب کے پاس آ بیٹھی۔

''عائلہ۔'' تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھے کرنل صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے پکارا تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔

''جی بابا۔''

''مجھے سدید کا بہت صدمہ ہے مگر...... اس کی شہادت ہر پاکستانی کے لیے قابل فخر ہے، شہید مرتے نہیں مگر پلٹ کر زندہ حالت میں اپنے رشتوں کے پاس واپس بھی نہیں آتے۔'' عائلہ کے سر پر ہاتھ رکھے رکھے وہ کہہ رہے تھے۔ عائلہ کی آنکھیں روانی سے آنسو لٹاتی رہیں۔

''میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے جانے سے پہلے میں چاہتا ہوں تمہیں کسی کے مضبوط اور محفوظ ہاتھوں میں سونپ دوں کیا تم میری یہ خواہش پوری کروگی۔''

''آپ یہ کیسی باتیں کررہے ہیں بابا خدا آپ کو میری زندگی بھی لگادے۔'' وہ تڑپ اٹھی تھی۔ صمید حسن خاموش تماشائی بنے بیٹھے رہے۔

''میرے سوال کا جواب دو عائلہ، ایک سرپرست کی حیثیت سے اگر میں اپنی خواہش اور مرضی سے تمہیں کسی کے سپرد کروں تو تم انکار تو نہیں کروگی ناں۔''

''بابا پلیز، ایسی باتیں مت کریں۔''

''میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے عائلہ، مجھے بتاؤ کیا تم میری پسند کے لڑکے کے ساتھ شادی کرکے میری آخری خواہش پوری کروگی یا نہیں۔'' کرنل صاحب کے لہجے میں قطعیت تھی۔ عائلہ کا دل جیسے حلق میں اٹک کر رہ گیا، اتنا بڑا فیصلہ اور وہ بھی ایسے نازک وقت میں جب وہ پہلے ہی درد سے نڈھال تھی۔

سوائے رونے کے اس وقت اس کے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا لہٰذا وہ روتی رہی ڈاکٹر انصاری نے اگر اسے اپنے آفس میں بلا کر ہدایات نہ کی ہوتیں تو شاید وہ تھوڑا بہت احتجاج کرتی مگر اس وقت وہ ایسے پرندے کی مانند تھی جس کے پر بری طرح سے جال کی رسیوں میں جکڑے جاچکے تھے سوائے پھڑپھڑانے کے اس وقت اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں تھا۔ عشاء کا وقت قریب تھا جب کرنل صاحب کے کمرے میں ہی نکاح کا بندوبست کردیا گیا۔

سارا بیگم کو صمید حسن نے مختصر طور پر بتادیا تھا۔ لہٰذا انہوں نے عائلہ پر رنگین ستاروں کا دوپٹہ ڈال دیا جبکہ زاویار سفید کاٹن کے سوٹ میں ملبوس بے حد سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔ عائلہ کو ابھی تک معلوم نہیں تھا کہ اس کے بابا کا منتخب کردہ لڑکا کون ہے مگر نکاح کے دوران جب اس نے نکاح رجسٹر پر دستخط کیے تو اپنے دستخط کے اوپر زاویار کے دستخط دیکھ کر اس کے اندر جیسے چھن سے کچھ ٹوٹ گیا تھا۔ تو کیا زاویار صمید حسن اس کے بابا کی پسند تھا۔ وہ شخص جس سے اس کی نفرت کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ جو بے حد بد کردار اور گھمنڈی تھا۔ کیا نظر آیا تھا اس میں کرنل شیر علی جیسے زیرک آرمی آفیسر کو جو انہوں نے بغیر کچھ سوچے سمجھے اس کا نصیب اس کے ساتھ جوڑ دیا۔

"کیا صمید حسن بھی اس کھیل میں برابر کے شریک تھے یا نہیں؟" وہ سوچتی جاتی تھی اور الجھتی جاتی تھی۔

نکاح ہوگیا تھا مبارک بادیں وصول کرتے زاویار صمید حسن نے رسماً بھی مسکرانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی جبکہ عائلہ کا تو جیسے دل ہی خالی ہوگیا تھا۔ ایک کے بعد ایک چوٹ لگ رہی تھی۔ وہ کیسے اپنا دفاع کرتی، کرنل صاحب نکاح کے بعد بے حد خوش اور مطمئن دکھائی دے رہے تھے عائلہ نے اپنے سارے آنسو پی لیے۔ اگر یہ قربانی کرنل صاحب کی محبت اور پرورش کا بدلہ تھی تو بہت چھوٹی قربانی تھی وہ دیر تک سر جھکائے کرنل صاحب کے سینے سے لگی بے آواز روتی رہی۔

❁ .... ۞ .... ❁

اگلے روز عائلہ کے لاکھ نا چاہنے کے باوجود اس کی رخصتی ہوگئی تھی۔ صمید حسن صاحب نے برات میں اپنے چند خاص جاننے والوں کو انوائٹ کیا تھا ایک زندہ لاش کی طرح وہ کب پارلر سے تیار ہوئی اسے مطلق خبر نہیں تھی۔ وہ اگر کچھ جانتی تھی تو صرف اتنا کہ کرنل صاحب کی طبیعت پہلے سے بہتر ہوگئی تھی اسے اور کیا چاہیے تھا۔ بیٹیاں ہمیشہ قربانیاں دیتی ہیں وہ بھی قربان ہوگئی تھی۔ صمید حسن کا گھر اس روز کسی برقی محل کی طرح جگمگاتا بے حد خوب صورت دکھائی دے رہا تھا تاہم سارا بیگم کے لبوں پر چپ لگی تھی خوشی کے اس موقع پر ان کی اکلوتی بیٹی جو وہاں موجود نہیں تھی۔ چند ضروری رسموں کے بعد عائلہ کو زاویار کے کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا جبکہ زاویار کو صمید حسن صاحب نے اپنے کمرے میں بلا لیا۔

"جی پاپا..... آپ نے بلایا مجھے۔"

"ہوں آؤ بیٹھو۔" سارا بیگم کی موجودگی میں انہوں نے بیڈ پر اس کے لیے جگہ بنائی تھی وہ بیٹھ گیا۔

"دیکھو بیٹا میں جانتا ہوں تم عائلہ کو پسند نہیں کرتے وہ زبردستی تمہاری زندگی کا حصہ بنی ہے مگر اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے تمہاری طرح اس نے بھی کرنل صاحب کے لیے اس شادی کی ہامی بھری تھی وہ بہت ٹوٹی ہوئی لڑکی ہے زاویار، اسے کوئی تکلیف مت پہنچانا، بس یوں سمجھ لو کہ وہ چند روز تک تمہارے پاس تمہارے کمرے میں میری امانت ہے جیسے ہی مجھے اس کے لیے کوئی بہت اچھا لڑکا ملا میں تمہیں اس زبردستی کے بندھن سے آزاد کردوں گا بس صرف چند روز تک تمہیں اس کا خیال رکھنا ہوگا پلیز۔"

"اٹس اوکے پاپا میں خیال رکھوں گا۔"

"شاباش۔ آئی پراؤڈ آف یو مائی سن۔" اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے وہ خوش ہوئے تھے۔

زاویار انہیں شب بخیر کہہ کر وہاں سے نکل آیا اس کے قدم اب نہایت سست روی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں اس وقت عائلہ علوی دلہن کے روپ میں موجود تھی۔

❁ .... ۞ .... ❁

ضیام کی بہن شگفتہ کا رشتہ طے ہوگیا تھا۔ وہ بے حد خوش اور مطمئن تھا۔ اس روز وہ آفس مٹھائی لے کر آیا تھا شہزاد نے

غزل

مجھے جو تم نے بھلایا بہت شکریہ
پھر پلٹ کر نہ بلایا بہت شکریہ
ہر گھڑی دل جلاتی ہیں بیتا کی باتیں
تم نے ہی جلایا بہت شکریہ
پہلے بخشی تم نے لبوں کو ہنسی
پھر مجھ کو رلایا بہت شکریہ
میں جو روٹھا تھا رونق زندگی سے
زندگی سے ملایا بہت شکریہ
جب مشکل سے سیکھا جینے کا ڈھنگ
پھر زہر جدائی پلایا بہت شکریہ

شگفتہ خان...... بھوال

کھلے دل سے مبارک باد دی درمکنون کو نیروبی جانا تھا جہاں مریرہ اپنی جگہ اسے بھیج رہی تھی درمکنون نے صیام کو مطلع کر دیا۔ اس بار اس نے شہرزاد کو بھی ساتھ چلنے کی آفر کی تھی مگر اسے افریقی ممالک کے دوروں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لہٰذا اس نے انکار کر دیا فی الحال اس کی توجہ کا مرکز حویلی بنی ہوئی تھی۔ اپنے باپ اور آباؤ اجداد کے قاتلوں تک پہنچ کر انہیں ان کے انجام تک پہنچانا اب اس کی زندگی کا واحد مقصد تھا۔ درمکنون اس شام آفس سے سیدھی صیام کے گھر گئی تھی، صیام ابھی آفس میں تھا۔ عشرت اور شگفتہ کو اسے دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی درمکنون نے گفٹ کے طور پر شگفتہ کو پانچ ہزار روپے دیئے تو وہ مزید اس کی ممنون نظر آنے لگیں۔

''شہرزاد باجی نہیں آئیں۔'' پیسے مٹھی میں دبوچ کر شگفتہ نے سادگی سے پوچھا تھا جب اسے بہانہ کرنا پڑا۔

''ہاں وہ آج کل کچھ ٹھیک نہیں ہیں، بخار ہے شاید۔''

''اوہ...... ہماری طرف سے خیریت پوچھیے گا پلیز، وہ بہت اچھی ہیں۔''

''جی ضرور۔''

''میں چلتی ہوں اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو ضرور بتا دیجیے گا۔'' وہ اٹھ رہی تھی جب صیام کی والدہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''ابھی بیٹھ جاؤ پتر، آج صیام کی فرمائش پر پائے پک رہے ہیں کھا کر جانا۔''

''نہیں آنٹی...... دیر ہو جائے گی۔''

''کوئی بات نہیں صیام چھوڑ آئے گا۔'' انہوں نے بات ہی ختم کر دی تھی درمکنون کو مزید ان کا خلوص ٹھکرانا اچھا نہیں لگا اسے اگر پریشانی تھی تو صرف شہرزاد کی کہ وہ کیا سوچے گی؟ اسے اپنا آپ شہرزاد کا مجرم لگتا تھا مگر وہ کیا کرتی اس کے اختیار میں کچھ بھی نہیں تھا صیام گھر میں داخل ہوا تو وہ دسترخوان پر اس کی ماں اور بہنوں کے ساتھ بیٹھی تھی۔ وہ ٹھٹک گیا۔ کتنا خوب صورت مکمل اور بھرپور منظر تھا وہ دیکھے گیا تبھی اس کی ماں کی نظر اس پر پڑی تھی۔

''آ گئے صیام پتر، جلدی سے ہاتھ منہ دھو کر آ جاؤ تمہاری پسند کا سالن پکایا ہے آج۔''

"جی ٹھیک ہے۔" بائیک سائیڈ پر کھڑی کر کے اس نے بوٹ اور جرابیں اتاریں رسٹ واچ اتار کر واش بیسن پر رکھی اور اچھی طرح صابن سے ہاتھ دھونے کے بعد منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھپاکے مار کر تولیے سے منہ خشک کرتا وہ درمکنون کے مقابل اپنی ماں کے پہلو میں آبیٹھا تھا۔ صیام کا نوالہ توڑتا ہاتھ وہیں رک گیا۔

"کیا ہوا بھائی۔" عشرت اپنے بیٹے کو کھانا کھلا رہی تھی مگر شگفتہ کی نگاہیں اسی پر تھیں وہ گڑبڑا گیا۔

"کچھ نہیں۔ پائے بہت مزے کے ہیں درمکنون نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔"

کھانے کے بعد چائے کا دور چلا اس دوران وہ صیام کی والدہ سے ادھر ادھر کی باتوں میں مصروف رہی۔ صیام کے دل کا حال اس وقت عجیب ہو رہا تھا۔ صیام کی والدہ اسے بتا رہی تھیں۔

"وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا بٹی صیام کے دادا اپنے وقت میں بہت بڑے جاگیردار تھے صیام کے ابو کو وراثت میں بہت سی زمینیں اور مال مویشی ملے ایک زمانہ تھا کہ ان کے نام کا ڈنکا بجتا تھا میں بیاہ کر آئی تو پورے سو تولہ زیور چڑھایا گیا تھا مجھے جب صیام پیدا ہوا تو اللہ کے کرم سے اور بھی دھن برسا صیام کے بابا پورے گاؤں کے حاکم تھے ان کی بات ہر کسی کے لیے پتھر پر لکیر ثابت ہوتی تھی میرے صیام کو تو پتا ہی نہیں تھا زندگی میں مشکلات نام کی بھی کوئی چیز ہوتی ہے میرے تینوں بچے سونے کے چمچ سے کھاتے تھے مگر...... پھر اچانک حالات کی آندھی نے جیسے سب کچھ اجاڑ کر رکھ دیا۔ صیام کے ابو پر فالج کا اٹیک ہوا وہ بستر سے لگ کر رہ گئے ایسے میں ان کے ایک قریبی قابل اعتماد دوست نے زمینوں اور مال مویشی کا کام سنبھال لیا اس کے بیٹے بھی باپ کے ساتھ لگ گئے میرا صیام ابھی چھوٹا تھا اسے ان معاملات کی سمجھ بوجھ نہیں تھی علاقے کے لوگ آ کر اس کے ابو سے کہتے تھے کہ زمینوں پر صحیح کام نہیں ہو رہا مگر انہیں اپنے دوست پر اعتبار تھا۔ ہر مہینے وہ گھر آ کر گھر کے خرچ اور بچوں کے لیے ایک معقول رقم دے جاتے تھے اس کے ابو بس اسی پر خوش تھے انہیں پتا بھی نہیں چلا کہ کب اس شخص نے ساری زمین ہتھیا کر اونے پونے کسی اور کے ہاتھ بیچ دی مال مویشی بھی ایک نہیں رہنے دیا ہمیں جب پتا چلا تو گھر میں صف ماتم بچھ گئی، اس کے ابو بیمار تھے وہ کیا کرتے رو دھو کر رہ گئے تب میں نے اپنا زیور بیچ کر بچوں کی پرورش کی انہیں پڑھایا لکھایا عشرت کی شادی کی اور کیا کرتی، عورت تھی کوئی کاروبار تو نہیں کر سکتی تھی ناں؟" بے حد سادگی سے وہ اپنا ماضی اور دکھ اس کے سامنے کھول رہی تھیں۔

درمکنون کو بے حد افسوس ہوا، تبھی تو صیام کسی غریب گھر کا لگتا نہیں اس کی پرورش جو ایسے ناز و نعم کے ساتھ ہوئی تھی خود عشرت اور شگفتہ بھی پٹھانیاں لگتی تھیں سرخ و سفید چہروں والی جن کے حسن کو نکھرنے کے لیے بازاری کریموں کی ضرورت نہیں تھی۔ عشاء کا وقت ہو رہا تھا جب درمکنون نے اجازت چاہی۔

"ٹھیک ہے آنٹی میں اب چلتی ہوں وقت کافی ہو گیا ہے۔"

"ہوں...... مگر اکیلی مت جانا صیام چھوڑ آئے گا۔"

"نہیں صیام تھکے ہوئے ہیں انہیں آرام کرنے دیں میں چلی جاؤں گی۔"

"زمانہ ٹھیک نہیں ہے پتر جوان لڑکی اگر تیرے جیسے سوہنی بھی ہو تو اسے اور بھی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے بس صیام چھوڑ آئے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے ہتھیار پھینک دیے تھے تبھی وہ بولی تھیں۔

"ایک اور بات بھی کہنی تھی پتر۔"

"جی کہیے۔"

"شگفتہ کے سسرال والے بڑی جلدی شادی کر رہے ہیں اگلے جمعے نکاح اور ولیمہ رکھا ہے انہوں نے اگر صیام کو دو

عائشہ رحمن ہنی

آہم.....آہم.....سارے خواتین وحضرات دل تھام لیں، نابدولت کی تشریف آوری ہونے کو ہے ارے سارے اتنا غصہ کیوں؟ اب سمجھ گئی اوہ سوسوری گرلز! آپ کو خواتین کہنے پر اتنا غصہ آیا ہنہہ.....جی سنئے تو نابدولت کو عائشہ رحمن کے نام سے جانا جاتا ہے۔ 26 اپریل 1996ء کو اس دنیا میں انٹری ہوئی بروز جمعرات۔ آہم آگے بھی تو سنئے ناں جی تو کافی رونق ہوئی میرے تشریف لانے سے لیکن بقول میرے چھوٹے بھائی حاعث رحمن کے "دیدی تمہارے جیسی چیزیں تو ساون میں بھی نہیں نکلتیں" لو جی بنی بنائی پرسنالٹی "وہ" ہوگئی۔ اچھا جی مجھ سے بڑے بھیا اویس رحمن ہیں جو بی اے کر چکے ہیں اور سرکاری جاب کررہے ہیں۔ یعنی پرنس آف ہزارہ وی کی سیکریٹری ہیں پھر نابدولت جو ایف اے کر چکی ہیں۔ شوق سے درس وتدریس کے فرائض سرانجام دے رہی ہوں پھر آمنہ رحمن مسکان جن کو سیکنڈ ائر کے رزلٹ کا انتظار ہے پھر حارث رحمن جو میٹرک کر چکے ہیں اور ہنسانے میں ان کا کوئی ثانی نہیں پھر خولہ رحمن اُف اسٹائل تو ان کا وکھرا ہی ہوتا ہے۔ 8th کلاس میں ہیں پھر آئرہ جن کے دم سے ہمارا گھر روشن ہے جو پریپ میں ہیں۔ ارے آپ لوگ تھکے تو نہیں ناں؟ ابھی تو شروعات ہے میری منگنی ہوئی تھی جو دو سال کے بعد ٹوٹ گئی، چچ چچ.....آپ کو افسوس ہو رہا ہے ناں ہنہہ مجھے بھی ہوا تھا۔ میری امی کہتی ہیں عاشی تمہارے پیدا ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ بھیا کہتے ہیں اُف امی یہ کیا چیز ہے ہر وقت لیٹی رہتی ہے۔ کوئی کام چور کہتا ہے کوئی کیا.....خوبیاں.....یاسمین ممانی کہتی ہیں تم صاف دل ہو۔ اسٹوڈنٹ میری سبحانہ کہتی ہے "مس آپ کو کبھی کسی سے نفرت کیوں نہیں ہوتی۔ آپ بہت اچھی ہیں"، مس سمیرا کہتی ہیں "عاشی تم اچھی ہو" اور خامیاں.....بہت، سب سے بڑی خامی بولتی بہت ہوں، ہنستی بہت ہوں جس کی وجہ سے بدنام ہوں اور بعض اوقات غصے میں بدتمیزی بھی کر جاتی ہوں۔ ضدی بہت تھی اب حالات نے سب سکھا دیا۔ کلرز میں بلیک، پنک، گرین کلرز اچھے لگتے ہیں۔ لباس میں لانگ شرٹ، پاجامہ اور فراک پسند ہے۔ جیولری میں پیاری سی انگوٹھی اینڈ بریسلیٹ، میک اپ نہیں کرتی اپنے چہرے پر بائیں گال پر ڈمپل اچھا لگتا ہے۔ مس سمیرا، مس عروسہ، مس رزمہ، مس فوزیہ اینڈ مس یاسمین بیسٹ ہیں۔ دوستوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ بہرحال حمیرا ٹاپ آف دی لسٹ ہے، کزنز میں طیبہ سب سے اچھی ہے۔ رانی باجی اینڈ باقی بھی اچھی ہیں، حج کرنے کا بہت شوق ہے۔ ڈرائیونگ میرا جنون ہے، رائٹرز میں نازیہ کنول نازی، ہاشم ندیم، نمرہ، حمیرا احمد، سمیرا شریف، عائشہ نور محمد پسند ہیں۔ 89.4 ایف ایم کے عتیق الرحمن بھٹے موسٹ فیورٹ اینڈ زین العابدین، عمران علی مانی بھی فیورٹ ہیں۔ سنگرز میں عاطف اسلم اینڈ حدیقہ بیسٹ ہیں۔ ایکٹرز میں اکشے کمار، سلمان خان اینڈ گووندا اینڈ ایکٹریس میں مادھوری، انوشکا شرما پسند ہیں۔ شاعری بھی کرتی ہوں بات بات پر آنسو چھلک پڑتے ہیں، ٹینشن میں بھی کسی کو بور نہیں ہونے دیتی، ہر لمحہ مسکراتی ہوں۔ پسندیدہ ناول "خدا اور محبت" اور "بچپن کا دسمبر" ہے بقول ام کلثوم گدھے پر بھی کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے اعتبار کر لیتی ہوں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے ملک کو اپنے حفظ وامان میں رکھے میرے ماں باپ کا سایہ مجھ پر ہمیشہ تاحیات قائم ودائم رہے آمین، کیسا لگا تعارف ضرور بتایئے گا۔

تین دن کی چھٹی مل جاتی تو سارے انتظامات ذرا آسانی سے ہوجاتے۔"

"ٹھیک ہے صیام صاحب چھٹی کرسکتے ہیں جب تک شادی نہیں ہوجاتی۔"

"شکریہ بچے بہت نیک ہوگی وہ عورت جس کی تم جیسی پیاری بیٹی ہے، شادی میں آؤ گی تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔"

"جی ضرور ان شاء اللہ۔" اس کے لہجے میں بناوٹ نہیں تھی وہ ایسی ہی تھی بے حد بااخلاق رحم دل اور حساس تکبر نام کی

چیز نہیں تھی اس میں تبھی تو صیام مرمٹا تھا اس پر مگر نہ حسن اس کی کمزوری نہیں تھی۔ صیام اسے گھر تک چھوڑنے ساتھ آیا تھا۔ دونوں راستے میں ایک دوسرے سے لاتعلق اور خاموش رہے تھے۔

درمکنون نے گاڑی گھر کے باہر ہی روڈ پر رکوالی، وہ نہیں چاہتی تھی کہ پھر سے شہزادا سے صیام کے ساتھ گھر کے باہر دیکھ کر کوئی سوال اٹھائے۔ صیام باہر نکلا اس نے ایک نظر اوپر ٹیرس کی طرف دیکھا پھر نظر پھیر لی۔

"شکریہ میم! آج آپ نے میرے گھر والوں کو اتنی خوشی دی۔"

"نہیں شکریہ کی ضرورت نہیں چائے نہیں پئیں گے آپ۔"

"نہیں شکریہ۔"

"خدا حافظ۔" وہ خود بھی یہی چاہتی تھی تبھی صیام کے پلٹنے پر خود گاڑی ڈرائیور کر کے گیٹ کے اندر پورٹیکو میں لے آئی شہزاد گھر پر نہیں تھی اس نے گہری سانس لے کر بے ساختہ خدا کا شکر ادا کیا۔

❀......❁......❀

اس روز چیوا کی فضا بے حد سوگوار تھی۔ بھارتی فوج نے اللہ یار کشمیری کو ہی بے دردی سے شہید نہیں کیا تھا بلکہ اس روز کریک ڈاؤن کے دوران کئی نوجوانوں اور عورتوں کے ساتھ ساتھ معصوم بچوں کی ہلاکتیں بھی ہوئی تھیں۔ سڑکوں پر جابجا خون ہی خون بکھرا دکھائی دے رہا تھا۔ چیوا کی فضا میں اللہ اکبر کے ساتھ ساتھ......

"ہم کیا چاہتے ہیں آزادی، بھارتی کتو واپس چلو۔" کے نعروں کی گونج تھی۔ فاطمہ کی پتھرائی آنکھوں میں آنسو جیسے جم کررہ گئے تھے مگر ننھی عائشے چیخ رہی تھی۔

ساری دنیا میں جمہوریت کا راگ الاپنے والی بھارتی حکومت کی درندگی پر بلک رہی تھی نظروں کے سامنے خون میں لت پت پڑی اپنے مشفق بزرگ باپ کی لاش دیکھ کر اس کی چیخیں نکل رہی تھیں مگر وہاں کوئی اس وقت اس کا درد بٹانے والا نہیں تھا کیونکہ اس روز اس بستی میں بھارتی فوج کی درندگی کی بھینٹ چڑھنے والا وہ واحد گھرانہ نہیں تھا۔ اس روز اس بستی میں بہت سے گھرانوں کو لوٹا گیا تھا توڑ پھوڑ کی گئی تھی عزتوں کو پامال کیا گیا تھا بہنوں اور ماؤں کے دل اجاڑے گئے تھے۔ سب رو رہے تھے ہاتھ اٹھا اٹھا کر اللہ سے فریاد کر رہے تھے۔

بخار میں جلتی نور بانو بی بی کی تو دنیا ہی اجڑ گئی تھی مگر وہ پھر بھی اپنے شوہر کی شہادت پر مسرور تھیں۔ جلتی ہوئی سرخ آنکھوں میں شہید کی بیوہ ہونے کا فخر تھا۔ اگلے دو دن چیوا میں کریک ڈاؤن کے بعد بھارتی فوج کی بکتر بند گاڑیاں علاقے سے نکل گئی تھیں۔ اس سے اگلے ہی روز مجاہدین نے ان سے چیوا کی گلیوں میں درندگی کا حساب لے لیا، کرش ٹاپ کے پہاڑوں میں موجود مجاہدین کے ایک گروہ نے انڈین آرمی کے کانوائے پر حملہ کر کے درجنوں فوجیوں کو موت کی ابدی نیند سلا دیا تھا۔

اللہ یار کشمیری کو ان کے سیبوں کے باغات کے قریب بے حد آنسوؤں اور پھولوں کے ساتھ دفن کر دیا گیا رمضان کا مقدس اور بابرکت مہینہ شروع ہو رہا تھا۔ چیوا کے بزرگ باسی بھارتی فوج کے ہیڈ کوارٹر کے گیٹ پر اپنے پیاروں اور عزیزوں کی رہائی کا انتظار کرتے رہتے تھے آرمی ہیڈ کوارٹر مانسبل جھیل کے کنارے پر واقع تھا۔ علاقے کے لوگ ٹھٹھرتی سردی میں مانسل جھیل سے اٹھنے والے سرد ہوا کے تھپیڑوں میں صبح سے شام تک کیمپ کے باہر کھڑے رہتے تھے۔

رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں بھارتی فوج کا کشمیریوں پر تشدد اور بھی بڑھ گیا، روزے سے نڈھال کشمیری افطاری کے وقت جیسے ہی روزہ کھولنے کے لیے اکٹھے ہوتے بھارتی فوج کی گشت کرتی گاڑیاں اچانک دھاوا بول دیتیں اور پھر روزے کی حالت میں درجنوں کشمیری نوجوانوں کو گرفتار کر کے دور دراز علاقوں میں لے جاتیں۔ کشمیر کے ہر فرد کو جو

ادب کے افق پر چمکتا ستارہ

ماہنامہ

حجاب کراچی

کامیابی کی پہلی منزل خوب صورتی سے طے کرتے ہوئے
کم وقت میں اپنی پہچان اور اپنا مقام بنانے میں کامیاب ٹھہرا

نومبر 2015ء سے اپنے سفر کا آغاز کرنے والا ماہنامہ حجاب
نومبر 2016ء میں کامیابی کا پہلا سال مکمل کرتے ہوئے
آپ لوگوں کی دعاؤں سے ترقی کی راہ پر گامزن ہے
حجاب کی سالگرہ نمبر میں دیکھئے اپنی پسندیدہ مصنفین کی تحریریں
ساتھ ہی ملک کے نامور شعرا و ادیبوں سے ملاقات
اس کے علاوہ جو آپ چاہیں اپنی آرا ہمیں فوراً ارسال کریں

کہیں دیر نہ ہو جائے آج ہی اپنی کاپی ہاکر سے بک کرالیں

آزادی کے لیے آواز اٹھاتا یا پھر پاکستان کے ساتھ محبت و یگانگت کا اظہار کرتا وہ لوگ نہایت بے رحمانہ طریقے سے زد وکوب کرتے تھے۔ وادی کے معصوم پھولوں نے عیدالفطر کا خوب صورت تہوار خوف اور وحشت میں سہم کر گزارا تھا۔ یہی وہ حالات تھے جن میں فاطمہ بنت اللہ یار نے اپنے مجاہد کزن سے اسلحے کا استعمال سیکھا تھا۔ طیب احمد کے بعد اللہ یار کشمیری کی شہادت نے اس کے اندر ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کی بغاوت پیدا کی تھی۔

❀......◉......❀

پتھر کا بت بنی عائلہ اپنے ہاتھوں کو عجیب یاسیت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی جب زاویار نے دروازے کا ہینڈل گھما کر کمرے کی دہلیز پر قدم رکھا۔ وہ چونکی اور بے ساختہ سر اٹھا کر اس نے کمرے کے دروازے کی طرف نگاہ کی تھی جہاں زاویار صمید حسن بنا اس کے چونکنے اور دیکھنے کا نوٹس لیے دروازہ لاک کر رہا تھا۔ عائلہ کی آنکھوں سے آنسو اور روانی سے بہنے لگے۔ دروازہ لاک کر کے وہ بیڈ پر عین اس کے مقابل آ بیٹھا تھا۔ عائلہ ٹکر ٹکر اسے دیکھے گئی جو اس کی طرح خود بھی بے حد اپ سیٹ لگ رہا تھا۔

''تو آخر رو دھو کر تم آ ہی گئیں اس گھر میں...... ہے ناں؟'' بے حد کاٹ دار لہجے میں جو پہلا جملہ اس کے لبوں سے خارج ہوا یہی تھا وہ بلبلا کر رہ گئی۔

''بہت شوق ہے ناں تمہیں مہارانی بننے کا، میں کروں گا تمہارا شوق پورا، میرے باپ کو بلیک میل کر کے اپنے دادا کے تھرو جیسے تم نے شارٹ کٹ اختیار کیا ہے اس شارٹ کٹ کو تمہارے لیے عذاب نہ بنا دیا تو زاویار صمید حسن نام نہیں میرا۔'' چبا چبا کر ایک ایک لفظ ادا کرتا وہ اسے وارن کر رہا تھا وہ لب سیے بیٹھی رہی۔

''نفرت ہے مجھے تم جیسی مفاد پرست مطلبی عورتوں سے ہرگز یہ مت سمجھنا کہ تم نے اپنی منزل پالی ہے یہ شادی صرف ایک کھیل ہے کاغذوں کا کھیل حقیقت میں تم جیسی دو کوڑی کی لڑکی کو میری بیوی تو کیا میری کل وقتی ملازمہ ہونے کا حق بھی حاصل نہیں، آج تم یہاں میرے بیڈ روم میں میرے بیڈ پر مور کی طرح پنکھ پھیلا کر بیٹھ گئی ہو پہلی غلطی سمجھ کر معاف کر رہا ہوں دوبارہ ایسی جسارت کی تو ہڈیوں کا سرمہ بنا دوں گا یاد رکھنا۔'' اس شخص کی نفرت کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ عائلہ کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے رہے تبھی وہ پھر بولا تھا۔

''یوں ترسی ہوئی نگاہوں سے مت دیکھو مجھے آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے، اب دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' کتنی حقارت تھی اس کے لفظوں میں وہ خاموشی سے آنسو پیتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آئی بڑی بیگم صاحبہ دو کوڑی کی اوقات نہیں اور خواب دیکھو۔'' جوتے اتارتے ہوئے وہ مسلسل بڑبڑا رہا تھا۔ عائلہ لٹے ہوئے مسافر کی طرح چلتی اسی کے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

گیلے گال

نمرہ محمد

وجود زخموں سے چور ہو کر سوال کرتا رہے گا تم سے
غریب دل پر جفا کے نشتر چلا کے اتنے اداس کیوں ہو
اداس خوابوں کی منتظر ہیں یہ تیری آنکھیں، ہمیں خبر ہے
یہ جانتے ہیں کہ آج آنسو بہا کے اتنے اداس کیوں ہو

"یہ مصور بھی عجیب پاگل ہوتے ہیں کہ نہیں؟" عائشہ نے بادامی دیوار پر ٹنگے عظیم مصوروں کے فن پاروں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا اور تائید طلب نظروں سے محسن کو دیکھا۔ محسن نے مجبوراً مسکراہٹ سجائی ورنہ اس کی شکل سے صاف ظاہر تھا کہ اسے اس رائے سے اختلاف تھا لیکن زبان تالو سے چپکائے رکھی، عزت آخر کسے پیاری نہیں ہوتی۔ عائشہ ایک فن پارے پر رکی جس پر سیلن زدہ دیوار کا نقش بنایا گیا تھا' وہ ہلکا سا ہنسی اور محسن کو دیکھا وہ بھی جواباً اور جبراً مسکرا دیا۔

"ساکت سمندر پہ ڈھلتا سورج' صحرا میں جلتا گلاب' گھڑیوں کی بھرمار اور اب یہ سیلن زدہ دیوار' کیا بکواس ہے یہ؟" ہمیشہ کی طرح اچانک ہی اس کے تاثرات بدلے تھے۔ اس نے جھٹکے سے سر گھما کر محسن کو دیکھا اور محسن کا رنگ فق پڑ گیا یعنی وہی ہوا جو محسن سوچ رہا تھا اسے مصوری (پینٹنگز) پسند نہیں آئی تھی۔

"میں نے پینٹنگز کہا تھا یہ کیا کچرا اٹھا لائے ہو تم؟" وہ انتہائی غصہ میں تھی درشتی سے محسن کو گھورتے سخت مگر دھیمی آواز میں ڈرایا' بے چارے کو ٹھنڈے پسینے آ گئے۔

"وہ میم...... یہ...... وہ......" لمبا چوڑا اسوٹڈ بوٹڈ ہینڈسم سا بیس بیس ملازموں پر حکم چلانے والا محسن اب بول ہی نہیں پا رہا تھا۔

"اب یہ...... وہ...... کیا لگا رکھی ہے۔" وہ مزید شعلہ بار ہوئی' محسن کا سر مزید جھک گیا۔

"امپورٹنٹ پروجیکٹ حاصل کیا ہے' کسی کا سوگ نہیں منا رہی۔ شام ہونے میں اور پارٹی شروع ہونے میں چار گھنٹے باقی ہیں' مجھے یہ پینٹنگز صوفے اور پردے چینج چاہئیں' سمجھے؟" عائشہ نے سوالیہ نظریں اٹھائیں۔

"یس...... یس میم' جیسا آپ کہیں۔" زور زور سے تائیداً سر ہلایا اسی میں اس کی بھلائی تھی اب کے بناء کچھ تاثر دیئے گلابی رنگت اور نازک سراپا والی عائشہ نے مغرور بھوری آنکھوں کو سیاہ گلاسز میں چھپایا اور ایک بار پھر لپ گلوز والے سرخ ہونٹ سابقہ مسکراہٹ میں ڈھل چکے تھے جتنی جلد وہ غصہ میں آتی اس سے کہیں زیادہ جلد اس کا موڈ بحال ہوتا تھا۔ جوڑے کے بعد مزید نمایاں ہوتی اس

کی صراحی دار گردن، جس میں سفید ہیرے جگمگاتے رہتے تھے اس کی مغرور شخصیت میں چار چاند لگاتی تھی۔ کانوں کے بلیو ٹاپس اور گلے کے سفید موتی دس سال سے اس کی ذات کا حصہ تھے۔

مسز عائشہ شیخ کی گلابی ساڑھی کا پلو معمول کی طرح فخر سے اس کے پیروں کے نشان چومتا، جھومتا جا رہا تھا۔ وہ بڑی شان سے چلتی گاڑی میں براجمان ہوئی جس کا گیٹ شوفر بڑی عاجزی سے کھولے کھڑا تھا۔ اس کے بیٹھتے ہی گاڑی سڑک پر دوڑ اٹھی۔

شان بے نیازی سے اٹھے کندھے، تنی گردن اور چشموں کے پیچھے چھپی آنکھوں کا غرور سب کچھ دوپہر کی رانی کی طرح ماند پڑ گیا۔ دوپہر کی رانی جیسے ہی سائے ڈھلنے لگیں ساری خوب صورتی سمیت ڈھیر ہو جاتی ہے۔ کھلی آنکھیں خالی تھیں، سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موند لیں، ان آنکھوں میں بھاری پپوٹوں کے پیچھے بہت کچھ تھا۔

......☆☆......

''اماں میں نے کہہ دیا سو کہہ دیا۔ میں شادی کروں گی تو صرف شیخ صاحب سے اگر آپ مان گئیں تو ٹھیک ورنہ میں جاہل لڑکیوں والا راستہ اپنانے میں دریغ نہیں کروں گی۔'' بڑے دنوں سے بحث چلتی آ رہی تھی۔ آج آفس سے آتے ہی اماں کے سامنے تن گئی، اس نے حتمی فیصلہ کرنے کا عہد کر لیا تھا۔ وہ اپنے باس شیخ سے وعدہ کر کے نکلی تھی کہ کل نکاح ہوگا اور ہر صورت ہوگا۔

''آخر تجھے سمجھ کیوں نہیں آتی، میں اپنی پھول سی بائیس سالہ بچی اس ساٹھ سالہ بوڑھے کو کیسے تھما دوں، تو نادان ہے میں نہیں بس اب تو آفس بھی نہیں جائے گی اور......''

''تو یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے؟'' اس نے سینے پر ہاتھ باندھ کر دیوار کے ساتھ ٹیک لگائی۔ چاول چنتی اماں نے اس کی خفا اور معصوم نظروں میں دیکھا۔

''ہاں...... یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔'' اماں نے تقریباً اٹل لہجے میں کہا۔ اماں کی نگاہیں اس کی لٹوں پر چلی گئیں جو اس کی لمبی چوٹی سے اکثر ہی فرار پا جاتی تھیں۔

''تو پھر ٹھیک ہے آپ اپنے فیصلے پر قائم رہیں میں بھی اپنا فیصلہ نہیں بدل سکتی۔'' لہجے میں چٹخی تھی۔ کندھے پر بوجھ ڈالتا دوپٹہ پکڑ کے کرسی کی ٹیک پر ڈال دیا۔

''کیا مطلب؟'' اماں واقعی نہیں سمجھی تھی۔

''مطلب بہت صاف ہے، میں کورٹ میرج کر لوں گی۔'' وہ الفاظ عام بالکل بھی نہیں تھے جو اس نے عام سے انداز میں کہہ دیئے تھے، کولر سے پانی کا گلاس بھرنے بیٹھ گئی۔

''یہ کیا بکواس کر رہی ہے تو؟'' اماں چاولوں والی ٹرے تخت پر رکھتے بے یقینی لیے اس کی جانب آئی۔

''بکواس نہیں حقیقت بتا رہی ہوں۔'' اس نے بے پروائی سے کہہ کر پانی سے بھرا اسٹیل کا گلاس گلابی ہونٹوں سے بڑی نزاکت کے ساتھ لگا لیا۔ اماں ہکا بکا کھڑی رہ گئیں۔

''اگر آپ اس لیے فکر مند ہیں کہ وہ بوڑھا ہے اور بوڑھے جلد مر جاتے ہیں تو میں آپ کو بتا دوں کہ مجھے کوئی پروا نہیں وہ جلد مرے یا بدیر مجھے صرف دولت سے سروکار ہے اور کسی چیز سے نہیں کیونکہ میں جانتی ہوں کہ دولت، عزت اور وقار کے سنگ جینا ہی اصل زندگی ہوتی ہے۔ آپ کو اس پر بھی اعتراض ہے کہ وہ اولاد نہیں چاہتا مگر مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا، مجھے صرف اپنی زندگی کی فکر ہے اور رہے گی۔ مجھے گیلے گالوں والی زندگی نہیں چاہیے اور یہ آپ مجھ سے لکھوا لیں کہ گیلے گال صرف اور صرف غریب اور اس کی اولاد کے ہی ہوتے ہیں۔'' ہاتھ میں پکڑا گلاس زمین پر پٹخ کر کھڑی ہو گئی۔

''ویسے بھی موت تو برحق ہے ہر کسی کو آنی ہے، کیا بوڑھا کیا جوان، ابا ہی کی مثال لے لیں وہ بھی تو جوان ہی چل بسے۔ پیچھے کیا چھوڑ کے گئے بیٹی، قرض اور ایک عدد بوسیدہ گھر۔'' وہ بول رہی تھی اور اماں صم بکم کھڑی تھیں، انہیں اپنی ہی تربیت حیران کر رہی تھی۔

''قرض کو گھر چاہیے تھا اور ہم قرض نہیں پال سکتے تھے نتیجتاً جوان بیوہ اپنی دو سالہ بچی کے ہمراہ کرائے کے مکان میں پہنچ گئی۔ اسکول ٹیچر بن کر اپنے ایف اے بی ایف اے پی اور بی فار بال

سیدہ سعدیہ عظیم

السلام علیکم۔تمام ادارہ، ریڈرز اور آنچل کے قارئین کیسی ہیں آپ سب؟ امید ہے سب ٹھیک ہوں گے۔ ویسے تو آپ لوگوں نے میرا نام پڑھ لیا ہے اب تھوڑا تفصیلی تعارف بھی ہوجائے۔ میرا نام سیدہ سعدیہ عظیم ہے ویسے سعدیہ بخاری بھی لکھتی ہوں۔ میرا کوئی نک نیم نہیں ہے۔ میری ستمبر جیسے خوبصورت مہینے میں 27 تاریخ اور جمعۃ المبارک جیسے مبارک دن 8 بجے تشریف آوری ہوئی اور گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کیونکہ ددھیال میں بڑی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ہم ماشاء اللہ سے پانچ بہنیں ہیں دو بھائی ہیں۔ میں تھرڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ ڈائجسٹ پڑھنا میرا پسندیدہ مشغلہ ہے میرے اہم مشغلوں میں بیڈمنٹن کھیلنا ہے شاعری سے کافی حد تک لگاؤ ہے اور کر بھی لیتی ہوں اپنی دادی اماں پر بھی نظم لکھی تھی، ناولز پڑھنا کبھی کبھی بچوں کو تنگ کرنا بھی شامل ہیں اور اب تو آنچل کی رائیٹر بننے کی کوشش بھی کر رہی ہوں ان شاء اللہ کامیاب بھی ہوجاؤں گی۔ ناولز کی میں بہت ہی شوقین ہوں پسندیدہ رائیٹرز میں سے فرحت اشتیاق، نمرہ احمد، نازیہ کنول نازی ہیں جو ناولز پڑھے ہیں وہ سب اچھے ہیں ان میں سے حاصل لاحاصل، پیرکامل، میرے خواب لوٹا دو، مصحف، وہ جو قرض رکھتے تھے، متاع جاں ہے تو بہت زبردست ناول ہے اور اس کے علاوہ بہت سے ناولز ہیں۔ اور آنچل کے تمام ناولز بہت اچھے چل رہے ہیں اور سب رائیٹرز بہت اچھا لکھ رہی ہیں دعا ہے کہ اللہ سب کو کامیاب کرے۔ اب بات ہوجائے پسند اور ناپسند کی تو جناب مجھے بھنڈی اچھی نہیں لگتی اور کریلے گوشت بہت پسند ہیں امی کے ہاتھ کی بنی ہوئی۔ چاول پسند ہیں اور ہر سبزی کھالیتی ہوں ساگ پسند نہیں اور گوشت سب اچھے لگتے ہیں مچھلی بھی اچھی لگتی ہے اور خاص کر جب ابو پکاتے ہیں۔ کوکنگ میں کرلیتی ہوں تقریباً تمام ہی ڈیشیز پکانا آتی ہیں ہر ڈریس اچھا لگتا ہے۔ اب بات ہوجائے خوبیوں اور خامیوں کی تو میرے خیال میں مجھ میں کوئی خوبی نہیں ہے ہاں کسی کو پریشان نہیں دیکھ سکتی اور حساس بھی بہت ہوں اور خامیاں تو بہت ساری ہیں۔ دوستی کے معاملے میں بالکل زیرو ہوں دوستی آسانی سے نہیں کرتی، ہاں ہمارا آٹھ کزنز کا گروپ ہے جن سے بہت بنتی ہے اور ایک کزن ہے محمود جو سعودیہ میں رہتا ہے اس سے اچھی خاصی بنتی ہے۔ ایک خوشخبری ہے جو آپ لوگوں سے شیئر کرنا چاہوں گی وہ یہ کہ ہم سب عمرہ کی سعادت کے لیے جارہے ہیں یہ میرے والدین کی طرف سے ہمارے لیے بڑا گفٹ ہے اور ان شاء اللہ دادی اماں کے پاس بھی جائیں گے جنہوں نے دو سال پہلے ہم سب کو چھوڑ کر مکہ کے ایک قبرستان میں بسیرا کرلیا ہے۔ یقیناً آپ لوگوں کو میرا تعارف پسند آیا ہوگا اور یقیناً بور بھی ہوئے ہوں گے۔ آپ سب سے ریکویسٹ ہے کہ دعاؤں میں یاد رکھنا ہے، ہم سب باخیریت واپس آجائیں۔ اب میں اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

کرتے کرتے زندگی گزار دی۔" جب وہ حرکت کرتی تو سیاہ شریر لٹیں جھوم جاتیں۔ اماں کی نظریں وہیں اسٹیل کے چمچماتے گلاس پر رک گئیں جسے ٹھنڈے پانی کے پسینے نے دھندلا سا کردیا تھا۔

"نہیں گزارنی مجھے آپ کے جیسی بوسیدہ زندگی، نہیں رہنا مجھے ان ٹین کی چھتوں کے نیچے جو بارش میں ڈھول کی طرح بجتی ہیں اور گرمی میں تندور کی طرح تپتی ہیں۔" وہ پوری قوت سے بول رہی تھی مگر پھر بھی اس کی آواز بلند نہ تھی

شاید اس کا گلا بہت چھوٹا تھا یا پھر گردن کی اکڑاہٹ اور لمبائی نے اس سے آواز کی بلندی چھین لی تھی۔ اماں کے سرمئی بالوں سے چادر ڈھلک کر شانوں پر گرگئی۔ اسٹیل کے گلاس پر پانی کے قطرے ابھی بھی موجود تھے۔

"ہینڈسم جوان مرد کو پلیٹ میں سجا کے نہ ہی میرا پیٹ بھر سکتا ہے اور نہ ہی میں اپنا تن ڈھانپ سکتی ہوں۔" وہ پھنکار رہی تھی جبکہ اماں نظریں نہیں اٹھا پارہی تھیں۔

"ماضی دکھوں کا پٹارہ، حال میں ماضی کی یادیں اور

مستقبل کے لیے "ہائے کیا ہوگا" مطلب بس ساری زندگی ہلکان ہوتے گزار دوں گیلے گال لیے۔" (پھر سے گیلے گال کا طعنہ) ننھے قطرے اکٹھے ہوکر موٹے موتی بننے لگے وزن بڑھا اور گرفت ڈھیلی پڑ گئی، لکیروں کے نقوش چھوڑتے موتی زمین سے جا ملے۔

"امیر اگر مر بھی جائے تو اس کی بیوی حال میں ماضی نہیں سوچتی اور مستقبل کے لیے ہلکان نہیں ہوتی۔ میں بھی اگر بیوہ یا تنہا ہوگئی تو کم از کم چوبیس گھنٹے گیلے گال ہرگز نہیں رہوں گی پُرسکون زندگی گزاروں گی بے فکر اور پُرعیش زندگی۔ ہاتھی مر کر بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے آپ کا فیصلہ جو بھی ہو شیخ صاحب کل نکاح کے لیے آجائیں گے۔" وہ اپنی بات مکمل کر چکی تھی اور اب بازو سینے پر باندھ کر غور سے اماں کو دیکھنے لگی ان کی آنکھوں سے بالکل ویسے ہی موتی لکیریں چھوڑتے بہہ رہے تھے جیسے اسٹیل کے گلاس سے پھسلے تھے اور ان کے گال گیلے ہو چکے تھے' گیلے گال......؟

"کوئی فائدہ نہیں ان آنسوؤں کو بہانے کا اپنا فیصلہ کبھی نہیں بدلوں گی۔" وہ بڑبڑائی تھی' اماں ہنوز سر جھکائے کھڑی تھیں۔

"یہ کوئی ربڑ یا پنسل نہیں جو آپ مجھے گھسی پٹی پر بہلانے میں کامیاب ہوجائیں گی' نہیں بننا مجھے گیلے گالوں والی۔" اماں نے چونک کر اپنے گالوں کو چھوا جو گیلے ہورہے تھے اور چھوا تو اس نے بھی تھا اپنے گالوں کو جب گاڑی ایک جھٹکے سے اس کی پُرشکوہ عمارت کے سامنے رکی تھی۔ اب وہ ہر چیز کی مالکن تھی سوائے کسی انسان کے' نہ ماں' نہ باپ' نہ بھائی' نہ بہن اور نہ شوہر ہاں تھا تو صرف عیش' آرام' دولت' عزت اور شہرت...... مگر گال تو اس کے اب بھی گیلے تھے۔

❀

قسمتیں ہیں مسافر

مصباح علی سید

پتھر ہے، مگر برف کے گالوں کی طرح ہے
وہ شخص اندھیروں میں اجالوں کی طرح ہے
الجھا ہوا ایسا کہ کبھی کھل نہ وہ پائے
سلجھا ہوا ایسا کہ مثالوں کی طرح ہے

”شکروندارے شکروندارے......
مورا پیا موسے ملن آیو......
کھڑ کھڑ ہاسی دوراداسی چانن ہیوے جند پیاسی
لوں لوں ٹھنڈارے اجی لوں لوں ٹھنڈارے مورا پیا
موسے ملن آیو......“ گرمی اور حبس سے بے حال کاشفہ نے آہنی گیٹ توڑ دینے کی حد تک پیٹا۔ پھر جی کی یاددہانی پر پرس سے انٹرنل لاک کی چابی نکالی اور انتہائی پریشانی میں اندر قدم رکھا۔ چند پل میں وہ تمام واقعات دماغ میں گھوم گئے جو آئے دن اخبارات کی زینت بنتے تھے۔

”شادی کے عین قریب گھر میں ڈاکہ نقدی زیور سب لے گئے گھر میں پانی کے بہانے سے خواتین گھس گئیں۔ گھر والوں کو ہراساں کر کے ایک کمرے میں بند کیا اور تمام جہیز کے ساتھ فرار دن دہاڑے شادی کے گھر میں ڈاکہ زنی مزاحمت پر اہل خانہ پر فائرنگ قہقہے ماتم کدہ میں بدل گئے اور جانے کیا کیا انہیں دہلا رہا تھا۔ عجلت میں دہاڑ سے گیٹ کھولا۔ در و دیوار پر تھرتھلی اور زمین پر زلزلے کی سی کیفیت پیدا کرتی نشے میں چور شوخیلی آواز تیز میوزک نے ان کا استقبال کیا۔ پھر تو مانو ان کا دماغ گھوم گیا۔ ایک تو گرمی اور مہنگائی نے دماغ بھرکس بنا رکھا تھا اوپر سے قیامت خیز میوزک۔

”آنے والا دروازہ پیٹ پیٹ دم توڑ دے ان بے غیرتوں کی بلا سے......“ انہوں نے بڑبڑاتے ہوئے سارے شاپرز لاؤنج کے سینٹر ٹیبل پر پٹخے اور تیزی سے بند دروازے کی جانب بڑھیں جہاں سے ساؤنڈ سسٹم ہر چیز تہس نہس کر کے شکر بانٹ رہا تھا۔ ”میں کرتی ہوں انہیں ”لوں لوں ٹھنڈا...... ملواتی ہوں پیا سے......“ ایک جھٹکے سے کاشفہ نے دروازہ کھولا۔ میوزک کا ریلہ ان کے کان کے پردے پھاڑ دینے کو کافی تھا۔

”لشکارے نیناں تمہارے ہستی مستی رنگ اتارے......
میل پریتم کملی کیتم، چھم چھم ناچوں چڑھ چوبارے......

”میں نچواتی ہوں تمہیں چوباروں پر...... بے غیرتوں...... ماں اتنی گرمی میں باہر کھڑی گیٹ پیٹ پیٹ بے حال ہوگئی اور ان رانیوں پر نین ہلاتے میل پریتم کے رنگ چڑھے ہیں۔“ ان کی غصے سے پھٹتی آواز پر تمام لڑکیاں کرنٹ کھا کر رکیں تھیں کسی کی آنکھیں پھٹ پڑیں کوئی ہونٹ دانتوں میں دبائے کھسیانی بنی کھڑی تھی۔ بھورے گھنگھریالے بالوں کی الجھی پونی، دھلا صاف ستھرا چہرہ، سفید سچے موتیوں کی لڑی میں جکڑے نارنجی بھرے بھرے ہونٹ اور کانچ جیسی شفاف آنکھوں میں اترتی شرمندگی اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا چٹکیوں کے ساتھ لہراتی سپید کلائیاں کیسے یک لخت نیچے گرے آخر پورے پنڈال کی جان بنی درمیان میں جھوم رہی تھی۔ عام حالات ہوتے تو شاید اس قدر شرمندگی نہ ہوتی لیکن اس وقت امی کے پیچھے شنجی کھڑا تھا۔ اس کے ہونٹ سختی سے بند تھے مگر اس کی آنکھوں اور رخساروں پر تمسخرانہ مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔ ان کی ہونے والی عزت افزائی پر جی بھر کر محظوظ ہو رہا تھا۔

دریچہ نے اسے کھا جانے والی نگاہوں سے گھورا اور دوپٹہ درست کرتی ایک جانب ہوگئی۔

"اور تم......" کاشفہ اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ "بازار ساتھ چلتے ہوئے تو لاہور کی تیاری یاد آگئی تھی اب کیا یونیورسٹی والے ڈانس دکھانے پر این او سی جاری کرنے ہیں۔ یہ تیاری کرنی تھی گھر رہ کر......" انہیں اس کی پسند کی شاپنگ اس کے بغیر کرنی پڑی تھی۔ اسے ناچتے دیکھ کر ان کا غصہ حق بجانب تھا۔ "شرم نہیں آئی دو ہفتے رہ گئے شادی میں اور یہ محترمہ چوباروں پر چڑھ کر شکروندے کا سوچ رہی ہے' حد ہوگئی بے حیائی کی۔" دریچہ اس وقت برداشت کی انتہا پر تھی حالانکہ وہ چپ کر کے سن لینے والی لڑکیوں میں سے قطعاً نہیں تھی۔ اپنی صفائی میں جو بن پڑے منہ پر کہہ دینے والی صاف گو تھی لیکن اس وقت جانے کس لحاظ نے اسے روکے رکھا۔ نارنجی ہونٹ کچلتی بھرائی آنکھوں سے صرف امی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی نمی پر اس کے دل کو دھکا سا لگا اور فوراً آگے بڑھ آیا......

"اوہو آنٹی...... آپ خوامخواہ ہی غصہ کررہی ہیں' کر لینے دیں انہیں موج مستی' شادی میں صرف دو ہفتے تو رہ گئے ہیں' پھر یہی میری پیاری سی بھابی بہار رانی بننے کے خواب دیکھ رہی ہیں' بہت جلد نوکرانی میں بدل جائیں گی۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا......؟" نوکرانی جیسی تشبیہ وہ بھی فجی کے منہ سے اس کے لیے قابل برداشت نہیں تھا۔ شکر ہے اس نے آستین چڑھاتے لہجہ بدلہ تھا کوئی چیز اٹھا کر اسے ٹھونک نہیں دی۔ کاشفہ کی گھرکی سے اس کی آستین نیچے ہوئی مگر وہ بڑبڑا رہی تھی۔

"بعد میں پوچھوں گی' تمہیں تو میں......"

"ہاں...... ہاں' بالکل......" اس نے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔ "بعد میں تو بلدیہ پر اس نوکرانی کا راج ہوگا۔ وہ چھٹی کرے گی تو سارا شہر کانوں کو بلکہ ناک کو ہاتھ لگائے گا۔"

"فجی کے بچے......"

"اچھا...... اچھا اب بس کرو۔" کاشفہ نے نشست سنبھالتے ہوئے کہا۔ "مجھے پانی پلاؤ۔ اس قدر گرمی اوپر سے مہنگائی اور پھر تمہاری چخ چخ دماغ خراب کردیا ہے میرا۔"

"ہائی ڈیئر آنٹی...... آپ بھی کچھ دیر میوزک سن لیں ریلیکس ہوجائیں گی۔" وہ ان کے قریب ہی بیٹھ گیا اور باقاعدہ کندھے دبانے لگا۔ چھوٹی ملیحہ دونوں کے لیے پانی لے آئی تھی شکریہ کے ساتھ دونوں نے گلاس لیے۔ مدیحہ اور اس کی سہیلیاں موقع دیکھ کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔ وہ بہت اطمینان سے بیٹھا تھا جیسے اپنے گھر جانے کا قطعاً ارادہ نہ ہو۔ اس گھر میں ہمیشہ سے اس کا بہت دل لگتا تھا۔ غالباً نٹ کھٹ سی دریچہ اور اس سے چھوٹی دونوں بہنوں سے اس کی خوب بنتی تھی۔ وہ چاروں ہی ہم مزاج تھے اور آج کل تو شادی کا خوب سماں تھا۔ تینوں بہنیں تیار رہتیں اور پڑوس سے اپنی سہیلیوں کو بلا کر کبھی ڈھولک رکھ لیتیں اور کبھی ساؤنڈ سسٹم اور ایسے سر لگاتیں کہ تان سین کو لوگ بھول جائیں اور وہاں اپنے گھر میں ہمیشہ کی خاموشی تھی۔ دو ہی بھائی تھے' بڑا فصیح اپنے نام کی طرح فصاحت و بلاغت کا منبع' اپنے کام سے اس قدر دیانت داری مجال کہ ایک آدھ دن چھٹی کرلے اور کوئی ڈھولک پارٹی اپنے گھر بھی رکھ لے پر...... نہ جی' انیقہ مکمل گھریلو خاتون ان کی دنیا صرف ماسی کے دائرے میں گھومتی تھی۔ یہاں کی جھاڑ پونچھ وہاں کی صفائی' اس کی دھلوائی' لگتا تھا وہ دنیا میں صرف گھر کو سجانے سنوارنے کے لیے آئیں ہیں یا شاید صفائی پر ورلڈ ایوارڈ لینے کا جنون تھا اور اپنے اس چھوٹے سپوت فجی کے ساتھ ان کی صرف چند منٹ ہی بنتی تھی۔ غالباً وہ گھر بھر کا سب سے کام چور' نکھٹو سست ترین فرد تھا' ہر طرف پھیلاوا' کاٹھ کباڑ پھیلا کر رکھنے والا' فصیح اس کی چیزیں سنبھال سنبھال کر رکھتا اس کی بکھری کتابیں استعمال کی اشیاء ریک میں رکھتے ہوئے اکثر کہتا تھا۔

"فجی یار اب تم بڑے ہوگئے ہو' کچھ سنجیدگی لاؤ مزاج میں ورنہ تمہاری بیوی تو یار تمہیں چیزیں اٹھا اٹھا کر مارا

کسے گی......“

”پہلی بات تو یہ ہے فصیح صاحب......“ وہ کشن گود میں دبائے ڈھٹائی کے تمام ریکارڈ توڑتے ہنسنے لگا۔ ”میں ایسی خبطی بیوی لاؤں گا نہیں جسے ہماری اماں کی طرح چیزیں سنبھال سنبھال کر اینٹیکس بنانے کا جنون ہو......اور دوسرا میں آپ کی ٹریننگ کر رہا ہوں۔“

”کیا مطلب؟“ اسے اچنبھا ہوا۔

”مطلب یہ کہ مستقبل قریب میں جو آپ کی ہم سفر بننے والی ہیں انہیں مجھ سے زیادہ چیزیں بکھیرنے کی عادت ہے......چلو شاباش میری یہ شرٹ جھاڑ کر الماری میں ہینگ کرو......زیادہ بڑبڑ نہ کرو۔“ وہ اپنے ایک اور کام کا حکم صادر کرکے باہر نکل گیا اور فصیح نے حقیقتاً کھلے دل سے اس کے سنجیدہ ہونے کی دعا کی۔ سلمان علی جب سے ریٹائر ہوئے تھے چوبیس گھنٹوں میں سے سولہ گھنٹے اپنی اسٹڈی میں پائے جاتے‘ دل اوب جاتا تو ہوا خوری کے لیے اپنے قریبی دوست کی طرف ہو آتے یا پھر کھانا اور سونا اس طرح کی سنجیدہ اور بارعب فیملی کا فرد ہونے کے باوجود شجی میں نام کی سنجیدگی نہیں تھی۔ وہ چند گھنٹوں میں اپنے گھر سے بیزار ہو جاتا تھا۔ کبھی دوستوں کے ساتھ پارٹیز‘ کبھی تفریحی ٹرپ آج کل فصیح کی شادی کی وجہ سے نئی ایکٹویٹی مل گئی تھی۔ آنٹی کو شاپنگ پر لے جانے کے بہانے بہت سا وقت ان کے گھر گزار لیتا اور پھر گھر جا کر ساری داستان امیر حمزہ فصیح اور اماں کے گوش گزار کرتا۔

❀......☆......❀

سلمان علی اور احمد ضیاء نہ صرف فرسٹ کزنز تھے بلکہ بینک میں کولیگ اور بہترین دوست بھی تھے۔ سلمان علی کے دو بیٹے تھے فصیح علی اور شجی علی۔ فصیح علی کو ایم اے سوشیالوجی کے بعد میونسپلٹی میں سب ڈائریکٹر کی جاب مل گئی تھی۔ ایک قابل ترین ایماندار آفیسر‘ شجی ایم بی اے کے بعد میڈیسن کی ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کر رہا تھا۔ احمد ضیاء کی تین بیٹیاں تھیں دریجہ‘ مدیحہ‘ ملیحہ۔ دونوں چھوٹی مدیحہ‘ ملیحہ کراچی یونیورسٹی میں گریجویشن کی اسٹوڈنٹ تھیں مگر دریجہ شروع دن سے آرٹسٹک ذہن رکھتی تھی۔ اسے سائنس یا بزنس ایجوکیشن میں قطعاً دلچسپی نہیں تھی۔ فنون لطیفہ کا اس پر بھوت سوار تھا۔ کراچی سے ایف اے کرنے کے بعد اس نے لاہور اپنے ننھیال جانے کی بے انتہا ضد کی تھی۔ نیشنل کالج آف آرٹس میں پڑھنا اس کی بہت سی خواہشات میں سے ایک تھی۔ احمد ضیاء لڑکی کے اتنا دور پڑھنے کے حق میں قطعاً نہیں تھے لیکن اس نے ضد اور نانی کی حمایت سے وہاں ایڈمیشن لیا تھا۔ نانو نے ہی ابا سے کہا تھا۔

”احمد تم کس دنیا میں رہتے ہو بیٹا‘ آج کل لڑکیاں بیرون ملک پڑھنے جارہی ہیں اور تم اپنے ہی ملک میں پابندی لگائے بیٹھے ہو۔“

”اماں جی وہ لڑکیاں بھی سنجیدہ مزاج ہوتیں ہیں‘ آپ جانتی تو ہیں دریجہ کی عادت کو......ایک جگہ ٹک کر بیٹھ نہیں سکتی‘ ہر کسی سے دوستی گانٹھ لیتی ہے‘ پھر ہاسٹل میں کیسی لڑکیاں ملیں۔“

”یہ کیا بات کردی تم نے احمد ضیاء......!“ نانو نے تعجب سے انہیں دیکھا۔ ”اپنی نانی کے ہوتے وہ کیوں ہوسٹلوں میں رہنے لگی۔“ اور پھر انہوں نے ابا کو قائل کر ہی لیا۔ جس طرح ہر بار اپنی لاڈلی نواسی کی ضد پر سفارشی بن جاتی تھیں‘ اس بار تو ضد بھی اپنے پاس بلانے کی تھی آخر انہیں منوا کر اٹھیں۔ یوں دریجہ احمد لاہور چلی گئی۔ وہ کراچی یا تو چھٹیوں میں آتی یا کوئی خاص ہنگامی صورت حال میں اور تب ہی سلمان علی کی فیملی سے ملاقات لازمی ہوتی اور فصیح اس سے ہمیشہ ایک ہی شکوہ کرتا تھا۔

”تم نے اتنی دور ایڈمیشن لے کر اچھا نہیں کیا......میں تو ان فاصلوں کو ناپتے ناپتے ہی ختم ہو جاؤں گا۔“

”تمہیں کس نے کہا ہے کراچی ٹو لاہور روڈ کا ٹھیکہ لینے یا سیورتج کروانے کو‘ میں نے بائے ایئر سفر کرنا ہے۔“ اس کے تجاہل عارفانہ پر وہ اسے گہری نگاہوں سے تکتا رہ جاتا تھا۔ ان دونوں فیملیز کے مراسم نے اولادوں میں بے حد بے تکلفی پیدا کردی تھی۔ وقت کی بے لگام کروٹوں نے یہ بے تکلفی محبت میں بدل دی۔ سنجیدہ کم سخن اپنے کام
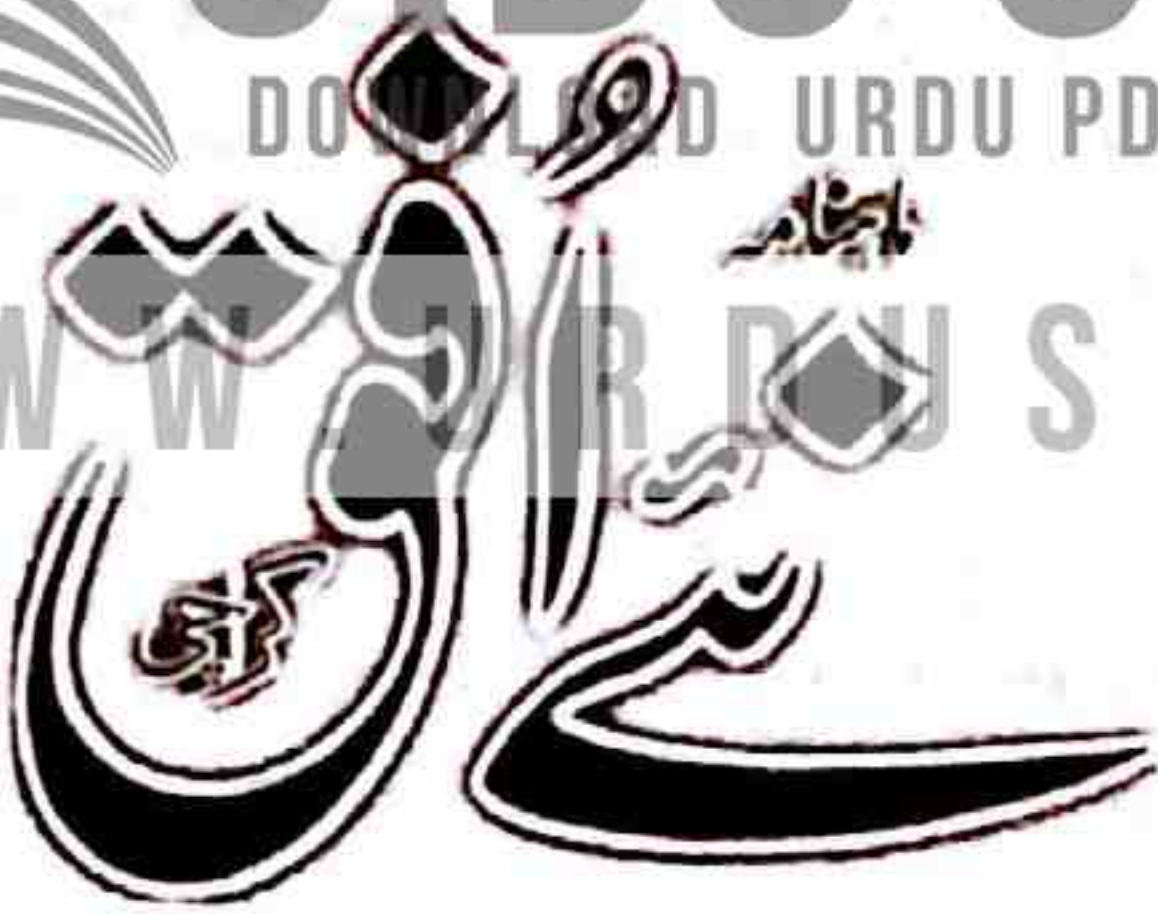
سے کام رکھنے والے فصیح علی کے دل میں کب شوخ و چنچل کامنی سی دریچہ احمد براجمان ہوئی اسے شاید خود بھی نہیں پتا تھا۔ اس کے لاہور ایڈمیشن لینے پر دل کی بہت قریب رگ میں چٹکی سی محسوس ہوئی تھی۔ تو لنے پر دل کی دھڑکن بے لگام ہوتے ہاتھ چھوڑنے لگیں۔ اس کا ماں باپ کے ساتھ خاص روایتی رشتہ نہیں تھا کہ کسی لحاظ کے تحت کوئی بات شیئر نہ کرتا اس نے برملا اظہار دونوں سے کیا تھا۔

''دنیا میں والدین اور بہن بھائی ہی ہوتے ہیں جو ایک اکائی کی مانند ہوتے ہیں اور مجھے اپنے بیٹے پر فخر ہے اس نے ہمیں ایک اکائی کی صورت سمجھتے ہوئے اعتماد کیا۔'' سلمان علی اس کے شانے پر ہاتھ رکھے مان بھرے انداز میں بولے اور وہ دھیما سا مسکرا کر رہ گیا۔

لان میں لگے پام کے اونچے درختوں پر بلبلوں کے جوڑوں نے کئی گھونسلے بنا رکھے تھے۔ سبک رفتاری سے چلتی مسحور ہوا سے ان کے گھونسلے فرحت آگیں ہوجاتے ان کے سروں کی میٹھی لے دلوں کے موسم کی شادمانی پر جھوم کر فضا میں خمار بھرتی تھی۔

دلوں کے موسم بہت رابطے میں رہتے ہیں۔ ٹیلی کام کا کوئی سسٹم اتنا برق رفتار نہیں ہوتا جتنا ایک سچے دل سے دھڑکتی چاہت دوسرے کے دل کی دھک دھک نہ بن جائے۔ لڑکیاں ویسے ہی اس صلاحیت سے ناقابل فہم حد تک آگے ہوتی ہیں۔ فصیح نے اس سے نہ تو کوئی اظہار محبت کیا تھا نہ گہری نگاہوں کی الوہی تپش سے دیکھا تھا۔ بلکہ وہی معمول کا انداز تھا بات چیت میں وہی فاصلہ اور رکھ رکھاؤ لیکن پھر بھی دریچہ کی پلکوں پر فصیح نام کے ستارے ٹمٹمانے لگے۔ اس کا نام سنتے ہی مسکراتے جگنو اپنی مانگ میں بسیرا کرتے محسوس ہوتے۔

سرد موسم کی اترتی شام ماحول میں سرمئی ساز بکھیر رہی تھی۔ سلمان علی اور انیقہ اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ خاصے اہتمام کے ساتھ آئے تھے وہ اکثر ہی شام میں آجاتے تھے لیکن آج ان کی آمد میں کچھ غیر معمولی پن تھا۔ بہت سا فروٹ، مٹھائی اور پھول وغیرہ بھی ہمراہ تھے۔

ڈرائنگ روم سے آتی ان سب کی ملی جلی آوازوں میں خوشی کا رس ٹپک رہا تھا۔ دریچہ تب ہی نیند سے بیدار ہوئی اور آوازوں پر سیدھی ادھر ہی آ گئی تھی۔ سیاہ بڑی بڑی آنکھوں میں نیند کے تیرتے گلابی ڈورے‘ گوری رنگت‘ دہکتے رخساروں کی لالی ہونٹ کا کونہ دباتے آنکھیں چھوٹی کیے وہ سب کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ غالباً اس کے آنے پر یک لخت سب خاموش ہوئے اور چہروں پر ذومعنی مسکراہٹ تھی۔ اس کی الجھی بھوری پونی سے نکلتے بال اور خمار زدہ حالت کو دیکھ کر کاشفہ نے اپنی عقل پر ماتم کیا تھا۔

”آئے ہائے..... اس تحفے کو تو جگا دیتی‘ اتنے خاص موقع پر یونہی سر جھاڑ منہ پہاڑ اٹھ کر آ گئی۔“ دریچہ‘ ملیحہ کو بھی امی کا شکوہ سنتے ہی ہوش آیا تھا۔ غالباً جب وہ لوگ یوں اچانک اور خوب اہتمام سے آئے‘ موجود افراد سب چونک گئے تھے۔ دریچہ کا خیال تھا یقیناً انکل نے اپنے بیٹوں کی کہیں بات طے کر دی ہے شاید وہی بتانے آئے ہیں۔

”گدھی.....“ ملیحہ نے اسے ٹہوکا دیا۔

”اگر صرف بتانے آتے تو مٹھائی کا ایک ڈبہ لے آتے‘ زیادہ ہی خوشی تھی تو ٹوکرا لے آتے لیکن لڑکی والوں کے گھر سے آیا سامان کم از کم سارا نہ اٹھا کر لاتے۔“

”ہوسکتا ہے بیٹوں کی پرموشن ہوئی ہو.....“ دریچہ نے پھر سے رائے دی۔ ”مشک پشک بھی تو دیکھو ان کی۔“

”پرموشن.....!“ اس نے تعجب سے اسے گھورا۔ ”کیا ابا نے سفارش کی تھی جو اتنی رشوت لے کر آ گئے..... کوئی اور معاملہ ہے.....“ اس معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لیے ہی وہ دونوں ڈرائنگ روم سے کھسکی تک نہیں تھیں بلکہ انیقہ کے دائیں بائیں بیٹھ گئیں تاکہ اماں اشارے کنائے سے اٹھائیں بھی نہ..... متحرک احمد علی اور کاشفہ بھی تھے اور اسی لیے اہم شخصیت کو جگانے کا خیال تک نہ آیا اور جب احمد ضیاء کے سامنے سلمان علی نے دست سوال پھیلایا تو مانوں سب ششدر رہ گئے۔ کاشفہ تو جیسے سانس لینا بھول گئی تھیں۔

”دیکھو کاشفہ بہن.....“ انیقہ نے مان بھرے ہاتھ سے ان کا ہاتھ دبایا۔ ”بھلے میری اپنی کوئی بیٹی نہیں لیکن وہ میرے بیٹے کی پسند ہے اور بیٹے مجھے اپنی جان سے زیادہ پیارے ہیں اس کی پسند کو تو میں سینے سے لگا کر رکھوں گی۔“

”بالکل انیقہ بہن۔“ کاشفہ کی آواز قدرے بھرا گئی۔ ”لیکن اتنا بڑا فیصلہ کرنے کے لیے ہمیں کچھ سوچنے کا موقع تو دو۔“

”آپ جتنا مرضی وقت لیں..... ہمیں کوئی جلدی نہیں۔“ سلمان علی نرمی سے بولے۔ ”بس فیصلہ ہمارے حق میں ہونا چاہیے۔“ اسی سوچ بچار میں وہ محترمہ سب کو بھولی رہیں۔ صبح ہی لاہور سے آئی تھی اور لمبی تان کر سو رہی تھی جب آوازوں پر کسمسائی تو سیدھی ادھر ہی آ گئی اور اب باری باری سب کو ہونقوں کی طرح دیکھ رہی تھی۔ کاشفہ نے اسے ڈپٹا کہ حلیہ درست کر کے آئے لیکن انیقہ فوراً اٹھیں اور اپنے ساتھ لگا لیا۔

”ہمیں اس کی سادگی ہی تو پسند ہے۔“ الجھی الجھی ہونٹ کاٹتی دریچہ کن اکھیوں سے دیکھتے فصیح کے دل میں کہیں اندر تک بستی جا رہی تھی۔ انیقہ نے اسے اپنے ساتھ بٹھا لیا تھا۔ فجی جسے زیادہ دیر چپ رہنے سے اپنے گنگ ہونے کا گمان گزرتا تھا ماں کے کان میں سرگوشی کرنے لگا۔

”بڑا سیدھا سمجھتی ہیں اپنے نیکو بیٹے کو..... لڑکی دیکھو چن کر پسند کی ہے۔“ کچھ کچھ دریچہ کو اندازہ ہو چلا تھا‘ کچھ اس کے اندر بہت سی گھنٹیاں یک لخت بجنے لگیں وہ مزید سرخ ہوتی جا رہی تھی۔

❀......☆......❀

ضیاء احمد نے سلمان علی کی خواہش کا دل سے احترام کیا تھا چند دن بعد وہ اپنی دونوں چھوٹی بیٹیوں اور بیوی کے ساتھ جا کر رضامندی دے آئے تھے۔ پام کے درختوں پر ایک نئے جوڑے نے پھر سے نیا گھونسلہ بنا لیا تھا۔ فضا میں اٹھنے والی غیر معمولی ہوا فوراً بھانپ لیتے اور سر بدل کر ہلچل مچا دیتے۔ باقی جوڑے بھی ان کے گرد منڈلانے

لگتے۔ شور مچاتے بلبلوں کے جھنڈ کو ضیاء احمد گلاس ونڈو سے دیکھتے ہوئے استعجابیہ مسکرائے تھے۔

"انہیں کیا ہوگیا بہت شور مچا رہے ہیں۔"

"انکل جی! بڑوں سے سنا ہے پنچھی خطرے کی بو جلدی سونگھ لیتے ہیں۔ یقیناً فصیح صاحب کے پاس اظہار ہمدردی کے لیے آنا چاہ رہے ہوں گے۔ بہت پھر لیے میاں آوارہ گردی کرتے اب چھری تلے آنے والے ہو۔" فصیح کچھ دیر پہلے ہی آفس سے آیا تھا اور اس کے لیٹ آنے کے سبب شجی اسے دیکھتے ہوئے کہہ گیا۔ اس نے ہمیشہ کی طرح مسکرا کر بھائی کی بات کو ٹالا مگر انیقہ نے ہاتھ جوڑتے ہوئے قدرے ڈپٹا تھا۔

"خدا کے واسطے شجی...... اگر تمہیں ڈھنگ کی بات کرنا نہیں آتی تو چپ رہا کرو۔"

"کیا ہوگیا بہن۔" کاشفہ کی ہمدردی پر اس کی گردن پھر سے تننے لگی۔ "ایک یہی تو رونق ہے آپ کے گھر کی......"

"تو اور کیا' دوسرے نے تو گونگے کا گڑ کھا رکھا ہے۔" اس کی اونچی بڑبڑاہٹ پر سب کا مسکراہٹ چھپانا ناگزیر تھا۔

❁......☆......❁

سردیوں کی سنسان رات کا فسوں ہر چیز پر طاری تھا۔ مزید بادلوں کی گھن گرج نے ہولناکی بڑھا رکھی تھی۔ وہ آج خلاف معمول جلدی گھر آ گیا تھا اپنے معمول کے کاموں کے بعد خاموشی سے بیڈ پر ایسے لیٹا تھا دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسائے سر کے نیچے رکھے مسلسل چھت تک رہا تھا اس کے چہرے پر خاصی گہری مسکراہٹ تھی۔ سامنے والے بیڈ پر شجی کانوں میں ہینڈ فری لگائے اپنے پسندیدہ ٹریک سننے میں مصروف تھا اس کا ایک پاؤں مسلسل ہل رہا جیسے ہی گانے میں بریک آیا اس نے کروٹ بدلی۔ نگاہ فصیح پر گئی۔ اس کے سنجیدہ چہرے پر مسکراہٹ کا جال تھا۔ شجی کو خاصی حیرت ہوئی بلکہ وہ اس کے مزاج میں خوشگوار تبدیلی کئی روز سے محسوس کر رہا تھا۔ اس وقت خاموش رہنا اس کے لیے ناگزیر ہو گیا تھا۔

"کیا ہوگیا میرے بڑے مزاج بھائی کو ہر وقت ٹوتھ پیسٹ کا اشتہار بنے رہتے ہو، کیا دانتوں کی صفائی بھی میونسپلٹی کے اندر آ گئی ہے۔" فصیح نے ایک نگاہ اس کی جانب دیکھا پھر مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی۔ شجی نے بھی مزید کریدنے کی کوشش نہیں کی۔ غالباً دونوں فیملیز میں شروع سے بے تکلفی تھی۔ ان دونوں کی بات طے کرنے کے بعد منگنی کے چکر میں پڑنے کے بجائے ڈائریکٹ نکاح کی رسم ادا کی گئی تھی اور شادی دریچہ کا بی ایس کمپلیٹ ہونے کے بعد طے کی گئی تھی۔ نکاح کے بعد تعلق کو خاصی مضبوطی مل گئی اسی لیے وہ اب آرام سے دریچہ کی بات شجی سے شیئر کر لیتا تھا۔ اس وقت بھی کچھ دیر کو خاموش رہا پھر بھینچے ہونٹ وا ہوئے۔

"شجی......"

"ہوں......"

"تمہیں دریچہ کیسی لگتی ہے؟"

"ایک دم جوکر......" بے تکے جواب دینے والے شجی سے وہ اس سے زیادہ کیا توقع رکھتا اس نے خفیف سی گھوری دیتے ہوئے کہا۔

"بی سیریس یار۔"

"مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو۔ تمہاری منکوحہ ہے تم بتاؤ؟" اس کے بھرے رخساروں پر مسکراہٹ چمک کر پھیل گئی۔ وہ چھت پر غیر مرئی چیز ڈھونڈتے بھیگے لہجے میں بولا۔

"یار یہ واحد لڑکی ہے جس نے مجھے اچھا خاصا ڈسٹرب کر رکھا ہے' شجی مجھے ایسے لگتا ہے ہمارے گھر میں صرف اسی کی کمی ہو......اور......" اس کے مزید کچھ کہنے سے پہلے وہ بات کاٹ کر بولا۔

"کیوں ڈیکوریشن پیس جیسی لگتی ہے؟ فانوس کے ساتھ لٹکانے کا ارادہ تو نہیں کہیں......" شجی اس کی نظروں کے تعاقب میں خالی چھت دیکھ کر جھنجلایا اور وہ کندھے کے سہارے بیڈ کراؤن کی جانب قدرے اونچا ہوتے ڈپٹ

کر بولا۔

''یار پلیز، کبھی تو سیریس ہوجایا کرو، کوئی بات تو سن لیا کرو۔''

''خدا کے لیے فصی بھائی جان۔'' اس نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے اپنے سیل فون کو کچھ دیر کے لیے اسٹاپ کیا۔ ''میں یہ روز روز کے دریچہ نامہ سے تنگ آ گیا ہوں، صاف لفظوں میں آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ وہ جلد از جلد ہمارے گھر آ جائے تو یار اماں ابا سے کہو..... میں نمائندہ کیا کرسکتا ہوں۔'' اس نے دوسری جانب کروٹ لی اور اپنا ٹریک پھر سے آن کرلیا۔ فصیح نے پھیکا سا مسکرا کر رخ بدل لیا اس کی آنکھوں میں دریچہ نامی نئے دیپ جل گئے تھے۔

❁......☆......❁

موسم بہار کی آمد آمد تھی۔ سبز پتوں پر پیلی ڈوڈیوں والے پھول فضا کو معطر کرنے میں مشغول تھے۔ رنگا رنگ تتلیاں، بھنورے ان پر منڈلاتے انہیں خراج دیتے تھے۔ ڈھلتی دھوپ میں مست ہوا کا جھونکا سب کے لیے سرور بخش تھا یہاں تک کہ بلبلیں اپنے گھونسلوں سے نکل کر کچی شاخوں کو پینگ بنائے جھولنے آ جاتیں۔ سر لگاتیں، ماحول میں کئی ساز ندے جاگ جاتے۔ اس سحر انگیز لمحوں میں گرم تلخ چائے جسم کو مطلوب تھی۔ انیقہ کنیز کو چائے اور کچھ لوازمات تیار کرنے کا کہہ کر ان سب کے بیچ لان میں آ بیٹھی۔ سلمان، فصیح آمنے سامنے بید کی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ ان کے برابر ہی نجی اپنا لیپ ٹاپ گھٹنوں پر رکھے تیز تیز انگلیاں اس کے کی بورڈ پر چلاتا بظاہر خاصا مصروف دکھائی دے رہا تھا لیکن وہ کچھ اس طرح کا بندہ تھا کہ بیک وقت کئی کام کرلیتا تھا۔ اس وقت اپنے آفس کا کام نپٹاتے ہوئے باپ بھائی کی گفتگو میں اپنی عقل کے مطابق دخل اندازی کررہا تھا۔ سلمان علی انیقہ کے بیٹھتے ہی انہیں دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''ایسی بھی کیا جلدی ہے تمہارے بیٹے کو، ابھی تو گرمی آرہی ہے..... گرمی کے بعد دیکھیں گے۔'' انیقہ فصیح کو دیکھتے ہوئے ایسے مسکرائیں جیسے انہیں یقین تھا یہ موضوع ابھی بدلا نہیں ہوگا۔

''کیوں گرمی میں شادیاں نہیں ہوتیں۔''

''نہیں..... گرمیوں میں چھٹیاں ہوتی ہیں۔'' فصیح کی بات پر نجی ہنا کسی کو دیکھے کہہ بولا تھا۔ ''بھول گئے بچپن میں تین ماہ کی چھٹیاں ہوا کرتی تھیں، چلو شاباش چھٹیوں کا کام کرو، شادی بعد میں۔'' انیقہ نے پہلے اسے گھورا پھر کنیز سے چائے کی ٹرے پکڑی اور سب کے لیے چائے تیار کرنے لگیں۔ سلمان کے بعد دوسرا کپ فصیح کے آگے رکھا اور نرمی سے بولیں۔

''فصیح ابھی دو ماہ پہلے تو تمہارا نکاح ہوا ہے، اب یک لخت انہیں شادی کا کہہ دیں۔ کاشفہ بیچاری کیسے اتنی جلدی تیاری کرے گی۔ لڑکی والوں کی تیاری بہت زیادہ ہوتی ہے بیٹا۔''

''تو امی آپ ان سے کہہ دیں، ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔ سب کچھ تو ہے ہمارے گھر میں۔'' فصیح کے سادہ سے جواب پر نجی کی زبان گدگدانے لگی اس نے ''Thats good'' کہتے ہوئے لیپ ٹاپ پر ہاتھ مار کر بند کیا اور مسکرایا۔

''امی آپ انکل سے کہیں اس کے ماتھے پر ٹکٹ لگائیں اور ہمارے گھر ارسال کردیں، کیسی پیاری لگے گی اسٹیمپ والی دریچہ میم۔'' اس کی بات کسی نے نہیں سنی۔ انیقہ مسلسل فصیح کو سمجھانے میں لگی رہیں۔

''ہم لاکھ انکار کرتے رہیں مگر لڑکی کے ماں باپ کبھی بیٹی کو خالی ہاتھ تو رخصت نہیں کرتے بیٹے۔ پھر تمہارے انکل کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی۔ بیٹا ان کا ہے نہیں، دونوں چھوٹی والی کالج چلی جاتی ہیں اور دریچہ اس نے پیپرز کے لیے لاہور چلے جانا ہے۔ ایسے میں کاشفہ بیچاری تو چکرا کر رہ جائے گی، گھر دیکھے گی یا تیاری کرے گی اور پھر مجھے بھی تو تیاری کے لیے وقت چاہیے۔ چند دنوں میں یہ سب کیسے ممکن ہے بیٹا؟'' انیقہ نے رسانیت سے کہتے ہوئے کیک کی پلیٹ اس کی جانب کی اس نے ایک چھوٹا

ٹکڑا اپنی پلیٹ میں رکھا۔

"امی یہ تو خوامخواہ کا ایشو ہے تیاری کیسے ہوگی......؟"

اس نے کرسی کی پشت پر اپنی کمر جمالی۔ "میں اور فجی ہیں ناں آپ کو جتنی شاپنگ کرنی ہے ہم لے جائیں گے آپ جہاں سے کہیں گی جب کہیں گی میں تیار ہوں۔ بلکہ آنٹی کو بھی لے جاؤں گا۔"

"ہاں...... ہاں بالکل۔" انہوں نے فجی کے قریب بسکٹوں کی پلیٹ کھسکائی۔ "تم تو لے جاؤ گے اور لوگ کیا کہیں گے لڑکا سسرال والوں کو خود ہی شاپنگ کروا رہا ہے ویسے بھی تم جانتے ہو تمہارے یک دم نکاح پر پہلے ہی کتنی باتیں بنی ہیں اب اور موقع مل جائے گا۔"

"اوہو...... ایک تو آپ لوگوں سے ڈرتی بہت ہیں۔"

"تو کیا نہ ڈروں...... جینے دیتے ہیں؟"

"چلیں ایسا کرتے ہیں......" اس نے کیک پیس منہ میں رکھتے ہوئے مشورہ دیا۔ "آپ کو میں شاپنگ کروا دوں اور آنٹی کو فجی۔" اس نے ایک نظر فجی کو دیکھا' وہ پلیٹ سے بسکٹ اٹھا کر اس کی ساخت چیک کر رہا تھا۔

"اب تو ہر چیز ریڈی میڈ مل جاتی ہے' مسئلہ ہی کوئی نہیں ہے۔ کیوں فجی......" اس نے حمایت طلب نگاہ فجی پر اٹھائی وہ اس وقت چائے میں بسکٹ بھگونے میں مصروف تھا۔ بسکٹ کا ٹکڑا نرم ہو کر اندر ہی ڈوب گیا اور اس وقت وہ ڈوبے ٹکڑے کے ریسکیو مشن پر لگا تھا۔

"حرکتیں دیکھو اس کی...... یہ کروائے گا تیاری۔" انیقہ کے استہزائیہ کہنے پر سلمان علی نے اسے عینک کی اوٹ سے مسکرا کر دیکھا۔ اب وہ دوسرے بسکٹ سے پہلے بسکٹ کا حلوے نما ملبہ ڈھونڈ نکالنے میں کامیاب ہوا اور منہ میں رکھتے ہوئے بھرپور طریقے سے بولا۔

"بالکل...... بالکل جناب میں دل و جان سے حاضر ہوں...... آپ کہیں تو ابھی جا کر ضیاء انکل سے کہتا ہوں' بندہ ناچیز حاضر ہے چند دن کے لیے اپنی فرزندی میں قبول کرلیں۔"

"اسٹوپڈ۔" انیقہ نے ایک چپت اس کے چوڑے شانے پر لگائی۔ "فرزندی میں داماد کو لیا جاتا ہے۔"

"چلو...... پورٹر فرزند کہہ لو۔" اسے دوسرا بسکٹ بھگوتے دیکھ کر سلمان علی مسکرائے۔

"تمہارا یہ بھی ڈوب جائے گا۔"

"پاپا ہم تو ڈوبے ہوؤں کو نکالنے میں ماہر ہیں۔"

"میں کیا بات کر رہا تھا آپ لوگ کہاں بسکٹ لے کر آ گئے۔" اپنا موضوع خطا ہوتا دیکھ کر فصیح بڑبڑایا۔

"مائی ڈیئر برادر۔" اب وہ چائے کا کپ لبوں سے لگاتے ہوئے لحہ بھر رکا چسکی لی پھر بولا۔ "مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے آنٹی کا شفہ کو شاپنگ کروانے میں لیکن بھیا آپ اپنی ذمہ داری پر بھیجیں یہ نہ ہو اتنا ینگ اسمارٹ' گڈ لکنگ لڑکا دیکھ کر معاملہ بگڑ جائے۔" اس نے کپ پرچ میں رکھا اور اپنی کن پٹی کھجانے لگا۔ "جانتے ہو ناں اپنی اس حسینہ کو پل پل مزاج بدلتی ہے یہ نہ ہو عین ٹائم پر مکر ہی جائے۔" اس کی اس قدر نامعقول بات پر نا صرف سلمان علی نے ملامتی انداز میں گھورا بلکہ انیقہ نے بھی اچھی خاصی سنائیں۔

"ہمیشہ اول فول ہی بکنا' کبھی بھیجا بھی استعمال کرلیا کرو' یا پھر صرف یہ تربوز جتنا کھوپڑا سزا کے طور پر اٹھائے پھرتے ہو۔" یقیناً وہ اپنی بات پر گڑبڑا گیا تھا فوراً دماغ پاس ہونے کا ثبوت دیا۔

"مائی ڈیئر موم...... شاید آپ کو سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے میرا مطلب ہے ان کے گھر میں اور بھی حسین نمونے پائے جاتے ہیں' اگر ہماری بھابی صاحبہ نے کہہ دیا وہ اکیلے محاذ پر نہیں نکلیں گی...... بلکہ کوئی مجاہدہ بھی دیورانی کی صورت ساتھ ہو تو...... پھر تو ہو گئی ناں عین شادی پر گڑبڑ۔"

انیقہ نے اسے نروٹھے پن سے دیکھا۔

"خبردار اگر اپنی نگاہوں کو ادھر ادھر بھٹکنے دیا۔ مجھے بھی عزت سے چار دن گزارنے ہیں۔ میں ایک فیملی سے ایک ہی بہولاؤں گی...... سمجھ آئی۔" ان کی تنبیہہ پر وہ کرنٹ کھا گیا۔

"اوہ ماں کیا مطلب...... ہم دو چشم و چراغ ہیں آپ

کے۔" اس نے وی کی صورت بنائی۔ انگلیوں سے ایک انگلی موڑی اور دوسری شہادت کی انگلی کو پھٹی آنکھوں سے دیکھا۔ "لڑکی ایک ہی اتنا تضاد...... "اگر وہ اٹھ کھڑا نہ ہوتا قریب تھا لبیقہ اسے جوتے لگاتیں۔

"ایک دم فضول انسان ہو تم۔"

"نان سینس۔"

"گدھا۔" تینوں کے ملامتی جملوں نے اسے کچھ غلط بول دینے کا احساس دلایا تھا اس نے اپنی خجالت مٹانے کو آہستگی سے "سوری" کہا اور پھر وہاں سے جانے میں عافیت سمجھی مبادا زیادہ بولنے کی بیماری میں مزید کچھ نا غلط نکلے۔

❀......☆......❀

فصیح کی مسلسل ایک ہی رٹ کئی ہفتے سے جاری تھی۔

"پلیز آپ انکل آنٹی سے بات تو کریں۔" لبیقہ اور سلمان علی نے اسی سلسلے میں آخر کار شفقہ احمد ضیاء سے بات کی۔ ان کے عین خیال کے مطابق انہوں نے کچھ درپیش مجبوریوں کا ذکر کیا لیکن سلمان علی زور دیتے رہے بالآخر احمد ضیاء کو ہی بات ماننا پڑی۔ اتنی بڑی خوشی کی خبر لمبے چوڑے حسن کے مالک اور ہلکے پیٹ والے نجی کی آنت میں کیسے سما سکتی تھی۔ اتفاقاً وہ کل ہی چھٹیوں پر گھر آئی ہوئی تھی۔ اسے ایگزامز کے سلسلے میں کچھ پینٹنگز تیار کرنا تھیں کئی تاریخی مقامات کا وزٹ کر کے تخیل اکٹھا کرنا تھا۔ وہ سفر کی تھکاوٹ اتارنے کے لیے ابھی لیٹی ہی تھی کہ نجی کا فون کھڑکا۔ ساری تفصیل اس کے کانوں میں انڈیلی۔ وہ ہک دک رہ گئی۔ اس کے ایگزیمز قریب تھے ایسے میں یوں اچانک شادی۔

"دماغ خراب تو نہیں ہو گیا تمہارے بھائی کا......"

"یہ تو میڈم آپ کی تشریف آوری کے بعد ہی پتا چلے گا...... فی الحال تو اپنا دانہ پانی سمیٹ لو...... وہ اٹھا چاہتا ہے۔"

"بکو مت...... میں خود بات کروں گی فصیح سے۔"

❀......☆......❀

ڈھلتی دوپہر میں ساری نارنجی گرم انگیٹھیاں سمٹ گئی تھیں۔ ہوا کے چند جھونکوں نے ہی موسم کی تپش لپیٹ کر ایک جانب رکھ دی۔ اس نے ٹیکسی کی اور سیدھی اس کے آفس آ گئی۔ آفس آورز ختم ہو چکے تھے لیکن وہ حسب عادت اپنے بہت سے کام سمیٹ کر آنے والے دن کے لیے اپنے وزٹ، میٹنگز سب ایک فائل پر اتار کر تنقیدی نگاہ باقی ماندہ کام پر ڈال کر پھر آفس سے نکلتا تھا۔ وہ ایک کم عمر لیکن حد درجہ فرض شناس آفیسر تھا۔ اس وقت بھی اپنی تمام چیزیں سمیٹ کر ڈراز میں رکھیں لاکڈ کیا' پھر اپنے لیپ ٹاپ سے جلدی جلدی کوئی ای میل ٹائپ کرنے لگا۔ اس کے روم کا ڈور کھٹاک سے کھلا۔ اس نے چونک کر نگاہ اٹھائی۔ پہلے حیرانگی پھر مسکراہٹ رخساروں پر سج کر چہرے کا حسن بن گئی۔ صاف ستھرا دھلا دھلایا صبیح چہرہ' بڑی بڑی آنکھوں میں ہرنی جیسا غصہ اور اس غصے کو دو آتشہ کرتے سرخ ہونٹ۔ وہ عام سے حلیے' عام سے لباس میں تھی۔ جیسے کھٹاک سے دروازہ کھلا تھا ویسے ہی ہاتھ مار کر بند بھی کر دیا تھا۔

"تم......!" وہ کرسی دھکیل کر احتراماً اٹھا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس کے پورے استحقاق سے بیٹھنے پر وہ بھی روبرو بیٹھ گیا۔

"خیریت...... کیسے آنا ہوا...... اور لاہور سے کب آئیں؟" اس کے اتنے بھولے انجانے بننے پر اس کا غصہ مزید سوا ہو گیا۔ نتھنے پھلاتے ہوئے بولی۔

"کیا ہے یہ سب؟" سپید رنگ پر غصے کی لالیاں دیکھ کر اس نے ہونٹ بھینچ کر اپنی ہنسی دبائی۔ بیٹھے بیٹھے اپنی ریوالونگ چیئر قدرے آگے کھسکائی اور دونوں بازو ٹیبل پر جماتے ہوئے بولا۔

"میرا آفس ہے مادام......"

"میں اس ڈربے کی بات نہیں کر رہی۔" اس نے ایک ناقدرانہ نگاہ پورے روم پر ڈالی۔ اس نے آبرو چڑھا کر جس طرح ناک سیکیڑی تھی فصیح کے مسکراتے ہونٹ تحیر سے کھل گئے۔

''ڈربے...... '' اتنی انسلٹ اس بیچارے کے آفس کی وہ پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا اس نے بھی ٹیبل کی سطح پر اپنی نازک ہتھیلیاں جمائیں۔

''تم جانتے بھی ہو میرے ایگزیمز شروع ہونے والے ہیں پھر بھی یہ خرافات چھیڑ رہے ہو...... مجھے نہیں کرنی ابھی شادی وادی...... مجھے سکون سے پیپرز دینے دو۔'' وہ اپنی گھنی مونچھوں پر انگشت رکھے چھوٹی چھوٹی آنکھیں کیے مسلسل اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے اس طرح دیکھنے پر اکتاہٹ سے قدرے آگے ہوئی اور اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

''او مسٹر...... تم سن بھی رہے ہو یا نہیں؟'' اس کے سنجیدہ چہرے پر مسکراہٹ آن پھیلی اور اثبات میں سر خم کیا۔

''سن بھی رہا ہوں...... دیکھ بھی رہا ہوں۔''

''کیا بکواس ہے۔'' اس کے اس قدر کھوئے لہجے پر وہ جھنجلائی اور ٹیبل پر رکھا کرسٹل پیپر ویٹ اٹھالیا۔

''تم یہ کھاؤ گے مجھ سے......''

''اوئے...... اوئے رکھواسے یار...... لگ جائے گا۔'' وہ اس کی پیش قدمی کو روکتے ہوئے اپنی کرسی سے اٹھا اور اس کے قریب آکر ٹیبل پر بیٹھ گیا۔ اس کے ہاتھ سے پیپر ویٹ لے کر واپس جگہ پر رکھا۔

''اب بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟''

''بتایا تو ہے...... میرے پیپرز......''

''تو یار دو سکون سے، کس نے روکا ہے، ویسے بھی تمہارے پیپرز اسی ماہ میں ختم ہو جائیں گے اور بعد میں بھی آٹھ دس دن ہوں گے شادی کی تیاری کے لیے۔'' اس کے اس قدر سکون بھرے لہجے پر اس کا جی چاہا اسے دھکا دے کر ٹیبل سے گرادے۔ وہ منہ چڑھا کر رہ گئی۔

''آٹھ دس دن...... اور وہ جو میری ایگزیبیشن ہے...... وہ......'' ان کی شادی انہی دو ماہ کے اندر فکس کی گئی تھی اور ڈیٹ سے صرف چند دن پہلے اس کی ورک ایگزیبیشن تھی۔ جس کی مارکیٹنگ رزلٹ پر اثر انداز ہونا تھی۔ اس نے اپنی ایگزیبیشن کے لیے بہت کچھ پلان کر رکھا تھا اور اب سب کچھ چوپٹ ہوتا دیکھ کر اس کی پریشانی دیدنی تھی۔

''اوہو یار یہ کون سا اتنا بڑا مسئلہ ہے جلدی جلدی کمپلیٹ کرلو اور ایگزیبیشن تمہاری ڈیٹ سے تین چار دن پہلے ختم ہو جائے گی، تم بلاوجہ ہی ڈسٹرب ہو رہی ہو۔'' شادی کی ڈیٹ اس کے تمام شیڈول کو سامنے رکھ کر ترتیب دی تھی اور اس کی اسی آگہی پر وہ منہ پھلا کر رہ گئی۔

''کیا کچھ غلط کہہ دیا میں نے۔'' اس کے تنک چڑھے انداز پر وہ مسکرا گیا۔ ''یار تم میری خاطر اتنا بھی نہیں کر سکتیں کہ اپنا ورک جلدی سمیٹ لو۔'' اس سے پہلے کہ وہ اس کے ہاتھ پکڑ کر سمجھاتا اس نے ٹیبل سے اپنے ہاتھ اٹھا کر جھولی میں رکھ لیے۔

''ظاہر ہے یہی کروں گی، تم تو ہٹنے والے نہیں ہو...... اور ویسے بھی تم سے شادی کرنے سے بڑا کوئی ٹاسک ہوگا زندگی میں۔'' وہ دانت جماتے ہوئے جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی وہ بھی مقابل ہوا۔

''کیا کریں محترمہ؟ آپ کا یہ کھڑوس، ناکام عاشقوں والی صورت والا بندہ اب مزید آپ کے بنا نہیں رہ سکتا، اس کے گھر اور زندگی کو آپ کی ضرورت ہے۔'' اس نے اتنی معصوم صورت بنا کر وہ تمام القابات استعمال کیے جو وہ شجی کے ساتھ مل کر اس کے لیے صیغے کے طور پر استعمال کرتی تھی۔ بجائے شرمندہ ہونے کے وہ ہنسنے لگی اور تمام غصہ خفگی جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

''تم ہنستی ہوئی بہت اچھی لگتی ہو۔'' اس نے گردن اوپر کرتے ہوئے اس کی جانب دیکھا وہ گہری نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ''زیادہ غصہ مت کیا کرو، تمہیں سوٹ نہیں کرتا۔'' اس کے لفظوں سے زیادہ نگاہوں میں اثر تھا وہ لمحہ بھر میں بھیگنے لگی۔

آفس آورز ختم ہو جانے کے سبب اسے اٹھنا تو تھا ہی، وہ اسے اپنے ساتھ چلنے کی آفر کر رہا تھا۔ چاہتے ہوئے بھی وہ جانا نہیں چاہتی تھی۔ غالباً اگر کسی نے دیکھ لیا تو بہت سی

باتیں بن سکتی تھیں۔ وہ اس کی بات پر قدرے حیران ہوا...... اتنی بولڈ لڑکی کو بھی لوگوں کی فکر ہوسکتی ہے پھر مضبوط لہجے میں کہا۔

''چلو میرے ساتھ، دیکھتا ہوں کون کیا کہتا ہے؟'' وہ ٹیبل سے اپنی چابیاں، موبائل، سن گلاسز اور دوسری چیزیں سمیٹتے ہوئے چلا۔ اس کے لیے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا، وہ مسکرا کر اس کی سنگت میں بیٹھ گئی تھی۔

''تمہیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، تم فصیح علی کی بیوی ہو...... سمجھیں۔'' اس نے سن گلاسز لگاتے ہوئے لحہ بھر اسے دیکھا اور گاڑی اسٹارٹ کرلی۔ اجیت سنگھ کی مدھر آواز کانوں میں رس گھولنے لگی۔

''آئے جائے دل تیری جانب، آنا جانا لگتا ہے واجب
عشق میں تیرے دل ہے مسافر......

اس نے کن اکھیوں سے اس کی جانب دیکھا، وہ ونڈو اسکرین سے باہر بھاگتے مناظر دیکھتے کسی سوچ میں ڈوبی تھی۔ فصیح نے گلاسز اتار کر ڈیش بورڈ پر رکھے اور متوجہ کیا۔

''کیا ہوگیا ہے یار...... جسٹ ریلیکس......''

''میرا دل بہت گھبرا رہا ہے فصیح...... مجھے ڈیٹ فیکس ہونے کی کوئی خوشی محسوس نہیں ہورہی......''

''کیوں...... مجھ پر اعتبار نہیں ہے کیا...... یار دیکھنے میں سنجیدہ لگتا ہوں، مگر ہوں نہیں ڈونٹ وری۔''

''بھولا دھڑکنیں تیری خاطر، ہے یہ واسطے تیرے حاضر!!
عشق میں تیرے دل ہے مسافر!!
نیندیں بھی لے گئے، مجھے یوں دے گئے بے چینیاں،
دل ہے مسافر......!

اس کے احساسات کی ترجمانی سروں میں لپیٹ کران کے گرد بکھر رہی تھی۔ اس نے اِدھر اُدھر کی باتوں میں اس کا دھیان بٹا کر اس کا موڈ قدرے بہتر کیا پھر ایک بہترین ہوٹل میں ڈنر کروانے کے بعد وہ اسے گھر تک چھوڑنے آیا تھا۔ وہ اسے گیٹ پر چھوڑ کر نہیں گیا تھا...... اور نہ اسے ایسا کچھ پسند تھا...... اگر کسی نے انہیں اکٹھے دیکھ لیا ہے تو وہ یہ بھی دیکھ لے چوروں کی طرح چھوڑ کر نہیں جارہا بلکہ پورے استحقاق کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تھا۔ کاشفہ ان دونوں کو اکٹھے دیکھ کر قدرے حیران ہوئیں، خالہ اور دریحہ کسی فرینڈ کا بتا کر گئی تھی اور آمد فصیح کے ساتھ، حیران کن بات تو تھی۔ دریحہ خود بھی گڑبڑا گئی۔ بھلے کتنے ہی روشن خیال خاندان سے تعلق سہی لیکن مشرقی رسومات واقدار فطرت میں گھلی تھیں۔ شادی سے پہلے میاں کے ساتھ پھرنا لوگوں کو دس باتیں بنانے کا موقع دے سکتا تھا۔ اس سے پہلے کہ کاشفہ کچھ پوچھتیں یا دریحہ بات گھڑتی۔ وہ بول پڑا۔

''کیسی طبیعت ہے انکل کی اب؟ میں آج آپ ہی کی طرف آنے کا سوچ رہا تھا کہ راستے میں یہ محترمہ مل گئیں۔'' پھر اس کی جانب خفیف سا رخ کرکے کہا۔

''بھئی کچن میں جائیں آپ، خاطر مدارات کریں مہمان آئے ہیں۔'' کاشفہ کے ذہن سے بھی یہ خیال جھٹک گیا اور اس کی تائید کی۔

''ہاں...... ہاں جاؤ اندر اور چائے کا انتظام کرو۔'' وہ اسے لاؤنج کے صوفوں پر بٹھائے ضیاء احمد کی بیماری کی ساری تفصیل بتاتی رہیں۔ کئی روز سے ان کی شوگر اور بلڈ پریشر اپ ڈاؤن ہورہا تھا۔

''اس وقت کہاں ہیں؟''

''دوا کھا کر سو رہے ہیں۔'' وہ انہیں بہت دیر تسلیاں دیتا رہا پھر دوبارہ آنے کا کہہ کر اٹھا تھا۔

❀......☆......❀

شادی کی تیاری کے لیے ایک مہینہ تھا۔ انیقہ اور کاشفہ دونوں کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ کبھی دونوں اکٹھی بازار چلی جاتیں تو کبھی فیجی کے ساتھ۔ دونوں کے مشوروں سے بہترین تیاری ہوگئی تھی۔ اس ایک مہینہ میں دریحہ کے پیپرز بھی ہوگئے تھے۔ جیسے ہوئے جس طرح کے ہوئے مگر وہ دے کر آچکی تھی۔ اس کے پریکٹیکل ورک میں پندرہ دن تھے اور اس کی تین روزہ ایگزیبیشن مایوں سے دو دن پہلے ختم ہونا تھی۔ آج کل وہ اپنا کام تیز تیز مکمل کرنے میں

مصروف تھی۔ اس کا یہی ارادہ تھا کہ ایگزیبیشن سے ایک دو روز پہلے اپنی تمام پینٹنگز لے کر لاہور چلی جائے گی اور مایوں والے دن ننھیال والوں نے تو آنا ہی ہے انہی کے ساتھ صبح صبح واپسی ہوگی۔ وہ اپنی پلاننگ میں غلطاں دن رات کام مکمل کرنے میں مصروف تھی۔ ہلکا سا میوزک لگا کر ایک برش کان کے پیچھے دوسرا کیچر میں جکڑے بالوں کی پونی میں اور تیسرے باریک برش سے اسٹروکس کی تصویر میں تصورات کے رنگ بکھیر رہی تھی۔ ایسے میں اگر فصیح کا فون آجاتا تو کینوس پر تخیلات کی دھنک محبت کی آمیزش سے پھیل جاتی۔ اس کا کمرہ خاصا بکھرا ہوا تھا۔ وہ ایگزیبیشن میں لے جانے والا اپنا سامان سمیٹ رہی تھی تمام پینٹنگز پیک کرچکی تھی مگر اس کی اپنی پیکنگ جوں کی توں پڑی تھی۔ غالباً اسے پانچ چھ دن لاہور میں رہنا تھا۔

جیسے ہی اسے تیز میوزک کا شور سنائی دیا...... اپنے بالوں کو جوڑے کی شکل میں بل دیتی لاؤنج میں نکل آئی۔ گھر میں مدیحہ، ملیحہ کی فرینڈز آئی ہوئی تھیں۔ انہیں شادی کی خبر ہوئی تو میوزک لگا کر لڈی کی تیاری شروع کردی۔

"شکر ونڈا رے، مورا پیا موسے ملن آئیو......"

اب ایسے لنگر لگے میوزک پر دریحہ جیسی شوخ لڑکی بھلا کیسے پیکنگ کر پاتی اس نے تیاری شام پر چھوڑی اور خود بھی شکر ونڈے میں پیش پیش ہوگئی تھی۔ کاشفہ فجی کے ساتھ مارکیٹ گئی تھیں۔ دریحہ کی بارہا منتیں کرنے کے باوجود وہ ساتھ نہیں گئی اور جب گھر لوٹیں تو محترمہ سب کو ڈانس پریکٹس کروا رہی تھیں۔ کاشفہ کا غصہ دیدنی تھا۔ جسے فجی نے کنٹرول کیا تھا۔ غالباً وہ خود اس طرح کی رونقوں کا رسیا تھا۔ فجی کے جانے کے بعد اس نے سارا پھیلاوا بہنوں کے ساتھ مل کر سمیٹا۔ صبح اسے پہلی ڈائیو سے لاہور جانا تھا اور پھر مایوں کی صبح ہی لوٹنا تھا۔ یعنی چند دن بعد یہ گھر پرایا ہو جائے گا۔ شاید اس بات کا اثر تھا یا کچھ اور وہ ساری رات ٹھیک طرح سو نہ پائی تھی۔ صبح کی کرنیں مقررہ وقت پر پھوٹی تھیں۔ شفق کی ہلکی سی لالی اس کی آنکھوں کے گرد بھی ڈیرہ ڈالے ہوئے تھی۔ کاشفہ کے ہزار کہنے کے باوجود بھی وہ ٹھیک طرح سے ناشتہ نہیں کر رہی تھی۔ اسے ڈائیو ٹرمینل پر پہنچنے کی جلدی تھی۔ احمد ضیاء اسے ٹرمینل تک چھوڑنے گئے تھے وہاں فصیح ان سے پہلے پہنچا ہوا تھا۔ وہ سرخ پھولوں کا بکے پکڑے ان کی جانب بڑھا۔

"تم......" اسے وہاں دیکھ کر دریحہ کو خوش گوار حیرت ہوئی۔

"جی جناب میں...... سوچا تمہیں سی آف ہی کر آؤں۔ جانے پھر کب اور کس سچویشن میں ملاقات ہو۔" بظاہر اس نے خاصے ذومعنی لہجہ میں کہا تھا لیکن پھر بھی چہار اطراف اداس گھنٹیوں کی آوازیں ابھرتیں محسوس ہوئیں۔

وہ اسے پھول پکڑانے کے بعد احمد ضیاء سے بغل گیر ہوا تھا۔ وہ سامان بک کروانے کے بعد ویٹنگ لاؤنج کے صوفوں پر بیٹھے تھے۔ ان کی طبیعت اور دواؤں کا پوچھتے ہوئے بار بار اس کی نگاہ اس کی اداس معصوم آنکھوں پر رک جاتی۔ اس وقت وہ پہلے جیسی کھلنڈری شوخ چنچل دریحہ سے قطعاً مختلف لگ رہی تھی۔ اداس اداس، الجھی، بکھری سی۔ اپنے ہونٹوں کو بے رحمی سے کاٹتی سوچوں کے تاروں سے لپٹی سی۔ بس کی روانگی کا اعلان ہوتے ہی تمام مسافر اندرونی دروازے کی طرف بڑھ گئے تھے۔

"اللہ حافظ۔" وہ مضبوط قدم اٹھاتا قدرے آگے آیا۔

"اللہ حافظ۔" جواباً اس کی لانبی پلکیں پھڑپھڑائیں۔

"جس دن ایگزیبیشن ختم ہو، پلیز اسی دن آجانا۔" اس نے فرمائش کی۔

"کوشش کروں گی۔" وہ ڈگمگائی۔

"میں شدت سے منتظر رہوں گا۔" اصرار بڑھنے لگا۔

"میں پوری کوشش کروں گی۔" اس کے لب الفاظ کا ساتھ چھوڑنے لگے۔

وہ احمد ضیاء سے مل کر دونوں کو ہاتھ ہلاتی، ٹرمینل کے اندرونی دروازے میں گم ہوگئی تھی۔ احمد ضیاء اور فصیح باتیں کرتے ٹرمینل سے باہر آگئے تھے۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھے اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے بس کے جانے کا منتظر تھا۔

چند لمحوں بعد بس دھول مٹی اڑاتی زن سے اس کے پاس سے گزری تھی۔ وہ بس کی اگلی سیٹوں پر بیٹھی تھی۔ دونوں کی نظریں ایک بار پھر ملی تھیں لب کپکپائے تھے لیکن دونوں کو ہی ایک دوجے کی کچھ سمجھ نہیں آئی تھی۔ وہ ریت کے دھند لکے میں اسے گاڑی سے ٹیک لگائے اداس و منتظر کھڑا دکھتی رہی۔

یہاں تک کہ وہ گرد کا ہیولہ بنتا غائب ہوگیا۔ احمد ضیاء نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اسے چلنے کا کہا۔ ان کے سامنے اپنی اس عجیب وغریب کیفیت پر وہ اچھا خاصا کھسیا گیا تھا۔ فوراً بڑھ کر گاڑی کھولی اور انہیں ڈراپ کرنے کے بعد گھر آ گیا تھا۔ نیشنل کالج آف آرٹس لاہور کی ایگزیبیشن بہت زبردست رہی تھی۔ نیو ٹیلنٹ کو اچھے ریمارکس میں سراہا گیا تھا۔ وہ اتنی اچھی حوصلہ افزائی پر بہت پُرجوش تھی۔ تینوں دن گھر آتے ہی فصیح کو فون کر کے تمام ریمارکس سناتی اور وہ اس کی بچکانہ گفتگو سے خوب محظوظ ہوتے ہوئے فوراً واپسی کی یاددہانی کروا دیتا۔

آج اس کی ایگزیبیشن مکمل ہو چکی تھی۔ گھر آتے آتے خاصی دیر ہوگئی۔ رات کو جلدی سوئی اور صبح بھی خاصی دیر سے اٹھی تھی۔ اٹھتے ہی اسے پہلا خیال فصیح کا آیا۔ صرف اس خیال سے فون نہیں کیا وہ آج ہی واپسی کی بے حد ضد کرے گا بلکہ ناراض ہوگا کہ ابھی تک نکلی کیوں نہیں؟ ماموں نے تمام فیملی کے لیے کل شام کی سیٹیں بک کروا رکھی تھیں وہ بھلا آج اکیلی کیوں نکل پڑتی۔ تقریباً شام کا وقت تھا اس نے فصیح کو کال ملا ہی لی مگر سگنل پرابلم اس قدر تھا اسے کمرے سے نکل کر لان میں آنا پڑا۔ ہوا کی بندش نے وہاں خوب گھٹن کر رکھی تھی۔ زرد آسمان گرد اور مٹی سے خوب اٹا ہوا تھا۔ دھول کی تہہ سورج کی کرنوں پر حاوی ہوتی جا رہی تھی۔ آسمان کے کنارے بہت سرخ تانبے کی طرح دہک رہا تھا۔

زرد گدلا آسمان سرخیوں کے ہالے میں...... موبائل کی چمکتی اسکرین پر کنیکٹ سرچنگ سے نگاہ اٹھا کر اس نے پھر سے آسمان کو دیکھا اس پر وحشت ڈیرہ ڈالنے لگی۔

''نانی لگتا ہے آندھی آنے والی ہے۔'' نانی اماں بھی لان میں بیٹھی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتیں دوسری جانب رابطہ ہو گیا تھا۔

''کیسی آندھی مادام؟'' وہ حیرانگی سے بولا۔

''کچھ نہیں...... میں نانی سے کہہ رہی تھی...... اور تم سناؤ کیسے ہو...... کہاں تھے اور...... ہاں السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام۔'' اس نے جواب دیا۔ ''الحمدللہ میں فرسٹ کلاس' اور آج آئی نہیں ناں۔'' اس کے متوقع شکوے پر وہ ہنستی رہی۔

''ہنس لو میری بے بسی پر۔ کوئی بات نہیں' یاد کرو گی' کتنی چاہت سے آج بلا رہا تھا۔''

''اچھا' اب بس بھی کرو۔'' اس نے ملتجی انداز میں کہا۔ ''یہ بتاؤ کہاں ہو تم...... اور کیا کر رہے ہو؟'' اس نے عام سے سوال سے موضوع بدلا۔

''ڈرائیو......'' یک لفظی جواب۔

''کہاں جا رہے ہو؟''

''چرچ۔''

''واٹ...... چرچ کیوں......؟'' اسے اچنبھا ہوا' پھر ذہن پر زور دیتے یاد آ گیا۔ میونسپل کارپوریشن کے انڈر جتنی بھی سرکاری املاک آتی تھیں خواہ اسکول' ہسپتال' مسجد' چرچ' ان سب کی دیکھ بھال اس ادارے کی ذمہ داری تھی اور فصیح میونسپلٹی میں سب ڈائریکٹر تھا اور ایسی جگہوں پر اس کا آنا جانا لگا رہتا تھا لیکن آج سنڈے تھا اور آف والے دن چرچ......!

''کیوں کیا مطلب ڈیئر......'' ایئر پیس میں اس کی آواز ابھری۔ ''اٹس مائی جاب۔''

''لیکن آج آف ہے۔''

''تو......'' اس نے گیئر بدلتے گہرا سانس لیا۔ ''آف ہے تو کیا ہوا' یار چرچ کے مسائل کا اندازہ تو اس کی strength دیکھ کر ہی ہوگا ناں اور وہ صرف سنڈے کی شام کو معلوم ہو سکتی ہے۔'' اس کی گاڑی کے ٹائر بریک لگنے سے چرچرائے۔ ''پھر یہاں سے مسجد جاؤں گا' وہاں سے

بھی فرش ٹوٹنے کی شکایات آرہی ہیں اور جناب پھر مدر کیٹ جاوس کو ہماری اماں نے بھی شکایت کی ہے ابھی تک فیر وہاں سل کر نہیں آئی۔" اس نے اگنیشن میں چابی گھما کر گاڑی لاک کی۔

"چلو فصیح مسجد تو ٹھیک ہے بندہ چھٹی والے دن بھی نماز پڑھنے جاتا ہی ہے مگر کیا تم ہر سائٹ کا وزٹ خود کرنے جاتے ہو میرا مطلب ہے چرچ بھی۔"

"آف کورس دریچہ ڈیئر۔" اس نے چابیاں پاکٹ میں اڑستے ہوئے کہا۔ "چرچ دوسرے مذہب ہی کی سہی مگر ہے تو عبادت گاہ یہ اسٹیٹ کی ذمہ داری ہے اس کی دیکھ بھال کرے اینڈ مائی ڈیئر میں اسٹیٹ کا ادنیٰ سا ملازم ہوں مجھے اپنا فرض پورا کرنا ہی ہے۔" سرخ اور پیلے آسمان پر تنی چادر میں گڑگڑاہٹ پیدا ہوئی تھی۔ سرخی پیلاہٹ پر چھانے لگی گدلی ہوا کے تیز جھونکے سے دریچہ کا دوپٹہ اور بال مخالف سمت پھڑپھڑانے لگے تھے۔ اس نے فون سر اور کندھے میں دبوچ کر اڑتے بالوں کو سمیٹا۔

"میں نے تو صرف ایک بات کی ہے تم تو غصہ ہی کر گئے۔"

"تو غلط کی ہے ناں ڈیئر۔" اس نے پارکنگ سے قدم چرچ کی جانب بڑھائے تھے۔ "حضرت عمر فاروقؓ کا دور خلافت بھول گئیں جو بلا امتیاز ہر مذہبی عبادت گاہ کا وزٹ کرتے تھے اور شاید کسی چرچ میں ہی تھے جب اس کی شکستہ دیوار کی نا صرف دوبارہ تعمیر کا حکم دیا بلکہ بیت المال سے رقم بھی مختص کی تھی آئی تھنک عصر کی نماز کا وقت ہو گیا تھا تو آپؓ نے چرچ سے باہر آکر صرف اس لیے نماز ادا کی تھی کہیں میرے چرچ میں نماز پڑھ لینے سے بعد میں آنے والے لوگ یہ روایات ہی نہ ڈال لیں اور دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں میں جا کر زبردستی نماز ادا کریں انہیں تنگ کریں ہمارے مذہب میں تو ہر عبادت گاہ کا احترام ہے ہمارا دین تلوار سے نہیں بلکہ تبلیغ اور صلہ رحمی سے پھیلا ہے۔" دریچہ اس کی مذہبی معلومات پر جہاں حیران ہوئی وہاں کچھ بور بھی ہوئی تھی اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ فرض شناسی میں اس قدر سنجیدہ ذہن رکھتا ہے۔

اس کی نظر آسمان پر بڑھتی لالی پر تھی جو ہر طرف تیزی سے پھیل رہی تھی اور بار بار ایک خوف ناک آواز اس میں چمکتی دراڑ ڈال دیتی۔

"دریچہ بچے اندر چلو آندھی آرہی ہے۔" ممانی اپنا چشمہ صاف کرتے تیزی سے برآمدے کی طرف بڑھیں۔ دریچہ اپنے پھڑپھڑاتے کپڑے سنبھالتی ان کے پیچھے تھی۔

"اچھا فصیح میں بعد میں بات کروں گی۔" موسم کی کروٹ کا خوف اس کے لہجے میں در آیا تھا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ اپنا بہت خیال رکھنا یار...... اور پلیز اب جلدی آنے کی کوشش کرو۔" وہ اصرار کرنے کے بعد چرچ کے گیٹ میں داخل ہوا فون پاکٹ میں اڑس لیا تھا۔

سرخ چرچ کے سفید آہنی دروازے سے اندر راہداری تھی جس کے دونوں جانب سرسبز گراؤنڈ تھے۔ گراؤنڈ میں خاصا مجمع تھا۔ وہ اس مجمعے کا حصہ بن گیا۔

گدلی چادر پر بہت خوف ناک باریک ٹیڑھی میڑھی لکیر ابھری اس لکیر میں دہلا دینے والی آواز تھی۔ دریچہ نے لاشعوری طور پر مڑ کر پیچھے آسمان کو دیکھا ہر طرف سرخی ہی سرخی تھی۔ زور آور آندھی مضبوط درختوں کو رکوع کرنے پر اکسا رہی تھی۔ آسمان کی سرخی تپتے ذروں کی صورت زمین پر برسنے لگی۔ زمین کا سینہ سرخ ہوگیا۔ خون کے چھینٹے سفید دیواروں پر لگنے لگے تھے کہیں لوتھڑے گلاس ونڈو پر جا گرے تو کہیں انسانی چیتھڑے پنکھوں پر جھول گئے۔ انسانی زندگی کے ساتھ اتنا بھیانک مذاق مہذب قوموں کی بے حسی کا ثبوت تھا۔ تیسری دنیا کے اس معصوم ملک میں کوئی مسجد، کلیسا، ہسپتال، مدرسہ محفوظ نہیں چھوڑا تھا۔ وہ کیسے پتھر دل ہیں جو ننھی سلگتی آنکھوں میں آہ و بکا کے رسیا ہیں۔ ان آنکھوں میں دریچہ کی آنکھیں بھی شامل ہوگئیں۔

چرچ میں بم بلاسٹ کی خبر دریچہ سے کئی گھنٹے چھپائی گئی تھی۔ غالباً فصیح کی ڈیتھ ابھی کنفرم نہیں تھی لیکن جیسے ہی یہ دردناک خبر ماموں کو پتا چلی انہوں نے تمام ٹریولز

کمپنیوں میں دوڑ لگائی۔ کہیں کوئی ایمرجنسی سیٹ خالی نہیں تھی۔ ایئر لائنز کی تمام سیٹیں بک تھیں۔ وہ اسی کوشش میں تھے کسی طرح ایک دو سیٹوں کا انتظام ہوجائے کم از کم دریحہ کو تو وہاں پہنچایا جائے مگر شاید یہ ممکن تھا ہی نہیں۔ انہوں نے اپنی گاڑی تیار کروائی اور گم صم سی دریحہ کو ممانی اور نانی نے اپنے ساتھ لگا کر بٹھایا ہوا تھا۔ غازیوں کے شہر سے جناح کے شہر جانا کتنا دشوار تھا اس کا اندازہ کوئی دریحہ سے پوچھتا۔ وہ کسی بے جان وجود کی طرح ڈولتی، من من بھاری قدم گھسیٹتی فصیح کے گھر کے لان میں داخل ہوئی تھی وہ گھر جہاں چند دنوں بعد اسے دلہن بن کر آنا تھا آج وہاں وہ بیوہ کی حیثیت سے داخل ہوئی تھی۔ چودہ گھنٹے کی مسافت اور غم سے بے حال دریحہ پر سلمان علی اور احمد ضیاء بھاگ کر قریب آئے۔ مگر وہ بے حس سی لاؤنج کی جانب بڑھ رہی تھی۔ بڑے سے لاؤنج میں چادریں بچھی تھیں اور ڈھیروں خواتین ہر طرف ہجوم ہی ہجوم اور اس ہجوم میں اجنبی بنی کھڑی دریحہ..... سامنے سے مدیحہ، ملیحہ روتی ہوئی اس کی سمت آئی تھیں۔ پیچھے سے شجی بھی سامنے آ کھڑا ہوا، بہت رونے سے سرخ سوجھی آنکھیں متورم چہرہ، وہ روندھی آواز میں بولا۔

"تم آگئیں دریحہ..... وہ تو تمہیں پکارتا چلا گیا۔"

"اتنی دور ایڈمیشن لے لیا، میں تو یہ فاصلہ ناپتے کاٹتے ختم ہوجاؤں گا۔" ایک آواز اس کے کانوں میں لاوا بھر گئی۔

"ابو فصیح کہاں ہے؟" احمد ضیاء نے اسے اپنے سینے سے لگایا۔ "ابو میں پوچھ رہی ہوں فصیح کہاں ہے؟" اس نے سینے سے سر ہٹایا احمد ضیاء کو اپنی ٹانگوں سے جان نکلتی محسوس ہوئی۔

"میں کیا پوچھ رہی ہوں آپ سے..... بولتے کیوں نہیں؟" اس نے مڑ کر نڈھال سے سلمان علی کے دونوں بازو مضبوطی سے پکڑ لیے۔

"انکل پلیز فصیح کہاں ہے کہاں ہے وہ؟ خدا کے لیے مجھے بتائیں وہ مجھے بلا رہا تھا؟ میری منتیں کررہا تھا۔ منتظر تھا میرا، میں آگئی ہوں پلیز بتائیں کہاں ہے وہ؟" لوگ تھے ہجوم تھا نہ تو ڈیڈ باڈی تھی اور نہ ہی وہ سالم وجود تھا۔ اور اس کے سوالوں کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔ غالباً فصیح کے سر پر شیڈ گرنے سے شدید چوٹ آئی تھی سر اور ناک سے بے تحاشہ بلیڈنگ ہورہی تھی اس کی کنڈیشن ایسی نہیں تھی کہ اسے رکھا جاسکے اور دریحہ کے پہنچنے میں کئی گھنٹے لگنے تھے اور اس وقت وہ چلاتے ہوئے ایک ایک کا گریبان پکڑ رہی تھی۔

"میں آگئی ہوں فصیح..... پلیز..... مجھے بتاتے کیوں نہیں آخر وہ کہاں ہے؟ ایسا کیسے ہوگیا انکل؟ آپ سب ایسا کیسے کرسکتے ہیں میرا کسی نے انتظار نہیں کیا؟ کیا میں اتنی پرائی ہوگئی تھی؟" وہ ہذیانی کیفیت میں چلا رہی تھی۔ فصیح کو پکار رہی تھی۔ "فصیح تم نے میرا انتظار کیوں نہیں کیا۔ ناراض ہوگئے؟ میں آگئی ہوں پلیز آجاؤ۔" اس نے پوری قوت سے سلمان علی کے سینے میں سر مارا اور ان کے سینے سے پھسلتی بے دم ہوکر قدموں میں جا گری۔ سب اسے پکڑنے کو لپکے۔

❁ ...... ☆ ...... ❁

زندگی کا ترازو اپنے پلڑے میں خوشی و غم کو تولتا رہتا ہے۔ خوشیوں کا وزن بھلے کتنا دلکش سوندھا سہی مگر غم کا ایک کانٹا اتنا وزنی تھا کہ پلڑے کو زمین سے اٹھنے ہی نہ دے رہا تھا۔ سانحہ کو گزرے چھ ماہ ہوگئے تھے۔ جاتی گرمی میں ٹنڈ منڈ اجڑی شاخوں پر پنچھیوں نے گھونسلے بدل لیے تھے۔ بلبل کے جوڑوں کی اداس آوازیں فضاؤں میں معدوم ہوگئیں۔ خاموشی نے مستقل ڈیرے ڈال لیے تھے وہی گھر جسے وہ سجاتی سنوارتی نہ تھکتی تھیں اب بے ترتیبی کا شکار ہوکر اجاڑ ویرانی میں بدل گیا تھا۔ چھ ماہ گزر جانے کے بعد بھی ان کی ممتا کا زخم ویسا ہی رستا رہتا۔ فصیح کو یاد کرکے زور زور سے رونے لگ جاتیں۔ انیقہ زندگی سے اس قدر بے اعتبار ہوگئی تھیں شجی کا گھر سے نکلنا دشوار ہوگیا تھا۔ بار بار اسے فون کرکے خیریت پوچھتیں، تسبیح، دعاؤں کا ورد جاری رہتا اگر کچھ دیر کو ہی

اسے دیر ہوجاتی ادھر ادھر چکراتی پھرتیں آج بھی شجی اپنے ٹائم سے خاصا لیٹ تھا اور وہ جلے پیر کی بلی بنی لاؤنج قدموں سے ناپ رہی تھیں آخر انہوں نے چھٹی بار کال ملائی جو آدھی بیل پر ہی ریسیو ہوگئی۔

''امی کیا ہوگیا ہے آپ کو' میں آگیا ہوں' گیٹ کھول رہا ہوں۔'' ان کی جان میں جان آئی۔ وہ گاڑی پورچ میں کھڑی کرکے سیدھا ان کے پاس آیا۔

''اتنی ٹینشن مت لیا کریں...... کیوں ہوتی ہیں اتنی پریشان۔'' وہ فائلز لیپ ٹاپ' ٹیبل پر رکھتے ان کے قریب بیٹھ گیا۔ وہ خالی خالی نگاہوں سے اسے دکھ رہی تھیں آواز بھرا گئی۔

''میں پریشان نہ ہوا کروں...... شجی...... میرا دل پھٹ گیا ہے اور تم کہتے ہو میں ریلیکس رہوں۔''

''ایم سوری......'' وہ انہیں اپنے ساتھ لگاتے ان کا شانہ سہلانے لگا۔ ''میں تو اس لیے کہہ رہا تھا کہ آپ کی طبیعت خراب ہوجاتی ہے۔''

''اب اور کیا خراب ہوگی۔'' انہوں نے انگلی کی پور سے آنکھ کا کونہ دبایا۔

''اینچولی میں آج دریچہ کی طرف گیا تھا' اس لیے دیر ہوگئی۔''

''کیسی ہے وہ؟'' انیقہ کے لہجے میں حسرت ابھر کر ڈوبی۔

''امی میں نے زندگی میں آج تک اس سے زیادہ پھیکا رنگ کسی کا نہیں دیکھا' بظاہر ٹھیک لگتی ہے مگر خاموش' کسی ایک آدھ بات کا جواب ہی دیتی ہے۔'' اپنی پھیکی سی آواز شجی کو خود بیگانہ لگی تھی۔ سلمان علی صوفے کی بیک پر آنکھیں موندے بیٹھے دونوں ماں بیٹے کی باتیں سن رہے تھے۔ کسی وقت میں ان کا چہرہ طمانیت بھرا ہوتا تھا مگر اب برسوں کے غم زدہ ضعیف لگتے تھے۔ ان کی آواز میں بھی بڑھاپا اتر آیا تھا۔ بہت ٹھہرے ہوئے لفظوں میں کہا۔

''بیٹا اگر چیزیں بکھر جائیں تو انہیں سمیٹنے میں بھی بہت وقت لگتا ہے' ہم تو پھر انسان ہیں' خواب' خواہش' سوچ' ڈر سب ہمارے ساتھ پیدا ہوا ہے آہستہ آہستہ سمٹ جائے گی وہ بھی۔''

''کیا ایسا نہیں ہوسکتا بابا' ہم اسے اپنے گھر لے آئیں۔''

''مطلب......؟'' دونوں میاں بیوی نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

''مطلب یہ کہ وہ ہمارے ساتھ رہے' ہمارے گھر میں' بھائی کے گھر میں۔''

''ایسا کیسے ممکن ہے؟'' انیقہ نے تھکا ہوا سر صوفہ کی بیک پر پٹخنے کے انداز میں گرایا۔ ''اس کے ماں باپ کیوں بھیجیں گے اسے' کس رشتے سے کس حوالے سے؟'' وہ کرنٹ کھا کر سیدھا ہوا۔

''کیوں...... اس کا کوئی رشتہ نہیں ہے' اس گھر سے' ہم سے' بھائی سے' امی وہ بھائی کی منکوحہ تھی' یہ گھر بھائی کا ہے تو پھر اس کا کیوں نہیں؟ فصیح کی کتنی تمنا تھی وہ اس گھر کا حصہ بن جائے...... پلیز امی۔'' اس نے ایک بار پھر انہیں منانا چاہا۔ ''آپ ایک بار انکل آنٹی سے بات تو کریں' ہم اسے پوری عزت واحترام کے ساتھ رکھیں گے۔''

''تمہارا دماغ ٹھیک ہے شجی؟'' بہت دیر سے چپ بیٹھے سلمان علی اسے ڈپٹتے ہوئے بولے۔

''وہ کیوں آئے یہاں اور ضیاء لوگوں کو کیا جواب دے گا کس کے ساتھ رخصت کی اپنی بیٹی' فصیح کی تمنا کے ساتھ......؟ ایسی صورت حال میں تو لوگ رخصت ہوئی بیٹیاں واپس لے جاتے ہیں اور تم صرف نکاح کی وجہ سے کہہ رہے ہو؟'' سلمان علی کو اس کی بات بے حد احمقانہ لگی تھی اپنی عینک کے شیشے صاف کرتے وہاں سے اٹھ گئے۔ انیقہ نے تھکا ہوا سر صوفہ کی بیک پر رکھ دیا۔ رخساروں کے دونوں جانب چمکتی لکیریں بہنے لگی تھیں۔ وہ بھیگی پلکیں جھپکتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''شجی مجھے بہت دکھ ہوتا ہے جب معصوم سی بچی کے لیے لوگ منحوس کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔'' کل کا سارا واقعہ ان کی نگاہوں میں گھوم گیا تھا۔ وہ پڑوس میں میلاد کی

محفل میں گئی تھیں باتوں کے دوران فصیح کا ذکر چھڑا تو دریچہ کیسے بچ سکتی تھی۔ سامنے والی خاتون کہہ رہی تھیں۔

”بہت ہی بھاری پاؤں ہے اس بچی کا تو' آپ کے گھر قدم رکھنے سے پہلے ہی صف ماتم بچھادی آجاتی تو جانے کون کون سی تباہی لے کر آتی اپنے ساتھ۔“

”ہاں بہن......“ برابر والی نے بھی تائید کی۔”ہوتیں ہیں کچھ سبز قدم جس کی قسمت میں آتی ہیں سیاہی بھر دیتی ہیں۔“ انیقہ کا دل اتنی شدت سے چاہا انہیں سخت سست سنائیں لیکن اتنے لوگوں میں تماشہ بنانا مناسب نہ تھا۔ وہ اتنا ہی کہہ کر وہاں سے اٹھ گئیں۔

”اس میں بچی کا کیا قصور...... میرے بیٹے کی زندگی ہی اتنی تھی۔“ وہ کتنے ہی لوگوں سے اس قسم کی باتیں سنتی رہتی تھیں خاص کر اپنی کام والی اکثر ہمدردی حاصل کرنے کے لیے بات گھما پھرا کر نحوست پر ختم کرتی' کتنی بار اسے ڈانٹ لیا تھا مگر لوگوں کی ذہنیت بدلنا ان کے اختیار میں نہیں تھا۔ ایک خودکش حملہ اور صرف چند زندگیوں کا نقصان تھوڑا کرتا ہے کتنے لوگ اس سے متاثر ہو کر زندہ درگور ہو جاتے ہیں۔ چند ماہ میں انہوں نے اتنے روپے دیکھ لیے تھے کہ ان کا دل کٹ کر رہ جاتا تو کاشفہ اور خود دریچہ کے دل کی کیا حالت ہوگی وہ اکثر سوچتی تھیں۔ فصیح تو شہادت کا رتبہ پا کر سرخرو ہو گیا تھا نہ ختم ہونے والی سولی تو صرف دریچہ کے حصے میں آئی ہے۔ وہ اب پہلے جیسی شوخ وچنچل نہیں رہی تھی بالکل بدل گئی تھی۔ بلکہ اپنی قسمت اور اللہ کے فیصلے پر راضی بارضا رہتی لیکن دیکھنے والوں کو بہت دور سے ہی اس کی پھیکی رنگت' خالی نگاہیں دیکھ کر اس کے غم کا اندازہ ہو جاتا تھا۔ احمد ضیاء بلڈ پریشر کے مریض پہلے ہی تھے اور اب گزرتے وقت اور دکھ نے انہیں باقاعدہ دل کا مریض بھی بنا دیا تھا۔ ان کی بھرپور کوشش تھی جلد از جلد دریچہ کا کہیں رشتہ طے ہو جائے۔ اسی سلسلے میں بہت سے ملنے والوں سے بات بھی کی۔ کئی مہمان آتے اس کی صبیح صورت' دلکش سراپا دیکھ کر دل کرتا تھا ابھی ڈولی لائیں اور اسے بٹھا لے جائیں لیکن جب ذکر مائیوں سے دو دن پہلے کے حادثے کا ہوتا تو بنا کوئی جواب دیئے اٹھ کر چلے جاتے۔ کاشفہ اور احمد ضیاء کے لیے صرف دریچہ کا دکھ نہیں تھا انہیں اس سے سال بھر چھوٹی دو بیٹیوں کی بھی فکر کھانے لگی۔ کاشفہ اکثر ہی کہہ دیتیں۔

”ہم دریچہ کے لیے ہی پریشان ہو رہے ہیں' جانے چھوٹیوں کے لیے بھی کوئی آئے گا یا نہیں.....“ احمد ضیاء سر تھام لیتے۔

وقت دائروں میں تھا اور دائرے ہمیشہ گول گھومتے ہیں۔ ان کے رکنے کے لیے کوئی کنارہ نہیں ہوتا۔ اس کے درد کا دائرہ بھی بڑھتے بڑھتے دو سال اپنے پیروں میں رکید گیا تھا۔ انیقہ' سلمان علی کبھی کبھار دریچہ سے ملنے آجاتے تھے۔ اس نے ایک آرٹ کالج میں جاب کرلی تھی۔ وہ کالج سے واپس آئی سلمان علی اور انیقہ کو لاؤنج میں دیکھ کر سیدھی انہی کے پاس آگئی۔ سلام کر کے انیقہ کے پاس بیٹھ گئی۔

اُم معاویہ

السلام علیکم! ہمیں کہتے ہیں (جی ہمیں سے مراد میرا کوئی گروپ نہیں بلکہ ہم ہیں) نازیہ ناصر لیکن قلمی نام ام معاویہ ہے۔ آنچل سے رشتہ تو بہت پرانا ہے باجی شازیہ پڑھتی تھیں تو بقول امی کہ مجھے اس سے یہ لت لگی ہے۔ ہم چار بہنیں' تین بھائی ہیں دو بھائی حافظ قرآن ہیں الحمدللہ اور میری تعلیم میٹرک ہے اور عالمہ فاضلہ کا کورس کیا ہے۔ میری پیدائش تو جناب 7 جولائی 1996ء ہے شادی کو 4 سال ہو گئے ایک بیٹا عباد معاویہ اور بیٹی وجیہہ صدیقہ ہے۔ کسٹرڈ اور آئس کریم بہت پسند ہیں اور کلرز چاکلیٹ اور سفید' میری خوبی یہ ہے کہ ہر ایک کے ساتھ جلد گھل مل جاتی ہوں اور خامی جلد اعتبار کر کے بعد میں دھوکہ کھاتی ہوں پھر عقل آتی ہے۔ نوجوان نسل کو دیکھ کر دل دکھتا ہے کہ ہم اندھی تقلید کر کے جہنم خرید رہے ہیں' اللہ سب کو شریعت کا پابند بنائے آمین۔ غصہ زیادہ نہیں آتا' آئے تو جلدی اتر جاتا ہے۔ سب کو میرا اسلام' اللہ سب کو حفظ وامان میں رکھے۔

کچھ دیر رسمی حال احوال جملوں کا تبادلہ ہوتا رہا۔ انیقہ کے حسرت بھرے انداز سے تکنے پر وہ کھسیا گئی۔

"آنٹی ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟"

"تمہیں دیکھ رہی ہوں اور ہمارے گھر کیوں نہیں آتیں تم......؟" ان کے شکوے پر اس کی بھنویں سمٹ گئیں۔

"کیا آپ کو ابھی بھی نہیں پتا چلا کیوں نہیں آتی؟" اس کی استفہامیہ نگاہ میں تاسف ابھر کر معدوم ہو گیا۔

"ہونہہ...... آنے سے پہلے اس قدر تباہی تو مچا دی اور کیا کسر رہ گئی۔" انیقہ نے بے دردی سے اپنے ہونٹ بھینچ لیے اور اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"مت ایسے کہا کرو۔" احمد ضیاء کی طبیعت کے پیش نظر سلمان علی انہیں اٹھا کر باہر لے گئے تھے۔ انیقہ کے آنسوؤں میں روانی آ گئی۔ وہ دھیرے سے الگ ہوئی اور اپنی نرم پوروں پر ان کے آنسو چن لیے۔

"آپ جانتی ہیں ناں آپ کے آنسو مجھے تکلیف دیتے ہیں میرے آنسوؤں سے آپ کو درد ہوتا ہے تو کیا ضروری ہے ایک دوسرے کو اپنے سامنے درد کی منزل سے گزارا جائے۔" وہ دونوں ساس بہو جب بھی اکٹھی بیٹھتیں ماحول اس قدر سوگوار ہو جاتا کہ کاشفہ سے ان کی باتیں برداشت کرنا محال ہو جاتا تھا۔ دل پھٹ پھٹ جاتا۔ وہ اب بھی اٹھ کر کچن میں چلی آئی تھیں۔

"کاش دریچہ......" انہوں نے اس کی دونوں ہتھیلیوں پر بوسہ لیا۔ "کاش...... فصیح کے بجائے اللہ مجھے بلا لیتا۔"

"اونہہ......" وہ پھیکا سا مسکرائی۔ "یوں کیوں نہیں کہتیں کہ میں فصیح کی بات مان کر ایک دن پہلے آ جاتی اور پھر دن میں اس کے ساتھ ہوتی، پھر آپ سب کو میری منحوس قسمت پر رونا نہ پڑتا۔"

"دریچہ میری جان۔" وہ دونوں ایک دوسرے سے لپٹ کر بہت دیر آنسو بہاتی رہی تھیں۔

❁ ☆ ❁

کاشفہ کئی دن سے انیقہ کی طرف جانا چاہ رہی تھیں۔ غالباً ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ ویسے بھی جب جب وہ دریچہ سے مل کر آتیں کئی دن تک ڈسٹرب رہتیں سر چکراتا بخار چڑھ جاتا اب بھی ان کے بخار کا پتا چلا تھا۔ کاشفہ نے دریچہ سے کہا جب کالج سے آؤ تو ہم دونوں جا کر دیکھ آئیں گے لیکن اس نے حسب معمول بہانہ بنایا اور فون پر ہی خیریت پوچھ لی تھی۔

رات کا وقت تھا انیقہ کا خود بھی فون آ گیا۔ آج کل وہ دریچہ کے رشتے کے لیے سرگرم تھیں۔ ان کا دل تھا اگر اس بچی کا رشتہ ہو جائے تو شاید میرے دل کو کچھ سکون مل جائے۔ آج کل ان کی چھوٹی بہن ثمینہ اپنے بیٹے کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہی تھیں۔ انہوں نے دریچہ کا ذکر کیا۔ پہلے تو انہوں نے "سوچتی ہوں" کہا پھر اگلے دن فون کر کے انہیں اپنے ساتھ چلنے کا کہا تھا۔ انیقہ تیار تھیں اور اسی سلسلے میں کاشفہ کو اپنے اور بہن کے آنے کی پہلے اطلاع دے دی تھی۔

احمد ضیاء کے ڈرائنگ روم میں بہت خوشگوار ماحول میں سب بات چیت کر رہے تھے۔ جب ثمینہ نے ایک عجیب بات کر کے سب کو حیرانگی میں مبتلا کر دیا۔

"کاشفہ بہن بیٹیاں تو آپ کی ماشاءاللہ تینوں ہی بہت اچھی اور خوب صورت ہیں، اللہ نصیب اچھے کرے لیکن مجھے اپنے بیٹے کے لیے دوسرے نمبر والی ملیحہ بہت پسند آئی ہے۔" انیقہ نے چونک کر بہن کو دیکھا...... وہ خاص کر دریچہ کے لیے اسے لے کر آئی تھیں، کاشفہ نے پھیکا سا مسکرا کر سب کو دیکھا پھر سوچنے کا وقت مانگ لیا۔ انیقہ کو بہن کی اس حرکت پر اچھا خاصا غصہ تھا اور دل میں شکر بھی ادا کیا کہ اس وقت دریچہ وہاں موجود نہیں تھی۔ اس کے چہرے پر لحہ بھر کا اداس سایہ بھی ان سے برداشت نہ تھا۔ انہوں نے وہاں تو جیسے تیسے خاموشی سے وقت گزارا لیکن گاڑی میں بیٹھتے ہی بہن کو آڑے ہاتھوں لیا۔

"ثمینہ یہ کیا حرکت کی تم نے میں نے انہیں دریچہ کے لیے کہا تھا اور تم ملیحہ کا ہاتھ مانگنے بیٹھ گئیں۔"

"باجی سچی بات تو یہ ہے، دریچہ بھلے بہنوں میں زیادہ

خوبصورت، سمجھدار ہے لیکن کیا کروں، اس کی اداس آنکھوں سے مجھے وحشت سی ہوئی، جانے اس کے قدم کیسے ہوں؟ میرا تو ایک ہی ایک بیٹا ہے۔"

"تم پڑھی لکھی ہو کر ایسی باتیں کررہی ہو؟"

"اس میں پڑھے لکھے یا ان پڑھ ہونے کی کیا بات ہے باجی۔" انہوں نے ناگواریت سے پہلو بدلا۔ "ایسی لڑکیوں کے رشتے مشکل ہی سے ملتے ہیں رخصتی سے چار دن پہلے تو سب اجڑ گیا تھا ناں۔" ثمینہ کا نخوت بھرا انداز انیقہ کا تن من سب کاٹ گیا۔

"ہونہہ......" انہوں نے ونڈو اسکرین سے باہر جھانکتے ہوئے کہا۔ "ایسی بھی ناممکن بات نہیں ہے دنیا میں ابھی اچھے، سمجھدار لوگ موجود ہیں۔" بڑی بہن کی خفگی ثمینہ کو کھلی وہ بلالحاظ کہہ رہی تھی۔

"آپ مجھ پر تو ایسے غصہ کررہی ہیں جیسے بہت غلط کر آئی ہوں اگر آپ کو اتنی ہمدردی ہے اس سے تو پہلا حق تو آپ کا ہی بنتا ہے شجی سے وہ کون سا بڑی ہے سال ڈیڑھ سال چھوٹی ہی ہوگی۔" انیقہ اپنی جگہ بالکل سکت رہ گئی تھیں۔ بمشکل نگاہوں کا زاویہ سلمان علی کی جانب پھسلا۔ ان کے چہرے پر بھی ایک سایہ لہرا کر گزر رہا تھا۔

خواہ معاشرہ سارا ڈگری یافتہ ہوجائے مگر تعلیم یافتہ تب تک نہیں کہلاتا جب انسان اپنے اندر کا شعور بیدار نہ کرے اور جب شعور بیدار ہوجائے تو پھر ڈگریوں کی ضرورت نہیں رہتی اور سلمان، انیقہ کو بہت پہلے اس بات کا شعور تھا مگر شجی سے بات کرنے کی ہمت پیدا نہیں ہوتی تھی۔ آج ثمینہ کے انداز نے ان کے اندر جیسے تحریک پھونک دی تھی۔ پھر دو دن بعد شجی اپنے کمرے میں الماری کھولے بھائی اور اپنی پرانی چیزیں دیکھ رہا تھا۔ سلمان علی اور انیقہ اس کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد جیسے ہی اس کے گرد کرنٹ چھوڑا اس نے سٹپٹا کر انہیں بے یقینی سے دیکھا۔

"یہ...... یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ...... ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟"

نازک مزاج لوگ ہیں ہم
بچھڑے تو قربتوں کی دعا بھی نہ کرسکے
اب کے تجھے سپرد خدا بھی نہ کرسکے
تقسیم ہو کے رہ گئے
خود کرچیوں میں ہم
ہم وفا کا لفظ ادا بھی نہ کرسکے
نازک مزاج لوگ ہیں ہم
جیسے آئینہ......!
ٹوٹے کچھ ایسے کہ صدا بھی نہ کرسکے
خوش بھی نہ رکھ سکے
تجھے اپنی چاہ میں ہم
اچھی طرح سے تجھ کو خفا بھی نہ کرسکے
زیبا حسن مخدوم...... سرگودھا

"کیوں نہیں ہوسکتا؟ کیا تم بھی اسے منحوس سمجھتے ہو؟"

"امی آپ کیسی باتیں کررہی ہیں؟" اس نے دونوں کو ملتجی نگاہوں سے دیکھا۔ "آپ جانتے ہیں میں اس کی بے حد عزت کرتا ہوں۔ میں نے اسے ہمیشہ بہن کی طرح اور فصیح کے حوالے سے دیکھا ہے۔ میں ایسا کچھ نہیں کرسکتا۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہوا انیقہ بھی برابر آ کھڑی ہوئیں۔

"کیوں نہیں کرسکتے تم، ہاں...... تم جو کام بگاڑتے تھے فصیح ٹھیک کرتا تھا ناں، جو کام ادھورہ چھوڑتے تھے فصیح پورا کرتا...... تمہیں لکھنا، پڑھنا، بولنا یہاں تک کہ انگلی پکڑ کر چلنا تک فصیح نے سکھایا۔ کسی شفیق باپ کی طرح تمہارا خیال رکھتا...... پھر کیوں شجی، کیوں......؟" انہوں نے اس کے دونوں بازو پکڑ کر اپنی جانب گھمانے کی کوشش کی مگر وہ جما کھڑا رہا۔ ان کی آواز روتے روتے بیٹھنے لگی تھی۔ سلمان علی انہیں ہاتھ سے چپ ہونے کا بار بار اشارہ کررہے تھے مگر وہ بولے جارہی تھیں۔ "شجی میرے فصیح نے تو اپنا کبھی بھی کوئی کام کسی سے نہیں کروایا تھا صرف اور صرف اس کا ایک کام ادھورہ رہ گیا، کیا تم وہ بھی پورا نہیں کرسکتے، تم نے ہی کہا تھا ناں، عین شادی کے قریب اگر گڑبڑ ہوگئی تو؟ ہوگئی

سے گڑبڑ مچی' ہوگئی ہے اب کرو اس گڑبڑ کو ٹھیک' تمہیں اسٹیمپ شدہ دریحہ دیکھنے کا شوق تھا ناں' لگ گئی ہے اس پر نحوست کی اسٹیمپ' دھو اس کی پیشانی کو...... ہاں۔" وہ اس کو جھنجوڑتے ہوئے اس کے کندھے سے الگ کر رونے لگی تھیں۔ اس نے اپنا کانپتا سا ہاتھ ان کے بالوں پر رکھا اور بمشکل کہہ پایا۔

"پلیز امی...... مجھے اس امتحان میں مت ڈالیں' مجھ سے نہیں ہو پائے گا' خدا کے لیے......" وہ انہیں تھپکی دے کر بہت تیزی سے باہر نکل گیا۔ لیقہ لبالب بھری نگاہوں سے ہونق بنی کھڑی رہ گئیں۔

❀......☆......❀

احمد ضیاء اور کاشفہ کے لیے دریحہ سے پہلے ملیحہ کا رشتہ اور شادی کرنا بہت بڑی آزمائش تھی...... وہ ثمینہ کو صاف جواب دے دینا چاہتے تھے مگر دریحہ نے بہت سمجھا بجھا کر انہیں قائل کر لیا تھا۔

"ابو آپ کب تک میری وجہ سے ملیحہ' مدیحہ کے رشتے ریجیکٹ کرتے رہیں گے' ایک وقت ہوتا ہے اچھے رشتوں کے آنے کا' اگر وہ گزر گیا تو آپ گھڑیال کی ٹک ٹک سنتے رہ جائیں گے' پلیز انکار مت کریں ثمینہ آنٹی کو...... اور ویسے بھی اگر میری قسمت میں شادی ہوتی تو فصیح آج دنیا میں ہوتا۔" وہ قطعیت سے کہتے اپنے آنسو کنٹرول کیے بیٹھی تھی۔ احمد ضیاء نے اپنا بوڑھا ہاتھ اس کے شانے پر رکھا۔

"میری بیٹی میں بڑا ظرف ہے۔" اس نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر جما دیا۔

"تو پھر اپنی بیٹی کو اس کی بہنوں کے سامنے کم ظرف تو مت بننے دیں ناں۔" ثمینہ کا بیٹا انگلینڈ میں ٹیکسٹائل انجینئر اور اچھی پوسٹ پر تھا۔ وہاں جواب دینا صریحاً حماقت تھی۔ احمد ضیاء اور کاشفہ نے سلیمان علی' لیقہ سے مشورہ کر کے ثمینہ کو رضامندی دے دی تھی۔

احمد ضیاء کی طبیعت کچھ دنوں سے خاصی بگڑتی جا رہی تھی۔ بظاہر وہ ملیحہ کی شادی سے مطمئن تھے لیکن اندر ہی اندر دریحہ کی قسمت کچوکے لگاتی اور پھر اس کی شادی کی تمام تیاریاں نگاہوں کے سامنے کسی فلم کی طرح چلنے لگتی تھی۔ ان کی ہارٹ بیٹ بڑھ جاتی...... دو روز ہاسپٹل رہ کر آئے۔ اچھی خاصی رقم ان کے اوپر خرچ ہوگئی۔ کاشفہ کو شادی کی تیاریاں بھی کرنا تھیں۔ دریحہ کا سارا جہیز تیار دو سال سے جوں کا توں رکھا تھا اور رشتے کی کوئی خاص امید نظر نہیں آتی تھی۔ کاشفہ کو پہلا خیال یہی آیا کیوں نہ وہی سامان ملیحہ کو دے دیا جائے جب دریحہ کا ہوگا تب تک تو چیزیں آؤٹ آف فیشن ہو جائیں گی۔ اسی سلسلے میں امی نے ملیحہ سے پوچھا تھا۔ اسے کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن دریحہ تو سنتے ہی پھٹ پڑی۔

"کیوں...... کیوں دینا چاہتی ہیں آپ وہ سامان اسے' امی ملیحہ میری چھوٹی بہن ہے' میں ہر دم اس کی قسمت کے لیے دعا کرتی ہوں کہ میری نحوست کا سایہ بھی اس پر نہ پڑے' پھر آپ اس سامان کو' جس کے نصیبوں میں صرف بند ہونا لکھا ہے آپ اسے کیوں دے رہی ہیں۔"

"دریحہ بیٹا کیوں تم ایسا سوچنے لگی ہو' کیوں تم خود کو' اپنے سے وابستہ ہر چیز کو منحوس کہتی ہو۔"

"امی میں نہیں کہتی' لوگ مجھے دیکھ کر کہتے ہیں' ترس کھاتے ہیں مجھ پر' میری قسمت کو کوستے ہیں۔" اس کی آواز روندھ گئی تھی۔ ان دو سالوں میں اتنے لوگوں سے وہ اپنے لیے منحوس لفظ سن چکی تھی کہ اب تو اپنا چہرہ آئینے میں دیکھتی تو پیشانی پر بدبخت کندہ نظر آنے لگا تھا۔

"امی وہ سامان ملیحہ کو دینے سے بہتر ہے اسے آگ لگا دیں اور ملیحہ کو خالی ہاتھ ہی رخصت کر دیں۔" وہ کہہ کر تیزی سے مڑی تھی' لاؤنج کے داخلی دروازے پر فصیح اور لیقہ کھڑے تھے وہ شادی کی تیاری کے سلسلے میں آئے تھے اس کی باتیں سن کر لیقہ کو چکر آ گیا تھا انہوں نے نرمی سے فصیح کی کہنی تھامی تھی۔ اس نے پل بھر رک کر انہیں دیکھا پھر سائڈ سے جگہ بنا کر بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

وہ لوگ بہت دیر ان کے لاؤنج میں بیٹھے کاشفہ سے شادی کے متعلق باتیں اور مدد کا پوچھتے رہے۔ باتوں سے

کافی حد تک ماحول کی سوگواریت سنبھل گئی تھی مگر فجی کی بار بار نگاہیں اس کے کمرے کے بند دروازے پر جا رکتیں اور آنکھوں کے سامنے اس کا متورم نم آلود چہرہ گھومتا رہا۔

❀......☆......❀

شرجیل ثمینہ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ثمینہ اس کی شادی خوب دل کھول کر دھوم دھام سے کرنا چاہتی تھیں۔ انہوں نے ملیحہ کو روایات کے مطابق گیارہ دن پہلے ہی مایوں بٹھانے کا کہا تھا۔ ملیحہ کی شادی کے سارے انتظامات ہو گئے تھے کاشفہ، احمد ضیاء جہاں بہت خوش نظر آتے وہاں آنے والے لمحات سے دل مٹھی میں سمٹ سمٹ جاتا۔ سلمان علی کی تین افراد پر مشتمل فیملی آج صبح سے ان کے گھر تھی۔ مایوں کے حوالے سے ساری سجاوٹ فجی نے کروائی تھی۔ گھر کی فضا موتیے اور گیندے کے پھولوں سے مہک رہی تھی۔ سفید قمقموں سے منعکس ہوتی روشنی ہر چیز پر دھنک اتارنے لگی۔ گوٹی کے کام دار زرد گلابی سوٹ میں ملبوس گجروں میں سجی ملیحہ بہت خوب صورت دکھائی دیتی تھی۔ وہ سب لڑکیوں کے لیے اسپیشل گجرے بنوا کر لایا تھا اور سب نے ہی پہن رکھے تھے۔ اس نے خاص طور پر انیقہ اور کاشفہ کو بھی پہنوائے تھے۔ نا.......نا کرتے انہوں نے آخر پہن ہی لیے تھے۔

وہ باریک شیفون کی پیچ اور فیروزی کلر کی سادہ فراک میں ملبوس تھی۔ جس کے گھیر پر دھاگے سے ہلکا سا کام تھا۔ میک اپ کے نام پر اس نے انتہائی ہلکی لپ اسٹک اور جیولری میں صرف چھوٹی چھوٹی سی بالیاں پہن رکھی تھیں۔ وہ اپنے کمرے سے ابٹن کے تھال سجا کر باہر تخت پر رکھ رہی تھی جب اسے اپنے عقب پر اس کی آواز سنائی دی۔

''سب لڑکیاں تیار ہو چکی ہیں، تم کب ہوگی؟''

''کیا مطلب؟ تیار تو ہوں۔'' اس نے حیرت سے اسے سر تا پا دیکھا۔ ''فنکشن کے لیے ایسے تیار ہوتے ہیں؟''

''میں ایسے ہی ہوتی ہوں۔'' وہ ایک تھال میں موم بتیاں جلانے لگی۔ وہ غور سے ٹمٹماتی پیلی زرد لو کو دیکھتا رہا۔

''میں سب کے لیے گجرے لایا تھا، تم نے کیوں نہیں پہنے؟''

''مجھے پھولوں سے الرجی ہے۔''

''اچھا......؟'' وہ استہزا انداز میں بولا۔ ''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے تمہیں یہ پھول بہت پسند تھے۔''

مشی خان

السلام وعلیکم۔ قارئین کیسے ہیں آپ امید ہے کہ سب خیریت سے ہوں گے۔ میرا اصل نام مصباح خان سواتی ہے۔ میرے نام کے معنی چراغ ہے۔ پیار سے سب مشی خان کہتے ہیں۔ میں 23 اپریل کو مانسہرہ میں پیدا ہوئی۔ میری خوبیاں یہ ہیں کہ مجھے پڑھنا، لکھنا، شعر و شاعری کرنا اچھا لگتا ہے۔ کہانیاں پڑھنا میرا شوق بلکہ جنون ہے۔ جس رات کچھ پڑھ نہ لوں چین کی نیند نہیں آتی۔ رائٹرز سب اچھی ہیں۔ بہت فیوریٹ نازی آپی، سمیرا شریف، صائمہ قریشی، سلمٰی فہیم نمرہ احمد۔ فیوریٹ ناول جھیل، کنارہ، کنکر، سانس ساکن تھی، اناڑی پیا۔ میرے فیوریٹ شاعر وصی شاہ، پروین شاکر، احمد فراز، علامہ اقبال ہیں۔ خوبیوں، خامیوں کی بات کریں۔ خامیوں کی پوٹلی بھری پڑی ہے اور خوبیاں تو کوئی ہیں ہی نہیں۔ بقول گھر والوں کے لیکن مجھے لگتا ہے کہ میں ہر کسی کے ساتھ جلدی گھل مل جاتی ہوں۔ کسی کی پریشانی یا دکھ میں نہیں دیکھ سکتی اور کوشش کرتی ہوں کہ کچھ کر سکوں۔ خامیاں یہ ہیں کہ بہت ضدی ہوں، بات بات پر لڑتی ہوں، غصہ میں رہتی ہوں۔ مگر ایسا نہیں کہ مجھے ہر بات بری لگتی ہے اور غصہ آتا ہے۔ جو معمول سے ہٹ کر کچھ بری بات ہو اور مجھے غصہ آ جاتا ہے۔ ریڈیو سننا ایک وقت میں میری زندگی تھا۔ ایک وقت کھانا نہ کھاؤ تو گزارا ہوتا مگر ریڈیو نہ سنو تو ہضم نہیں ہوتا تھا۔ طاہر عباس میرے فیورٹ آر جے ہیں۔ دوستیں اتنی ہیں کہ کیا بتاؤ۔ اچھا اب اجازت دیں زندگی رہی تو پھر ملیں گے۔ اللہ نگہبان

”شجی وقت کے ساتھ پسند اور فطرت بدل جاتی ہے۔“ وہ کہہ کر جانے لگی جب اس نے آگے آکر اس کا راستہ روک لیا اور تخت پر رکھے تھال سے گجرے اٹھا کر اسے تھمائے۔

”پھپھو! نہیں، تمہیں احساس ہے تمہارے اس طرح اداس رہنے سے آنٹی انکل کو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔“

”میں پوری کوشش کرتی ہوں خوش رہنے کی شجی، لیکن میرے نقوش میری کوششوں کا ساتھ نہیں دیتے۔“ وہ ایک ہاتھ سے زبردستی گجرے کلائی میں دھکیلتی وہاں سے چلی گئی۔ ہاتھوں کی سختی سے کتنے پھولوں کی نازک پتیاں ٹوٹ کر بکھرتی فرش پر آرہی تھیں۔ وہ گم صم کھڑا ان پتیوں کو آنے جانے والوں کے پاؤں میں بے رحمی سے پامال ہوتا دیکھتا رہا۔

❁......☆......❁

ڈھولکی کی خوب تھاپ اور ینگسٹر کے ہلے گلے کے بعد مایوں کی رسم ادا ہوئی تھی۔ سب خواتین لڑکیاں ملیحہ کو ابٹن لگا رہی تھیں۔ کاشفہ نے اسے بھی اشارے سے بلایا۔

”آؤ بیٹھو بہن کے پاس، ابٹن لگاؤ اسے۔“ وہ اپنی فراک سمیٹتی اس کے پاس آبیٹھی۔ اپنی پوروں پر کچھ ابٹن اٹھایا۔ شجی نے فوراً اپنے موبائل پر کیمرہ سیٹ کیا اور جب ہی اس نے ثمینہ خالہ کو کہیں سے اچانک اسٹیج پر چڑھتے ہوئے کہتے سنا تھا۔

”برا نہ ماننا بیٹا، یہ کام صرف سہاگنوں کے کرنے کا ہوتا ہے۔ وہ تو آج کل جوان لڑکے لڑکیاں بھی شوخیوں میں لگا لیتے ہیں لیکن جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا بھلے تمہارا کوئی قصور نہیں لیکن بیٹا مجھے بدشگونی سے بہت ڈر لگتا ہے۔ میرا ایک ہی بیٹا ہے۔“ انیقہ اس لمحے ندامت سے گڑھی جارہی تھیں، ان میں ہمت نہیں تھی نگاہ اٹھا کر کاشفہ کے حیرت زدہ چہرے کی جانب دیکھ سکیں اور شجی کا موبائل والا ہاتھ نیچے ہوگیا۔ تحیر اور غصے کے ملے جلے تاثرات چہرے پر پھیل گئے۔ اتنے لوگوں کے مجمعے میں اسے اپنی خالہ سے اس قسم کی گھٹیا بات کی قطعاً امید نہ تھی۔ اس کی سفید پوروں پر رکھے ابٹن کا رنگ اتنا زرد نہیں تھا جتنا اس وقت اس کی رگوں میں منجمد ہوکر چہرے پر پھیلے خون کا تھا۔ اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں کمال ضبط سے پانی روکے رکھا۔ بھاری ہوتے جبڑوں پر بمشکل مسکراہٹ پھیلائی؛ پوریں ٹشو سے صاف کرتے ”سوری“ کہا اور نرمی سے ملیحہ کے گال تھپتھپا کر اس کی شرمندگی دور کی اور غیر محسوس طریقے سے وہاں سے غائب ہوگئی تھی۔ دو نگاہیں اس کے تعاقب میں دور تک گئی تھیں۔

❁......☆......❁

تاریک کمرے کے دروازے کا پٹ بنا آہٹ کے کھلا تھا۔ کمرے میں گھٹی گھٹی سسکیوں کی پھیلی آواز اسے ندامت کی دلدل میں اتارنے لگی۔ دیوار کے ساتھ لگے سوئچ بورڈ سے اس نے لائٹ آن کی تاریکی روشنی میں بدل گئی۔ وہ اپنے ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بیڈ پر اکڑوں بیٹھی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا کمرے کے وسط تک آگیا۔

”تم یہاں کیوں آگئیں؟“ گمبھیر آواز پر اس نے ہاتھوں سے ستا چہرہ اٹھایا۔ شدت گریہ سے بے حد سرخ پڑتا سنہرا چہرہ اور گلابی آنکھیں شجی کو اپنے دل میں بھالے کی طرح پیوست ہوتی محسوس ہوئی تھیں۔

”دریچہ ڈیئر کسی کے کہہ دینے سے نا تو کوئی بدبخت ہوجاتا ہے اور نا ہی بخت آور، ہاں البتہ لوگوں کی ذہنی سطح کا پتا ضرور چل جاتا ہے۔“ اس کے آنسو ایک لمحہ کے لیے نہیں رکے تھے بلکہ ٹوٹ ٹوٹ کر جھولی میں گر رہے تھے۔ وہ کچھ دیر یہ ردھم دیکھتا رہا پھر کرسی کھینچ کر مقابل بیٹھ گیا۔

”فصیح آن ڈیوٹی تھا، سنت صحابہؓ پر تھا، وہ قتل نہیں ہوا، شہید ہوا ہے، شہید زندہ ہوتے ہیں دریچہ اور زندہ لوگوں کو اپنے پیاروں کے آنسو بہت تکلیف دیتے ہیں، پلیز میرے بھائی کو تکلیف مت دو۔“ اس نے گلابی متورم آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ڈھیروں پانی رخساروں پر پھسل آیا۔ اس نے تاسف سے نگاہ پھیرلی۔

”دُجی میں جان بوجھ کر تو نہیں روتی، دنیا کو میری آنکھوں میں آنسو اچھے لگنے لگے ہیں۔“

”تو کیا ضروری ہے دنیا کی تسکین کا سامان بنو آہ......“ وہ ایک سانس کھینچ کر کچھ سوچتے بولا۔

”دریچہ تمہیں پتا ہے فصیح میرا بہت خیال رکھتا تھا اور مجھے اس کا اپنے لیے فکرمند ہونا بہت اچھا لگتا تھا، بھلے میں نے کبھی ظاہر نہیں کیا لیکن وہ ہمیشہ سے میرا آئیڈیل تھا۔ اس کی چیزیں، اس کی عادات، اس کی شخصیت بہت فیورٹ تھی میری...... اور امی کہتی ہیں انہوں نے فصیح کی کبھی کوئی چیز کسی کو نہیں دی، اس کے چھوٹے ہوئے کپڑے، جوتے یہاں تک کہ کتابیں بھی میرے استعمال میں ہوتی تھیں اور عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے، بڑے بہن بھائیوں کی چیزیں چھوٹے ہی استعمال کرتے ہیں لیکن منہ بنا کر، پرانی کا شکوہ کر کر کے، مگر میں نے ہمیشہ اس کی چیزیں اعزاز کے طور پر استعمال کیں اور اب سوچ رہا ہوں کہ میں کتنا کم ظرف اور برا بھائی نکلا۔ اس کی سب سے قیمتی چیز، جس کے بنا وہ اپنا گھر نامکمل سمجھتا تھا، اسے لوگ اب منحوس قرار دے رہے ہیں اور میں خاموش تماشائی ہوں۔“ اس نے رک کر اس کے چہرے کے تاثرات جانچے...... وہ چونک کر اسے ہی دیکھ رہی تھی آنسو جیسے آنکھوں میں ٹھہر گئے تھے۔

”میں جانتا ہوں یہ فیصلہ میرے اور تمہارے لیے آسان نہیں ہے، ہم نے کبھی ایسا نہیں چاہا لیکن اکثر اوقات ہمیں قدرت ایسی جگہ لا کھڑا کر دیتی ہے جہاں ناچاہتے ہوئے بھی ہمیں بہت سے فیصلے کرنے پڑتے ہیں، دریچہ نہ میں تمہاری آنکھ میں آنسو دیکھ سکتا ہوں اور نہ ہی اپنے ماں باپ...... انکل آنٹی کے چہروں پر دکھ، رنج، کرب کے سائے برداشت ہوتے ہیں۔ اس درد کی منزل سے سب کو نکالنے کے لیے مجھے تمہارا ساتھ چاہیے۔ کیا تم میرا ساتھ دو گی؟“ اس نے سوالیہ نگاہ اس کی جانب اٹھائی اس کی پلکیں شدت سے بھنچی ہوئی تھیں اور گردن کا رخ پھیر لیا۔ وہ متاسفانہ آہ بھر کر کچھ لمحے چپ رہا۔

”یہ جو قسمت ہوتی ہے ناں، یہ مسافر کی طرح ہوتی ہے کبھی کہیں کسی کے ساتھ تو کبھی کہیں کسی کے ساتھ پڑاؤ ڈال لیتی ہے۔ اسے ایک جگہ بندھ کر قید ہونے کی عادت نہیں ہوتی دریچہ، مجھے لگتا ہے ہماری قسمت کا مسافر اکٹھے پڑاؤ ڈالنا چاہتا ہے۔“ اس کی سسکیاں ہچکیوں میں بدل گئیں تھیں وہ اپنا سر گھٹنوں پر رکھے بری طرح رو رہی تھی اور نازک بدن ہولے ہولے کپکپا رہا تھا۔ اس نے مزید کچھ کہنا موقوف کیا اور کرسی سے اٹھتے ہوئے نہایت قطعیت سے کہہ بولا۔

”جتنا رونا چاہتی ہو ناں، آج رو لو پھر میں کبھی تمہاری آنکھوں میں آنسو نہ دیکھوں، میرا تم سے وعدہ ہے، تم تک کبھی کوئی تمازت آنے نہیں دوں گا اور یخ بستہ ہواؤں کا رخ موڑ دینے کی صلاحیت ہے میرے بازوؤں میں۔“ وہ اس کے سر کو نرمی سے تھپتھپا کر جانے لگا اس نے گھٹنوں سے سر اٹھایا...... اور اسے دیکھا۔ آن واحد میں ہی اس میں جانے کہاں سے پرانا دُجی کوندے کی طرح لپکا تھا پھر اپنی بھرپور شعوری کوشش سے ساری اداسی اتار پھینکی اور پورے دل سے چھت پھاڑ قہقہہ لگایا۔

”ارے تم تو روتے ہوئے بالکل بل بتوڑی لگ رہی ہو صرف ریڈ لپ اسٹک کی کمی ہے، قسم سے وہ لگا لو اور ایک چکیلی پونی...... تمہارا ماموں جادوگر تمہارے سحر میں جکڑا جانے کے لیے پورے دل کی صداقتوں سے تیار ہے۔“

کورنش بجالاتے اس کے برجستہ انداز پر پلکوں سے ٹوٹتے ستاروں میں مسکان ابھر آئی۔

”دُجی آج پتا چلا، دل مسافر نہیں ہوتا، قسمتیں مسافر ہوتی ہیں۔“

”پھر اٹھو......“ اس نے مسکراہٹ دبا کر سنجیدگی سے کہا۔ ”تمہارا ہمسفر عازم سفر کے لیے تیار ہے۔“

❁

Join Us on Facebook

Get Notificatons of Newly Uploaded Books

Find us on: facebook®

Follow below Image to Get Notifications of Newly Uploaded Books

Urdu Soft Books
Library
Create Call to Action
Liked
Message
Get Notifications
Add to Interest Lists...
Unlike
IN YOUR NEWS FEED
See First
Timeline About Photos Likes More
2,408 likes +14 this week
Abdul Basit and 42 other friends
87 post reach this week
Status Photo / Video Offer
Write something...
Promote
THIS WEEK
87 Post Reach
28 Post Engagement
Recent
2015
Started

جہیز

نورین مسکان سرور

اپنے ہاتھوں کی لکیروں پر بگڑ جاتے ہیں
ہم تو پاگل ہیں ہواؤں سے بھی لڑ جاتے ہیں
تم بضد ہو کہ چلو ساتھ ہمارے لیکن
ہم مسافر ہیں بہت جلد بچھڑ جاتے ہیں

اماں کا بس نہیں چل رہا تھا' وہ ساری دنیا کا سامان اکٹھا کر کے بیٹی کے ہمراہ کردیتیں۔ اب بھی وہ اس کے لیے قالین لے کر آئی تھیں اور اب محلے کی دو تین عورتیں اس قالین کی شان میں رطب اللسان تھیں جبکہ وہ خاموش تھی۔ اسے کوئی خوشی نہیں تھی نا اپنی شادی کے کچھ ارمان تھے۔ جب اندر کا موسم سرد پڑ جائے تو ہر طرف برف باری کا منظر رہتا ہے' اس کے اندر بھی تمام جذبات نقطہ انجماد سے گزر گئے تھے' اس لیے اس کے چہرے کے نقوش تک سرد سپاٹ ہوچکے تھے۔ اماں ابا سمیت محلے کے لوگ بھی اس کے درد سے واقف تھے۔ وہ جب بھی لوگوں کی ترحم بھری نظریں خود پر مرکوز دیکھتی تو اندر تک سے لہولہان ہوجاتی۔ وہ اللہ سے اس کی واپسی کی دعائیں کررہی تھی۔

"مناہل کیسا لگا قالین؟ دیکھو تو اس کا رنگ کتنا خوب صورت ہے۔ ایک اور خاندان کے لوگ اس قالین کو خریدنے کے لیے دکان دار سے بحث کررہے تھے مگر میں نے پہلے ہی پیسے ادا کردیے تھے۔" اماں اپنی جون میں بول رہی تھیں' دکھ تو انہیں بھی تھا مگر کوئی ننھی سی امید کی رمق ان کے دل میں بسیرا کیے ہوئے تھی جب کہ وہ بالکل ناامید تھی۔ وہ اس کی طرف دیکھنے کا بھی روادار نہیں تھا پھر بھلا وہ کیسے اب اس رشتے کو قبول کرتا۔ سوچوں کی آگ لوبان میں چنگاری کی مانند ایک مخصوص بو کے ساتھ سلگ رہی تھی۔

جوں جوں اس کی شادی کے دن نزدیک آرہے تھے وہ اتنا ہی نیم مردہ سی ہوتی جارہی تھی' رنگت میں ہلدی گھل گئی تھی۔ اماں کے حوصلے اس پر چنداں اثر نہ کررہے تھے۔ ابا کا صحت مند سراپا اس کا غم غلط نہیں کرسکتا تھا۔ وہ خود کو قصوروار سمجھ رہی تھی حالانکہ وہ قصووار نہیں تھی یہ وہ خود بھی جانتی تھی۔

"بولو ناں کیسا لگا' اگر اچھا نہیں لگا تو میں واپس کروا کے دوسرا لے آتی ہوں۔" بوڑھی ماں نے بیٹی کی خوشی کو مقدم جانا وہ پھیکا سا مسکرادی۔

"نہیں اماں...... بہت اچھا ہے۔" اس نے تہہ دل سے اعتراف کیا مگر زبان میں روانی نہ آسکی۔

بھولی بھالی اماں اتنی باریکی کو سمجھ نہ سکیں، وہ پھر سے اپنی سوچوں میں گم ہوگئی۔

"مزمل بھی آجائے تو......" اماں کو یاد آیا اور زبان سے پورے الفاظ ادا ہونے سے پہلے ان کے آنسو لڑھک گئے جن باتوں سے وہ پرہیز کرنا چاہتی تھیں وہی باتیں ہر بار موضوع بحث بن جاتیں جس طرح آگ سلگ کر دھوئیں سے بچا نہیں جاسکتا۔ اسی طرح وہ ان باتوں سے چھپ نہیں سکتی تھی۔ ماں کے آنسوؤں پر اس کے دل کو چوٹ لگی اور وہ تڑپ کر ان کے نزدیک چلی آئی۔

"اماں چپ ہوجائیں، بھائی واپس ضرور آجائیں گے۔" وہ تین منٹ پہلے کے جملے کے برعکس الفاظ تو روانی سے کہہ گئی مگر دل میں یقین کی ذرہ برابر رمق بھی موجود نہیں تھی۔

اس کا تمام جہیز بن چکا تھا، ٹھیک تین دن بعد اس کی شادی تھی وہ اپنے ابا کے گھر کو چھوڑ کر غیروں کے آنگن کو مہکانے جارہی تھی مگر چہرے پر ہنوز وہ ہی بے مروتی، دکھ اور غم کا بسیرہ تھا۔ جذبات سے عاری چہرے کو سب منحوسیت کہہ رہے تھے اور وہ ان الفاظ پر خاموشی سے زخمی ہوتے ہوئے بھی بس اس آس پر بظاہر اپنی سماعتیں بہری کرچکی تھی کہ اس کا بھائی جانے کب آجائے جانے کب اس کا انتظار خوشیوں میں بدل جائے۔

اسے مایوں بٹھادیا گیا، پیلے سوٹ میں ہاتھوں میں گجرے پہنے اس کی چھب ہی نرالی تھی مگر آنکھوں کو تو ابھی تک انتظار تھا۔ جونہی وہ اپنے ساتھ بھائی کے رویے کو دیکھتی جیسے ہی وہ پل اس کی یادداشت میں آتے وہ چھلنی ہوکر رہ جاتی۔ بھائی کا رویہ اسے ہر امید سے خالی کررہا تھا، وہ نہیں آئے گا وہ نہیں آئے گا۔ دل نے بھرپور یقین کے ساتھ کہا اور دو تین آنسو اس کی خوب صورت آنکھوں سے لڑھک گئے۔

❀❀❀

جب وہ چھوٹا تھا تو اسے ایک بہن کی بہت زیادہ خواہش تھی، جب وہ اپنے دوستوں کو اپنی بہنوں کے ناز اٹھاتے دیکھتا۔ ان سے لڑ جھگڑ کر پھر سے اسی طرح ہر بغض و کینہ کو مٹاکے آپس میں ہنستے ہوئے دیکھتا تو اس کا دل چاہتا کاش اس کی بھی بہن ہوتی۔ معصوم سا دل ایک ننھی سی خواہش کرتا اسی طرح وہ میٹرک کا امتحان پاس کرکے کالج کی دنیا میں قدم رکھنے والا تھا جب اللہ نے اس کی دعا کا ثمر دے دیا اسے ایک چھوٹی سی خوب صورت بہن عطا کردی گئی مگر اب وہ اس سے بات کرنے کا بھی روادار نہیں تھا نہ وہ اسے دیکھنے کا شوقین تھا۔

بقول اس کے کہ وہ اس عمر میں آئی ہے جب اس پر بے عزتی کا لیبل لگنے کا خدشہ تھا۔ کمزور دل میں انوکھی اور بے بنیاد بدگمانی نے ڈیرا جمایا تو وہ کسی بازور ڈاکو کی طرح زبردستی مستقل قابض ہوگئی۔ وہ اس پر بری طرح برستا، اس کے ہاتھ سے کھانا لینا اسے زہر لگتا۔ وہ جب بھی کوئی ننھی منی سی خواہش لے کر اس کے پاس آتی وہ اسے بھگا دیتا اگر وہ اس کی کتابوں سے کھیلتی تو اس سے اپنی کتابیں چھین کر اسے ایسے جھٹر جڑتا کہ وہ درد سے تلملا جاتی۔ اماں ابا اسے ڈانٹتے مگر اسے کون سی اب ان کی پروا تھی وہ الٹا ان پر برہم ہوتا۔

وہ اس کے پاس مسکراتی ہوئی آئی جب اس نے سر پر دوپٹہ لے رکھا تھا ننھی سی چھ سالہ مناہل کے سر پر دوپٹہ بے پناہ سج رہا تھا۔ ہاتھ میں گڑیا لے کر اسے دکھانے آئی، اسے اس پر ٹوٹ کر پیار آیا مگر پھر اپنے دوستوں اور محلے داروں کی باتیں ہنسی مذاق یاد کرتے ہی اس پر گرجنے برسنے لگا اور وہ معصوم بدک کر پیچھے ہٹی تھی۔ اس کی گڑیا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی اور دوپٹہ وہیں پر پھینک کر اماں کی آغوش میں چھپنے کے لیے دوڑی تھی۔ وہ جب بھی اپنے دوستوں کے مذاق یاد کرتا وہ بھول جاتا کہ اس کی بہن تو معصوم ہے۔

اسے یاد نہ آتا تھا کہ وہ اسی کی دعاؤں کا ثمر ہے

ثوبیہ حبیب

السلام علیکم!

میرا پیارا نام ثوبیہ مدثر ہے۔ میں سرائے عالمگیر کے گاؤں سعادت پور میں رہتی ہوں۔ 29 جولائی کو اپنے ننھیالی گاؤں نروال میں پیدا ہوئی۔ اپنے ماں باپ کی پہلی اولاد ہوں۔ اپنے ننھیال کی لاڈلی بھی ہوں۔ اس لیے میرا بچپن لڑکپن اور جوانی ننھیال میں گزری۔ چار ماموں کی لاڈلی ہوں۔ میرے دو بھائی اور پانچ بہنیں ہیں۔ میرا مشغلہ پڑھنا' نت نئی کوکنگ کرنا اور کپڑے سینا ہے۔ میرے امی ابو اور باقی بہن بھائیوں نے زیادہ وقت کراچی میں گزارا ہے۔ ہمیں پنجاب شفٹ ہوئے پندرہ سال ہو چکے ہیں۔ میری اور مجھ سے چھوٹی بہن کی شادی ہمارے تایا ابو کے گھر ہوئی۔ ہماری شادی کو دس سال ہو گئے ہیں۔ میرے تین بچے ہیں۔ میری بیٹی ماریہ' میرا بیٹا محمد منیب الرحمن اور پھر میری بیٹی میمونہ بتول ہیں۔ میرے شوہر کا نام غلام حبیب ہے۔ وہ آرمی میں ہیں۔ میرا اور میرے بچوں کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ میرے تینوں بچے زیر تعلیم ہیں۔ میری اپنی تعلیم ایف اے ہے۔ میں اپنے سسرال کی پہلی بہو ہوں۔ اس لیے مجھ پر بہت ذمہ داریاں ہیں۔ دوسری بہن رشتے میں دیورانی ہے۔ اس کے شوہر بھی آرمی میں ہیں۔ میرے میکے والے اور میرے ننھیال والے اپنے زیادہ تر کام میرے مشورے سے کرتے ہیں۔ اس لیے کہ میں ان سب کی بڑی ہوں۔ مجھے کتابوں میں سب کتابیں پسند ہیں۔ خواہ وہ دینی ہو یا دنیاوی۔

رائٹرز میں مجھے سعدیہ امل کاشف' نمرہ احمد' عمیرا احمد' فائزہ افتخار' آسیہ رزاقی' نایاب جیلانی' نبیلہ عزیز بہت پسند ہیں۔ خوشبو میں مجھے گلاب کی خوشبو اور مٹی کی خوشبو بہت پسند ہے۔ کھانے میں بریانی' روسٹ اور مشروبات میں سادہ پانی اور سکنجبین بہت پسند ہے۔ تاریخی مقامات میں قائداعظم اور مینار پاکستان بہت پسند ہیں۔ لباس میں مجھے شلوار قمیص اور لمبا سا دوپٹہ بہت پسند ہیں۔ شاپنگ کرنے کا بہت شوق ہے۔ مہرون' براؤن' پیچ کلر بہت پسند ہے۔ بارش بہت پسند ہے۔ لیکن بارش کے بعد کا گند مینا برا لگتا ہے۔ میری دوستیں میری امی اور خالہ جمیلہ ہیں۔ غصہ بہت آتا ہے۔ کرکٹر میں مجھے شاید آفریدی بہت پسند ہے۔ ایکٹرز میں عتیقہ اوڈھو' عائشہ خان' ہمایوں سعید بہت پسند ہیں۔ میرے ابو میرے فیورٹ ہستی ہیں۔ اللہ ان کو لمبی زندگی دے۔ مجھے چاکلیٹ اور آئس کریم بہت پسند ہے۔ فیورٹ زبان اردو اور پنجابی ہے۔

آخر میں یہ کہنا چاہوں گی جو جہاں رہے خوش رہے۔ دوسروں کو دکھ نہ دے۔ کوئی غلطی ہوگئی ہو تو معاف کر دیجیے گا۔ اگر آنچل میں میرا تعارف شائع ہو جائے گا تو آنچل میرا اور بھی پسندیدہ ہو جائے گا۔ آئندہ بھی اپنی رائے کا اظہار کرتی رہوں گی۔ شکریہ

قدرت کا حسین اور انمول عطیہ ہے اور پھر جب اماں ابا نے مناہل کے حق میں بولنا شروع کیا تو وہ یوں بغاوت کر کے گھر سے نکل گیا جیسے مقابل اس کی بہن نہیں بلکہ اس کا رقیب ہو۔ نام نہاد عزت کی خاطر وہ اس معصوم دل کا خون کرتا رہا اور دو بزرگوں کو بھی رلاتا رہا۔ اب اس کے دو بچے تھے اور اس کی بہن کی شادی تھی۔ وہ نہیں آیا تھا' بہن کی آنکھیں راہ تکتے تکتے پتھر ہو چلی تھیں۔

❀......❀......❀

مناہل کو دلہن بنا کر اسٹیج تک لایا گیا۔ آج وہ عروسی جوڑے میں آسمان سے اتری کوئی حور لگ رہی تھی مگر چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی' یہی چیز سب کو پریشان کر رہی تھی۔

''پھوپو......'' اس کے ننھے منے دونوں بھتیجے اور بھتیجی اس کے پاس آ کر بولے اور اس کا گھونگھٹ اٹھا دیا' وہ بے یقینی سے بت بنی انہیں دیکھنے لگی یوں

جیسے وہ کوئی انوکھی آسمانی مخلوق ہوں اس کے ہونٹ نیم وا تھے۔ آنکھوں میں حیرت تھی دل کی دھڑکنوں پر قابو نہیں تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اٹھ کر بھنگڑا ڈالے۔

''پاپا نہیں آئے؟'' اس نے ان دونوں کو اپنے حصار میں لے کر بھینچ کر پوچھا۔ یہ منظر دروازے کے پاس ابا کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے حمل نے بھی دیکھا تھا اور اس کی بیوی طاہرہ نے بھی' ہر چشم نم ہوئی تھی۔ شادی میں اب مزید خوشیوں کا اضافہ ہوگیا تھا۔

''آئے ہیں پھوپو۔'' وہ دونوں تقریباً خوشی سے چہکے تھے ان کی پھوپو اتنی اچھی ہے یہ سبق تو انہیں مماہر روز کسی کلمے کی طرح پڑھاتی تھیں مگر وہ خاوند کے سامنے خاموش رہتیں اور بچوں کو آج معلوم ہوا کہ ان کی پھوپو دنیا کی سب سے اچھی پھوپو تھی۔ مناہل کو لگا رم جھم پھوار برسنے لگی ہو' اسے اب شادیانے سنائی دینے لگے انہیں بانہوں میں بھینچے زار و زار رو رہی تھی۔

طاہرہ بھابی بھی اس سے آ کر گلے ملیں تو اسے گلے لگائے کتنی ہی دیر تک روتی رہیں۔ گھروں سے نکل کر بھٹک جانے والے پنچھی کسی درخت کی شاخ پر اتفاق سے مل بیٹھے تھے اور اب خوشی سے چہچہا رہے تھے۔ یہی منظر اس چھوٹے سے گھر میں تھا۔

❀......❀......❀

وہ جانے کو تیار کھڑی تھی تب ہی کوئی اسٹیج تک آیا وہ تو اس کی خوشبو سے ہی پہچان گئی تھی کہ وہ کون ہے۔ اسے امید تھی کہ اس کا بھائی اس سے معافیاں مانگے گا' اس سے اپنی غلطیوں کا اعتراف کرے گا مگر وہاں ایسا نہ تھا۔

''جہیز مائیں نہیں دیتیں بلکہ بھائی دیتے ہیں۔ میں اپنی گڑیا کو جہیز دینے آیا ہوں۔'' وہ کہتے ہی آگے بڑھا اس کے جھکے ہوئے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر اسے گلے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا نہ معافیاں مانگیں نہ اپنی صفائیاں پیش کی۔ نہ کوتاہیوں کا اعتراف کیا بس بہن کی اصل کی پوری کردی۔ بہن کو جہیز دے کر اسے مالا مال کر دیا تھا' بھائیوں کا پیار سے سر پر رکھا گیا ہاتھ ہی تو سب سے بڑا شاندار جہیز ہوتا ہے۔

کتنی دیر وہ دونوں روتے رہے اور ساتھ سب کو بھی رلاتے رہے' وہی لوگ جو کبھی اس لڑکے کو ندا کا بہن کے خلاف بھڑکاتے تھے۔ آج وہی لوگ اس کے ساتھ آنسو بہا رہے تھے' کتنی دیر بعد اس نے بہن کا چہرہ دیکھا اور کئی ثانیے بس دیکھتا ہی رہا۔ وہ اس کی بہن تھی حسن کا شاہکار' معصومیت کا پیکر' محبت کا سراپا اور وہی بہن جس کا وہ مان تھا جس کے آنچل کا وہ محافظ تھا۔

خوشیاں محو رقصاں تھیں اور آنسو روانی سے بہہ رہے تھے۔ شادیانے تیز کر دیئے گئے' بہن بھائیوں کے درمیان معافیوں کی نہ تو گنجائش رہتی ہے اور نہ ہی طعنے تشنوں کی ضرورت بس مسکرا کر بات کرنے سے عرصوں کی بچھڑی ہوئی محبتیں واپس آجاتی ہیں۔

مناہل' بھائی کا گھر سونا کر گئی اور وہ اس کی گرد میں اٹا خوشی اور جدائی کے آنسو بہاتا رہا۔ برسوں کا دل کا جو سکون غرق ہوا تھا' آج سب غم ختم ہوگئے تھے درد مٹ گئے تھے' سکون مل گیا تھا۔

''پاپا...... اب پھوپو کب آئیں گی۔'' اس کے دونوں بچے اس سے پوچھ رہے تھے۔

''صبح آپ کی پھوپو کو لے آئیں گے۔'' اس نے روتی آنکھوں سے مسکرا کر کہا اور ان کو گلے لگالیا۔ اس کے سامنے اس کی بیٹی تھی۔ مناہل کی کاپی' بالکل وہی سراپا' وہی مسکراہٹ' بس گڑیا کی کی تھی۔ ایک مناہل پیا کی سنگت میں اسے روتا چھوڑ گئی تو دوسری مناہل اسے ہنسانے کے لیے اس کے پاس کھڑی تھی۔

❀

ذرا مسکرا میرے گمشدہ

فاخرہ گل

اپنی پلکوں کے دریچوں میں چھپالے مجھ کو
حسنِ تدبیر سے تقدیر بنا لے مجھ کو
مجھ کو محسوس کرے گا نہ کوئی تیرے سوا
عشق کی لاج ہوں سانسوں میں بسالے مجھ کو

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

کال سینٹر جاتے ہوئے اجیہ اربش کو ایک شاپنگ سینٹر سے نکلتے دیکھ کر عجیب احساسات سے دوچار ہوتی ہے جبکہ اربش ڈرائیونگ کے دوران اسے دیکھنے سے قاصر رہتا ہے۔ آفس میں نوٹس ملنے پر جہاں وہ مضطرب ہوتی ہے وہیں گھر پر اچانک غزنی کی آمد اس کے لیے مزید مشکلات لاتی ہے۔ غزنی اجیہ کی اصل حقیقت جاننے کی تگ و دو میں ان کے گھر قیام کرتا ہے ایسے میں حنین اجیہ کو ہر صورت رات واپس آنے کا کہہ کر صورت حال سنبھالنے کی کوشش کرتی ہے۔ غزنی اپنے طور ڈرائیور چچا کو باتوں میں الجھا کر اجیہ کی کال سینٹر کی جاب کے متعلق تمام حقیقت جان جاتا ہے لیکن فی الحال یہ بات وہ کسی پر ظاہر نہیں کرتا گھر میں غزنی سے سامنا ہونے پر اجیہ عجیب بے چینی میں گھر جاتی ہے دوسری طرف سکندر صاحب ہر معاملے سے لاتعلقی کا اظہار کرتے چین کی نیند سو جاتے ہیں۔ اربش اپنی والدہ کے جنم دن کو خوب بھرپور طریقے سے منانے کا ارادہ کرتا ہے اور ایک سرپرائز پارٹی ارینج کرتا ہے۔ جس پر وہ دونوں ہی بے انتہا خوش ہوتے ہیں اربش اجیہ کے نوٹس تیار کرنے کی خاطر کتابیں گھر لے آتا ہے اور اس کی خاطر جاگ کر اپنی دوستی اور محبت کی بنیاد رکھتا ہے۔ غزنی کی خاموشی سکندر صاحب کو تشویش میں مبتلا کر دیتی ہے ایسے میں لبنیٰ بیگم سے تمام حقیقت دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اجیہ کی رات بھر غیر حاضری کے متعلق غزنی کو کیا بتایا گیا لیکن لبنیٰ بیگم ان کی تلخ باتوں کے جواب میں خاموشی اختیار کر لیتی ہیں یہ خاموشی ایک بڑے طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے جب ہی سکندر صاحب مغلظات بکتے اپنی زندگی کی بربادی پر انہیں موردِ الزام ٹھہراتے ہیں اجیہ یہ تمام منظر دیکھ کر شدید کرب میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❀......◉......❀

یہ آوازیں امی کے رونے کی تھیں، بعض اوقات دل چاہتا ہے ناں کہ اندر کا تمام غبار اپنے آنسوؤں کے ذریعے باہر پھینکا جائے اور تب سسکیوں اور آنسوؤں کے ذریعے رونے سے بھی تسلی نہیں ہوتی تو بے اختیار وہی آنسو آواز کا سہارا لیتے ہیں امی بھی آواز سے رو رہی تھیں۔ سکندر صاحب کے سامنے جب ان کا ضبط جواب دے جاتا تھا تو ان کے لاکھ روکنے پر بھی آنسو گالوں پر پھسل آتے اور دل کو مزید بوجھل کر دیتے لیکن ان کی غیر موجودگی میں تنہائی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ خود سے خاموشی سے ہم کلام ہوتیں اور باآواز رو کر دل ہلکا کر لیتیں۔

کوئی شانہ ہمیں درکار ہے سر رکھنے کو
تیرا رونا تیرے آگے تو رو نہیں سکتے

اجیہ کمرے سے نکل کر دبے پاؤں ان کے پیچھے آ بیٹھی اور آہستہ سے اپنے بازو ان کے گرد حمائل کر کے ان کے بال چوم لیے انہوں نے دیکھا تو اسے گلے سے لگا کر بھینچ لیا۔

"میری بھی مجھ سے نفرت کی سزا سہنا پڑتی ہے ناں تمہیں بھی...... مجھے معاف کردو خدارا مجھے معاف کردو۔"

"ممرے امی، ایسا کیوں کہہ رہی ہیں آپ پلیز ریلیکس رہیں جو کچھ ہو رہا ہے ہمارا نصیب ہے۔ آپ کیوں خود کو قصوروار ٹھہرا رہی ہیں؟" وہ ان کے بالوں اور کمر پر ہاتھ پھیر رہی تھی، انہیں حوصلہ دے رہی تھی اور واقعی انہیں محسوس ہوا کہ وہ اکیلی تو نہیں ہیں بلکہ اجیہ ہے ناں ان کے ساتھ۔

"جب تک تم جاب کرتی رہو گی ہمارے گھر میں یہی ٹینشن رہے گی۔" امی نے سسکی لی۔

"آپ کیا چاہتی ہیں میں جاب چھوڑ دوں؟" ان کے آنسوؤں سے بھیگے چہرے کو اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے ہوئے اجیہ نے پوچھا تو وہ کوئی جواب نہ دے سکیں بلکہ خاموشی سے سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھنے لگیں اسی دوران حنین واش روم سے ہاتھ منہ دھو کر ان کے پاس چلی آئی۔

"خیر تو ہے ناں کیا ہوا ہے؟" امی کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ بہت روئی ہیں۔

"نہیں کچھ خاص نہیں، تم جاؤ ناشتہ تیار کرلو۔" اجیہ نے موضوع بدلنے کی خاطر کہا۔

"اجیہ آج تم بھی گھر پر ہو کیوں ناں پراٹھوں کے ساتھ آلو کی بھجیا اور لسی تیار کی جائے۔" امی اور اجیہ کی دلی کیفیت سے بے خبر اس نے پروگرام بنایا۔

"لیکن آلو تو ختم ہو گئے ہیں اور لسی کے لیے دہی بھی نہیں ہے۔" امی نے کہا۔

"کوئی بات نہیں، پیسے دیتے ہیں پڑوس کا مانی ابھی لے آئے گا۔" حنین نے فوراً بڑے جوش سے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

"لیکن تمہارے بابا دال سبزی کے لیے پیسے نہیں دے کر گئے آج اور تمہیں پتا تو ہے کہ اگر وہ سبزی کے پیسے نہ دیں تو میرے پاس ایک روپیہ بھی نہیں ہوتا۔" امی نے دھیرے سے کہا۔

"امی...... میرے پاس جو بھی پیسے ہیں وہ آپ کے ہی تو ہیں ناں جاؤ ہنی میرے والٹ سے نکال لو جتنے چاہیے۔" حنین مسکراتے ہوئے اندر گئی تو اجیہ ان کی طرف دوبارہ متوجہ ہوئی۔

"میں نے آپ کو پہلے بھی کہا تھا ناں کہ میری تنخواہ کے سارے پیسے آپ رکھا کریں جب جی چاہے اور جہاں جی چاہے انہیں خرچ کرلیا کریں لیکن میرا خیال ہے آپ نے پھر سے میری الماری میں رکھ دیے ہیں ہے ناں؟"

"تمہاری محنت کی کمائی کو میں دودھ، دھنیے میں ضائع نہیں کرنا چاہتی اجیہ' ان پیسوں کو سنبھال کر رکھو تمہارے کام آئیں گے۔"

"کلو دہی ٹھیک ہے یا ڈیڑھ کلو منگواؤں۔" حنین نے کمرے سے نکل کر پوچھا اس کے ہاتھ میں پیسے تھے اور وہ پڑوس میں جانے کے لیے دوپٹا ٹھیک کررہی تھی۔

"میرا تو خیال ہے آدھا کلو یا زیادہ سے زیادہ کلو منگوالو ہم تین ہی تو ہیں۔"

"تین کیوں، غزنی بھی ہے ناں امی۔" حنین بولی۔

"نہیں...... غزنی تو صبح ہی چلا گیا شاید فجر کے وقت۔" امی نے بتایا تو وہ دونوں ہی حیران رہ گئیں جبکہ حنین کو حیرت کے ساتھ دکھ بھی ہوا تھا وہ تو رات کو سوتے ہوئے آج پہلی مرتبہ الارم بھی اسی لیے لگا کر سوئی تھی کہ غزنی آیا ہوا تھا اور وہ اس کے لیے خاص طور پر نہ صرف ناشتہ تیار کرنا چاہتی تھی بلکہ اس کے ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کرنا بھی چاہتی تھی لیکن امی کی بات پر اسے سخت مایوسی ہوئی۔

"لیکن اس طرح بغیر بتائے کیوں چلا گیا اور سب سے بڑھ کر نہ کچھ کھایا نہ پیا یہ بھلا کیا بات ہوئی۔"

"تمہارے بابا بتا رہے تھے کہ صبح فجر کے وقت وہ نماز کے لیے نکلے تو وہ بھی ان کے ساتھ ہی چلا گیا۔" حنین نے منہ بسورا تھا اسی دوران کمرے سے اجیہ کے موبائل بجنے کی آواز آئی لیکن اسے کون فون کرسکتا ہے اور وہ بھی اس وقت پہلا خیال غزنی کا ہی آیا اور کمرے میں داخل ہونے تک اس کے منہ کے زاویے غزنی کے نام اور اس کے تصور سے ہی بگڑ گئے لیکن موبائل پر نظر آنے والا نمبر اجنبی تھا اور اس

وقت اسے خوش گوار حیرت کا انتہائی احساس ہوا جب دوسری طرف سے آنے والی آواز اربش کی معلوم ہوئی وہ مسکراتے ہوئے وہیں بیڈ پر بیٹھ گئی۔

”ارے اربش تم...... میرا نمبر کہاں سے ملا؟“ اسے یاد تھا کہ اس نے اپنا نمبر غلط لکھوایا تھا لیکن اس کے باوجود اربش کا اسے فون کرنا واقعی حیران کر گیا تھا۔

”بس دیکھ لو تم نے تو اس دن غلط نمبر بتایا تھا ناں لیکن میں نے آنٹی کی رپورٹس سے نوٹ کرلیا تھا کہ کبھی کام آئے گا۔“ وہ مسکرایا اور اجیہ شرمندہ ہونے کے بجائے ہنسنے لگی۔

”جی ہاں اب ہر ایرے غیرے کو تو میں نمبر نہیں دے سکتی ناں۔“

”اور ہر ایرا غیرا یوں صبح صبح فون بھی تو نہیں کرسکتا۔“

”اچھا اچھا اب بتاؤ فون کیسے کیا، لگتا ہے جو بکس لے کر گئے تھے انہیں پڑھنے کا ٹائم نہیں ملا۔“ اجیہ نے خوش گوار موڈ میں کہا، ذہن میں کل رات اس کی مصروفیت جو تھی۔

”جناب ایسا بالکل بھی نہیں ہے کیونکہ اربش وہ وعدہ ہی نہیں کرتا جو پورا نہ کرسکے۔“

”تو پھر...... کیا صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ تمہارے پاس میرا نمبر موجود ہے۔“

”ارے نہیں دراصل حسن نے آج آنٹی کی رپورٹس لینے جانا ہے اگر تم بھی ابھی تک نہیں لائی ہو تو کیا اسے کہہ دوں نام بتا کر لے آئے گا خوامخواہ تم اتنی دور جاؤ گی پھر آؤ گی سارا وقت ضائع ہوجائے گا تمہارا اور اتنی تھکن میں پھر بھلا یونیورسٹی آکر کیسے پڑھو گی۔“

”واقعی کیا میرے لیے بھی کوئی فکر مند ہوسکتا ہے میرے آرام اور تھکن کا سوچ سکتا ہے۔“ اس نے خود سے ہی سوال کیا۔

”ہچکچانے کی ضرورت نہیں ہے آخر ہم دونوں کلاس فیلوز ہیں اتنا تو کرسکتے ہیں ناں ایک دوسرے کے لیے۔“

”لیکن ہم تو کلاس فیلو ہیں ہی نہیں۔“ وہ ایک دم حیران ہوئی۔

”اچھا بھئی یونیورسٹی فیلوز تو ہیں کہ وہ بھی نہیں ہیں اور اگر وہ بھی نہیں ہیں تو کیا ہم انسان بھی نہیں ہیں آخر انسان کا فرض ہے کہ دوسرے انسان کی مدد کرے۔“ اربش نے اپنی ہنسی ضبط کی۔

”ہو ہو اچھا بابا لے آنا امی کی رپورٹس بہت بہت شکریے کے ساتھ۔“

”ہاں بس شکریہ کرنا مت بھولنا اور ہاں میں رپورٹس تمہارے گھر پر ہی دینے آجاؤں گا ذرا ایڈریس......“

”نن...... نہی...... نہیں گھر پر آنے کی کوئی ضرورت نہیں میں وہیں یونیورسٹی میں ہی تم سے لے لوں گی اور ابھی میں بزی ہوں پھر بات ہوگی۔“ گھر آنے کے نام پر اجیہ نے فوراً رابطہ منقطع کردیا تھا وہ حیران تھی کہ آخر یہ بندہ اتنا فاسٹ کیوں ہے اور اسے گھر آنے کی اتنی جلدی کیا ہے۔

”کس کا فون تھا اجیہ۔“ حنین کمرے میں آئی تو موڈ آف تھا۔

”فون تو جس کا بھی تھا لیکن تمہارا منہ کیوں اترا ہوا ہے۔“ ”ابھی تو وہ اسے اچھی بھلی چھوڑ کر فون سننے آئی تھی اور اب اس کے منہ پر بارہ بجے دیکھ کر اجیہ حیران ہوئی۔

”بس میں رات کو دیر سے سوئی تھی ناں تو نیند پوری نہیں ہوئی اس لیے ذرا لیٹنے لگی ہوں۔“ وہ بیڈ پر اپنی سائیڈ پر تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھی تھی۔

”اور ناشتہ...... وہ پراٹھے آلو کی بھجیا اور لسی۔“

”پھر کسی دن...... غزنی کی خاطر مدارت کے طور پر تیار کرنا تھا تاکہ بابا خوش ہوں اور تایا ابو وغیرہ بھی لیکن اب کیا فائدہ پیسے ضائع کرنے کا...... سنو دروازہ بھی بند کردو۔“ حنین نے اجیہ کو بولنے کا موقع نہیں دیا اور دروازہ بند کرنے کا کہہ کر گویا اسے جانے کا کہہ دیا اجیہ نے کندھے اچکائے اور کمرے سے باہر نکل گئی اس کے جاتے ہی حنین نے اپنی ڈائری نکالی اور دیکھنے لگی۔

”محبت کے نام!

میں تم سے سخت ناراض ہوں پتا ہے تم سے ملنے تمہیں دیکھنے اور تمہارے ساتھ کچھ وقت گزارنے کے لیے کتنی

دعائیں مانگی تھیں لیکن تم آئے اور آکر چلے بھی گئے یوں اچانک بھی کوئی چھوڑ کر جاتا ہے کیا بھلا۔ میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ اب میرے دل کو سکون نہیں ملے گا جاتے ہوئے کم از کم ایک نظر دیکھتے تو سہی مجھے اتنا موقع تو دیتے کہ میں جاتے وقت تمہیں جی بھر کر اپنی نظروں میں قید کرپاتی۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم صرف مجھے دیکھنے اور مجھ سے ملنے کے لیے کسی نہ کسی بہانے ہمارے گھر آتے رہتے ہو لیکن سنو میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمہارے منہ سے سنوں کہ میں تمہاری محبت ہوں اور تم بہت زیادہ دیر اب میرے بغیر نہیں رہ سکتے، تمہارے ان الفاظ کے سہارے میری محبت ہمیشہ تروتازہ اور توانا رہے گی اس لیے اپنے عمل سے محبت کا اظہار کرنے کے بجائے لفظوں سے اسے یادگار بنادو، تمہاری اپنی محبت۔"

نیند اس وقت آنی نہیں تھی لہٰذا مختلف کلر کے مارکرز کے ساتھ ہمیشہ کی طرح اپنی محبت کے نام کی گئی بات چیت والے صفحے کو خوب صورت ترین بنانے لگی۔

❀ ...... ۞ ...... ❀

محبت بعض اوقات انسان کو دوراہے پرلا کھڑا کرتی ہے ایسا دوراہا جس میں بعض اوقات جان سے پیارے رشتے آمنے سامنے ہوتے ہیں تو کبھی اصول، محبت دراصل ہر جگہ اپنی اہمیت منوانا چاہتی ہے کہ لوگ اس کے آگے جھک جائیں ہاتھ باندھے کھڑے رہیں اور تسلیم کرلیں کہ دنیا میں بس اس کے ہونے سے یہ رنگ و بو ہے اور اس کا فیض میں اور تو ہے۔

ہم ہیں درویش نہ وہ مانگنے والے سائل
نہ محبت کبھی خیرات میں مل سکتی ہے
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز میں گا سکتے ہیں
یہ وہ خوش بو ہے جو ہر پھول میں ڈھل سکتی ہے
یہ تو اک ربط انوکھا ہے دلوں سے دل کا
وہ سواری ہے جو منزل پہ پہنچ سکتی ہے
تم سے گل پوچھے کوئی کیا ہے محبت؟ کہنا
حسب اوقات دیا کرتے ہیں حسب توفیق ملا کرتی ہے

غزنی جب سے اجیہ کے گھر سے آیا تھا انتہائی الجھا ہوا تھا وہ جوان لڑکیوں کو تحقیر کی نظر سے دیکھا کرتا تھا جو دن کی روشنی میں نوکری کے لیے گھر سے نکلتی ہیں اور اب خود اجیہ نوکری کررہی ہے اور وہ بھی دن کی نہیں بلکہ رات کی اگر یہ سب اسے اجیہ کی غیر موجودگی میں یا اس سے دوری پر پتا چلتا تو یقیناً چراغ پا ہوجاتا کہ غصے کا تو ویسے بھی تیز تھا اور یہ تو پھر ایک اصولی بات تھی کہ آج تک ان کے خاندان میں نہ ایسا ہوا تھا اور نہ ہی کسی لڑکی نے ایسا سوچا تھا جو کچھ اب آج کل اجیہ کررہی تھی اور اسے بھی ڈرائیور چاچا کے منہ سے تصدیق سن کر غصہ تو شدید آیا لیکن تب تک ہی جب تک کہ اس نے اجیہ کو نہ دیکھا تھا جیسے ہی اجیہ پر نظر پڑی تمام تر غصہ اور اختلاف پتا نہیں کہاں جا چھپے تھے یاد تھا تو بس اتنا کہ اس کے سامنے اجیہ ہے جو اس کی پہلی اور شدید محبت کی واحد حاکم ہے۔ جس کا غصہ بھی غزنی کے لیے سر آنکھوں پر تھا اور جس کے متعلق جاننا اور جس کی باتیں کرنا غزنی کے دل کے لیے اطمینان کا منفرد ذریعہ تھیں اور اسی سے ملنے اور کسی طور اسے ایک نظر دیکھ لینے کی چاہ میں وہ بہانے بہانے سے سکندر صاحب کے گھر کا چکر لگایا کرتا۔

"لیکن جاب۔" اب اس کے سامنے دو راستے تھے کہ یا تو وہ خاندان بھر کے سامنے یہ بات اچھالتا کہ اجیہ رات بھر گھر سے باہر رہ کر نوکری کرتی ہے اور یا پھر خاموشی سے خود اجیہ کو جاب چھوڑنے کا مشورہ دیتا اور اس نے دوسرا طریقہ چنا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اجیہ کا نام خاندان میں سب کے زبان زد عام ہو اور وہ بے چاری ہر ایک کو صفائیاں دیتی رہے کہ وہ پوری رات صرف کرسی پر بیٹھے کمپیوٹر پر کام کرتی ہے اور بس۔"

یوں بھی جس سے محبت ہوجائے اس کے تمام عیب سب خامیاں اور کبھی غلطیاں ڈھانپ لی جاتی ہیں دنیا والوں سے چھپالی جاتی ہیں تاکہ دوسروں کے سامنے وہ معتبر رہے اور کسی بھی طور عزت پر حرف نہ آئے یہی وجہ تھی کہ غزنی نے اجیہ کی خاطر اپنی فطرت کے برعکس فیصلہ کرکے اس معاملے پر خاموش رہنے کا سوچا لیکن جاب تو

بہر حال اس کے لیے قابل قبول نہیں تھی لہٰذا اس سے کہیں بھی الگ سے مل کر اسے سمجھانے یا منع کرنے کا ارادہ کیا اور اس سے ملنے کے لیے یونیورسٹی یا کال سینٹر میں سے کسی جگہ کا انتخاب اسے کرنا تھا۔

"غزنی بیٹا۔" وہ جب سے آیا تھا لیٹا ہوا تھا ابا مسجد گئے ہوئے تھے اور اماں گھر پر اپنی روزانہ کی تسبیحات میں مصروف تھیں اس لیے آتے ہی اپنے کمرے میں لیٹ کر تب سے اجیہ ہی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

"جب سے آئے ہو اسی طرح لیٹے ہوئے ہو، خیر تو ہے ناں کوئی بات ہوئی ہے کیا؟" اماں متفکر تھیں اس کے بیڈ پر ہی بیٹھ کر اس کے بالوں میں پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"ارے نہیں اماں بات کیا ہونی ہے میں آیا تو بس آ کر لیٹا اور نیند آ گئی ابھی آپ کے آنے سے کچھ دیر پہلے ہی جاگا ہوں۔" جھوٹ بولتے ہوئے اس نے اماں کے ہاتھ چومے اور بیٹھ گیا۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن اتنی صبح سویرے آنے کی وجہ؟" اماں اس کے چہرے پر کچھ کھوج رہی تھیں سوائے خوامخواہ کا قہقہہ لگانا پڑا۔

"وجہ کچھ بھی نہیں، دراصل چچا مجھے اپنے ساتھ مسجد لے جا کر فجر پڑھوانا چاہتے تھے اور میں یہاں آ کر سو گیا۔"

"بڑے خراب ہو تم۔"

"اس میں کوئی شک تو ہے ہی نہیں۔" اماں بھی ہنس دی تھیں۔

"اجیہ کیسی ہے اور حنین کا کیا حال ہے۔"

"دونوں بلکہ وہ چاروں ٹھیک ٹھاک ہیں ابا کا اور آپ کا پوچھ رہے تھے سب۔"

"میں بھی کب سے جانے کا سوچ رہی ہوں لیکن ہمیشہ ارادہ ملتوی کرنا پڑ جاتا ہے اب سوچ رہی ہوں اتنی تاخیر ٹھیک نہیں ہے۔" اماں نے لحظہ بھر رک کر غزنی کو دیکھا اور پھر سوچا کہ ابھی ہی بات کر لی جائے کیونکہ اس معاملے میں ان سے ہر گز صبر نہیں ہو رہا تھا۔

"ویسے میں سوچ رہی ہوں، بلکہ تمہارے ابا کا بھی یہی خیال ہے کہ تمہاری شادی کر دی جائے۔"

"شادی، یہ صبح صبح نہار منہ آپ کو میری شادی کا خیال کیسے آ گیا؟" وہ حیران ہوا۔

"خیر سوچ تو ہم کافی عرصے سے رہے ہیں لیکن اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہم تمہاری اور اجیہ کی شادی کر دیں تمہارا کیا خیال ہے، تمہیں اجیہ پسند تو ہے ناں؟" اب وہ کیسے بتاتا کہ اجیہ کے لیے اس کے جذبات کو صرف پسندیدگی کا نام دینا ٹھیک نہیں ہے بلکہ وہ اس سے بلا کی محبت کرتا ہے اور یہ محبت ہی ہے جس کی وجہ سے اس کی بے رخی بھی سہہ لیتا ہے کہ چلو آج نہیں تو کل وہ اس کی ہوگی اس کے ساتھ ہوگی اور اب اس کے روکھے پھیکے رویے سے غزنی کے دل پر جو گزر رہی ہے وہ سب اسے بعد میں نہ صرف بتائے گا بلکہ اسے جرمانہ بھی ادا کرنے کا کہا جائے گا۔

"آپ کو پسند ہے تو مجھے بھی پسند ہے۔ بھلا آپ کی مرضی کے آگے میری کیا مجال ہے کہ کوئی رائے دوں۔"

"اتنے سیدھے نہیں ہو تم ماں ہوں تمہاری، سب جانتی ہوں کہ ہر دوسرے دن اجیہ کے گھر جانے کا مقصد کیا ہے آج ہی تمہارے ابا کو بھائی صاحب کی دکان پر بھیجتی ہوں۔" وہ ہنس رہی تھیں اور غزنی بھی اس ہنسی میں ان کا ساتھ دے رہا تھا اس کا بس چلتا تو ابھی انہیں اپنے ساتھ لے جاتا اور چٹ منگنی پٹ بیاہ کر کے اجیہ کو دلہن کے روپ میں اپنے سامنے بیٹھا دیکھتا لیکن خیر جو بھی تھا وہ اماں کے سامنے اتنی جلد بازی نہیں دکھانا چاہتا تھا کہ جانتا تھا جلد یا بدیر اجیہ اب اسی کی ہے۔

❀……۞……❀

ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ ارش ممی کے جگانے سے پہلے ہی اٹھ جائے یا پھر وہ جاگے اور سامنے ممی کا محبت بھرا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھنے کو نہ ملے لیکن آج ایسا ہی ہوا تھا اس نے جاگنے کے بعد بیڈ پر پھیلی کتابیں سائیڈ ٹیبل پر دیکھیں تو وہیں سے اندازہ ہو گیا کہ ممی اس کے کمرے کا

ایک چکر لگا چکی ہیں دوبارہ سونا چاہتا تھا لیکن حسن کی فون کال نے آخر جگا ہی دیا اسے اپنی والدہ کی رپورٹس لانا تھیں اور وہ چاہتا تھا کہ اگر اربش فارغ ہے تو دونوں چلیں جس پر اربش نے خود جانے سے معذرت کرتے ہوئے اجیہ کی امی کی بھی رپورٹس لانے کی ذمہ داری اسے سونپ دی خود وہ اجیہ کی لائی گئی کتابوں پر تھوڑا کام کرنا چاہتا تھا۔

"ممی آپ نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا۔" وہ فریش ہوکر سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے آیا جب اس نے دیکھا کہ ممی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی کسی فوٹو البم میں محو ہیں اور تمام ناشتہ ویسے کا ویسا رکھا ہے اس کے پکارنے پر وہ چونکیں۔

"تم نے بھی تو ابھی تک ناشتہ نہیں کیا ناں اور کیا پہلے کبھی ایسا ہوا ہے کہ میں تم سے پہلے یا اکیلے ناشتہ کرلوں۔" وہ مسکرائیں۔

"بس رات کو سونے میں ذرا دیر ہوگئی تو صبح آنکھ کھلی نہ آپ نے جگایا۔" ممی نے اس کی بات کے جواب میں مسکراتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا فوٹو البم بند کیا جسے اربش نے پکڑ کر پھر کھول لیا۔

"نانا ابو، نانی ماں، پاپا میں اور آپ۔" تصویریں دیکھتے ہوئے وہ پل بھر کے لیے رکا پھر بولا۔

"ویسے ممی ایک بات کہوں؟"

"ہاں ہاں بولو۔"

"نانا ابو اور نانی ماں تو اس دنیا میں نہیں رہے لیکن خالہ سے تو ملاقات ممکن نہیں ناں۔"

"ممکن ہوتی تو خود سوچو کیا میں اب تک اس سے مل نہ چکی ہوتی۔"

"لیکن آپ کوشش تو کریں ہوسکتا ہے کہ آپ دونوں پھر مل سکیں اس پوری دنیا میں اب ایسا کوئی بھی تو رشتہ نہیں ہے ناں آپ کا نہ والدین نہ بھائی بس اکلوتی بہن ہیں اگر ہم چاہیں تو مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور ہمیں کہیں نہ کہیں مل جائیں گی۔" اربش بعض اوقات ان کی تنہائی سے بہت پریشان ہوجاتا تھا اور پھر اکثر سوچتا کہ کاش وہ کسی طرح ان کی تنہائی دور کرسکے۔

"بیٹا شاید تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے بتایا تھا جس محلے میں اس کی شادی ہوئی تھی شادی کے فوراً بعد اس کے شوہر نے وہ گھر بدل لیا تھا وہ اپنے آبائی گھر چلا گیا تھا اور نئے گھر کا پتا بتانے کی اس نے کبھی اسے اجازت ہی نہیں دی جب تک ہمارے ابا زندہ رہے وہ کسی نہ کسی طرح ان سے مل ہی لیا کرتے تھے لیکن پھر ایسا رابطہ ٹوٹا کہ اب یہ بھی پتا نہیں کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہے۔" انہوں نے ناشتے میں سب سے پہلے ہمیشہ کی طرح اربش کے لیے پانی ڈالا اور گلاس اس کے سامنے رکھ دیا۔

"لیکن کیا تھا اگر وہ نانا ابو کو اپنے گھر کا ایڈریس بتا دیتیں تو بے شک کوئی ان کے گھر نہ جاتا لیکن تسلی رہتی۔"

"اس کا شوہر انتہائی سخت گیر آدمی ہے بیٹا اور اس نے تمہاری خالہ سے قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر قسم اٹھوائی تھی کہ اگر تم کبھی اپنے میکے گئیں یا انہیں بلایا یا گھر کا پتا ہی بتایا تو میں تمہیں اپنے لیے نامحرم تصور کروں گا، طلاق دے دوں گا۔"

"اوہ مائی گاڈ کوئی اتنا بھی سخت دل ہوسکتا ہے کیا؟" اربش پانی پیتے پیتے رکا۔

"تمہارے نانا ابو کے مرنے کا بھی معلوم نہیں اسے کیونکہ تب مجھے آس تھی کہ ہوسکتا ہے کسی ذریعے سے اسے پتا چل جائے اور کم از کم وہ ان سے آخری ملاقات کے لیے ہی چلی آئے لیکن ایسا نہیں ہوا، وہ نہیں آئی اور تمہارے نانا ابو چلے گئے اور اب تو برسوں بیت گئے۔" انہوں نے گہری سانس خارج کی۔

"ان کے بچے۔" اربش نے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تو وہ ذرا سا مسکرائیں۔

"تب تک تو ایک ہی بیٹی تھی بڑی بڑی آنکھوں والی پیاری سی میں نے تو دیکھی نہیں لیکن تمہارے نانا ابو بتاتے تھے کہ اپنی ماں کی سہیلی تھی وہ بھی چھوٹی سی عمر میں بہت کچھ محسوس کرتی تھی۔"

"کاش میں ممی کو ان کی بہن تک پہنچا سکوں۔" اربش نے انہیں مسکراتے دیکھ کر سوچا۔

"ویسے آپ کا بھی دل تو چاہتا ہوگا ناں کہ آپ کی بہن آپ کے ساتھ رابطے میں ہوتی آپ کی بہنیں ہوتی۔"

"دل تو اب بھی چاہتا ہے لیکن نہ کبھی پہلے کوشش کی اور نہ ہی آئندہ ایسی کوشش کا ارادہ ہے۔"

"کیوں؟" وہ حیران ہوا۔

"اس لیے کہ مجھ سے ملنے کے بعد اس کے تعلقات اپنے شوہر سے یقینی طور پر کشیدہ ہو جائیں گے اور یہ بات میں کسی صورت نہیں ہونے دوں گی کہ میری وجہ سے اس کی ہنستی بستی زندگی ڈسٹرب ہو۔"

"ہمم......" اربش نے ان کی سوچ کی تائید کی۔

"دراصل بات تو آپ کی بالکل ٹھیک ہے لیکن جب آپ کی تنہائی کا سوچتا ہوں تو بہت فیل ہوتا ہے۔"

"تو یہ تو کوئی بڑی بات نہیں بلکہ میں خود آج کل اس تنہائی کو ختم کرنے کا سوچ رہی ہوں۔" وہ مسکرائیں اربش نے بریڈ پر جیم لگاتے ہوئے رک کر ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔

"تمہاری یونیورسٹی ختم ہونے میں اب بہت کم وقت رہ گیا ہے سوچ رہی ہوں بس اب جلدی سے تمہارے لیے کوئی اچھی سی لڑکی دیکھ کر تمہاری شادی کردوں۔" ان کے اس اچانک مگر خوش گوار اعلان پر اربش نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"کیا خیال ہے کوئی لڑکی ہے تمہاری نظر میں یا میں خود کوئی لڑکی پسند کروں؟" وہ اس کے چمکتے چہرے پر نظر آتے منفرد جذبات سے محظوظ ہو رہی تھیں اور ابھی چند لمحوں پہلے ماحول پر چھائی اداسی نے ایک دم کروٹ لے کر شگفتگی کی چادر اوڑھ لی تھی وہ مسکرایا۔

اور اس مسکراہٹ کے ساتھ ہی جو چہرہ سب سے پہلے اس کے ذہن میں آیا وہ اجیہ کا تھا جس کے ساتھ گو کہ اب تک اس کا بہت زیادہ وقت نہیں گزرا تھا لیکن شاید اجیہ ہی وہ لڑکی تھی جس کے ساتھ وہ اپنی زندگی کا بہت زیادہ وقت گزارنے کا خواہش مند تھا اور اس کی یہ مسکراہٹ ہی تھی کہ ممی نے بغیر تمہید کے اسی مسکراہٹ اور پیار کے ساتھ پوچھا۔

"کون ہے وہ لڑکی تمہاری کوئی کلاس فیلو ہے یا......"

"ارے نہیں ممی کوئی بھی نہیں ہے ابھی تو ایسا کچھ سوچا بھی نہیں ہے بلکہ یوں سمجھیں کہ آپ نے تو آج پیپر میں وہ سوال پوچھ لیا ہے جو کبھی پڑھایا ہی نہیں تھا۔" وہ سنجیدہ ہونے کی کوشش میں تھا کیونکہ فی الحال اجیہ کے بارے میں وہ مکمل طور پر لاعلم تھا نہیں جانتا تھا کہ وہ بھی اس میں دلچسپی رکھتی ہے یا نہیں اور کہیں اور انگیج تو نہیں۔ اسی بنا پر فی الحال اس نے خاموشی اختیار کی تھی۔

"میں تو اب اپنے لیے بہو ڈھونڈنا شروع کر رہی ہوں بلکہ بوا کو بھی کہتی ہوں کہ کسی اچھے گھرانے کی لڑکی کو نظر میں رکھیں۔" اربش کے ذہن میں ایک بار پھر اجیہ کا سراپا گھوم گیا اسے یقین تھا کہ روئے زمین پر اس سے پیاری لڑکی شاید ہی کوئی اور ہو اور صرف وہی نہیں ہر محبت کرنے والے کو یہی گمان ہوتا ہے کہ اس کی محبت سے بڑھ کر دنیا میں کچھ نہیں ہے اور یہی تو محبت کی سچائی ہے۔

❁......۞......❁

اجیہ جب بھی گھر پر ہوتی اس کی اولین مصروفیت کچن ہی ہوا کرتا وہ امی کے لیے خاص طور پر کھانا پکانا پسند کرتی اور انہیں کھاتا دیکھ کر ان کے منہ سے تعریفی کلمات سنتے ہوئے وہ انتہائی خوش ہوتی۔ اس کا بس چلتا تو وہ سکندر صاحب کے ناروا سلوک کی ایک ایک یاد ان کے ذہن سے کھرچ ڈالتی اسی لیے ہر وقت ان سے یہاں وہاں کی باتیں کرتی رہتی تاکہ ان کا ذہن مصروف رہے اس وقت وہ اپنے مخصوص تخت پر سلائی مشین رکھے حنین کی قمیص ٹھیک کر رہی تھیں پچھلے دنوں سکندر صاحب کے سفید کپڑے دھوتے ہوئے اس کی قمیص کے دامن پر بھی بلیچ کا لیکویڈ گر گیا تھا جس سے سبز رنگ کی قمیص کا دامن خراب ہو گیا امی نے اس کا آسان حل یہ نکالا کہ اتنا کپڑا کاٹ کر وہاں پہلے سے گھر میں موجود آدھی بالشت چوڑی لیس لگادی تھی جس سے قمیص دوبارہ پہلے کی طرح باہر بھی پہننے جانے کے قابل تھی۔

اجیہ کچن کے کھلے دروازے سے ساتھ ساتھ انہیں بھی دیکھتی جارہی تھی۔ جب وہ انہیں یوں تھوڑی تھوڑی بچت کرتے دیکھتی تو دل گرفتہ ہوجاتی تھی اگر ان کے پاس کچھ نہ ہوتا تو اور بات ہوتی لیکن سکندر صاحب کی اچھی خاصی آمدنی تھی خود ان کا لباس ہمیشہ بہترین ہوتا دوپہر کو خوب سے خوب کھانا کھاتے لیکن گھر میں دینے کے لیے ان کے پاس صرف اور صرف دکھ، ٹینشن اور نفرت تھی، جس کے باعث امی وقت سے پہلے اور اپنی عمر سے زیادہ بوڑھی لگنے لگی تھیں ویسے بھی شادی کے بعد عورت کا مزاج اوڑھنا پہننا اور خاص طور پر اس کے چہرے کی شگفتگی اس کے شوہر کے مزاج سے منسلک ہوتی ہے اور سکندر صاحب نے انہیں ترسایا ہی تھا جذبوں کے معاملے میں بھی اور ضرورتوں کے معاملے میں بھی۔

شروع سے یوں ہر چیز کے لیے ترستا دیکھ کر اجیہ کو اس مڈل کلاس زندگی سے جیسے نفرت سی ہوگئی تھی ایک دفعہ ملنے والی زندگی اور اس میں بھی اتنی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے ترسنا۔ بھی اس کا دل چاہتا ایک ہی جست میں سب کچھ حاصل کرے وہ تمام محرومیاں ختم ہوجائیں جو زندگی کا لطف کھائے جارہی تھیں اپنے کمرے میں لگی پینٹنگ پر موجود اس پرندے کی طرح وہ سب سے آگے نکل جانا چاہتی تھی یہ زندگی اور زندگی کا یہ روپ جو سکندر صاحب کا تخلیق کردہ تھا اس کے لیے کرب سے بڑھ کر اور کچھ نہیں تھا۔ عام طور پر لوگ بہت پریشانی دل گرفتگی میں اپنے گھر جانے کو ترجیح دیتے جبکہ اجیہ کا دل چاہتا جب سکندر صاحب کی وجہ سے امی گھٹ گھٹ کر روتیں تو وہ اس گھر سے کہیں دور چلی جائے بہت دور جہاں زندگی کی تمام سہولیات اور آسائشیں ہوں جو اس کی اب تک کی زندگی کی گھٹن ختم کردیں۔

:::

''اجیہ تمہارا فون ہے۔'' اپنے خیالات میں مگن کچن صاف کرتی اجیہ امی کی آواز پر چونکی تھی گھر کے نمبر پر ان کے لیے کسی کا فون آیا تھا وہ فوراً تولیے سے ہاتھ صاف کرتی باہر آئی اور ہولڈ پر رکھا فون اٹھایا۔

''مس اجیہ میں نیو لائٹ اسکول سے بات کررہی ہوں آپ نے جاب کے لیے اپلائی کیا تھا ہمارے پاس۔'' اس کے ہیلو کہنے کے بعد ایک خاتون نے بات شروع کی۔

''جی بالکل میں ہی اجیہ ہوں اور میں نے آپ کے اسکول میں کچھ ٹائم پہلے اپنی سی وی بھی جمع کرائی تھی۔''

''ویری گریٹ مس اجیہ، تو اب ایسا ہے کہ ہماری پرنسپل آپ سے ملنا چاہتی ہیں آپ اسکول ٹائم میں آکر ان سے مل لیں۔''

''شیور وائے ناٹ۔'' اجیہ کے لیے یہ ایک خوش خبری تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آج اتفاق سے وہ گھر پر تھی اور پوری رات گھر میں گزارنے کی وجہ سے فریش بھی تھی لہٰذا اس نے آج ہی کے دن قسمت آزمانے کا سوچا۔

''میں آج ہی آکر ان سے مل لیتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے لیکن خیال رہے کہ ٹائم سے آجائیے گا تاکہ باقی امیدواروں کے ساتھ آپ کا بھی کچھ انٹرویو ہوجائے۔''

''جی...... جی آئی انڈراسٹینڈ اینڈ تھینک یو سوچ۔'' خوشی سے اجیہ کا چہرہ چمک اٹھا تھا کہ جاب تو اسے کرنی ہی تھی لیکن اگر صبح کے اوقات میں جاب مل جاتی تو وہ خود کال سینٹر میں استعفیٰ ان کے منہ پر مار آتی لیکن ابھی وہ مجبور تھی کہ اور کوئی جاب کا آسرا نہ تھا اس لیے اگر جذبات میں آکر وہ نوکری چھوڑ بھی دیتی تو ایک بار پھر چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے سکندر صاحب کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑتے اور ان کی ہزار باتیں اور سیکڑوں صلواتیں سننے کے بعد بھی موڈ میں ہوتے تو پیسے دیتے ورنہ کبھی ہاتھ تنگ ہونے کا بہانہ تو کبھی فضول خرچ ہونے کے خطابات سننا پڑتے البتہ جب سے اجیہ نے کال سینٹر میں نوکری شروع کی تھی روپوں پیسوں کے لیے کبھی گھر میں چخ چخ سننے کو نہ ملی۔

''کیا ہوا اجیہ کہاں سے فون تھا۔'' امی نے کترنیں سمیٹ کر شاپر میں ڈالتے ہوئے رک کر اس سے پوچھا تو وہ کھلکھلاتی ہوئی ان کے پاس آگئی۔

”نیولائٹ اسکول والوں نے انٹرویو کے لیے بلایا ہے بہت ہائی اسٹینڈرڈ کا اسکول ہے دعا کریں اگر اتنے عرصے بعد انٹرویو کے لیے بلایا ہے تو نوکری بھی مل جائے۔“

”آمین...... آمین میں بھلا کیوں دعا نہ کروں میری بچی ساری دعائیں تمہارے ہی لیے ہیں۔“

”پتا ہے امی تنخواہ بھی کال سینٹر سے زیادہ ہے اِن کی اور پھر پڑھانے میں تو خود مجھے بہت مزہ آتا ہے۔“ وہ بہت پُرجوش نظر آرہی تھی۔

”تنخواہ کو تو ایک طرف رکھو لیکن یہ کیا کم سکھ ہوگا کہ دن کی روشنی میں دیگر دنیا والوں کی طرح جاؤ اور آجاؤ رات کی تاریکی میں مزے اور سکون سے گھر پر میرے اور حنین کے ساتھ گپیں مارو۔“

”آئی لو یو امی، آئی رئیلی لو یو۔“ خوشی میں اسے اور تو کچھ نہ سوجھا فوراً امی سے لپٹ گئی ان کے انداز میں بھی گرم جوشی تھی اس کا سر چومتے ہوئے وہ اس کی مسکراہٹ کو از بر کر لینا چاہتی تھیں جانتی تھیں کہ وہ دل سے خوش ہے اور ابھی کچھ دیر پہلے ماحول میں رچا ہوا بوجھل پن اس ہنسی کے اثر سے زائل ہو چکا تھا۔

”جانا کب ہے؟“ انہوں نے پوچھا۔

”آج جانا ہے امی بلکہ ابھی ابھی جانا ہے تاکہ اسکول بند ہونے کے وقت سے پہلے پہلے پہنچ سکوں۔“

”کہیں اور جاب مل گئی ہے کیا؟“ اجیہ کی خوشی سے بھرپور آواز پر حنین بھی کمرے سے نکل آئی تو اجیہ تیزی سے اٹھی اور اس کے گلے لگ گئی۔

”ملی تو نہیں ہے لیکن بس تم سمجھو کہ مل ہی گئی......“ ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے اجیہ نے ساری تفصیل بتائی تو حنین کا جوش بھی دیدنی تھا۔

”کپڑے کون سے پہنوگی۔“ سب سے پہلی یہی فکر تھی جو حنین کو ستائی۔

”اس سے پہلے کہ لائٹ چلی جائے جلدی سے کپڑے نکالو میں استری کردوں تم جب تک پھر ہاتھ منہ دھولو۔“ حنین نے جلدی سے استری کے لیے کمرے کے ایک کونے میں موٹی سی دری بچھائی، استری کا پلگ لگایا اور بولی۔ اجیہ اس دوران الماری کھولے کپڑوں کے انتخاب میں مصروف تھی۔

”میرا تو خیال ہے وہ ریڈ اور بلیک والے پہن لو، ہمارے پاس اس کی ساری میچنگ بھی ہے اور پتا ہے ناں ٹیچنگ وغیرہ میں تو پورا ٹپ ٹاپ میں رہنا پڑتا ہے تم اپنی پہلی انٹری ہی ایسی مارو کہ وہ عش عش کر اٹھیں۔“ حنین نے آگے بڑھ کر خود ہی اسے ریڈ کلر کی شرٹ اور بلیک ٹراؤزر پکڑایا اور پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر ہی ریڈ شرٹ لے کر نیچے بیٹھی اور استری کردی۔

”اچھا ایسا کرتی ہوں، بلیک کی جگہ میں ریڈ کے ساتھ وائٹ ٹراؤزر اور وائٹ ہی دوپٹا کر لیتی ہوں اتنی گرمی میں ریڈ کے ساتھ بلیک مجھے تو کم از کم گھبراہٹ کے علاوہ کچھ نہیں دے گا۔“

”چلو ٹھیک ہے پھر وائٹ دوپٹا میرا لے لینا اور میں تمہیں اپنی بریسلیٹ بھی دیتی ہوں تم جاؤ جب تک ہاتھ منہ دھوؤ۔“ زبان کے ساتھ ساتھ حنین کے ہاتھ بھی تیزی سے چل رہے تھے۔

”اور سنو انگلش میں بات چیت کرنا ان سے میری کلاس فیلو کی بہن پڑھتی ہے وہ بتا رہی تھی کہ ٹیچرز بھی اگر انگلش نہ بولیں تو انہیں جرمانہ کردیا جاتا ہے قسم سے بہت بور ہوتی ہوں رات کو اکیلے سوتے ہوئے تمہاری یہ والی جاب ہو جائے تو رات کو دیر تک بیٹھ کر باتیں کیا کریں گے۔“ حنین بڑی ایکسائیٹڈ تھی اور سچ ہی تو کہہ رہی تھی دن میں چاہے جتنی مرضی باتیں کرتے رہو لیکن جو مزہ رات کو بیٹھ کر سکون سے گپ شپ میں ہے وہ دن میں نہیں کتنی ہی مرتبہ مختلف کاموں کے لیے دن کے وقت اٹھنا بھی پڑتا ہے جبکہ رات کو تو بس باتیں باتیں اور پھر پُرسکون نیند۔

”بس دعا کرنا جاب ہو جائے۔“ اجیہ کہتے ہوئے واش روم میں گئی اور اس کے آنے تک اس حنین نے وائٹ ٹراؤزر اور وائٹ دوپٹے کے ساتھ کاٹن کی سرخ قمیص استری کرکے بیڈ پر پھیلا رکھی تھی اور اپنے جیولری باکس

میں سے بریسلیٹس انگوٹھیاں اور ریڈ کلر کی ہیئر پنیں نکال کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔

اجیہ نے کپڑے تبدیل کرکے آئی شولڈر کٹ بالوں کو سلیقے سے سمیٹا اور ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"یہ جیولری کی دکان کس خوشی میں لگادی ہے ہنی۔" اتنی ساری انگوٹھیاں، چوڑیاں اور ٹاپس دیکھ کر وہ حیران تھی۔

"تمہارے لیے میچنگ نکالی ہے اسٹوپڈ ان میں سے اپنی تیاری کرلو۔"

"میں ان میں سے کچھ بھی نہیں پہنوں گی تم خود سوچو ایک ٹیچر کی جاب کے لیے انٹرویو ہے کوئی بارات کا فنکشن نہیں ہے جہاں میں جارہی ہوں میں نے صاف ستھرے استری شدہ کپڑے پہن لیے تو ٹھیک ہے۔"

"اسی لیے کہا ہے کہ ان میں سے کچھ نہ کچھ ضرور پہنو ارے ٹیچرز تو مشہور ہوتی ہیں خوش لباس کے ساتھ ان تمام چیزوں میں اور کچھ نہیں تو یہ چوڑیاں تو پہن ہی لو۔" حنین نے اسے سرخ چوڑیاں پہنانا چاہیں۔

"پاگل مت بنو ہنی، یہ واپس رکھو میں یہ وائٹ بریسلیٹ اور یہ انگوٹھی پہن لیتی ہوں باقی کسی چیز کی ضرورت نہیں اس کے آگے اب میری قابلیت کا امتحان ہے چل گئی تو ٹھیک ورنہ کال سینٹر تو ہے ہی۔" اجیہ مسکرائی۔

"بیٹا جاتے ہوئے تمام رستہ تیسرا کلمہ پڑھتی ہوئی جانا مجھے امید ہے کہ اللہ کچھ بہتری کرے گا۔" امی نے کمرے میں داخل ہوکر اس پر کچھ پھونکنے کے بعد کہا۔

کہنے کو یہ ایک معمولی سی پرائیویٹ اسکول ٹیچر کی نوکری تھی لیکن انہیں اس وقت دن کے وقت کی جاب کی اشد ضرورت تھی اس لیے کسی بھی طور ان کے لیے یہ جاب معمولی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔

"آپ کو امید ہے اور مجھے پکا یقین ہے کہ اگر آپ کی دعا میرے ساتھ رہی تو اللہ کی مدد بھی حاصل ہوگی۔" اسی دوران ایک بار پھر فون بجا تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور حنین فون سننے کے لیے کمرے سے نکل کر لاؤنج کی طرف بڑھی اور فون اٹھاتے ہی اس کا چہرہ کھل سا گیا۔

"میں بالکل بات نہیں کروں گی تم سے بھلا کوئی ایسے جاتا ہے کیا بغیر خدا حافظ کہے۔" دوسری طرف غزنی تھا جس کے خلاف توقع فون نے ایک دم حنین کی دھڑکنیں منتشر کردی تھیں۔ یوں اچانک بغیر کسی امید یا اطلاع کے غزنی سے بات ہوجائے تو اس سے بڑھ کر خوشی کی بات بھلا حنین کے لیے کیا ہوسکتی تھی مگر پھر بھی دانستہ کوشش سے اپنے لہجے کی خوشی کو مکمل چھپاتے ہوئے ناراضگی کا اظہار کیا۔

"ہاں سوری، میری غلطی ہے مجھے بھی گھر آ کر بہت فیل ہوا کہ کم از کم میں آتے ہوئے تم لوگوں سے مل کر تو آتا پھر جانے دوبارہ کب ملنا ہو مجھے ایسے نہیں آنا چاہیے تھا اور بلکہ میں تو اس دفعہ تمہارے ہاتھ کے پراٹھے کھانا چاہتا تھا سنا ہے بڑی سگھڑ ہوتی جارہی ہو۔" غزنی نے خوش گوار موڈ میں کہا تو حنین گویا ہواؤں میں اڑنے لگی۔

"پتا ہے پچھلی مرتبہ تائی امی نے کہا تھا کہ اور کچھ آئے یا نہ آئے لیکن ناشتے میں پراٹھے پکانا تو ہر لڑکی کو آنے ہی چاہیے بس تب سے ہی سیکھ لیے تھے۔" دھیمی آواز میں اس نے بتایا تو غزنی کو اس لمحے وہ بے حد معصوم سی لگی۔

"تم کتنی اچھی ہو حنین اور یہ جو میری اماں ہیں ناں تمہاری شادی تک ایسے ایسے مشورے دیں گی کہ تاک ہوجاؤ گی ہر کام میں۔" اجیہ غزنی اور حنین تقریباً تینوں ہی ہم عمر تھے اور حنین اور غزنی تو یوں بھی ایک دوسرے سے بے تکلف تھے لیکن پھر بھی شادی کا کہہ کر اس نے آج تک حنین کو نہیں چھیڑا تھا اور آج یونہی مذاق میں کہہ دیا تو اسے لگا جیسے کوئی دھڑکن یہاں وہاں ہوگئی ہو، وجہ شاید یہ ہو کہ اماں کی طرف سے بات کیے جانے کے بعد اس کے ذہن میں اب اپنی شادی ہی تو تھی، اسی لیے حنین کو بھی شادی کا ذکر کرکے چھیڑا۔

"تو اچھا ہی تو ہے کہ وہ مجھے شادی سے پہلے ہی ٹرینڈ کردیں تاکہ بعد میں میرے لیے کوئی بھی مسئلہ نہ ہو اور ویسے بھی جتنی خوب صورت شادی شدہ زندگی انہوں نے

گزاری ہے ناں غزنیٰ خود میری بھی دلی خواہش ہے کہ شادی کے بعد ایسی ہی زندگی نصیب ہو۔" تھوڑا جھجکتے اور تھوڑا شرماتے ہوئے آخر اس نے بھی اپنے دل کی بات کہہ دی تھی یہ بات غزنیٰ کے لیے بھی حیرت اور دلچسپی کا سبب تھی کہ وہ ابھی سے اپنی شادی شدہ زندگی کے خواب آنکھوں میں سجائے ہوئے ہے جبکہ وہ تو اسے لاابالی سی لڑکی خیال کرتا تھا۔

"تم دیکھنا شادی کے بعد تم میری اماں سے بھی کہیں زیادہ خوش رہوگی اور اگر کسی نے تمہاری خوشیوں کو نظر لگانے کی کوشش کی تو میرے غصے کا تو تمہیں پتا ہی ہے ان کی تو نظر میں خود اتار دوں گا۔"

"تم واقعی بہت بہت اچھے ہو میری سوچ سے بھی کہیں بڑھ کر۔" غزنیٰ اس کی بات پر مسکرایا۔

"حیرت ہے میں تو سوچ رہی تھی کہ غزنیٰ میری محبت سے شاید انجان ہے لیکن وہ تو نہ صرف یہ سب کچھ جانتا ہے بلکہ مجھ سے محبت بھی کرتا ہے اسی لیے تو گھر جا کر معذرت کے لیے پھر فون بھی کیا اور جان بوجھ کر یقیناً میری رائے لینے کی خاطر شادی کا بھی ذکر چھیڑ دیا تاکہ اشاروں کنایوں میں میری مرضی معلوم کرلے۔" حنین نے دل میں سوچا۔

"اچھا اجیہ اب تک سو رہی ہے یا جاگ چکی ہے۔"

"غزنی یہ ہمارا گھر ہے بھئی جہاں صبح بہت دیر سونے کا نہ تو رواج ہے اور نہ ہی کسی کو عادت وہ بھی جاگی ہوئی ہے بلکہ......" وہ اسے بتاتے بتاتے رک گئی تھی کہ وہ کسی اسکول میں جاب کے لیے انٹرویو دینے جارہی ہے۔

"بلکہ؟" غزنیٰ نے جملہ ادھورا چھوڑے جانے پر دہرایا تب تک وہ بات بنا چکی تھی۔

"بلکہ کام کاج میں مصروف ہے۔"

"اور اگر میں اجیہ سے بات کرنا چاہوں تو کیا ایسا ممکن ہے کہ میں ابھی اس سے بات کرلوں یا پھر اس کے موبائل پر فون کروں اور بات ہوجائے۔"

"ابھی تو وہ شاید بات نہ کرپائے لیکن ہاں ایسا کرو تقریباً پندرہ بیس منٹ تک اس کے موبائل پر کال کرلو تو آرام سے بات ہوجائے گی یا میں تمہاری طرف سے کہہ دوں گی کہ تم صبح یوں جانے پر شرمندہ ہوا ہے بھی کہہ دوں گی اور امی سے بھی تمہاری طرف سے معذرت کرلوں گی۔" حنین نے مکمل آفر کی جسے غزنی نے نصف قبول کیا۔

"تم ایسا کرو اپنی امی سے معذرت کرلو اور اجیہ سے میں خود بات کرلیتا ہوں پتا ہے ناں کیسا مزاج ہے اس کا پھر اعتراض نہ کرے کہ غزنیٰ نے حنین سے بات کی اور مجھ سے نہیں آخر ایک ہی تو تمہاری بہن ہے اور اسے خوش رکھنا ہی تو اب میرا ٹاسک ہے۔" غزنیٰ کی باتوں سے اس کے دل میں غزنیٰ کے لیے مزید جگہ بنتی جارہی تھی کہ وہ نہ صرف اسے اہمیت دے رہا ہے بلکہ اس کی وجہ سے اور اس کی بہن ہونے کے ناتے اس کے لیے اجیہ کی خوشی بھی کس قدر اہمیت رکھتی ہے باوجود اس کے اجیہ کا اس کے ساتھ رویہ ہمیشہ ہی بہت روکھا پھیکا سا رہا ہے نہ کبھی حنین کی طرح خوش دلی سے اس کے ساتھ بات کی اور نہ کبھی ہنسی مذاق میں اس کا ساتھ دیا۔

لیکن اب حنین نے فیصلہ کیا کہ وہ اجیہ سے خاص طور پر اصرار کرے گی کہ غزنی کی فون کال آنے پر نہ صرف یہ کہ اس کی کال اٹینڈ کرے بلکہ اس کی بات بھی مکمل طور پر سنے کیونکہ حنین کے خیال میں وہ اس گھر کا اکلوتا داماد اور اجیہ اس کی اکلوتی سالی ہے اور ان دونوں میں کسی طور پر یہ سرد مہری برقرار نہیں رہنی چاہیے۔

❀......۞......❀

سکندر صاحب کی دکان کی اپنے علاقے میں بہت اچھی شہرت تھی سبزی کے ٹھیلے سے شروع کرکے انہوں نے اسے مکمل دکان کا درجہ دے دیا تھا پہلے ان کے والد صاحب صرف پھل اور سبزی ہی بیچا کرتے تھے اسی وجہ سے گوکہ اب سکندر صاحب کی دکان کافی بڑی ہوچکی تھی اور ساتھ والی دکان سے دیوار نکال دینے کی وجہ سے ان کے پاس اشیاء خوردونوش کی کافی تعداد تھی لیکن پھر بھی ایک کونے میں انہوں نے سبزی پھل ضرور لگا رکھے تھے جس سے والد صاحب کی یاد تازہ رہتی۔ ان کی دکان کا معیار

ویسے بھی اعلیٰ تھا سبزی یا فروٹ سے لے کر باقی تمام اشیاء تک ان کی ہر چیز کوالٹی کے لحاظ سے بہترین تصور کی جاتی جو سبزی مرجھا جاتی باسی ہو جاتی یا پھر کوئی فروٹ اگر نرم پڑ جاتا تو وہ اسے گھر لے آیا کرتا تھے بلکہ اکثر اوقات بچ جانے والی سبزی ہی ان کے گھر پکا کرتی۔ اس وقت بھی وہ ملازم کو سبزی اور فروٹ کی تازگی پہ دھیان دیتے ہوئے باسی نظر آنے والی سبزی گھر لے جانے کے لیے الگ شاپر میں رکھ رہے تھے جب غزنی کے والد کو دکان کی تین سیڑھیاں چڑھنے کے بعد اندر آتے دیکھا۔ تھے تو وہ دونوں بھائی لیکن دونوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا سکندر صاحب جتنے روکھے اور کٹھور تھے تو وہ اسی قدر خوش مزاج تھے سکندر صاحب جس قدر کسی بات کو دل میں گرہ بناتے وہ اسی قدر ہر بات کو نظر انداز کرنے والے تھے ویسے بھی وہ لوگ بہت جلد تنہا ہو جاتے ہیں جو اپنے معاملات کو تعلقات پر فوقیت دیں، زندگی میں پیش آنے والے چھوٹے چھوٹے معاملات پر زندگی سے جڑے تعلقات کو داؤ پر لگا دینے والے بے شک خود کو کتنا ہی اصول پرست کہتے رہیں لیکن عقل مند انہیں کوئی بھی نہیں کہہ پائے گا اور یہی وجہ تھی کہ سکندر صاحب کا خاندان والوں سے ملنا جلنا لینا دینا سب رسمی تھا دنیا داری نبھائی جاتی تھی جبکہ اس کے برعکس غزنی کے گھر والوں کے ساتھ بھی کی طویل بیٹھک رہتی۔

"آیئے آیئے بھائی جان...... کیا حال ہے کیسے آنا ہوا؟" بڑی خوش دلی سے وہ انہیں دکان کے اندر تک لائے اور بیٹھنے کے لیے فوری طور پر کرسی پیش کی اور خود فریج سے ٹھنڈا جوس بھی نکال کر سامنے رکھا۔ تب تک ملازم سکندر صاحب کے لیے بھی دوسری کرسی لے آیا تھا۔

"کافی دن ہو گئے تھے تم سے ملے ہوئے سوچا گھر تو تمہارا دور پڑتا ہے یہیں مل لیا جائے۔"

"جی...... جی کیوں نہیں، گھر بھی آپ کا، دکان بھی آپ کی ہے جب جی چاہے آئیں مجھے بہت ہی خوشی ہوتی ہے آپ کو اپنے گھر یا دکان میں دیکھ کر۔" سکندر صاحب واقعی انہیں دیکھ کر بہت خوش اور ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے جس کی ایک وجہ شاید یہ بھی تھی کہ پچھلے چند دنوں میں اجیہ کی جاب کی وجہ سے جو ٹینشن رہی تھی اور جس اعصابی تناؤ کا شکار وہ رہے تھے اس کے بعد آج کل ان کا بہت دل چاہتا تھا کہ کوئی اپنا ملے جس کے ساتھ بیٹھ کر دیر تک یونہی بس باتیں کیے ہی چلے جائیں۔ یا ایسے نہیں تو اور بھلا کیا ہے کہ دنیا میں انسان ہی انسان کا دشمن ہے رقیب و حاسد ہے قاتل ہے لیکن انسان کا انسان کے بغیر گزارا بھی نہیں خوشی ہو یا غم انسان کی ضرورت پڑتی ہی ہے دکھ دینے والا بھی انسان ہوتا ہے تو پھر انہی دکھوں کے مداوا کرنے کے لیے بھی کسی انسان کی ہی آس رہتی ہے اور افسوس پھر بھی اس بات پر کہ وفاداری کے لیے پھر بھی انسان کتے اور گھوڑے کی ہی مثال دیتا ہے۔

"اور سناؤ سب کام کیسا چل رہا ہے، بچے اور بھابی سب کیسے ہیں۔" انہوں نے جوس کا گھونٹ لیا۔

"بچیاں بھی ٹھیک ہیں اور ان کی ماں بھی کل غزنی آیا ہوا تھا رات بھر ہماری طرف ہی رہا۔" سکندر صاحب نے جان بوجھ کر بتایا وہ سوچ رہے تھے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ غزنی کے یہاں آنے اور رات رکنے کے بارے میں وہ لوگ لاعلم ہوں اور اسی لیے وہ علی الصبح واپس چلا گیا یا کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ کسی بات پر ناراض ہو کر گھر سے نکلا ہو خیر جو بھی تھا لیکن انہوں نے مطلع کرنا ضروری خیال کیا لیکن وہ پہلے سے باخبر تھے۔

"ہاں میں جانتا ہوں اور رات بھر اس کے بغیر عجیب بے چینی سے وقت کٹا۔" سکندر صاحب مسکرائے۔

"ویسے ایک بات کہوں سکندر اگر تم برا نہ مانو تو......" سکندر صاحب کو مسکراتا دیکھ کر وہ فوراً اپنے مطلب کی بات پر آ گئے۔

"ایسی کون سی بات ہے بھائی صاحب کہ آپ کو کرنے سے پہلے مجھ سے اجازت لینی پڑ رہی ہے۔"

"دراصل بیٹیوں کے باپ ہوناں اس لیے یہ بات احتیاط اور سوچ سمجھ کر کرنا چاہتا ہوں۔"

"ممی...... جی آپ کہیے میں سن رہا ہوں۔" سکندر صاحب مکمل توجہ اور سنجیدگی سے ان کی جانب متوجہ ہوئے۔

"یہ تو تمہیں پتا ہی ہے ناں کہ غزنی ہمارا اکلوتا بیٹا ہے اس لیے میری اور اس کی ماں کی خواہش ہے کہ جلد از جلد اس کی شادی کرکے ایک پیاری سی بہو بیٹی کے روپ میں اپنے گھر لے آئیں تاکہ ہمارے سونے گھر میں بھی رونقیں محسوس ہوں۔"

"بات تو آپ کی بجا ہے بالکل ٹھیک ہے ویسے بھی بھابی صاحبہ سارا دن گھر پر اکیلی ہی ہوتی ہیں اچھا ہے غزنی کی بیوی آجائے گی تو ان کے لیے بھی وقت گزارنے میں کشش بڑھ جائے گی۔"

"تمہاری بھابی ڈائریکٹ تمہارے گھر آ کر ہی بات کرنے کو ترجیح دے رہی تھیں لیکن میں نے کہا کہ اس طرح مناسب نہیں لگتا بلکہ پہلے میں سکندر کی رائے معلوم کرلوں تو پھر گھر جا کر بھابی سے بھی بات کرلیں گے اور سارا طریقہ جو دنیاداری میں ہوتا ہے وہ بھی نبھا لیا جائے گا۔"

"مطلب...... آپ ذرا کھل کر بغیر کسی جھجک کے بات کریں بھائی صاحب۔" سکندر صاحب کچھ سمجھ تو چکے تھے لیکن پھر بھی ان کی طرف سے واضح طور پر بات کے انتظار میں تھے۔

"ہم چاہتے ہیں کہ غزنی کو تم اپنی فرزندی میں لے لو اور اپنی سب سے پیاری دلاری اور لاڈلی بیٹی غزنی کے عقد میں دے کر ہمیں سونپ دو۔" ان کے سب سے پیاری دلاری اور لاڈلی کہنے پر سکندر صاحب کے ذہن میں حنین کا مسکراتا چہرہ آیا اور یہی ان کی خواہش بھی تھی کہ حنین کو غزنی کے ساتھ بیاہ کر مکمل پُرسکون ہوجائیں کیونکہ غزنی ان کا سگا بھتیجا تھا نہ یہاں وہاں سے پوچھ گچھ کرانے کا مسئلہ تھا اور نہ ہی گھر والوں کا خوف سارا گھرانہ ہی پیار محبت کی چاشنی سے گندھا ہوا تھا ساس نندوں کی روایتی چخ چخ بھی نہ ہی لمبی چوڑی فیملی کی ٹینشن اور وہ اس طرح کے ہی گھرانے کی خواہش حنین کے لیے کیا کرتے تھے۔ اجیہ تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ کوئی اس کے بارے میں بھی خواہش کرسکتا ہے۔

"یہ میری بیٹی اور ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے غزنی جیسے پیارے بیٹے کے لیے ہمارا گھرانہ منتخب کیا اور بھلا ہمیں کیا اعتراض ہوسکتا ہے آپ ضرور بھابی کے ساتھ آئیے بلکہ جب جی چاہے آئیے نہ مجھے کوئی اعتراض ہے اور نہ کوئی خدشہ۔"

"تمہارا بے حد شکریہ سکندر اور مجھے کامل یقین تھا کہ تم میرا مان کبھی نہیں توڑو گے تم نے میرے یقین کی لاج رکھ لی میں تمہارا بہت شکر گزار ہوں۔" انہوں نے فرط جذبات سے اٹھ کر انہیں گلے سے لگایا۔ وہ دونوں ہی بے حد خوش تھے اور چشم تصور میں اپنے اپنے گھرانوں کو ہنسی خوشی دیکھ تو رہے تھے لیکن معمولی سے فرق کے ساتھ۔

❁ ...... ✺ ...... ❁

اربش آج بہت خوش تھا جس کی دو وجوہات تھیں اور دونوں ہی اجیہ کے گرد گھوم رہی تھیں پہلی تو یہ کہ اس نے لائبریری کی کتابیں لے کر جو ذمہ داری اجیہ کا کام کرنے کی لی تھی وہ پوری کرلی تھی اور دوسری یہ کہ آج اس نے اجیہ سے بات کرکے یونیورسٹی کے علاوہ بھی جان پہچان کا آغاز کردیا تھا۔ اس کول سی لڑکی میں جانے اسے کیا کشش محسوس ہوتی تھی کہ جب سے اس سے ملا تھا دل چاہتا اس کے ہی بارے میں سوچتا رہے اس نے آج تک ممی کے منہ سے نکلی کسی بات کو رد نہیں کیا تھا ان کی کوئی بھی خواہش اس کے لیے حرف آخر کا درجہ رکھتی تھی جس لاڈ پیار سے انہوں نے اربش کو پالا تھا وہ اس کا مکمل صلہ تو نہیں دے سکتا تھا لیکن پھر بھی اپنے تئیں کوشش ضرور کرتا کہ انہیں خوش رکھے اور کبھی ان کی حکم عدولی نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ آج ممی کی بہو لانے کی خواہش کے بعد سے وہ اس سوچ میں تھا کہ اس سے پہلے کہ ممی اس کے سامنے اپنی پسند کی کسی لڑکی کو لا کھڑا کریں اور وہ انکار نہ کرسکے اسے چاہیے کہ وہ خود پہلے انہیں اپنی پسند کے بارے میں بتائے لیکن اس سے بھی پہلے یہ

ضروری تھا کہ وہ کم از کم اجیہ سے اس موضوع پر بات تو کرے اور وہ کیا سوچ گی کہ ملے ہوئے ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے اور شادی کے لیے پروپوزل دے بھی دیا وہ اسی سوچ میں جھنجلا رہا تھا۔

لیکن ایک بات تو طے تھی کہ شادی کے لیے اسے اجیہ سے بہتر کوئی لڑکی نظر نہ آئی تھی۔ لہٰذا اس نے آج ہی شام یونیورسٹی میں اجیہ سے اس متعلق بات کرنے کا سوچا ہی تھا کہ حسن کا فون آ گیا وہ لیب سے اجیہ کی امی کی رپورٹس لے چکا تھا لیکن رپورٹ پڑھ کر اس نے اربش کو جو کچھ بتایا اس سے اربش کا دل بہت بوجھل سا ہو گیا تھا۔ سوچتا کہ اجیہ کو بتایا تو وہ مزید پریشان ہو گی اور اگر نہ بتایا تو ان کے علاج میں تاخیر ہو گی ایسے میں اسے کیا کرنا چاہیے خود کسی فیصلے پر نہ پہنچا تو حسن کو ایک بار پھر کال ملائی۔

''یار میں اجیہ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا آج کل ویسے ہی اس کی اسٹڈیز کا بہت پریشر ہے اس پر۔''

''اتنا خیال تو یار کبھی تو نے میرا یا میری اسٹڈیز کا نہیں کیا جتنا اجیہ کا کر رہا ہے۔'' حسن نے جان بوجھ کر شکوہ کیا تو اربش ہنسنے لگا۔

''اجیہ میں اور تجھ میں زمین آسمان کا فرق ہے بھالو۔''

''شاباش اسی طرح ہوتا ہے نئے دوست مل جائیں اسی طرح پرانے ہیرو بھالو لگنے لگتے ہیں بھولوں گا نہیں اس بات کو اچھا۔''

''ویسے یار عجیب انسان ہو قسم ہے میں نے تم سے ایک سنجیدہ موضوع پر مشورہ مانگا تھا اور تم ہو کہ خود کو ہیرو ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہو۔'' اربش نے اسے بھی سنجیدہ کرنا چاہا اور وہ ہو بھی گیا۔

''اگر اجیہ کو پریشان نہیں کرنا تو ظاہر ہے اس کی امی کو تو ڈائریکٹ بالکل بھی نہیں بتا سکتے ایسے میں میرا خیال ہے ان کے گھر میں موجود باقی فیملی ممبرز سے مدد لی جا سکتی ہے۔''

''باقی فیملی ممبرز میں صرف ایک اس کی بہن ہی ہے لیکن نہ جان نہ پہچان اس کیسے ایک دم اس کو بتا دوں جا کر۔'' اربش نے بتایا تو حسن بھی سوچ میں پڑ گیا اور اسی دوران اربش خود ہی بولا۔

''اگر اجیہ کے ابو سے ملاقات کی جائے اور انہیں بتایا جائے کہ آپ کی اہلیہ کی رپورٹس یہ ہیں۔''

''زبردست، بات تو ٹھیک ہے لیکن وہ یہ نہیں پوچھیں گے کہ تمہیں یہ رپورٹس کہاں سے ملیں اور کس نے بتایا کہ جن خاتون کی یہ رپورٹس ہیں وہ میری ہی اہلیہ ہے۔'' حسن کا پوائنٹ بھی مضبوط تھا لیکن کئی زاویوں سے سوچنے کے بعد بھی اجیہ کو بتانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا لہٰذا اربش نے فیصلہ کیا کہ وہ اجیہ کو رپورٹس دے دے گا تاکہ وہ خود پڑھ لے فی الحال اسے مونٹیسوری اور پلے گروپ کے لیے نئے فرنیچر خریدنے کا ٹاسک دیا گیا تھا اسی سلسلے میں وہ فرنیچر کے شو روم کی طرف روانہ ہو گیا۔

❀......❀......❀

نیو لائٹ اسکول اجیہ کے گھر سے نزدیک نہیں تھا دو بسیں بدل کر وہ وہاں تک پہنچی تھی لیکن ایک اطمینان دل کو یہ ضرور تھا کہ اگر اسے یہاں جاب مل گئی تو آنے جانے کا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا کیونکہ اسکول کی اپنی بس طلباء اور اساتذہ کی سہولت کے لیے موجود تھی جس کی وجہ سے وقت پر اسکول آنے میں بھی سہولت رہتی۔ وہ پہلی مرتبہ اس اسکول میں آئی تھی بڑے سے گیٹ کے باہر چوکیدار کے ساتھ دو تین سیکورٹی اہلکار بھی ہر آنے جانے والے پر نظر رکھے ہوئے تھے اسے بھی یونہی اندر جانے کی اجازت نہیں ملی تھی بلکہ اس سے اس کا نام اور آنے کا مقصد پوچھ کر چوکیدار نے اندر موجود انتظامیہ کو فون ملایا اور ان سے کلیئرنس ملنے کے بعد ہی اس کے لیے اندر جانے کی جگہ خالی کی گئی اور گیٹ کے اندر جاتے ہی ایسا لگا جیسے اس کی آنکھیں مکمل کھل گئی ہوں۔

وسیع گراؤنڈ کے اطراف میں خوب صورت پھول پودوں اور سامنے موجود خوب صورت دو منزلہ اسکول کی بلڈنگ جس پر ہلکا سبز اور سفید رنگ کر کے اسے انتہائی نفاست بخش دی گئی تھی وہ گراؤنڈ عبور کر کے سامنے بیٹھے

پیون کے پاس پہنچی ہی تھی کہ وہ کھڑا ہوگیا۔

"آپ مس اجیہ۔"

"جی...... مجھے پرنسپل سے ملنا ہے۔" پیون یقیناً اس کی آمد سے چوکیدار کے ذریعے آگاہ ہوچکا تھا اسی لیے اسے اپنے ساتھ لے کر پرنسپل کے آفس کے سامنے آپہنچا اسے چند لمحے انتظار کرنے کو کہا اور خود اطلاع دینے کی نیت سے اندر داخل ہوا اور پھر اسے بھی اندر جانے کی دعوت دے کر خود باہر نکل آیا۔

اجیہ انتہائی پُراعتماد انداز میں پرنسپل کے کمرے میں داخل ہوئی اور ان کے اشارہ کرنے پر سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی میم نے اسے کمرے کے اندر آنے اور بیٹھنے تک بغور دیکھا اور اس کے انداز میں اعتماد دیکھ کر اطمینان سا محسوس کرنے لگیں۔

"مس اجیہ آپ کی سی وی میں نے دیکھی ہے آپ صبح کے وقت جاب کرنا چاہتی ہیں جبکہ ابھی آپ شام کے اوقات میں پڑھ بھی رہی ہیں رائٹ؟" انہوں نے تصدیق چاہی جس پر اجیہ نے گردن ہلادی۔

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ یہ جاب کیوں کرنا چاہتی ہیں؟"

"میم اگر میں کہوں کہ یہ جاب میں صرف شوق کے لیے کررہی ہوں تو یہ مکمل سچ نہیں ہوگا کیونکہ میں ٹیچنگ میں انٹرسٹڈ ہوں لیکن اس کے باوجود یہ جاب میں اپنی ضرورت کے تحت کررہی ہوں۔"

"آپ کے والد...... آئی مین کیا وہ بھی کوئی جاب کرتے ہیں؟"

"جی وہ بھی کام کرتے ہیں لیکن پھر بھی میں کچھ فنانشل ایشوز کی وجہ سے جاب کرنا چاہتی ہوں۔" اجیہ نے کچھ بھی چھپانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

"اور کیا ایسا ممکن ہے کہ آپ سے کنٹریکٹ کرلیا جائے؟"

"سوری میم...... میں سمجھی نہیں۔"

"میرا مطلب ہے کہ جس طرح ابھی ہماری دو ٹیچرز نے پندرہ دن کے نوٹس پر جاب چھوڑی اور ہمیں اس طرح سیشن کے درمیان میں آکر ایک نئی ٹیچرز کو تعینات کرنا پڑ رہا ہے تو اگر ہم آپ سے ایک سال کا معاہدہ کرلیں تاکہ آپ امتحان تک اسکول میں ہر صورت موجود رہیں اور پڑھاتی رہیں تو اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟" انہوں نے پوری تفصیل سے اجیہ کو بات سمجھائی۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے اگر آپ چھ مہینے یا سال کا کنٹریکٹ کرلیں تو یہ اور بھی بہتر ہے کیونکہ اس طرح مجھے بھی جاب نہ چھوٹنے کا یقین ہوگا۔"

"دیٹس گریٹ۔" وہ مسکرائیں انہیں اجیہ بہت زیادہ حقیقت پسند معلوم ہوئی۔

"میں سبجیکٹ انچارج کو بلواتی ہوں آپ ایسا کریں ان سے بک لے جائیں گھر پہ اسٹڈی کریں اور اگلے تین دن سابقہ ٹیچر کے ساتھ ان کے پڑھانے اور سمجھانے کا طریقہ کار نوٹ کریں۔ دیکھیں کہ بچوں کے ساتھ ان کا رویہ کیسا ہے، تعلق کیسا ہے؟ مجھے امید ہے کہ اگلے تین دن بعد جب آپ کا لیسن آبزرو کیا جائے گا تو آپ اپنا بہترین ڈلیور کریں گی۔"

"آئی بلیو کہ ایسا ہی ہوگا لیکن میم ایک تھوڑی سی فیور چاہیے تھی اگر ممکن ہو تو......" وہ ایک بار پھر اس کی سی وی پر نظر دوڑا رہی تھیں جب اس نے پوچھا انہوں نے استفہامیہ نظروں سے بغیر کچھ کہے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ دراصل میرا گھر یہاں سے کافی فاصلے پر ہے تو اگر ان تین دنوں میں، میں اسکول کی بس پر آجاؤں......" انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے ہونٹ بھینچے۔

"دراصل ہمارے گھر کی سامنے والی سڑک سے ہی گزرتی ہے آپ کی بس۔"

"ہمم...... چلیں ٹھیک ہے، آپ ایڈمنسٹریشن آفس سے پرچی لکھوا لیجیے گا اینڈ بیسٹ آف لک۔"

"تھینکو سو مچ میم...... آئی ایم ریئلی تھنک فل۔" وہ بے انتہا خوش تھی کہ آج اتنے مشینی انداز میں اس سے بات چیت کی گئی اور وہ بہت پُرامید بھی تھی کہ اگلے تینوں دن وہ

انتہائی گہری نظر سے مشاہدہ کرے گی اور اس سے بھی بہترین سبق دینے کی کوشش کرے گی۔

❁ ❁ ❁

کبھی تم نے یہ سوچا ہے؟
کہ بہنوں کی ادائیں بھی تو
ماؤں جیسی ہوتی ہیں
یہ خود بھوکی بھی رہتی ہیں
یہ خود پیاسی بھی رہتی ہیں
مگر پھر بھی جھلستی دھوپ میں یہ پریاں
چھاؤں جیسی ہوتی ہیں
کبھی تم نے یہ سوچا ہے
یہ ایسا کیونکر کرتی ہیں
یہ ماں کا روپ ہوتی ہیں
یہ ماؤں جیسی ہوتی ہیں

یہاں جاب کا مل جانا صرف اجیہ ہی کے لیے بہتر نہیں تھا بلکہ گھر میں سب نفوس کا سکون بھی اسی میں پوشیدہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب سے اجیہ گئی تھی حنین بھی اس کے لیے تہہ دل سے دعا گو تھی کہ وہ کسی خوش خبری کے ساتھ واپس آئے اور جب اس نے فون کرکے بتایا کہ اسے پرنسپل نے انٹرویو میں او کے کرکے ٹرائل پیریڈ پر بلایا ہے تو پھر حنین کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا فوراً امی کو بتایا انہوں نے بھی اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ ان کی دعا سنی گئی۔ جس طرح اجیہ آج تک حنین کا خیال رکھتی آئی تھی اور اپنی ہر ضرورت اس کی ضرورت پر قربان کردیتی تھی اور اس کے ڈاکٹر بننے کی خواہش کو جب سکندر صاحب نے سنجیدہ نہ لیا تو ایسے میں اجیہ ہی تھی جو اس کے میڈیکل کے ٹیسٹ کے لیے کتابیں خرید لائی تھی کہ ان کو اچھی طرح پڑھو اور اگر واقعی تمہارے دل میں ڈاکٹر بننے کی سچی لگن موجود ہے تو کر گزرو۔
حنین جب جب اسے دیکھتی اللہ کا شکر ادا کرتی کہ اتنی اچھی بہن کا ساتھ نصیب ہوا ہے اور ہر ایک سے کہتی کہ اگر اللہ بہن کا ساتھ دے تو وہ صرف اور صرف اجیہ جیسی ہو ورنہ نہ ہو اور اب جب اجیہ کی جاب تقریباً او کے ہوگئی تھی اور اب زندگی شاید ردھم میں جانی تو اسے بھی بھرپور محنت کرکے اپنے خوابوں کی تعبیر حاصل کرنا تھی کہ ڈاکٹرز کا پہنا ہوا وائٹ کوٹ اس کی زندگی کی سب سے بڑی کشش تھی۔

❁ ❁ ❁

غزنی کی بار بار آتی فون کالز نے اجیہ کو اسکول میں بھی ڈسٹرب رکھا تھا لیکن ظاہر ہے کہ وہاں وہ اس سے بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی اس لیے فون کی بیل بھی بند کررکھی تھی لیکن اب اسکول سے نکلی ہی تھی کہ پھر فون کی تھرتھراہٹ نے غزنی کے فون کی اطلاع دی۔ آج اپنی نوکری ہونے کی وجہ سے تو وہ ویسے ہی خوش تھی اور کچھ حنین نے اصرار کرکے بھیجا تھا کہ غزنی کا فون آنے پر اس سے بات ضرور کی جائے لہٰذا اس کی کال ریسیو کی۔
''لگتا ہے بہت مصروف ہو کہ فون سننے کا بھی وقت نہیں ہے تمہارے پاس۔'' حسب توقع فون ریسیو کرتے ہی پہلا شکوہ اجیہ کے کانوں میں پڑا وہ اس وقت نیو لائٹ اسکول کی بس میں ہی بیٹھی تھی اور سخت دھوپ میں تلاش معاش کے لیے یہاں وہاں آنے جانے والوں کو کھڑکی سے دیکھ رہی تھی۔ بس میں اسکول کے ہی طلباء اور ٹیچرز موجود تھے جو آپس میں جان پہچان ہونے کے باعث باتوں میں مصروف تھے۔
''ہاں مصروف تو ظاہر ہے ہوں ہی اب فارغ تو اتنا کوئی بھی نہیں ہے کہ ہر وقت بس کسی کو فون کرتا رہے یا پھر کسی کا فون سنتا رہے۔'' اس نے سوچا تو تھا کہ وہ آج غزنی سے اچھے طریقے سے بات کرے گی لیکن پھر بھی نہ چاہتے ہوئے اس کی زبان سے طنز پھسل ہی گیا۔
''ہر کوئی ہر کسی کے لیے فارغ نہیں ہوتا اجیہ...... لیکن ہاں کچھ لوگ ہوتے ہیں جن کے لیے بندہ اپنے سارے اہم کام چھوڑ سکتا ہے صرف اور صرف ان سے بات کرنے اور ان کی بات سننے کی خواہش میں ہوتا ہے ناں ایسا؟'' وہ جواب میں اس کی آواز سننا چاہتا تھا لیکن اجیہ خاموش رہی۔

”کیا تمہارے دوستوں میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کے لیے تم اپنے سارے اہم کام چھوڑ کر صرف اس کی بات سننے اور اس سے باتیں کرنے کو ترجیح دو؟“ اجیہ نے غزنی کی بات پر سنجیدگی سے ذہن یہاں وہاں دوڑایا لیکن اس کو اپنی زندگی میں ایسا کوئی شخص نظر نہیں آیا جس کی باتیں سننے کے لیے وہ تمام کام کاج چھوڑ سکتی ہو بلکہ اس کی تو کوئی ایسی دوست تھی ہی نہیں یا شاید اس کے حالات نے کبھی اس طرح دوستیاں کرنے کی مہلت ہی نہیں دی۔ یہی وجہ تھی کہ آج تک اس کی کوئی ایسی دوست نہیں تھی جس کی باتیں سننے کے لیے جسے ملنے کے لیے وہ دنیا کے تمام اہم کام چھوڑ دیتی۔

”میرے پاس کسی سے اس حد تک دوستی کرنے کا وقت نہیں ہوتا کہ پھر اسے اپنے تمام معاملات پر ترجیح دینے لگوں۔“ اجیہ نے سچائی سے اعتراف کیا۔

”اور اگر میں کہوں کہ ہم دونوں دوستی کر لیتے ہیں‘ اچھی اور سچی والی دوستی تو تم کیا کہو گی؟“

”کہنا کیا ہے‘ البتہ تمہاری اس بات پر مجھے ہنسی ضرور آئے گی۔“ وہ مسکرائی۔

”مطلب؟“ وہ حیران ہوا لیکن خوش تھا کہ آج اجیہ کم از کم اس سے یوں نارمل انداز میں بات تو کر رہی ہے اور اجیہ بھی اس سے اسی لیے بات کر رہی تھی کہ آج وہ خوش تھی اور غزنی کی کسی بات پر منہ بنا کر وہ خوشی کے اس تاثر کو زائل نہیں کرنا چاہتی تھی۔

”مطلب یہ کہ دوستیاں وہاں ہوتی ہیں جہاں مزاج ایک جیسا ہو‘ شوق اور عادات ملتے جلتے ہوں جبکہ میرے اور تمہارے مزاج میں کچھ بھی ایک جیسا نہیں ہے سوائے اس کے کہ تم میرے تایا کے بیٹے ہو البتہ حنین اور تمہاری دوستی بہت اچھی بھی لگتی ہے اور سوٹ بھی اس لیے کرتی ہے کہ تم دونوں کی شاید نیچر ایک ہے۔“

”حنین تو واقعی بہت اچھی ہے اس میں تو کوئی دو رائے ہو ہی نہیں سکتیں۔ صاف دل کی ہے اس لیے جو بھی دل میں آئے فوراً بتا بھی دیتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہے کہ میری اور تمہاری دوستی ہونا ہی ناممکن ہے۔ بچپن سے لے کر اب تک میں نے جب بھی تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تم نے جھٹک دیا‘ نظر انداز کیا اور میرے ساتھ روکھا پھیکا انداز اپنائے رکھا۔ ایسے میں حنین نے ہمیشہ میری دلجوئی کی‘ میرا ساتھ دیا بلکہ تمہارے رویے کی بھی شاید تلافی کرنے کی کوشش میں لگی رہی لیکن مجھے آج تک تمہارا رویہ سمجھ نہیں آیا کہ میں نے ایسا کون سا کام کیا یا ایسی کون سی بات کر رہی جو آج تک تمہارے دل میں ایسی رہ گئی ہے کہ تم مجھ سے بات کرنا پسند نہیں کرتیں۔ تمہارے گھر بھی چلا جاؤں تو انداز میں وہی بے گانگی اور وہی نظر انداز کرنا۔“ غزنی نے تو جیسے شکر کیا تھا کہ آج اجیہ اس سے بہتر موڈ میں بات کر رہی ہے اسی لیے جس مقصد کے لیے فون کیا تھا اسے بھلا کر اپنے دل کے گلے شکوے کھول کر بیان کرنے لگا لیکن اجیہ کے پاس اس کی کسی بھی بات کا کوئی جواب نہ تھا یا شاید وہ کسی بات کا جواب نہیں دینا چاہتی تھی اسی لیے بات ختم کرنے کے انداز میں بولی۔

”تم نے یہی سب کچھ پوچھنے کے لیے فون کیا تھا یا کوئی اور بھی کام تھا؟“

”میں تمہیں یونہی بھی تو فون کر سکتا ہوں ناں محض خیر خیریت جاننے کے لیے۔“

”میں‘ امی‘ بابا اور حنین ہم سب خیریت سے ہیں اور تمہاری‘ تایا ابو اور تائی امی کی خیریت نیک مطلوب ہے اور کچھ؟“ جواب میں غزنی کا بلند قہقہہ اس کے کانوں سے ٹکرایا۔

”اماں ویسے بھی تمہارے بارے میں اکثر پوچھتی رہتی ہیں اور میں جھوٹ موٹ ان سے کہہ بھی دیتا ہوں کہ اجیہ بالکل ٹھیک ہے اور ہمیشہ آپ کا ہی پوچھتی رہتی ہے حالانکہ تم نے آج شاید پہلی دفعہ ہی ان کے بارے میں پوچھا ہے ازراہِ مذاق ہی سہی۔“

”تائی اماں کو میرا خاص سلام دینا‘ اب میں فون بند کر رہی ہوں۔“ وہ اب مزید اس سے زیادہ دیر تک غزنی سے بات نہیں کر سکتی تھی لیکن وہ ایک دم بولا۔

"تم سے ایک بات پوچھوں؟"

"ہاں بولو۔" خدا حافظ کہتے کہتے وہ اچانک رک گئی۔

"تم آج کل جاب کر رہی ہو؟" غزنی نے اطلاع نہیں دی تھی بلکہ سوال کر کے دیکھا تھا کہ اجیہ کا ردعمل اس بات پر کیا ہونے والا ہے؟ لیکن اجیہ پہلے تو اس کا سوال سن کر دھک سے رہ گئی تھی لیکن پھر اس روز روز کے ڈر خوف اور پریشانی سے ایک ہی مرتبہ جان چھڑانے کا سوچا۔

"ہاں۔" انتہائی مختصر سا جواب۔

نہ دلیل نہ تفصیل اور نہ ہی کسی بھی قسم کی وضاحت جس سے ظاہر ہو کہ شاید وہ گھبرا رہی ہے۔ اس مختصر سی ہاں کے جواب سے غزنی اس کے کسی بھی ردعمل کو ہرگز جانچ نہیں پایا تھا کہ اس نے اس سوال پر کیسا محسوس کیا۔

"کہاں جاب کر رہی ہو اور کب سے؟"

"دیکھو غزنی...... یہ عورتوں کی طرح ٹوہ لینے والا کام نہ کرو اگر تم یہ جانتے ہو کہ میں جاب کرتی ہوں تو تم کو یہ بھی پتا ہوگا کہ میں کہاں جاب کرتی ہوں اور کب سے کرتی ہوں۔" آخر کار اس کا ضبط جواب دے گیا اور وہ ہمیشہ کی طرح اس کی باتوں سے چڑ گئی تھی لیکن ایک بات کی اسے خوشی تھی کہ بلآخر اگر پتا چل گیا تو کیا ہوگا' والی تلوار اس کے سر سے ہٹ گئی تھی۔ یہی وہ خوف اور خدشہ تھا جس نے اس کا تو نہیں لیکن امی کا ضرور خون خشک کیا ہوا تھا۔ جس طرح انہوں نے غزنی کی رات آمد پر اسے واسطے دے کر فوراً سے پیشتر گھر آنے کو کہا تھا تب اجیہ نے خود کو بڑا ہی بے بس محسوس کیا تھا' اسے اپنی ماں پر بہت رونا آیا تھا' ان کی مجبوری ولاچاری اور ان کی بے بسی نے اجیہ کو کتنا رلایا تھا یہ کوئی نہیں جانتا تھا اور تبھی اجیہ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اب یہ معاملہ آر یا پار ہو ہی جائے تو بہتر ہے روز مرنے سے وہ ایک ہی مرتبہ مر جانا بہتر خیال کرتی تھی اور اسی رات جب حنین اور غزنی لڈو کھیل رہے تھے اور اجیہ پاس بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی تب امی اپنے کمرے میں اللہ کے سامنے گڑگڑا کر دعا مانگ رہی تھیں کہ ان کے حالات پر کچھ رحم کیا جائے۔ شادی سے لے کر اب تک کی ذہنی مشقت اب

اس ٹھکانے لگی تھی۔

"ناراض نہ ہو اجیہ...... لیکن ظاہر ہے یہ بات تم بھی اچھی طرح سے جانتی ہو ناں کہ ہمارے خاندان میں لڑکیوں میں سے کسی نے بھی نوکری کی تو کیا نوکری کے بارے میں سوچا تک نہیں ہے۔ ایسے میں تم دن تو دور کی بات ہے رات کے وقت میں اگر گھر سے نکل کر نوکری کرنے جاؤ گی اور یہ بات خاندان میں پتا چلے گی تو کیا طوفان نہیں آئے گا۔"

"مجھے کسی بھی طوفان کی کوئی پروا نہیں ہے ایسے کئی طوفان میری ماں کے سر پر سے روز گزرتے ہیں تب کسی خاندان والے نے پتا ہونے کے باوجود کچھ نہیں کیا' اس کا کوئی سدباب کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ کسی نے ان کے سر پر ہاتھ نہیں رکھا' خود کو تنہا محسوس نہ کرنے کا نہیں کہا اور لوگوں نے ان آنسوؤں کے پیچھے چھپی وجہ جاننے کی بھی کوئی کوشش نہیں کرنی چاہیے' سمجھے ناں تم؟"

"تم مجھ پر بے شک غصہ ہو لو لیکن پھر بھی باوجود اس کے کہ تم جانتی ہو کہ میں نوکری کرنے والی لڑکیوں کے حق میں نہیں ہوں لیکن اس کے باوجود میں تمہیں غلط نہیں کہہ رہا ہاں اس عمل کو ضرور غلط سمجھ رہا ہوں جو تم نے اپنی تمام پرابلمز کے حل کے لیے چنا۔" غزنی اپنی بات پر قائم تھا یوں بھی اس کے ذہن میں ایک مرتبہ جو بات بیٹھ جائے اسے وہ خود نہیں نکال پاتا تھا یہ تو پھر اجیہ تھی۔

"تم میرے کسی بھی عمل کو درست سمجھو یا غلط' مجھے اس کی کوئی پروا نہیں...... لیکن ہاں اگر تمہاری ماں تمہارے سامنے ایک ایک گھنٹہ دنیا و مافیا سے بے خبر بے ہوش پڑی رہے کسی بات کا جواب نہ دے' آنکھیں نہ کھولے پانی کے چند قطرے تک اندر لے جانے کے لیے منہ نہ کھولے اور تمہارا باپ اس تمام کیفیت کو ڈرامہ بازی کا نام دے کر سامنے بیٹھا ٹی وی پر خبریں دیکھتا رہے یا تمسخر اڑا کر باہر نکل جائے اور تمہارے پاس ڈاکٹر کو دینے کے لیے پانچ روپے بھی نہ ہوں۔ ماں کو رکشے میں لے جانے کے لیے بھی ساتھ کوئی انسان نہ ہو تب میں تم سے

پوچھوں غزنی کہ بتاؤ ماں کو یوں نیم مردہ حالت میں دیکھ کر بے بسی سے اس کے سرہانے بیٹھ کر رونا اور کسی فرشتے کی آمد کا انتظار کرنا بہت برا فعل ہے یا پوری پوری رات جاگ کر نوکری کرنا اور ان سے ملنے والے پیسوں سے ماں کے مکمل علاج کی خواہش اور کوشش کرنا بہتر ہے؟“ وہ بے حد جذباتی ہوگئی تھی۔

اسے سمجھ نہیں آتا کہ کوئی بھی سکندر صاحب کو غلط کیوں نہیں کہتا...... کوئی انہیں سمجھاتا کیوں نہیں تھا کہ اپنی بیوی کی تمام عمر تو وہ ان پر کیے جانے والے ذہنی تشدد سے برباد کر ہی چکے ہیں اب تو انہیں بخش دیں۔ عدالت بھی کسی جرم میں سزا سناتی ہے تو اس کی بھی کوئی معیاد ہوتی ہے لیکن سکندر صاحب تو شادی سے لے کر اب تک جانے کس جرم کی سزا دیتے ہی چلے جارہے تھے جس کی زد میں نہ صرف امی بلکہ اجیہ بھی آگئی ہوئی تھی۔

”ہم کبھی بھی اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں ہو اور عورتیں کیا کیا کچھ نہیں سہتیں لیکن یوں کوئی اپنی اولاد کو شوہر کے سامنے لاکھڑا کرنے کی نہیں سوچتا۔“

اور تب اجیہ نے سوچا تھا کہ اس معاملے پر غزنی سے بات کر کے اس نے غلطی ہی کی ہے کیونکہ وہ کبھی بھی ان کی حمایت میں بات کرنے والا نہیں۔ اس بات کا اندازہ اسے غزنی کی اسی ایک بات سے بخوبی ہوگیا تھا لیکن دکھ تو اس بات کا تھا کہ سکندر صاحب کے خاندان میں تمام لوگ جانتے تھے کہ ان کا رویہ اپنی بیوی کے ساتھ کیسا ہے لیکن اس کے باوجود کوئی انہیں کچھ کہتا ہی نہیں تھا۔ کوئی انہیں سمجھاتا ہی نہیں تھا کہ وہ بھی آخر کسی کی بیٹی ہیں اگر میکہ کی طرف سے ان کا کوئی آسرا نہیں تھا میکہ کی طرف سے کوئی بھی سکندر صاحب کی سرزنش کرنے یا سمجھانے والا نہیں تھا تو کیا انہیں ہر طرح کا سلوک روا رکھنے کی کھلی آزادی تھی؟

کیا شوہر کے رشتے داروں پر یہ لازم نہیں کہ دوسرے گھر سے بیاہ کر لائی کسی اور کی بیٹی کے سر پر بھی اسی طرح ہاتھ رکھیں اور ان کی اسی طرح خبر گیری کریں جیسے وہ اپنی بیٹیوں کی کرتے ہیں؟

امی نے تو شروع سے ہی نانا ابو سے سکندر صاحب کا درشت رویہ چھپائے رکھا۔ یہ تک نہ بتایا کہ شادی کے بعد کتنے ہی دنوں تک تو وہ امی کے کمرے میں بھی نہیں آئے تھے ہم کلام ہونا تو دور کی بات ہے وہ اس جگہ نہ بیٹھا کرتے جہاں امی بیٹھی ہوتیں۔ ان دونوں بھائیوں کی ایک ساتھ ہی شادی ہوئی تھی ایک ہی دن بارات گئی اور ولیمہ بھی سانجھا ہوا غزنی کا ننھیال بھی اسی گلی میں ہی تھا اس لیے ایک ہی جگہ شامیانے لگا کر دونوں باراتوں کو وہیں بٹھایا گیا تھا لیکن کون جانتا تھا کہ باراتیں تو دونوں گھروں میں آئی ہیں لیکن خوشیاں شاید دونوں کے لیے نہیں آئیں تب سکندر صاحب کے والدین زندہ تھے اور سب ایک ہی گھر میں رہا کرتے تھے دونوں بھائیوں کے کمرے بھی ساتھ ساتھ تھے۔ گھر کوئی اتنا بڑا تو تھا نہیں بس تین کمروں کا گھر تھا جس میں سے دو کمرے ان دونوں بھائیوں کو دے دیئے گئے تیسرا کمرہ ان کے والد کے استعمال میں تھا۔ رخصتی کے وقت خود امی کے بھی وہم وگمان میں نہ تھا کہ سکندر صاحب کی ان سے شادی صرف اور صرف ضد کی بنیاد پر ہے اور کچھ نہیں لیکن یہ حقیقت جاننے میں انہیں بالکل دیر اس لیے بھی نہیں لگی جب رخصتی کے چند گھنٹوں بعد بھی وہ کسی دوست کی بیماری کا بہانہ بنا کر وہاں سے چل دیئے اور سب دیکھتے ہی رہ گئے۔ اس کے برعکس بھائی صاحب اور بھابی نے ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا، ہنسی مذاق کرتے رہے سارے رشتہ دار دیر تک بیٹھے گپیں مارتے رہے اور پھر انہیں سونے کے لیے بھیج کر رات گئے خود بھی سب صحن میں بچھی چارپائیوں پر لیٹ گئے۔ امی اس رات اپنی ساس کے ساتھ سوئیں تھیں۔

کسی بھی قسم کی غلطی نہ ہونے کے باوجود خود کو مجرم تصور کرتی ان کی ساس کا خیال تھا کہ بس ابھی تھوڑی دیر میں سکندر صاحب آجائیں گے کہ جانتے ہیں گھر میں نئی نویلی دلہن ان کا انتظار کر رہی ہے۔ اسی امید میں کافی دیر یہاں وہاں کی رشتے داروں کی باتیں کرتی رہیں لیکن آخر کئی دنوں سے منعقدہ شادی کے ہنگاموں سے تھکی ہوئی

تھیں لہٰذا جب باتیں کرتے کرتے نیند کے ہچکولے لینے لگیں تو امی نے مناسب لفظوں میں انہیں آرام کرنے کا کہہ کر سونے کے لیے بھیج دیا۔ وہ جاتے ہوئے ایک بار پھر کہہ گئی تھیں کہ بس چند لمحوں کی دیر ہے پھر سکندر آتا ہی ہوگا۔ تم اپنا عروسی لباس پہنے رکھنا اور ساس کے کہنے پر وہ اس بھاری جوڑے اور اپنے زیورات میں ساری رات بھی سوئی اور کبھی جاگتی رہیں ذرا پاس کھٹکا ہوتا تو لگتا سکندر صاحب کمرے میں ہی موجود ہیں اور اس خیال کے آتے ہی اپنے آپ میں سمٹ سی جاتیں' جان بوجھ کر جاگتے ہوئے بھی اس انتظار میں آنکھیں بند کیے رکھتیں کہ سکندر صاحب خود انہیں جگائیں گے لیکن یہ سب ان کی خام خیالی ثابت ہوئی کہ آنکھیں بند کیے رکھنے کے کچھ دیر بعد پلکوں کی جھری سے یہاں وہاں دیکھتیں اور ان کے سامنے نہ ہونے کی صورت میں آنکھیں بھیگنے لگتیں اور پھر صبح عین اس وقت جب سب بیٹھے ناشتا کررہے تھے وہ چلے آئے بغیر کسی شرمندگی اور خجالت کے' سب کے درمیان بیٹھ کر ناشتا بھی کیا اور باتیں بھی لیکن اس سب معاملے میں وہ امی کو یکسر نظر انداز کررہے تھے اور ان کے اس فعل پر امی خود اپنے ہی آپ سے شرمندہ ہوتی رہیں۔ سب گھر والوں کے درمیان اپنا آپ مجرم سا لگتا رہا گو کہ باقی سب کا مزاج بہت دوستانہ تھا لیکن پھر بھی جس انسان سے تعلق جڑنے کے باعث وہ باقی تمام انسانوں کو جاننے لگی تھیں اگر وہی بے رخی اور بے اعتنائی برتے تو باقی کسی کا بھی رویہ فرحت بخش کیسے ہوسکتا ہے۔

اسی طرح ولیمہ بھی گزرا اور اگلے تین چار روز تک بھی سکندر صاحب کا یہی وطیرہ رہا کہ جیسے ہی شام کے سائے ڈھلتے وہ کبھی بتا کر اور کبھی بغیر بتائے گھر سے غائب ہوجاتے اور صبح ناشتے کے وقت کسی بھی قسم کی وضاحت دیئے بغیر سب کے درمیان بیٹھ کر ناشتا بھی کرتے اور باتیں بھی۔ یہ سب ایک نئی نویلی دلہن کے لیے کس قدر کرب کا باعث ہوگا جب وہ اپنے ہی سامنے اپنے ہی ساتھ بیاہی دوسری لڑکی کو دیکھے کہ اس کا شوہر کس طرح اس کے چونچلے کررہا ہے' دونوں خوشی خوشی دعوتوں پر آجارہے ہیں اور کس طرح ساتھ بھائی جان کے کمرے سے ہر وقت ہنسی اور قہقہوں کی آوازیں آتی رہتیں' سکندر صاحب نے تو کہیں پر بھی دعوتوں پر بھی جانے سے انکار کررکھا تھا۔

ایسے میں ان کے والدین کا ضبط جواب دے گیا اور ایک روز جب وہ سر شام کہیں نکلنے لگے تو وہیں روک لیا۔ بھائی صاحب اس شام اپنی بیگم کو لے کے ان کے میکے گئے ہوئے تھے ورنہ وہیں پر ان کا رات بھر رکنے کا ارادہ تھا اور تب سکندر صاحب کے والدان کے کمرے میں آکر خوب گرجے اور بے نقط کی سنائیں ان کی والدہ بھی اس معاملے میں مکمل طور پر ان کی حمایت میں بول رہی تھیں۔ سکندر صاحب کو ڈر رہی تھیں کہ کسی کے صبر کے نتیجے میں نکلنے والی آہ جب اپنا اثر دکھاتی ہے تو اس کی تکلیف برداشت کرنا مشکل ہوتا ہے۔ سکندر صاحب جیسے بھی سخت مزاج سہی لیکن وہ اپنے ماں باپ کے سامنے ایک بھی لفظ منہ سے نکالنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔ ایک نظر انہوں نے کمرے کے کونے میں سر جھکائے بیٹھی امی کو دیکھا جن کے ہاتھوں پر اب تک مہندی لگی تھی اور کلائیاں چوڑیوں سے بھری ہوئی تھیں لیکن پھر بھی وہ کسی طور انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب نہ ہوئی تھیں۔

سکندر صاحب کو لگا تھا کہ وہ شادی کے بعد بھول جائیں گے' اپنی دلہن کی خوب صورتی و رعنائی دل میں بسائے اس کے قرب میں سب کچھ بھلادیں گے لیکن ایسا نہ ہوسکا وہ جب جب انہیں دیکھتے سارا قصہ ان کے ذہن میں پھر سے تازہ ہوجاتا لیکن آخر کب تک؟ نکاح کے دو بولوں سے اپنا آپ انہیں سونپ دینے والی اس چھوئی موئی سی لڑکی سے آخر کب تک کا فرار ممکن تھا اور پھر گھر میں باقی تمام افراد بے شک انہیں کچھ کہتے نہیں تھے ان سے کوئی سوال نہ کرتے' کوئی سرزنش نہ کرتے لیکن پھر بھی بہرحال ان کا رویہ سبھی کے نزدیک غلط تھا اور سب کی متفقہ رائے بھی یہی تھی کہ سکندر صاحب دوسروں کی غلطی کی سزا اس لڑکی کو دے کر سراسر غلط کررہے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے اپنے

والدین کے آگے سر جھکادیا اور پہلے جو یونہی رات بھر سڑکوں پر آوارہ گھومتے یا کسی چائے کے کھوکھے پر بیٹھ کر وقت گزارا کرتے اب سکون سے اپنے بستر پر سویا کرتے۔ امی کے لیے یہ بھی بہت تھا کہ کم از کم اس طرح وہ ظاہری طور پر ہی خود کو معتبر سا خیال کرتیں۔ انہیں سب کی سوالیہ نظروں سے نجات مل گئی تھی اب وہ خود ہی اپنے آپ سے بھی سوال کرتیں اور پھر خود کو تمام جوابات دے کر مطمئن کرنے کی بھی کوشش کرتیں۔

میکہ میں اور کوئی اتنا قریبی رشتے دار تو تھا نہیں جو ان سے پوچھتا اور ٹٹولتا کہ آیا وہ اپنے سسرال میں خوش ہے کہ نہیں۔ ایک والد صاحب تھے جن کے سامنے ہمیشہ خوشیوں کا چولا پہنے رکھنا انہوں نے اپنی عادت بنالی تھی، ایک بہن تھی جس کی شادی ان کی شادی سے تقریباً مہینہ پہلے جن حالات میں ہوئی ان کے باعث وہ ان کی شادی میں بھی شریک نہیں ہوئی تھی۔

''اجیہ...... کہاں گم ہوگئیں؟ میری کسی بھی بات کا جواب کیوں نہیں دے رہیں؟'' غزنی کی بات پر اجیہ چونکی بس اپنے پوائنٹ پر رک کر کچھ اسٹوڈنٹس کے اتر جانے کے انتظار میں تھی اس نے باہر دیکھا ابھی اس کا گھر نزدیک آنے میں کچھ وقت باقی تھا۔

''اس لیے کہ تمہاری کسی بھی بات کا جواب دینے کے لیے میرے پاس بالکل بھی وقت نہیں ہے اور اسی لیے میں نے تم سے کہا تھا کہ تمہیں اپنی باتیں سنانے کے لیے حنین سے رابطہ کرنا چاہیے وہ ہی تمہارے مزاج کو سوٹ کرتی ہے اور تمہاری ہر بات کی ہاں میں ہاں ملاتی رہتی ہے، مجھ سے یہ سب نہیں ہوتا۔''

''حنین سے تو خیر اب پہلے سے زیادہ رابطہ رہا کرے گا کیونکہ مجھے پتا ہے تم بھی حنین کے ہی کہنے پر آج اتنی دیر سے مجھ سے باتیں کررہی ہو۔''

''ٹھیک ہے اب تم تو فارغ ہو، حنین کو فون کرلو میرے پاس اب مزید وقت نہیں۔''

''نہیں حنین سے ابھی بات نہیں کرنی مجھے کیونکہ میرے پاس ایک سرپرائز ہے اور اگر اس سے بات کی تو وہ مجھ سے اگلوالے گی۔ باتیں ہی ایسی کرتی ہے کہ میرے منہ سے بھی ہر بات نکل جاتی ہے۔'' وہ ایک بار پھر قہقہہ لگا کر ہنسا حالانکہ اس وقت اجیہ کا ہنسنے کا یا کسی کو بھی ہنستے دیکھنے کا کوئی موڈ نہیں تھا۔

''کیسا سرپرائز؟'' وہ بھی چونکی۔

''اس شرط پر بتاؤں گا اگر تم فی الحال حنین کو نہ بتاؤ۔''

''تم اپنے پاس ہی رکھو، مجھے بھی بعد میں پتا چل جائے گا۔'' وہ چڑی۔

''ارے نہیں نہیں، صرف حنین سے چھپانا ہے دراصل اماں اور ابا بہت جلد تمہارے گھر آرہے ہیں۔'' غزنی کی آواز سے ہی خوشی پھوٹتی محسوس ہورہی تھی۔

''یو مین...... رشتے کے لیے آرہے ہیں؟ اس لیے حنین کو سرپرائز کرنا ہے؟'' اجیہ کو خوش گوار سی حیرت ہوئی، کچھ دیر پہلے وہ بہت خوش تھی پھر غزنی کی باتوں سے چڑ گئی تھی لیکن اب ایک بار پھر وہ بہت خوشی محسوس کررہی تھی اور اس کے لہجے کا ایک دم بدلنا اور خوش گوار ہوجانا غزنی کے لیے بذات خود ایک خوشی کی خبر تھی۔

''جی جناب بالکل رشتے کے لیے آرہے ہیں کیونکہ اماں ابا کا خیال ہے کہ بس بہت ہوگیا بہانے بہانے سے گھر جانا اور دیکھنا اور بات کرنے کی خواہش کرنا، اب ہماری شادی ہوجانی چاہیے۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے ناں؟'' اسے محسوس ہوا تھا کہ اجیہ اس بات پر خوش ہوئی ہے اور یہ احساس ایسا تھا کہ بس اب تو لگتا کہ جیسے اس کے زمین پر پاؤں ہی نہیں لگ رہے۔

''بھلا مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟'' وہ مسکرائی۔

''اور سچی بات تو یہ ہے کہ میں نے آج تک کبھی ایسا سوچا تو نہیں تھا اور نہ کبھی حنین سے بھی اس معاملے پر کوئی بات ہوئی لیکن پھر بھی میرے لیے یہ بات بہت خوشی کی اس لیے بھی ہے کہ حنین کی اور تمہاری آل ریڈی بہت دوستی تو ہے ہی اور جب اسے پتا چلے گا کہ یہ رشتہ اب دوستی سے بڑھ کر مزید قریب آنے والا ہے تو یقین کرو اس کے

چہرے پر بکھرتے رنگ اور آنکھوں میں اترتے جگنو تو میں یہاں سے بھی محسوس کرسکتی ہوں۔

"تھینک یو سو مچ اجیہ...... مجھے لگتا تھا کہ تم ہمارے اس بننے والے رشتے کو ویٹو کردو گی لیکن میرے پاس تو آج جو واقعی الفاظ ختم ہوگئے ہیں جن سے میں تمہیں اپنی خوشی کا احساس دلاؤں اور بس میں آج ہی گھر جا کر اماں کو کہتا ہوں کہ سارے کام چھوڑیں اور فوراً بس میری شادی کی تیاریوں کا سوچیں کیونکہ اجیہ جس نے کبھی مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کی تھی اور میرا دل ڈرتا تھا کہ شاید شادی کے معاملے میں بھی کوئی گڑبڑ نہ کرے اس کو بھی ہماری شادی پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ خوشی ہے۔" جواباً اجیہ ہنسی اور بے اختیار ہنسی تھی۔

غزنی کے لیے یہ صورت حال اور خاص طور پر اجیہ کا رویہ اتنا غیر متوقع تھا کہ اس کا دل چاہ رہا تھا آفس سے باہر بھاگ جائے اور کسی بیچ چوراہے پر کھڑے ہو کر چیختا چلاتا پھرے کہ اجیہ کو مجھ سے شادی کرنے کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ وہ بہت خوش ہے وہ مجھ سے باتیں کرتے وقت گھبرا نہیں رہی ہے مسکرا رہی ہے اور بڑی خوشی کی بات تو یہ ہے کہ اب وہ خوشی سے کچھ شرما بھی رہی ہے اس کی بے اختیار ہنسی سے غزنی نے بھی اخذ کیا تھا۔

"اچھا سنو اب اگر تمہارا موڈ اتنا خوش گوار ہو ہی گیا ہے اور میری خوش قسمتی کہ تم نے میری بات پر ناراض ہونے یا ڈانٹنے کے بجائے خوشی کا اظہار کیا ہے تو کیا میری ایک بات مانو گی؟"

"ہاں بھئی کوشش ضرور کروں گی' آخر اب تم سے ایک نیا رشتہ بننے جارہا ہے تو صاف انکار تو نہیں کیا جاسکتا ناں۔" اس کے ذہن میں ہنسی کھلکھلاتی حنین کا چہرہ تھا اور کل کو حنین کے ساتھ غزنی کی شادی ہوجاتی تو ظاہر ہے کہ اسے اپنے رویے میں کچھ بدلاؤ تو لانا ہی تھا۔ وہ غزنی کے ساتھ کبھی بھی ایسی کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی جس کو بنیاد بنا کر وہ حنین کے لیے کسی بھی قسم کی کوئی مشکل کھڑی کرے اور ابھی تو وہ یہ سوچ کر ہی ایکسائٹڈ ہورہی تھی کہ جب حنین کو پتا چلے گا کہ وہ غزنی کی دلہن بننے والی ہے تو اس کا کیا ری ایکشن کیا ہوگا۔

"تم کال سینٹر میں جاب چھوڑ دو۔" اجیہ نے چند لمحے کے لیے خاموشی اختیار کی۔

"دیکھو فی الحال تو یہ بات صرف مجھے معلوم ہے اور گو کہ میرے علاوہ کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا لیکن دیکھو پلیز ہمارے خاندان کے بھی آخر کوئی اصول ہیں۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ جہاں تم نے اتنی بڑی بات پر ہنستے مسکراتے ہوئے میرا ساتھ دیا ہے یہ بات بھی مان جاؤ اور اگر بالغرض تم جاب کرنا ہی چاہتی ہو تو چلو کسی اسکول میں کرلو لیکن اس طرح رات بھر کال سینٹر کی جاب اور پھر رات کو جانا صبح آنا۔ ذرا عجیب سا لگتا ہے ناں۔" اس نے لجاجت سے کہا یوں بھی اجیہ کو اسکول میں تقریباً جاب مل ہی چکی تھی کال سینٹر تو اب اس نے حساب چکتا کرنے ہی جانا تھا۔ شرمین کو اس کے کردار کا آئینہ دکھانا تھا اور بس، جبھی یہ احسان غزنی کی گردن پر رکھ دیا اور بولی۔

"ٹھیک ہے میں بس ایک دو دن میں اپنا استعفیٰ انہیں دے آؤں گی' تم بھی کیا یاد کرو گے کہ اجیہ اتنی روڈ ہے نہیں جتنی لگتی ہے۔" اور تب غزنی نے واقعی خود کو چٹکی کاٹ کر اندازہ کیا کہ وہ جاگ رہا ہے یا کوئی خواب دیکھ رہا ہے جہاں اجیہ اس سے اس قدر دوستانہ انداز میں باتیں کررہی ہے۔ اس نے کہا تو فوراً ہی جاب چھوڑنے کو بھی تیار ہوگئی اور یہی نہیں بلکہ وہ اس سے شادی کرنے پر بھی راضی ہے۔

پتا نہیں اس نے ایسی کون سی نیکی کی تھی جو اس کے کام آرہی تھی کیونکہ اجیہ کو باعزت طور پر اپنانا اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی اور خواہش بھی ایسی کہ جس کے پورا ہونے نہ ہونے کے بارے میں اجیہ کے خشک رویے کے باعث وہ ہمیشہ ہی بے یقینی کا شکار رہتا اور شاید یہ صرف اور صرف اماں کی دعائیں تھیں جنہوں نے ناممکن کو ممکن بنا کر آج اس کے سامنے کیا تھا اور اس کا دل چاہ رہا تھا کہ خوشی سے گنگنائے مسکرائے گیت گائے۔

ایسے میں اس نے سب سے پہلے اماں کو فون کرکے

انہیں ان کی ہونے والی بہو سے کی جانے والی تمام بات چیت کے ذریعے اس کی مکمل رضا مندی سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا تاکہ وہ بھی خوشی سے جھوم جائیں۔

محبت ابر کی صورت
دلوں کی سرزمیں پر گھر کے آتی اور برستی ہے
چمن کا ذرہ ذرہ جھومتا ہے مسکراتا ہے
ازل کی بے نمو مٹی میں سبزہ سر اٹھاتا ہے
محبت ان کو بھی آباد اور شاداب کرتی ہے
جو دل ہیں قبر کی صورت
محبت ابر کی صورت۔

اجیہ چونکہ اسکول میں پرنسپل کی ہونے والی گفتگو سے امی اور حنین کو فون پر آگاہ کر چکی تھی اس لیے اس کے گھر پہنچنے پر خوشی میں مبارک باد کے طور پر حنین اس کا پسندیدہ بیسن کا حلوہ تیار کر چکی تھی۔ اس کے گھر پہنچنے پر اس کے والٹ سے پیسے لے کر پڑوس کے بچے سے سموسے اور چاٹ منگوا کر اس خوشی کو دھوم دھام سے سیلیبریٹ کیا۔

''وہاں کی ٹیچرز تو بہت ماڈرن ہوں گی ناں اجیہ...... فل میک اپ کیا ہوا ہوگا اور ساتھ جیولری' ہیل والے جوتے وغیرہ بھی۔'' حنین کا جوش بھی دیکھنے کے لائق تھا' اجیہ ہنسی۔

''ڈریسنگ وغیرہ تو ہاں سب کی اعلیٰ تھی لیکن اتنا زیادہ میک اپ تو میں نے کسی کا نہیں دیکھا لیکن ہاں ٹیچرز تھیں ساری ہی بہت اچھی اور ان کو دیکھ کر ہی لگتا تھا کہ کسی بہترین ادارے کی ٹیچرز ہیں۔'' اجیہ نے بھی حنین کے انداز میں جواب دیتے ہوئے چاٹ کی ہی پلیٹ میں سموسہ بھی رکھ لیا۔

''ڈریسنگ کی تم فکر نہ کرنا' اندر پیٹی میں میرے جہیز اور بری کے کتنے ہی کپڑے رکھے ہیں جن کو میں نے ایک دفعہ پہننا تو کیا شاپروں سے نکالا تک نہیں ہے۔ وہ ہیں بھی سارے سلے ہوئے تم پہن کر دیکھ لینا۔ کوئی کانٹ چھانٹ کرنا ہوئی تو میں رات کو تمہارے کمرے میں مشین

رکھ کر سب کو آج کے فیشن کا کروں گی۔'' امی نے اسے کہا تو جیسے اجیہ کا دل چمن سے ٹوٹ گیا امی کے پیار پر پیار بھی آیا اور یہ بھی خیال پھر سے ذہن میں اتر آیا کہ سکندر صاحب کے ناروا سلوک کی وجہ سے امی کے کتنے ہی ارمان ہوں گے جو کہ ان کپڑوں کی طرح ویسے کے ویسے رہ گئے ورنہ شادی کے کپڑے اتنے سالوں تک رکھے رہیں اور انہیں پہننا تو کیا انہیں شاپروں میں سے کھول کر دیکھنے کو بھی جی نہ چاہے' دل نہ مانے یہ بات احساس رکھنے والوں کے لیے کتنے دکھ کی بات ہے۔

''ارے امی آپ بھی ناں......'' حنین ہنسی۔

''اتنا اسٹینڈرڈ کا اسکول ہے وہاں یہ گوٹے کناری والے کپڑے پہن کر جاتی اجیہ اچھی لگے گی کیا؟''

''ہاں لیکن کم از کم پانچ چھ جوڑے تو ڈھنگ کے ہوں ناں کہ بندہ ان ٹیچرز میں بیٹھ کر کسی بھی طریقے سے کم نہ لگے۔'' امی کو اب اجیہ کے کپڑوں کی فکر نے ستا لیا تھا۔

''ہاں تو ڈھنگ کے ہوں تب ناں' ایسا تو نہ لگے کہ دلہن بارات سے اٹھ کر اسکول میں اپنا پیریڈ لینے آ گئی ہے اور تمام نیوز چینلز اس فرض شناس ٹیچر کی بریکنگ نیوز چلا رہے ہوں۔''

''میرے پاس اتنے بہترین کپڑے تو ہیں جو میں یونیورسٹی پہن کر جاتی ہوں ان میں کیا خرابی ہے' اسکول بھی وہی پہن کر جاؤں گی اور امی کی شادی کے کپڑے بھی دیکھ لوں گی ان میں سے بھی کچھ میں لے لوں گی۔ کچھ تم لے لینا کیوں امی؟'' اجیہ نے تجویز دی۔

''ہاں تو اور کیا' وہ بھی رکھے رکھے خراب ہو جائیں گے انہیں پہن لو استعمال میں لاؤ۔''

''ہاں بات تو امی آپ کی بھی ٹھیک ہے کیونکہ ہمارے گھر تو ابھی دور دور تک کسی کی بھی شادی کے کوئی امکانات نہیں ہیں کہ بندہ شادی کے لیے سنبھال کر رکھ دے۔ ایسے میں بہتر ہے کہ ہم ان کپڑوں کو دیکھ لیں اور اگر وہ زیادہ کڑھائی والے نہ ہوں تو کہیں آنے جانے کے لیے استعمال کر لیں۔'' حنین نے سموسے پر میٹھی چٹنی ڈالتے

ہوئے کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے گھر میں کسی کی شادی ہونی چاہیے؟" اجیہ نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ پہلے امی کو اور پھر حنین پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں تو اس میں حرج ہی کیا ہے امی جہانے کچھ رونق میلہ ہوجائے گا۔ کچھ ہلہ گلہ، ڈھول دھماکا بھی ہی اور سب سے بڑھ کر یہ گھر کا ماحول کچھ تبدیل ہوگا۔"

"لیکن گھر میں ہم دو ہی تو لڑکیاں ہیں، جن کی آج یا کل شادی ہونی ہے اور میں تو بھئی ابھی کسی طور شادی کے لیے تیار نہیں ہوں اس لیے یہ سوچ تو رہنے ہی دو۔ ویسے ہی رونق میلہ کرنا ہے تو چینی کا ڈبہ لاکر بجاتے ہیں۔ امی ڈبے کو ڈھول کے طور پر بجاتی ہیں میں گانا گاتی ہوں، تم لڈیاں ڈال لو۔" اجیہ نے مذاق مذاق میں سارا پروگرام ترتیب دے دیا۔

"ارے واہ ایسے کیسے، تم نے نہیں کرنی شادی تو میری بہن مجھے تو نہ لٹکاؤ ناں یار...... کم از کم میری تو کردو۔ میرے بال کیوں سفید کرنے پر تلی ہو؟" حنین نے بھی ترکی بہ ترکی اسی انداز میں جواب دیا۔ امی ان دونوں کی باتوں پر بے اختیار ہنستی ہی چلی جارہی تھیں۔

"بس تو پھر ڈن ہوگیا کہ مجھ سے شادی کا کوئی نہیں کہے گا کیونکہ حنین پنجوں کے بل بیٹھی شادی ہونے کا انتظار کررہی ہے اور دلہے راجا کے انتظار میں اس قدر اتاولی ہورہی ہے کہ اگر اگلے ایک دو مہینے تک اس کی شادی نہ ہوئی تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں صدمے کے مارے اسے وینٹی لیٹر پر نہ ڈالنا پڑ جائے۔"

"نہ بابا نہ ایسا کیوں کہہ رہی ہو میں کوئی نہیں وینٹی لیٹر پر ڈلنے والی بلکہ میں تو چولی گھاگھرا پہن کر ہاتھ میں اپنے دلہا کا سہرا لے کر ناں خود اس کے سر پر پہنچ جاؤں گی اور اسے سوتے میں سے کان پکڑ کر اٹھاؤں گی اور کہوں گی "ابھی تک سو رہے ہو؟ ٹائم دیکھا ہے شادی کا وقت ہوگیا ہے اٹھو اور اسی طرح ٹراؤزر بنیان پر ہی سہرا باندھو، سلیپرز پہنو اور فوراً موٹر سائیکل پر بیٹھ کر شادی ہال پہنچو۔"

"ٹھنڈی ہوکر بیٹھی رہو بہنا کیونکہ جس مولوی نے تمہارا نکاح پڑھوانا ہے ناں وہ خود ابھی کسی مدرسے میں ٹوپی پہننا سیکھ رہا ہے۔ جس نے تمہارے شادی میں کھانا پکانا ہے وہ خود ابھی اپنی ماں سے رو کر کھانا مانگتا ہے۔ جس نے تمہاری شادی کا سوٹ سینا ہے وہ ابھی کاج کرنے اور بٹن لگا کر ترپائی کرنے پر ہاتھ سیدھا کررہا ہے اور جس نے تم سے شادی کرنی ہے ناں وہ ابھی اپنی اکلوتی سالی کو راضی کرنے میں لگا ہوا ہے۔"

"اکلوتی سالی...... یعنی اجیہ تم؟" حنین حیرت سے اچھلی۔ امی اور اجیہ اس کے تاثرات پر ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس رہی تھیں۔ وہ ایک بار پھر بولی۔

"اجیہ تم ایسے ہی سمجھو کہ جیسے امی تو یہاں پر موجود ہیں ہی نہیں۔ بیٹھی ہوئی ہی نہیں ہیں یہاں، تم بس مجھے یہ بتاؤ کہ آج کل تمہیں کون راضی کرنے میں لگا ہوا ہے۔"

"حنین کی بچی، پہلے تو تم مجھے یہ بتاؤ ناں کہ تم نے صرف میری آخری بات کو ہی سچ کیوں سمجھا اور اگر اسے سچ سمجھا تو پھر باقی باتوں کو بھی سچ سمجھتے ہوئے اس یقین کے ساتھ سو جاؤ کہ اگلے پانچ سے دس سال تک تمہاری شادی کا دور دور تک بھی کوئی نام و نشان نظر نہیں آرہا۔"

"تو میں کون سا شادی کرنے کے لیے ہلکان ہورہی ہوں ویسے بھی میں نے تو ڈاکٹر بننا ہے اور اگر اگلے پانچ سال کے بعد شادی ہو تو بہتر ہے کیونکہ تب تک میں ڈاکٹر بن جاؤں گی اور اگر دس سال بعد شادی ہو تو بہترین ہے کیونکہ تب تک میں کامیاب ڈاکٹر بن چکوں گی لیکن اس طرح کے دلخراش مذاق کرنے پر اللہ کرے تم نے کہیں ایمرجنسی پہنچنا ہو اور تمہارے کپڑے استری ہوئے نہ ملیں تو......" وہ برتن اٹھائے ہوئے ننھی سی ناک پھلاتے ہوئے اجیہ کو باتیں سنا رہی تھی۔

"یہ اچانک آج تم نے شادی کی بات کیسے چھیڑی دی، پہلے تو کبھی اس موضوع پر اتنی بات نہیں ہوئی۔" حنین تمام برتن لے جاکر اب کچن میں دھونے لگی تھی۔ اجیہ اور امی وہیں لاؤنج میں رکھے صوفے پر بیٹھی تھیں، اجیہ نے ان کی

گود میں سر رکھا اور صوفے پر ہی لیٹ گئی۔

"ارے امی آپ کی بیٹیاں اب جوان ہوگئی ہیں ناں سمجھا کریں۔" وہ ہنسی اور ساتھ ہی امی کی طرف سے چپت بھی کھائی۔

"نہیں تم بے وجہ اس طرح کی بات چھیڑنے والی نہیں ہو ضرور اس معاملے کا کوئی پس منظر ہے۔" امی نے کہا اور ویسے بھی اس نے امی کو ساری صورت حال بتانا تو تھی ہی لہٰذا کروٹ بدل کر کہنی پر زور ڈالتے ہوئے گردن موڑ کر کچن کی طرف دیکھا جہاں حنین گنگناتے ہوئے برتن دھونے میں لگی تھی سو غزنی کے فون کا آنا اور تمام بات چیت من و عن ان کے گوش گزار کردی اور ساتھ ہی یہ تاکید بھی کہ حنین کو فی الحال اس تمام معاملے کی ہوا بھی نہ لگے۔ اور صرف اجیہ ہی نہیں امی بھی اس رشتے پر بہت خوش تھیں' آج سے پہلے بھی وہ غزنی کو داماد کے روپ میں سوچ تو چکی تھیں لیکن وہ اسے اجیہ کے ہونے والے شوہر کے روپ میں دیکھتی تھیں کہ شادی سے پہلے کی تمام تر محرومیوں کا ازالہ انہیں لگا کہ اس گھر میں ممکن تھا جہاں اتنے محبت کرنے والے ساس سسر بھی موجود ہوں اور تھوڑا بہت شائبہ انہیں یہ بھی تھا کہ شاید غزنی اجیہ کے لیے پسندیدگی کے جذبات رکھتا ہے لیکن اب جبکہ ان کا یہ اندازہ غلط ثابت ہوگیا تھا اور غزنی بقول اجیہ کے حنین سے شادی کا خواہش مند ہے تو امی کے لیے یہ بھی خوشی کی بات تھی۔

"ویسے میرا ذاتی خیال تھا کہ پہلے تمہاری شادی ہوجاتی' وہ تو چھوٹی ہے اور پھر......"

"میری شادی کے متعلق تو ابھی آپ سوچیں بھی مت امی' میرے کرنے کے ابھی بہت سے کام ہیں۔" اس نے ان کی بات کاٹی۔

"اور ویسے بھی حنین میں اور مجھ میں صرف مشکل سے ایک سال کا ہی تو فرق ہے ناں وہ بھی اگر بچپن میں اس کی صحت کے پرابلمز نہ رہتے تو آج میرے ہی ساتھ یونیورسٹی میں ہوتی۔ آپ فکر نہ کریں اور اگر بابا آپ سے اس معاملے میں بات کرنا چاہیں تو اپنی بھرپور پسندیدگی

ماہنامہ حجاب کی جانب سے پہلی سال گرہ پر آپ لکھاری بہنوں اور قارئین کی شرکت کے لیے خصوصی سروے کا اہتمام کیا گیا ہے تاکہ ہمیں اندازہ ہوسکے کہ اس ایک سال میں ہم کس حد تک آپ کو مطمئن کر پائے ہیں۔ سروے کے سوالات مندرجہ ذیل ہیں:۔

☆ مجموعی طور پر پہلے سال میں آپ نے حجاب کو کیسا پایا؟ کوئی کمی یا پیشی' کوئی تجویز یا تدبیر' کوئی تعریف یا تنقید سب کھل کہہ دیں۔

☆ اس سال کی بیسٹ رائٹرز نیز سب سے بہترین تحاریر؟

☆ آئندہ سال کے حجاب کو آپ کیسا دیکھنے کی خواہش مند ہیں؟

☆ مستقل سلسلوں میں آپ کا پسندیدہ سلسلہ کون سا ہے اگر کسی سلسلے میں ترمیم کی جائے تو کس میں اور اضافہ کیا ہو؟

☆ ماہنامہ حجاب کا سال گزشتہ کا بہترین ٹائٹل کون سا تھا؟

☆ نوآموز رائٹرز میں آپ مستقل کسے حجاب میں دیکھنا پسند کریں گی؟

☆ ماہنامہ حجاب کے ناولز' ناولٹ اور افسانوں میں شائع ہونے والے چند سنہری جملے اور سطور جنہیں بے ساختہ آپ نے ڈائری کی زینت بنایا ہو؟

ان سوالات کے جوابات 20 اکتوبر تک ارسال کردیں یا پھر ای میل کے لیے ایڈریس یہ ہیں۔

infohijab@aanchal.com.pk

ظاہر کریں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں ناں کہ دونوں میں کس قدر دوستی ہے ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزار کر کتنا خوش ہوتے ہیں دونوں۔" اس کی تمام باتیں ٹھیک تھیں' امی مسکراتے ہوئے سر ہلاتے جارہی تھیں اور دل ہی دل میں اجیہ کے لیے بھی کسی اچھے رشتے کی دعا جارہی تھی۔

❀ ❀ ❀

مجھے محسوس ہوتا ہے
وہ بالکل میرے جیسا ہے
کہ جیسے عکس پانی میں
یا سایہ روبرو میرے
وہی لہجہ وہی باتیں
وہی آنکھوں سے ہنس دینا
کبھی جو روٹھنا تو
بے رخی کی حد ہی کردینا
کبھی آنکھوں کے رستے سے
کہیں دل میں اتر جانا
کبھی بے چین رکھنا خود کو
مجھ کو بھی سزا دینا
کبھی اک پل میں ہنس دینا
میری دنیا سجا دینا
کبھی تو برف سا لہجہ
نگاہ بھی سرد کرلینا
کبھی تتلی کے سارے رنگ
میرے دامن میں بھردینا
مجھے اکثر یہ لگتا ہے
وہ بالکل میرے جیسا ہے

اربش آج وقت سے پہلے ہی یونیورسٹی چلا آیا تھا' ہاتھ میں کتابیں پکڑے وہ گیٹ کے قریب ہی دائیں طرف لان میں ایسی جگہ بیٹھا تھا جہاں سے گیٹ کے اندر آتی اجیہ اسے فوراً نظر آجاتی۔ اور انتظار تو ویسے بھی دشوار ہے وہ کسی بھی چیز کا ہو دن کا یا کسی من پسند انسان کا وقت مشکل سے ہی کٹتا ہے اور یہی حال آج اربش کا تھا۔ ذرا سا ہٹ کر بیٹھنے اور جلدی آنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے دوست اس کے آنے کے بارے میں جان جائیں کیونکہ پھر دوستوں کے گروپ سے الگ ہونے کے لیے سو طرح کے بہانے کرنے پڑتے۔ کیوں جارہے ہو کہاں جارہے ہو کس کے پاس جارہے ہو؟ اور اگر تو بتایا جائے کہ یار فلاں لڑکی سے کام ہے اس کے پاس جارہا ہوں تو پھر بچوں جیسی خواہش کہ ہم بھی ساتھ چلیں گے اور پھر منع کرنے کی صورت میں کسی بھی طور اس کے آگے پیچھے اسے منڈلاتے رہتے کہ بندہ اپنا اصل کام بھول جائے اور خوامخواہ خود کو ہی مشکوک سمجھنے لگے۔

دوست تو ویسے سارے اچھے تھے اور چھیڑ چھاڑ ہی یونیورسٹی لائف کا چارم بھی ہوتی ہے ورنہ اس کے بعد جب پریکٹیکل لائف کا آغاز ہوتا اور زندگی چھیڑ چھاڑ کرنے لگتی ہے تب کچھ سمجھ نہیں آتا کہ اس چھیڑ چھاڑی کا جواب کیسے دیا جائے اور پھر ان دوستوں کے گروپ میں چھ کے چھ لڑکے ہی تھے۔ لڑکیوں نے تھوڑی بہت راہ ورسم بڑھانے کی کوشش کی بھی اور چند ایک دوستوں نے انہیں اپنے گروپ میں شامل کرنا بھی چاہا تو اربش نے ویٹو کردیا۔ اسے لڑکیوں کی خوامخواہ جھوٹ بولنے اور لالچ کے طور پر یہ دوستیاں بنانے سے چڑ تھی۔ کوئی روپے پیسے کی لالچ میں قریب آنا چاہتی تو کوئی نوٹس کی خاطر اور یہ سب اربش کے لیے قابل قبول نہ تھا۔ اسی لیے وہ خود ہی اپنے سب کے لیے کافی تھے ایسے میں اگر وہ اجیہ سے مل رہا تھا تو نہیں چاہتا تھا کہ فی الحال کسی کو اس طرح سے پتا چلے ہاں البتہ اگر آج اجیہ کی طرف سے اسے کوئی گرین سگنل مل جاتا تو وہ بڑی خوشی سے نہ صرف ان چھ دوستوں کو بتاتا بھی بلکہ انہیں ٹریٹ بھی دیتا بس پہلے سے وہ کسی بھی چیز کا شور نہیں مچانا چاہتا تھا۔

ہاتھ میں موبائل لیے وہ بار بار اس کا نمبر دیکھتا' چاہتا کہ اسے فون کرکے اب تک نہ پہنچنے کی وجہ پوچھے اور جلدی آنے کا کہے لیکن پھر خود کو سمجھاتا کہ اتنی بھی جلد بازی ٹھیک نہیں ہے اسی انتظار میں بیٹھے بیٹھے اسے آدھا گھنٹہ

ہوگیا تھا۔ لڑکے لڑکیاں یونیورسٹی گیٹ سے داخل ہوتے جارہے تھے اور وہ ان سب کو اجیہ ہونے کی امید سے دیکھتا اور پھر گہری سانس لے کر رہ جاتا اور پھر آخرکار اس کی ہمت جواب دے گئی اس نے ہاتھ میں پکڑے موبائل فون سے اس کا نمبر ملایا ہی تھا کہ بیل ہونے سے پہلے ہی اجیہ گیٹ کے اندر آتی دکھائی دی ایک دم وہ خوشی سے کھل ہی تو گیا تھا۔ فون بند کرنے کے بجائے اس نے بیل جانے دی اور اجیہ کے فون اٹھاتے ہی اسے بتایا کہ وہ یونیورسٹی لان میں کونے پر بیٹھا اس کا انتظار کررہا ہے اور وہ بھی وہیں چلی آئے۔ ساتھ ہی ایک ہاتھ سے اپنے بال وغیرہ ٹھیک کیے گردن جھکا کر اپنے کپڑوں کے بہتر ہونے کی یقین دہانی کی ویل ڈریسڈ تو وہ تھا ہی' ممی نے شروع سے اسے صاف ستھرے اور خوب صورت کپڑے پہنا پہنا کر ایسا عادی بنادیا تھا کہ اب اگر ذرا سی بھی شکن ہوتی تو اسے گھبراہٹ سی ہونے لگتی۔ شلوار قمیص کم کم پہننے کی وجہ یہی تھی کہ اس میں فوراً سے شکنیں پڑجاتیں اور چند ہی گھنٹوں میں وہ انہیں تبدیل کرتا۔

''بھئی مانا کہ تم بہت پریٹی لگ رہی ہو لیکن اب اتنا بھی کیا کہ ایک بندہ انتظار کرتا ہی سوکھ جائے اور تم پہنچنے کا نام ہی نہ لو۔'' اجیہ اس کی بات پر ہنسنے لگی تھی' اپنا پرس کندھے سے اتارا اور اس کے سامنے ہی بیٹھ گئی۔

''تعریف کرو یا شکایت تم تو بریانی پر کسٹرڈ ڈال کر دونوں کا ہی مزہ خراب کررہے ہو۔'' اس بار قہقہہ لگانے کی باری اربش کی تھی سو آہستہ آواز میں لیکن دل کھول کر ہنسا۔

''تمہیں پتا ہے کہ تمہاری پریزینٹیشن کے نمبر معلوم کروائے ہیں میں نے اور وہی تمہیں بتائے بغیر مجھے چین نہیں آرہا تھا۔''

''پہلے یہ بتاؤ جو کتابیں لے کر گئے تھے ان کا کیا بنا؟ کام کرلائے ہوناں میرا؟'' اجیہ کو یہ فکر تھی کہ یہ کتابیں پہلے بھی غلطی سے بہت سارے دن قواعد کے خلاف رکھ چکی تھی اور اگر آج بھی وہ کتابیں جمع نہ کرواتی تو یقیناً اسے جرمانے کے پیسے دینے پڑتے اور آج کل ویسے بھی اس کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ یہ اضافی خرچ بھی ان میں شامل کیا جاتا جو پیسے کچھ بچت کے طور پر رکھے ہوئے تھے وہ بھی کال سینٹر کے قوانین کے مطابق وہاں دینے پڑتے کیونکہ وہ پندرہ دن پہلے بتانے کے بجائے فوری طور پر جاب چھوڑنے والی تھی۔

اربش نے دل ہی دل میں اسے داد دی کہ اجیہ کو پڑھائی کی کس قدر فکر ہے کہ پریزینٹیشن کے نمبر معلوم کرنے میں بے تابی کے بجائے ان کتابوں اور ان سے منسلک کام کی فکر ہے۔

''جناب یہ رہیں تمہاری کتابیں' ساری لائنز پر بک مارک رکھ دیا ہے بلکہ لائنوں کے نمبر تک لکھ دیئے ہیں کہ محترمہ کو کون سی لائن سے کہاں تک پڑھنا ہے۔'' اس نے اپنی کتابیں ایک طرف کرکے باقی اسے لوٹادیں۔

''ہمم..... تو اب بتاؤ کہ پریزینٹیشن کے کیا نمبر معلوم ہوئے جو بتائے بغیر تمہیں صبر نہیں آرہا تھا۔'' وہ دونوں کپڑے جھاڑ کے اٹھ کھڑے ہوئے اربش نے کینٹین کی طرف رخ کیا۔

''نمبر تو خیر وہی ہیں جو تمہیں پتا ہی ہیں کہ حسب معمول تم اپنی کلاس کی ہائی لسٹ نمبرز والی اسٹوڈنٹ ہو۔''

''تو پھر.....؟'' وہ اس کے جوش اور پھر مدھم ہونے پر کچھ سمجھ نہیں پارہی تھی۔

''ویسے ہی میں میرا دل چاہ رہا تھا کہ تمہیں دیکھوں' تمہاری آواز سنوں اور تم سے باتیں کروں بس اسی لیے' تم نے میرا فون کرنا مائنڈ تو نہیں کیا تھا؟'' بات کرتے کرتے ادھوری چھوڑ کر وہ اس سے فون کے متعلق پوچھنے لگا۔

''نہیں' اس میں مائنڈ کرنے کیا بات تھی؟ تم کوئی انجان تو ہو نہیں کہ مجھے تمہاری طرف سے کال پر حیرت ہوتی یا غصہ آتا۔''

''دراصل میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا تھا۔''

''ہاں شیور..... بولو ایسی کون سی بات ہے؟'' اجیہ نے اسے بغور دیکھا وہ شاید کسی کشمکش کا شکار تھا شاید وہ یہ فیصلہ نہیں کرپارہا تھا کہ آیا جو بات اس کے ذہن میں ہے وہ

اسے کرنی چاہیے یا نہیں۔

"دراصل میں تم سے مشورہ کرنا چاہ رہا تھا کہ اب اپنا کوئی بزنس اسٹارٹ کرلوں پاپا تو میرے بچپن میں ہی انتقال کرگئے تھے اس کے بعد ممی نے ہی مجھے پالا پوسا یہاں تک پہنچایا۔ اب سوچتا ہوں کہ انہیں مکمل آرام دے کر خود کام کروں اور ان کی محنت کا پورا تو نہیں لیکن کچھ تو حق ادا کروں۔" اجیہ کے تیور دیکھنے پر اس کی بات بدل گئی اور اب وہ اس سے یوں مشورہ مانگ رہا تھا جیسے اس کے ساتھ بہت ہی گہری دوستی ہو۔

"لیکن اربش...... یہ ہم سب کا لاسٹ سمسٹر چل رہا ہے تمہارے لیے دونوں طرف دھیان دینا بہت مشکل ہوجائے گا۔ ٹھیک طرح سے پڑھو گے نہیں تو ظاہر ہے نمبرز پر بہت فرق پڑجائے گا۔" اس نے مخلصانہ مشورہ دیا۔ "اس کے بعد تمام عمر پڑی ہے جتنی مرضی محنت بھی کرو اور ان کی خدمت بھی۔"

"ناٹ ایٹ آل اجیہ...... آخر اور لوگ بھی تو کرتے ہیں ناں پڑھائی کے ساتھ جاب۔"

"اور لوگ مثلاً۔" وہ اس کی بات سمجھ نہیں پائی۔

"بھئی مثلاً وہ لوگ جو دن میں پڑھائی کرتے ہیں اور پھر رات بھر جاگ کر جاب کرتے ہیں لیکن پھر بھی آئے روز ہم اخباروں میں پڑھتے ہیں کہ وہ ٹاپ بھی کرجاتے ہیں سوچو کتنی مشکل سے اور مجبور زندگی جیتے ہوں گے ناں وہ اور پھر یہ کیوں اور کیسے جیسے سوال میرے اور تمہارے جیسے لوگوں کے لیے ہوتے ہیں جو زندگی کی تمام تر سہولتوں آسائشوں کے ساتھ جی رہے ہوتے ہیں۔"

"ہونہہ...... زندگی کی آسائشیں اور راتوں کو جاگ کر نوکری کرنے اور دھکے کھانے والے مجبور اور بے بس لوگ۔" وہ تلخ ہوئی۔

"اچھا چھوڑو، تم حساس نہ ہو پلیز، دوسروں کے دکھ میں خوامخواہ دکھی ہونے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں، سمجھیں۔" اجیہ نے گہری سانس لے کر موڈ بدلتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی۔

"اتنی خوشی کی خبر میں نے تمہیں سنائی تھی تمہیں تو چاہیے کہ مجھے ٹریٹ دیتیں کہ تمہارے نمبرز ایک مرتبہ پھر سب سے زیادہ آئے ہیں۔"

"چلو ٹھیک ہے جلدی سے آرڈر تم بھی کیا یاد کرو گے۔"

"ہم کس حسین لڑکی سے پالا پڑا ہے۔" اربش نے اس کی بات کاٹ کر جملہ مکمل کیا تو دونوں ہنسنے لگے۔ اربش نے ویٹر کو بلا کر آرڈر دیا تب اجیہ حساب لگا رہی تھی کہ اس کے والٹ میں موجود پیسوں سے بل پے ہوجائے اربش نے کچھ بھی لمبا چوڑا آرڈر کرنے کی بجائے صرف دو کولڈ ڈرنکس اور دو سینڈوچز منگوائے تھے۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ اسکالرشپ کے لیے جو لوگ اپلائی کرنے کے اہل ہیں ان میں تم بھی شامل ہو، تم کتنی خوش قسمت ہو۔" وہ جواب میں محض مسکرائی اور ہاں میں گردن ہلا کر پرس میں سے موبائل نکالنے لگی تھی کہ ایک کونے میں رکھا کھلا ہوا والٹ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ پہلے تو کچھ سمجھ نہیں آیا کہ یہ پیسے کس نے اور کب نکالے پھر یاد آیا کہ حنین نے سموسے اور چاٹ منگوانے کے لیے اسی کے والٹ سے پیسے لیے تھے اور نتیجتاً اب اس کا خالی والٹ اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

اربش نے اسے کھانا شروع کرنے کا کہا اور خود اس کے انتظار میں بیٹھ گیا کہ وہ اپنا پرس چھوڑے تو وہ کھانے کے ساتھ ساتھ وہ بات شروع کرے جس کے لیے درحقیقت وہ صبح سے بے چین تھا لیکن اجیہ کے لیے یہ صورت حال انتہائی شرمندگی کا باعث تھی کہ ٹریٹ بھی وہی دے رہی تھی اور صرف کولڈ ڈرنک اور سینڈوچز کے لیے بھی اس کے پاس پیسے نہیں تھے۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

گہرا وار

ثمینہ فیاض

اس کہانی کا یہ ہوا انجام
آج میں دشتِ بے کنار میں ہوں
کوئی رستہ سجھائی دیتا نہیں
دھند کیسی ہے، کس غبار میں ہوں

حائفہ کی شادی کی تیاریاں بہت زور و شور سے جاری تھیں۔ جہیز کے جوڑے ایک سے بڑھ کر ایک خوب صورت جو دیکھے تو دیکھتا ہی رہ جائے۔ شہر کا سب سے اچھا ہوٹل اور ٹاپ پالر اس تقریب کے لیے بک کرلیا گیا تھا۔ سونے کے چار بڑے اور دو چھوٹے سیٹوں کے ساتھ ساتھ ہیرے کا بھی ایک سیٹ شامل تھا۔ چار سونے کی چوڑیاں اور دو جڑاؤ کڑے بنائے گئے تھے۔

جہیز کا فرنیچر ایک بہت مشہور اور اعلیٰ درجہ کے شوروم سے لیا گیا تھا۔ الیکٹرونک آئٹم سب امپورٹڈ تھے کہ ان معیاری اشیاء کا معیار ہی امپورٹڈ ہونا تھا۔ حائفہ کی شادی میں کوئی کمی رہنی نہیں چاہیے، یہ حائفہ کے بڑے بھائی فرقان کے الفاظ تھے جو اس شادی کے تمام اخراجات کا ذمہ لیے ہوئے تھے شادی کارڈز تقسیم ہوچکے تھے۔

حائفہ کے گھر میں اس کے علاوہ اس کے ساتھ دو بڑے بھائی فرحان اور فیصل بھائی، امی، ابو جی اور بھابی رامین اور ان کا بیٹا احمد رہتے جبکہ سب سے بڑے بھائی فرقان، جو رامین بھابی کے شوہر تھے کویت میں جاب کرتے تھے اور حائفہ کی شادی کے سلسلے میں وہ بھی پاکستان آئے ہوئے تھے۔ شادی کے موقع پر سب ہی خوش تھے۔ گھر کا ماحول بہت رنگین تھا۔ ہر طرف قہقہے اور ہنسی کا دور دورہ چل رہا تھا اور پھر فرقان بھائی کی موجودگی ان سب پر چار چاند لگارہی تھی۔ فرقان بھائی جب اس گھر سے نوکری کی تلاش میں کویت گئے تو ان کے والدین کے حالات بہت خستہ تھے۔ فرقان بھائی نے پلمبری کا کورس کیا اور کویت کے لیے روانہ ہوگئے۔ انہوں نے وہاں بہت محنت کی اور اس ساری محنت کا ہی ثمر تھا کہ آج ان کا چھوٹا بھائی فرحان ایم بی اے اور اس سے چھوٹا فیصل بی بی اے کرچکے تھے۔ اب نوکریوں کی تلاش میں تھے۔ اس کے ساتھ ہی حائفہ کا رشتہ آگیا۔ جوانٹر کے امتحان دے کر نتیجے کی منتظر تھی لیکن امی جی کو تو ایک ہی بات کی رٹ لگی ہوئی تھی لڑکیاں جتنی جلدی اپنے گھر کی ہوجائیں اتنا ہی اچھا ہوتا ہے۔ حائفہ کے منگیتر جمال کی معقول آمدنی تھی۔ گھرانہ بھی پڑھا لکھا تھا۔ دو بہنیں اور ایک بھائی تھا جو ابھی بہت چھوٹا تھا ان

کے والد کا بزنس تھا۔ جمال بھی ان ہی کے ساتھ ہاتھ بٹاتا تھا۔ کسی کو بھی اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اس طرح یہ شادی سارے خاندان اور عزیز واقارب کے لیے یادگار شادیوں میں سے ایک بن گئی کیونکہ اس میں جہیز سے لے کر کھانے اور سجانے کے ہر طرح کے اہتمام انتہائی فراخدلی سے کیے گئے تھے اور پیسہ پانی کی طرح بہایا گیا تھا۔

مایوں کی تقریب سے پہلے قرآن خوانی اور محفل میلاد کی تقریب منعقد کی گئی تھی یہ امی جی کی خواہش تھی وہ چاہتی تھیں کہ زندگی کی کوئی بھی خوشی ہو پہلے قرآن خوانی اور میلاد تو ہونا ہی چاہیے تاکہ اس کام میں برکت ہو اور جو کام اللہ کے نام سے شروع ہوتا ہے اس میں تو برکت ہوتی ہی ہے۔

مایوں میں گیندے کے پھولوں سے سجے ستون پوری محفل کو خوشبوؤں سے معطر کر رہے تھے زرد رنگ کے ساتھ کہیں کہیں سبز پتے لگا کر اس کی خوب صورتی کو اور نکھارا گیا تھا برقی قمقمے اور جگہ جگہ گیندے کے پھولوں کی لڑیاں لگائی گئیں تھیں رسم کے لیے بنائے جانے والے اسٹیج پر ایک لکڑی کے بڑے جھولے کو گیندے اور سفید گلاب سے اس انداز میں ڈھک دیا گیا تھا کہ جھولا دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر اس کی خوب صورتی کی تعریفیں ہر عام وخاص کی زبان پر تھیں۔ مہندی والی رات رت جگے کے ساتھ ایک میوزیکل فنکشن کا اہتمام بھی کیا گیا تھا سارے عزیز واقارب اور خاندان میں اس شادی کی دھوم مچی ہوئی تھی اور ایسے میں امی جی اور ابو جی کی چھاتی چوڑی نہ ہوتی تو کیا ہوتا ہر شخص اس شادی کی تقریب کی تعریفیں کر رہا تھا رامین بھابی فرقان بھائی کو ایسے پیسہ بہاتا دیکھتیں تو اشارۃً انہوں نے کہنے کی کوشش بھی کی کہ یہ کچھ زیادہ نہیں ہوگیا مگر فرقان کا تو ایک ہی جواب تھا میری ایک ہی تو بہن ہے اس پر بھی اپنے ارمان نہ نکالوں کیا؟ وہ فرقان کے الفاظ سن کر چپ ہوگئی اور پھر کسی سے کچھ نہ کہا۔ حائفہ اور امی جی بہت خوش تھیں کہ رامین تو جل گئیں اسی لیے ہمارے ساتھ اٹھتی بیٹھتی نہیں۔ رامین ایک بہت سمجھدار اور سلجھی ہوئی لڑکی تھی وہ کسی کی بھی بات کا کوئی جواب نہ دیتی۔ فرقان اس بار پورے چار سال بعد آئے تھے اور آتے ہی شادی کی تیاریوں میں لگ گئے تھے۔ رامین چاہتی کہ فرقان اس کے ساتھ بھی کچھ وقت گزاریں لیکن سارا دن شادی کی شاپنگ اور دیگر کاموں کے سلسلے میں وہ گھر سے باہر ہی ہوتے اور جب وہ گھر آتے تو ساری فیملی انہیں گھیر کر بیٹھ جاتی۔ وہاں کی باتیں سناتے رہتیں۔ وہ بھی ان سب کے ساتھ مجبوراً بیٹھ جاتی اور جب ایک دن وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تو سب نے نوٹ کیا اور اس بات کا خوب بتنگڑ بنا کہ بھئی وہ تو برا مان گئیں اور سب سے زیادہ شور حائفہ نے ہی مچایا۔

"آپ پہلے ہمارے بھائی ہیں ان کے شوہر تو بعد میں بنے ہیں تو کیا ہم آپ کے ساتھ کچھ وقت بھی نہیں گزار سکتے۔ میں تو ویسے بھی اس گھر میں چند دن کی مہمان ہوں پھر کہاں اس طرح سے بیٹھنے کو ملے گا۔" حائفہ کے رونے اور چیخنے سے سب اسے منانے اور رامین کو برا سمجھنے لگے۔

"رامین میں تو تھوڑی سی بھی برداشت نہیں ہے۔" فرقان بھی اس ساری سچویشن سے پریشان ہوگئے اور کمرے میں آکر رامین کو خوب ڈانٹا۔

"تم ایسے منہ بنا کر وہاں سے چلی آئیں، دیکھو تمہاری وجہ سے سب کا موڈ خراب ہوگیا حائفہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے چند دن کی مہمان ہے وہ اس گھر میں پھر پتہ نہیں کب آئے۔" رامین نے اپنی آنسوؤں سے بھری آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا اور بہت نرمی سے کہا۔

"فرقان...... آپ بھی تو چند دن کے لیے ہی آئے ہیں۔ شادی کے بعد آپ بھی چلے جائیں گے پھر مجھے کب موقع ملے گا آپ سے بات کرنے کا۔ سارا دن آپ گھر اور گھر والوں کے ساتھ مصروف ہوتے ہیں آج پندرہ دن ہوگئے آپ کو گھر آئے ہوئے لیکن ہم دونوں

ایک ساتھ مل کر ذرا دیر نہیں بیٹھے‘ مجھے بھی تنہائی میں آپ سے چند باتیں کرنی ہیں‘ میں بھی تو کئی مہینوں سے آپ کا انتظار کررہی تھی۔ کسی کو میرا احساس نہیں آپ کو بھی نہیں۔“ فرقان اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔

”ہاں بولو کیا کہنا ہے۔“

”کچھ نہیں۔“ وہ کچھ ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ بولی۔ فرقان کو اس کا انداز سلگا گیا۔

”کبھی کہتی ہو بات کرنی ہے اور کبھی کہتی ہو کچھ نہیں عجیب عورت ہو‘ تم عورتوں کی بھی مجھے سمجھ نہیں آتی۔“ رامین کی آنکھوں میں تیرتی نمی دیکھ کر پھر خود ہی نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھ گیا۔

”تمہیں میرا وقت چاہیے نا چلو ہم دونوں کل حائفہ کی شادی کی شاپنگ ساتھ کرنے جائیں گے‘ صرف تم اور میں لنچ بھی باہر ہی کریں گے‘ سب کے ساتھ رہنا ہے یار تو سب کا خیال بھی رکھنا ہوگا نا اتنی محنت تم سب کے لیے ہی تو کررہا ہوں۔ منہ دھو کر سب کے ساتھ آکر بیٹھو اور ہاں وہ حائفہ روتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی ہے اسے بھی لے کر آؤ آئندہ خیال رکھنا میں نہیں چاہتا کہ شادی میں کوئی بدمزگی ہو۔“

”جی......“ رامین اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے اٹھ گئی۔ حائفہ کو منا کر اس کے کمرے سے بھی لے آئی اور سب ایک بار پھر باتوں میں مصروف ہوگئے۔

رامین ایک بار پھر سب کے لیے چائے تیار کرکے لے آئی۔ رات دیر تک سب باتوں میں مشغول رہے۔ صبح رامین سارے گھر کا ناشتہ تیار کرکے جلدی تیار ہوگئی کہ فرقان کے ساتھ باہر جانا اس کو بہت پُرکشش لگ رہا تھا۔ وہ رات بھر اس بات کو سوچ سوچ کر خوش ہوتی رہی کہ ہم دونوں ایک ساتھ شاپنگ کریں گے اور کوئی ہمارے اردگرد نہیں ہوگا چند لمحے فرقان کی ساری توجہ مجھ پر رہے گی ہم ایک دوسرے سے کھل کر باتیں کرسکیں گے کچھ مستقبل کی پلاننگ کریں گے‘ کچھ رومانٹک گفتگو ہوگی کتنا اچھا لگے گا اتنے عرصے بعد صرف ہم دونوں ساتھ گھومنے جائیں گے۔ سب ناشتہ کرچکے تو وہ بھی برتن دھو کر تیار ہوگئی فرقان بھی جانے کو تیار ہوئے ہی تھے کہ حائفہ کو یاد آگیا کہ اس کی دو آرٹیفیشل جیولری سیٹ جو اس کے سوٹس کے ساتھ میچنگ کے لینے تھے وہ رہ گئے ہیں۔

”بھائی...... میں بھی چلوں گی میری بھی تھوڑی سی شاپنگ رہ گئی ہے۔“ فرقان نے اسے ٹالنے کی بہت کوشش کی۔

”ہم ذرا دیر سے آئیں گے۔ رامین کے میکے بھی جانا ہے تو تم کو کل لے جاؤں گا یا تم فرحان یا فیصل کے ساتھ چلی جاؤ۔“ امی جی بھی سمجھانے لگیں۔

”ہاں بیٹا...... تم بعد میں چلی جانا ان دونوں کو جانے دو۔“ لیکن بیٹی کو بضد دیکھ کر خاموش ہوگئیں۔

”فرحان بھائی کا تو انٹرویو تھا وہ وہاں گئے ہوئے ہیں اور فیصل بھائی کو اپنے ایڈمیشن کا فارم جمع کروانا تھا وہ وہاں گئے ہوئے ہیں اور رہی بات بھابی کے میکے جانے کی تو میرے وہاں جانے پر کوئی پابندی تھوڑی ہے بلکہ اسی بہانے سسرال جانے سے پہلے ان لوگوں سے بھی ملاقات ہوجائے گی۔“ امی جی بھی اکلوتی بیٹی کی ہاں میں ہاں ملانے لگیں تو فرقان کو مجبور ہونا پڑا اور رامین تو کل رات کی وجہ سے پہلے ہی منہ بند کرکے بیٹھی تھی کیا کہتی لیکن دل میں تکلیف ضرور ہوئی تھی۔

حائفہ کو پالر جانا تھا اس لیے رامین کو اس کے ساتھ جانا تھا۔ سارا دن حائفہ اور رامین کی سردمزمیں ہی نکل گیا جبکہ فرقان احمد کے ساتھ پورا دن کھیلتا رہا۔ رامین گھر آئی تو اتنی تھک چکی تھی کہ کہیں اور جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اگلے دن وہ گھر میں آئے ہوئے مہمانوں کی تواضع میں لگی رہی۔ فرقان سب کچھ دیکھ رہا تھا رات اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر واک کرنے چلا گیا۔

وہ کہتی رہی سب گھر والے کیا سوچیں گے اور مہمان بھی آئے ہوئے ہیں لیکن فرقان نے ایک نہ سنی اسے لے کر واک پر چلا آیا۔ دونوں ایک پارک میں جا

کر بیٹھ گئے۔

''آئس کریم کھاؤ گی۔''

''جی ضرور۔'' رامین کے چہرے پر خوشی کے رنگ ایسے آئے کہ فرقان بھی دیکھتا رہ گیا۔

''رامین تمہارے چہرے پر آئی ہوئی یہ ہنسی مجھے بہت عزیز ہے ان آنکھوں کی چمک کو بھی ماند نہ پڑنے دینا تم میری جان ہو تم سے بڑھ کر میرے دل کے قریب کون ہوگا۔ کل تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر مجھے بہت دکھ ہوا۔'' فرقان نے شرارت سے اس کے ہاتھ تھام لیے اس کے لہجے میں شرارت بھری ہوئی تھی۔

''اب فرمایئے بیگم صاحبہ...... کیا فرمانا تھا تنہائی میں۔''

فرقان کے اس طرح الفاظ تنہائی میں جما جما کر رازدارانہ انداز میں بولنے پر رامین نظریں چراتے ہوئے شرما گئی۔

''میں نے کیا فرمانا تھا کچھ نہیں بس تھوڑا سا وقت چاہیے تھا آپ کا۔'' فرقان ایک بار پھر اسی شوخ انداز میں رامین سے مخاطب تھا جیسے کچھ جتلانے کی کوشش کررہا ہو۔

''میری اتنی پیاری سی خوب صورت سی بیگم کو صرف وقت چاہیے تھا۔'' صرف وقت پر زور دے کر کہا گیا تھا۔ فرقان کی آنکھوں میں شرارت کے سائے لہرا رہے تھے اور رامین کا شرم سے سرخ پڑتا چہرا فرقان کو زور سے ہنسی آ گئی آج خود وہ نہ جانے کتنے دنوں بعد ایسے کھل کر ہنسا تھا۔

''آپ مجھے اس طرح لے آئے سب گھر والے کیا سوچ رہے ہوں گے؟''

''ہوں...... تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ چلو گھر واپس چلتے ہیں۔'' بہت سنجیدگی سے فرقان نے کہا۔

''ایک دم نہیں...... میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' رامین نے فوراً پینترا بدلہ۔ فرقان کے چہرے پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں شوخی دیکھ کر رامین بھی ہنس دی۔

''رامین...... میں دیکھ رہا تھا تم سارا دن گھر والوں کے لیے میری خوشی کی خاطر کام میں جتی رہتی ہو کوئی کچھ نہیں سوچے گا۔ بیوی ہو تم میری تمہارا بھی پورا حق بنتا ہے مجھ پر کہ میرے ساتھ کہیں آؤ جاؤ اور یہ تم سے کس نے کہا کہ تمہارا خیال نہیں کسی کو ہم سے پوچھے جناب...... دن رات بس آپ کا ہی خیال رہتا ہے۔''

دونوں ایک دوسرے کے ساتھ کافی دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے کبھی وہ رامین کو چھیڑ دیتا تو رامین کے چہرے پر حیا بکھر جاتی اور کبھی وہ ہنستے ہنستے دوہری ہو جاتی رات دیر سے دونوں گھر لوٹے سب مہمان گھر میں ہی موجود تھے۔

مگر لوگوں کی نظریں رامین کو خود میں گڑتی محسوس ہو رہی تھیں اسے یوں لگا کوئی جرم کر کے آئی ہو۔ صبح فرقان تو سوتے رہے اسے سب کے لیے ناشتہ تیار کرنا تھا وہ چائے پکا کر جیسے ہی اپنے ساس سسر کے کمرے کی طرف جا رہی تھی اس کے کانوں سے ساس کی آواز ٹکرائی۔

''ایسی بے شرم لڑکی میں نے زندگی میں نہیں دیکھی۔ سارا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا اور وہ میاں کے ساتھ گل چھرے اڑانے نکل گئی یہ بھی نہ سوچا کہ مہمان کیا سوچیں گے۔ بیٹا تو ہمارا بھولا ہے اسے تو بیوی نے آنسو دکھائے ہوں گے۔ نہ جانے کیا کیا پٹیاں پڑھائی ہوں گی...... ہمارے خلاف ایسی تیز مرچ بہو اللہ کسی کو نہ دے۔'' وہ ایک ہاتھ سے چائے کی ٹرے پکڑے ہوئے تھی اور دوسرے سے آنسو صاف کر کے دروازے پر دستک دی اندر ساس کے علاوہ اس کی نند ساس کی بہنیں ان کی بیٹیاں اور دیگر مہمان خواتین بھی موجود تھیں جن سے یہ کلمات ادا کیے جا رہے تھے۔ رامین ادب سے سلام کرتی چائے دے کر واپس آ گئی۔

اندر ہی اندر آنسو پیتی رہی اور کسی سے کچھ نہ کہا کہ یہ اس کا اپنا گھر تھا اور وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔ فرقان تو چند دن بعد چلے جاتے رہنا تو اسے یہی تھا یہاں۔ ہاں اس کے بعد وہ اور زیادہ محتاط ہو گئی۔

آج مہندی کے بعد رت جگے کا پروگرام تھا فرحان

اور فیصل اپنے دوستوں کے ساتھ خوب دھوم مچا رہے تھے۔ حائفہ کی بھی بہت سی سہیلیاں آئی ہوئی تھیں فرحان کو ایک لڑکی پسند آ گئی تھی اور باقی سب اس کے بارے میں معلومات جمع کرنے میں لگے تھے۔ چھیڑ چھاڑ، مستی اور دھمال مچا ہوا تھا۔ رشتے داروں میں جن میں بوڑھی خواتین بھی شامل تھیں ایک طرف اپنی محفل سجائی ہوئی تھی۔ قہقہے اونچی نیچی آوازوں میں گونج رہے تھے۔ فضا گلاب کی خوشبو سے مہک رہی تھی۔ فرقان' رامین کو دیکھے جا رہے تھے اور وہ اپنے چہرے پر آئی مسکراہٹ کو ظاہر بھی کرتی رہی۔ لیمن اور گرین کے کنٹراس میں بنے اس سوٹ میں واقعی وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ فرقان کے ہونٹوں سے نکلے چند تعریفی کلمات اس کے اندر ایک نئی روح پھونک دی تھی۔

''آج تو میری بیگم بہت غضب کی لگ رہی ہیں کیا ارادے ہیں؟'' اتنے عرصے بعد وہ ہر تقریب کے لیے بہت دل سے تیار ہو رہی تھی کہتے ہیں نا کہ سولہ سنگھار پر روپ اسی وقت آتا ہے جب پیا کی نظر پڑے شاید وہ بھی اسی لیے زیادہ چمک رہی تھی لیکن سب کی باتوں سے بچنے کے لیے اپنے پیا سے ذرا دور تھی کہ مزید کچھ سننا نہیں چاہتی تھی۔ بارات کا دن بھی آ ہی گیا۔ حائفہ اپنے سرخ عروسی لباس میں ملبوس کسی حسین پری سے کم نہیں لگ رہی تھی جبکہ رامین بے بی پنک میں اپنے تمام حسن کے ساتھ دیکھنے والوں کو چونکا گئی۔ آج ہر خاتون کی زبان پر ایک ہی بات تھی کہ رامین تم آج بہت ہی پیاری لگ رہی ہو' یہ احساسات ہی ہوتے ہیں جو زندگی کے رنگوں کو خوشیوں سے بھر دیتے ہیں ورنہ دل اگر ان محبتوں کے جذبے سے خالی ہو تو کتنی ہی قیمتی چیز اوڑھ پہن لیں اس میں وہ کشش نہیں آ سکتی۔ فرقان کے ہاتھوں سے پہنائے گئے وہ گجرے رامین کو کسی ڈائمنڈ کے کنگن سے کم نہیں لگ رہے تھے ان پھولوں میں فرقان کی محبت کی خوشبو جو بسی ہوئی تھی۔

جمال نے حائفہ کو منہ دکھائی کی رسم کے تحفے میں ایک بہت خوب صورت ڈائمنڈ لاکٹ دیا تھا اور زندگی کے ہر موڑ پر اس کا ساتھ نبھانے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ معلوم نہیں وہ ان دونوں چیزوں میں سے زیادہ کس بات پر خوش تھی لیکن چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ ولیمہ کا انتظام جمال کے گھر والوں نے فائیو اسٹار ہوٹل میں کیا تھا۔ تقریب کا آغاز ویلکم ڈرنکس اور فائر ورکس کے ساتھ بہت عمدگی سے ہوا۔ سافٹ رومینٹک میوزک بج رہا تھا جو ماحول کو اور پُرکشش بنا رہا تھا۔ حائفہ کے چہرے پر آئی ہنسی اس کے اس خوب صورت سفر کی جانب اشارہ کر رہی تھی جس کا آغاز وہ کر چکی تھی۔

شادی اپنے تمام لوازمات و رسومات کے ساتھ تمام ہوئی اور ایک ایک کر کے تمام مہمان رخصت ہو گئے تھے۔ اگلے پندرہ دن دعوتوں میں فرقان اور رامین کے ایسے گزرے کے اسے پتا ہی نہ چلا کہ وہ دن بھی آ گیا جب فرقان کی فلائٹ تھی فرقان پھر کئی سالوں کے لیے چلے گئے۔ رامین ایک بار پھر صبر کا دامن پکڑ کر بیٹھ گئی۔ حائفہ بہت خوش تھی اور سب اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے ہر ضرورت کا خیال رکھا جا رہا تھا۔ جمال مزاج کا بھی بہت اچھا تھا' شوخ و چنچل ہر ایک کا دل موہ لینے والا دونوں گھومنے کی غرض سے سوئزرلینڈ بھی گئے اور ان کی زندگی کی سب سے حسین یادوں کا ایک حسین احساس تھا۔ شادی کے بعد چھ مہینے تو ایسے ہنستے کھیلتے گزر گئے تھے۔

ایک دن اچانک حائفہ کے سسر کو دل کا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ سب کو بہت افسوس تھا جمال ابھی اس صدمے سے نکل بھی نہ پایا تھا کہ معلوم ہوا کہ ان کے بزنس پارٹنر نے ان کے سارے بزنس پر قبضہ کر لیا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جمال کے والد کے دل کے دورے کی اصل وجہ یہی تھی۔ بزنس کے لیے لیا گیا قرض جان کو آ گیا۔ ہر شخص کو اپنی فکر تھی اور لوگ تقاضہ کر رہے تھے۔ مجبوراً جمال کو گھر بیچنا پڑ گیا تھا۔ اب ایک چھوٹے سے گھر میں کرائے پر شفٹ تو ہو گئے مگر گزر اوقات کے

لیے پیسوں کی ضرورت تھی جس کے لیے جمال نے نوکری تلاش کرنا شروع کردی تھی۔ ہمیشہ ناز نخرے اٹھوانے والی حائفہ بہت سی مشکلات کا سامنا کررہی تھی میکے میں ہر جائز و ناجائز خواہش پوری ہوتی تھی مگر اس افتاد سے وہ پریشان ہوگئی۔ حائفہ جب میکے آتی تو سسرال کی شکایتوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا۔ رامین حیران ہوتی کہ یہ اپنی ماں کو اتنا پریشان کیوں کرتی ہے۔ وہ اسے سمجھاتی۔

''امی جی کو یہ سب باتیں بتا کر کیوں پریشان کرتی ہو۔ انہیں تسلی دو وہ بوڑھی ہوچکی ہیں یہ برداشت کرنا ان کے لیے آسان نہیں ہوگا۔'' لیکن اس کی بات کو سننے والا کون تھا۔ وہ خاموشی سے سب سنتی رہتی۔ دھیرے دھیرے حائفہ کو جمال سے بہت ساری شکایات پیدا ہوگئیں۔ جب انسان کسی کو منفی سوچ کے ساتھ دیکھتا ہے تو اس میں بہت سی خامیاں نظر آنے لگتی ہیں لیکن جب کسی کو مثبت سوچ کے ساتھ دیکھا جائے تو وہی انسان بہترین ثابت ہوتا ہے۔ دراصل کسی کی شخصیت ہماری سوچ کا آئینہ ہوتا ہے جو ہم دیکھنا چاہتے ہیں وہی ہمیں دکھتا ہے۔

حائفہ کو سب سے بڑا گلہ پیسوں کا تھا۔ وہ ہر وقت سسرال کا اپنے میکے سے موازنہ کرتی رہتی۔ ہمارے گھر میں ایسا ہوتا تھا' ہمارے گھر میں وہ ہوتا تھا۔ ایک دن اچانک حائفہ کے ذہن میں ایک خیال آیا اور اس نے گویا سب پر بم پھوڑ دیا۔

''فرقان بھائی سے کہیں کہ جمال کو بھی باہر کوئی جاب لگوا دیں۔'' رامین نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی۔

''حائفہ...... تم کیوں ضد کررہی ہو۔ جمال اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں ان کو تو یہیں بہت اچھی جاب مل جائے گی۔''

حائفہ رامین پر تقریباً برس ہی پڑی۔

''بھابی...... آپ کو کیا معلوم میں کس عذاب سے گزر رہی ہوں کتنی تنگی ہے کئی مہینوں سے پھل نہیں دیکھے میں نے مہینے میں صرف ایک گوشت پکا ہے اور کپڑے اب سردیاں آرہی ہیں لیکن پیسے ہی نہیں ہیں۔ کس کس چیز کے لیے سمجھوتا کروں۔ گھر بھی چھوٹا سا ہے' گاڑی بھی بیچ دی ہے۔ آپ تو مزے سے ساری آسائشوں میں زندگی گزار رہی ہیں۔ آپ کو کیا پتہ تکلیف کسے کہتے ہیں۔'' رامین کو حائفہ کی بات سے تکلیف تو بہت ہوئی لیکن خود پر ضبط کرتے ہوئے کہا۔

''حائفہ...... میں صرف یہ کہنے کی کوشش کررہی ہوں کہ مرد کے بغیر اکیلے رہنا آسان نہیں ہوتا سو طرح کی مشکلات ہوتی ہیں۔'' حائفہ اپنی بات پر ڈٹی ہوئی تھی۔

''کیوں؟ میرے سارے سسرال والے تو ہوں گے' میں کون سا اکیلی ہوں گی اور آپ کون سا اکیلی ہیں۔ ہم سب نہیں تھے آپ کے ساتھ' آپ نہیں چاہتیں کہ آپ کی طرح میں بھی پرآسائش زندگی گزاروں۔'' رامین نے ناکام ہوتے ہوئے ایک بار پھر کوشش کرنی چاہی۔

''نہیں حائفہ...... تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو میرا مطلب یہ نہیں تھا میں تو صرف......'' حائفہ بڑے روکھے انداز میں بولی۔

''بس بھابی مجھے پتہ ہے آپ کو جلن ہورہی ہے۔ میری سگی بہن ہوتیں تو کبھی منع نہیں کرتیں۔ بھابی ہیں اسی لیے میری خوشیوں سے جل رہی ہیں۔'' اور وہ یہ سب کہہ کر امی جی کے کمرے میں چلی گئی۔

رامین اس سے کچھ بھی نہ کہہ سکی یہ بھی نہیں کہ پاگل محبت کرتی ہوں تم سے اسی لیے منع کررہی ہوں۔ اس جدائی کے عذاب سے بڑا بھی کوئی عذاب ہوتا ہے۔ بھلا دنیا جہاں کی آسائشیں انسان کو مل جائیں لیکن وہ خوشی نہیں دے سکتیں جو جیون ساتھی کی ایک مسکراہٹ میں چھپی ہوتی ہے۔ جو وقت اپنے ہم سفر کی قربت میں گزرتا ہے اس کا کوئی نعم البدل نہیں' اس چاہت و محبت کی کوئی قیمت نہیں وہ لمحے انمول ہوتے ہیں۔

دو مہینے اور بیت گئے بھائی نے حائفہ کی خوشی کی

خاطر کئی تعلقات استعمال کرتے ہوئے جمال کو بلالیا اور اسے جاب بھی دلوادی تھی جس سے ان کی آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ ہوگیا تھا۔ گھر میں آہستہ آہستہ ہر چیز وافر مقدار میں آنے لگی اب وہ اس چھوٹے سے گھر کو چھوڑ کر چار سو گز کے مکان میں کرائے پر شفٹ ہوچکے تھے اور پھر سے زندگی آسائشوں کی جانب رواں دواں ہوگئی تھی۔ حائفہ کے گھر ایک پیاری سی بیٹی نے جنم لیا اس وقت حائفہ کو جمال کی بہت یاد آئی کہ وہ یہاں ہوتے تو کتنا اچھا لگتا۔ اس وقت سب اس کے پاس تھے مگر وہ شخص جو دل کے بے انتہا قریب ہو وہ اس کے ساتھ نہیں تھا۔ پھر دھیرے دھیرے سب اپنی لائف میں بزی ہوگئے۔ اب جمال کو گئے دو سال ہورہے تھا اور حائفہ کو اس کی بہت یاد آرہی تھی۔ کمرے میں موجود اسپلٹ ٹی وی، فریج، بہترین فرنیچر، کارپٹ، کرٹن ڈیکوریشن پیسز، امپورٹڈ میک اپ اور پرفیومز سے لیس ڈریسنگ ٹیبل اور ڈیزائنر سوٹس سے بھری وارڈ روب اس کی خوشی کا سبب نہیں بن رہیں تھیں۔ نم ہوتی اس کی آنکھوں میں بیتے دنوں کی یادیں تیر رہی تھیں۔ آج وہ اپنے کمرے میں بیٹھی انہیں یاد کررہی تھی جب اس کی چھوٹی نند نے اسے آکر اطلاع دی کہ۔

''حائفہ بھابی...... جمال بھائی کا فون آیا ہے۔''

وہ خوشی سے ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی کہ جمال سے بات کروں گی لیکن جب ٹیلی فون سیٹ کے پاس آئی تو دیکھا کہ ہمیشہ کی طرح سارا گھر وہاں موجود تھا۔ وہ بس جمال کی خیریت ہی معلوم کرسکی۔ جمال اپنی بیٹی کے بارے میں پوچھ رہے تھے اور وہ صرف خیریت ہی بتاسکی یہ بھی نہ کہہ سکی کہ آپ کی بہت یاد آتی ہے۔ دل کی بات یوں سب کے سامنے بیان کرنا اتنا مشکل ہوگا' وہ بھی اس شخص سے جو اس کا اپنا تھا' جس پر اس کا حق تھا۔ اسے اندازہ ہی نہ تھا اور پھر ایک کے بعد ایک سب اس سے فون چھین کر بات کرتے رہے یہاں تک کہ فون کٹ گیا۔

وہ اپنے کمرے میں آ کر بہت روئی لیکن اس بات کی تسلی تھی کہ چلو ایک سال کی بات اور ہے پھر تو جمال آ ہی جائیں گے اور اسی طرح جب بھی فون آتا سب گھیر کر بیٹھ جاتے وہ سوائے اندر ہی اندر کڑھنے کے کچھ نہ کر پاتی آج جمال نے سب گھر والوں کے لیے تحفے بھجوائے تھے اور اپنی بیٹی کے لیے بھی اور حائفہ کے لیے بھی ایک بہت خوب صورت شال بھجوائی تھی اور ساتھ ایک پیارا سا سوئٹر بھی۔ جب پیکٹ کھلا تو حائفہ اپنے نام آئے ہوئے خط کو لے کر اپنے کمرے میں چلی آئی کہ جسے ہم دل سے چاہیں اس کے کہے ہوئے چند الفاظ کسی انمول خزانے سے کم نہیں ہوتے اور دنیا کی ساری دولت ان چند لفظوں کے آگے کوئی معنی نہیں رکھتی جب کہ اس کی دونوں نندوں نے اس کے لیے آئے ہوئے سوئٹر اور شال ہتھیا لیے تھے۔

''بھابی...... مجھے تو یہ ہی پسند ہے۔'' ساس بھی خاموش تماشائی بنی رہیں۔

''اے چلو اس کی بہنوں کا بھی حق ہے لے لیا تو کیا ہوا۔ تم تو بعد میں اس کی بیوی بنی ہو وہ تو پہلے سے اس کی بہنیں ہیں۔'' اور وہ اس دور میں چلی گئی جب اس نے بھی الفاظ اپنی بھابی کے لیے کہے تھے۔ آج حائفہ کے لیے اس خط کی اہمیت بہت زیادہ تھی جو جمال نے اس کے لیے لکھا تھا۔ حائفہ کو سوئٹر اور شال کے نہ ملنے کا دکھ نہیں تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ جس کے لیے پہننا ہے وہ تو اتنی دور بیٹھا ہے کہ اسے دیکھ بھی نہیں سکتا تو پھر وہ کس کے لیے تیار ہو۔ اس کے پاس ایک سے ایک بہترین کپڑے، جوتے، پرفیومز اور آسائش کی سب چیزیں تھیں لیکن دلی سکون نہیں تھا، وہ خوشی نہیں تھی جس کی تلاش میں اس نے خود کو جمال سے دور کر دیا تھا۔ اس کا دل اداس تھا، اس نے جمال سے واپس آنے کی بات کی تو جمال کے الفاظ اسے بہت کڑوے لگے ہاں کسی نے سچ ہی کہا ہے سچ کڑوا ہی تو ہوتا ہے شاید اسی لیے جب جمال نے اسے دو بہنوں کی شادی اور چھوٹے بھائی کی تعلیم اور ایک اچھے گھر کی مجبوری کا کہا تو اسے احساس ہوا کہ یہ اس نے کیا کر دیا۔ انسان کی ضرورتیں ہمیشہ اپنا منہ کھولے کھڑی ہوتی ہیں۔ ایک وقت آتا ہے جب ان آسائشوں کے بغیر زندگی گزارنا ہمارے لیے ممکن نہیں رہتا کیونکہ وہ آسائشیں ہماری ضرورت کب بن جاتی ہیں ہمیں معلوم ہی نہیں ہوتا۔ اب اسے احساس ہوا کہ ان سب آسائشوں کا کیا فائدہ جب دل ہی خوش نہیں۔ رامین بھابی کس مشکل دور سے گزریں ہیں یہ صرف وہ ہی جانتی ہوں گی، ہم تو سب اپنی اپنی ضرورتوں کو یاد رکھتے تھے۔

آج پانچ سال بعد فرقان بھائی اور جمال دونوں ہی واپس آ رہے تھے لیکن صرف ایک مہینے کے لیے اس کے بعد انہیں پھر پنچھی کی طرح اڑ جانا تھا آج اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔ جمال تو مجبوریوں کی بیڑیوں سے بندھ گئے ہیں لیکن فرقان بھائی اب ان مجبوریوں کی بیڑیوں کو توڑ سکتے تھے کیونکہ ان کی بہن یعنی خود حائفہ کی شادی ہو چکی تھی۔ ان کے دونوں بھائی اپنے اپنے پیروں پر کھڑے تھے اور اچھی نوکریاں کر رہے تھے اور فرقان بھائی اب اتنے مستحکم ہو چکے ہیں کہ یہاں پر کوئی کاروبار کر سکتے ہیں۔ وہ امی جی اور ابو جی کو اس بات پر قائل کرنے کی کوشش میں لگ گئی۔

''اب کی بار بھابی کی زندگی کی بہار کو واپس نہ جانے دیں فرقان بھائی کو روک لیں۔'' ہمیشہ کی طرح اپنی ضد پر اڑ جانے والی حائفہ اس بات کے لیے بھی اڑ گئی اور وہ اس میں کامیاب بھی ہو گئی ایک بوجھ تھا جو اس کے سینے سے ہٹ گیا لیکن اداسی کی گرداب بھی جمال کے ہمیشہ کے لیے لوٹ آنے کی منتظر تھی۔

✽

ارمانوں کی مالا

عذرا کنول

جب ابر ٹوٹ کے برستا ہے
جب دل کے زخموں سے لہو رستا ہے
جب دل کی آگ آنکھ کو برساتی ہے
مجھے تم بہت یاد آتے ہو

"عاشو...... اپنے بھیا کی شرٹ کے بٹن تو لگا دو نجانے کیسے ٹوٹ گئے۔ ابھی لگا دینا صبح تمہارے بھیا نے پہننی ہے۔" جب وہ انس اور عروئی کو ہوم ورک کروا رہی تھی تو بھابی سائرہ نے اس کے سامنے شرٹ رکھتے ہوئے تحکمانہ انداز میں کہا۔

"جی بھابی...... ابھی لگا دیتی ہوں۔"

"اور انس اور عروئی کے یونیفارم استری کر کے میرے کمرے میں رکھ دینا۔" سائرہ نے جاتے ہوئے پلٹ کر کہا۔

شرٹ کا بٹن لگانے کے بعد وہ بچوں کے یونیفارم استری کر کے بھابی کے کمرے میں رکھنے چلی گئی گھر کے کام اس کے ذمہ کر کے باقی سب بری الذمہ ہو گئے تھے۔

"ارے عاشو...... میرے سر میں تیل کی مالش کر دو بہت دکھ رہا ہے۔" بھابی نے اسے دیکھتے ہی تیل کی شیشی اس کے ہاتھ میں پکڑائی اور اس نے ابھی تیل کا مساج شروع ہی کیا تھا کہ افشاں بھابی کی آواز آ گئی۔

"عاشو...... دودھ گرم کر کے میرے کمرے میں دے دینا' میں سونے جا رہی ہوں۔"

"جی اچھا بھابی...... تھوڑی دیر میں لاتی ہوں۔" اس نے قدرے اونچی مگر دھیمی آواز میں جواب دیا۔

وہی ایک خواہش وہی ایک حسرت جو وقت کے ساتھ مزید بڑھ گئی تھی۔ نجانے اس کی یہ خواہش پایہ تکمیل تک بھی پہنچنی تھی یا نہیں بس وہ تو ہر روز امیدوں اور امنگوں کی سیڑھیوں پر پروان چڑھ رہی تھی۔ ہر گزرتا دن اسے اپنی منزل کے قریب نظر آ رہا تھا' وہ زندگی کے رنگین دھاگے میں ہر روز ایک ہی خواہش کے لاتعداد موتی پروتی رہتی' اس خواہش کے علاوہ تو اس نے کسی اور خواہش آرزو یا حسرت کا موتی بھی نہ پرویا تھا۔ پر اس کی یہ حسرت اور خواہش کے موتیوں سے سجی ارمانوں کی مالا نجانے کب مکمل ہونی تھی یا مکمل ہونے سے پہلے ہی ٹوٹ کر بکھر جانی تھی۔ اس کا فیصلہ تو قدرت کے اختیار میں تھا۔

"ارے کہاں کھو گئی زور سے مالش کرو۔" اس کے ہاتھ ڈھیلے پڑنے پر بھابی نے ٹوکا تو اس نے دوبارہ سے ہاتھوں کو زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔

"بھابی..... آپ نے بھیا سے بات کی کیا؟" اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

"کس بارے میں؟" بھابی نے بند آنکھوں کو مزید بند کرتے ہوئے کہا۔

"بھابی میری ریگولر اسٹڈی کے بارے میں؟" اس نے بہت ہمت کرکے پوچھا۔

"ہاں میں نے کہا تھا تمہارے بھیا سے کہ عائشہ کو شوق ہے ریگولر پڑھنے کا آپ اسے کالج میں ایڈمیشن دلوا دیں۔"

"تو پھر کیا کہا بھیا نے؟" عائشہ نے انتہائی پُرجوش لہجے میں پوچھا۔

"وہ کہہ رہے تھے کہ بس لاسٹ ائر اور گھر میں ہی تیاری کرے نیکسٹ ائر سے داخلہ دلوا دوں گا۔" انہوں نے دو سال سے مسلسل کہی جانے والی بات آج پھر دہرائی۔

لیکن پہلے کی طرح وہ آج بھی مایوس نہیں ہوئی تھی بلکہ ہر بار کی طرح آج بھی اس بات پر اسے امید کی ایک اور کرن نظر آئی تھی اس نے اپنے حوصلوں کو پست نہیں ہونے دیا تھا۔ اس نے اپنی نم آنکھوں کو ہتھیلی سے رگڑا اور کچن کا کام سمیٹنے لگی پر ساتھ ہی وہ آس اور امید کے موتی پرونا نہ بھولی تھی۔

وہ دو بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی' دونوں بھائی اس سے بڑے تھے۔ جب وہ چھ سال کی تھی تو اس کے والد انتقال کرگئے اور جب وہ آٹھویں جماعت کی اسٹوڈنٹ تھی تو تب والدہ بھی وفات پاگئیں۔ ایسے میں تمام گھر کی ذمہ داریاں بہت چھوٹی عمر میں ہی اس پر آن پڑی لیکن اسے پڑھنے کا بہت شوق تھا وہ ایک ہونہار اسٹوڈنٹ تھی باعث مجبوری اسے میٹرک کا امتحان گھر پر ہی تیاری کرکے کلیئر کرنا پڑا لیکن ریگولر اسٹڈی کا خواب وہ ہر رات دیکھا کرتی تھی اور ہر دن وعدہ لیتی تھی بھائیوں سے کہ ان کی شادی کے بعد وہ ریگولر کالج میں پڑھے گی۔

لیکن بھائیوں کی شادی کے بعد تو اس کی ذمہ داریاں اور بھی بڑھ گئی تھیں ایسے میں وہ کیسے کالج میں ایڈمیشن کی بات کرتی' اس لیے کچھ دنوں کے لیے اس نے اپنی اس خواہش کو پس پشت ڈال دیا اور گھر میں ایک بار پھر سے مصروف ہوگئی۔ بہت دنوں بعد پھر سے اس کی خواہش مچلنے لگی تو اس نے بھیا سے بات کرنے کی ٹھان لی۔ رات کے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد وہ بھائی کے لیے چائے لے کر ان کے کمرے میں ہی چلی گئی۔

"بھیا مجھے آپ سے بات کرنی تھی؟" عائشہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ہاں بولو گڑیا..... کیا بات ہے؟" بھائی نے اس کے جھکے سر کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"بھیا آپ تو جانتے ہیں نا کہ مجھے ریگولر اسٹڈی کا کتنا شوق ہے اور آپ نے وعدہ بھی کیا تھا نا کہ مجھے کالج میں ایڈمیشن دلوا دیں گے۔ بھیا آپ فکر نہ کریں میں گھر کے سارے کام کرکے جایا کروں گی' آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔" انتہائی منت آمیز لہجے میں کہہ کر وہ ان کے سپاٹ ہوتے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔

"ہاں ہاں عاشو..... مجھے پتا ہے کہ تمہیں بہت شوق ہے پڑھنے کا پر میں چاہتا ہوں کہ بس اس سال تم گھر میں ہی تیاری کرلو کیونکہ پورا سال تو میرے دوستوں کے ہاں دعوتیں چلتی رہیں گی ایسے میں تمہاری پڑھائی متاثر ہوجائے گی۔ آگے جو تم مناسب سمجھو۔" انہوں نے اس کی دلی کیفیت جانے بنا ہی اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"نہیں بھیا..... آپ جیسا کہیں گے میں ویسا ہی کروں گی۔" اس نے زبردستی کی مسکراہٹ کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔

بچوں کے ایگزام ہو رہے تھے ایسے میں وہ انہیں زیادہ سے زیادہ ٹائم دے رہی تھی۔ وہ رات کے نو دس بجے تک بھتیجے اور بھتیجی کو پڑھاتی پھر بچوں کے یونیفارم استری کرتی' اس کے بعد کچن سمیٹ کر نماز پڑھتی بارہ بجے تک سو جاتی اور صبح فجر کی اذان کے ساتھ ہی اٹھ جاتی نماز قرآن پڑھ کر سب کے لیے ناشتا تیار کرتی' آٹھ بجے سب کو ناشتا کرواتی پھر گھر کی صفائی ستھرائی کرتی' دوپہر کا کھانا پکاتی

گمنام

السلام علیکم میری پیاری بہنو! میں ایک گمنام ہستی کی مالک ہوں۔ آج آپ کی محفل میں شرکت کر رہی ہوں۔ اور خود کو اس عظیم محفل میں شریک کر کے خوش نصیب سمجھوں گی۔

میں نے سیالکوٹ کے ایک گاؤں رام رائیاں کے معزز خاندان میں آنکھ کھولی۔ بھائی مجھ سے بڑے ہیں۔ اور ساتویں نمبر پر میں خوشیاں سمیٹے سب کے دامن میں قہقہے بکھیرنے آ گئی۔ ایک بھائی مجھ سے چھوٹا ہے۔ میں نے ہر طرف سے محبتیں ہی محبتیں سمیٹی۔ مگر افسوس کے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مصداق خود اپنے نصیب پر سیاہی مل لی ہے۔

شادی شدہ ہوں۔ ماشاء اللہ ایک پیاری سی بیٹی وجیہہ فاطمہ کی امی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ پسندیدہ ہستی میری پیاری اماں جان ہے۔ جب مجھ پر کڑا وقت آیا تو میرے اپنے مجھ سے روٹھ گئے مگر میری ماں نے میرا ساتھ دیا۔ مجھے پیار دیا۔ اپنی ممتا بھری شفقتوں سے نوازا۔ اللہ انہیں ہمیشہ میرے سر پر ایک سائے کی طرح قائم رکھے۔ (آمین)

میری خوبی یہ ہے کہ میں حاسد نہیں ہوں اور سب کے لیے مخلص ہوں اور میری خامیاں تو بہت سی ہیں۔ مگر سب سے ناپسند خامی یہ ہے کہ غصے کی بہت تیز ہوں۔ مگر کچھ دیر کا ہوتا ہے۔

پسندیدہ کلر اسکن ہے جیولری میں لاکٹ اور چوڑیاں پسند ہیں۔ سبزیوں میں آلو مٹر اور گاجر میٹھی پسند ہیں۔ پھلوں میں آم اور مالٹا بہت پسند ہیں۔ کھانے میں نخرے نہیں کرتی پلاؤ اور رس ملائی پسند ہے۔ شائد آفریدی فیورٹ ہیں۔ شلوار قمیص فراک اور بڑا سا دوپٹہ اچھا لگتا ہے۔

اپنی زندگی کو اپنی ماں اور بیٹی کے لیے بدلنا چاہتی ہوں۔ گلاب کا پھول بے حد پسند ہے۔ اور خوشبو میڈورا پسند ہے۔ پڑھنے کا شوق ہے مگر حالات کے پیش نظر ایسا نہیں کر سکتی۔ سسرال والوں سے کوئی شکایت نہیں۔ دوستوں کی فہرست لمبی نہیں ہے۔ صرف ایک دوست ہے فرزانہ جس کی اچھائیاں ان گنت اور برائی صرف ایک ہے کہ جب ہم جامعہ میں پڑھتے تھے تو وہ آٹھ آٹھ دن تک اپنے گھر سے واپس نہیں آتی تھی اور جب آتی تھی تو میرے لیے بنیتی پراٹھے بنا کر لاتی تھی۔ ہیرو گوندا اور ہیروئن رانی مکرجی پسند ہے۔ عطا اور رفیع کے گانے اچھے لگتے ہیں۔ اپنی بیٹی کے مستقبل کے بارے میں فکر مند ہوں اللہ اسے نیک اور صالح لڑکی بنائے۔ اور اسے میری جیسی زندگی نہ عطا کرے۔ اپنے شوہر کے ساتھ وقت گزارنا چاہتی ہوں وہ بہت جلد ہی ایبروڈ چلے گئے اور وہاں پر جیل ان کا مقدر ٹھہری۔ انہوں نے ابھی تک اپنی بیٹی فاطمہ کو بھی نہیں دیکھا۔ میں قارئین سے گزارش کروں گی کہ وہ میرے لیے دعا کریں کہ اللہ میرے شوہر کی رہائی جلد ہو۔ اس کے بعد میں اپنی ماں کے ساتھ حج پر جانا چاہتی ہوں۔ سوری قارئین میں نے آپ کا کافی وقت لیا۔ مگر آپ سے باتیں کرنا اچھا لگ رہا ہے۔ اللہ حافظ

ایک دو گھنٹے جو فری ملتے اس میں وہ اپنی اسٹڈی کرتی اور جس دن کا اس نے ہر پل بے صبری سے انتظار کیا تھا وہ قریب ہی آ گیا تھا۔ اس کے بی اے کے ایگزامز شروع ہو گئے تھے وہ بہت دل لگا کر تیاری کر رہی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ یونیورسٹی میں ایڈمیشن کے لیے اچھے مارکس لینا بہت ضروری ہے۔

”بھابی...... آج بھیا سے ضرور بات کرنا آج میرا لاسٹ پیپر ہے۔“ اس نے چولہے پر ہانڈی چڑھاتے ہوئے بہت مان سے کہا۔

”ہاں ہاں کہہ دوں گی تم میرے لیے چائے پکا کر کمرے میں لے آنا۔“ انہوں نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے کہا اور کچن سے نکل گئی۔

سنہری حروف

- ماضی کو کھوجتے رہنے سے بہتر ہے کہ مستقبل کی منصوبہ بندی کرو۔
- دوست ایک ایسا تحفہ ہے، جو تم خود کو دیتے ہو۔
- غموں سے مت گھبراؤ کیونکہ یہی غم تمہیں جینا سکھاتے ہیں۔
- دوسروں کو اپنی کمزوری بتاؤ، نہ بناؤ۔
- زیادہ سوچنے سے بہتر ہے کہ عمل کرو۔
- زندگی میں اتنی محنت کرو کہ تمہاری تقدیر بھی تمہاری سوچ کی پیروی کرے۔
- جہاں بھی جاؤ اپنی خوشیاں چھوڑ آؤ تا کہ لوگ تمہیں ہمیشہ یاد رکھیں۔
- ہم خیال لوگ ہم سفر ہو جائیں تو منزل آسان ہو جاتی ہیں۔

(جویریہ ضیاء......کراچی)

آج وہ بہت خوش تھی نجانے کیوں آج اسے اپنی ارمانوں کی مالا جسے اس نے بہت مصروفیات کے لمحات میں بھی امید اور آس کے موتیوں سے پرویا تھا۔ وہ مکمل ہوتی نظر آ رہی تھی۔

''ارے عاشو سنو! واپس آتے ہوئے درزن سے میرے کپڑے لیتی آنا۔'' بھابی افشاں نے اسے جاتے دیکھ کر آواز لگائی۔

''جی اچھا بھابی۔'' پیپر سے فارغ ہو کر اس نے درزن سے کپڑے اٹھائے اور گھر کی طرف چل دی۔

گھر میں ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی' اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اس کے قدم ایک دم سے رک گئے۔ بھابی افشاں کے کمرے سے آوازیں آ رہی تھیں' یہ آوازیں بھائی اور بھابیوں کی ہی تھیں اور موضوع گفتگو اسی کی ذات تھی۔ دل میں انجانی سی خوشی جاگی کہ شاید سب اس کے ایڈمیشن کو لے کر بات کر رہے ہیں۔

''ابھی کیا ضرورت ہے شادی کی' دیکھ نہیں رہے ہو دونوں بھابیوں کے ساتھ مل کر کام کاج میں ہاتھ بٹا دیتی ہے۔ دو تین سال اور رہنے دو۔'' بڑے بھائی کے کہنے پر باقی سب نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔

''اور میڈم کہہ کر گئی ہیں کہ بھائیوں کو اطلاع کر دینا کہ میرے پیپر ختم ہو گئے ہیں اور یونیورسٹی میں ایڈمیشن کروا دیں۔'' بڑی بھابی (سائرہ) نے انتہائی تمسخرانہ انداز میں بتایا۔

''ارے بھئی وہ تو ایسا پچھلے چار سال سے کہہ رہی ہے وہ تو پاگل ہے آخر گھر میں بھی تو تیاری ہو ہی رہی ہے نا تو ریگولر پڑھ کر اس نے افسر تو نہیں لگ جانا۔'' بڑے بھائی کے الفاظ تھے یا پگھلا ہوا سیسہ' اس کا جسم تو جیسے آگ کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔

اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ روئے یا زور زور سے ہنسے اس کے اپنوں نے ہی اس کے ساتھ کتنا بڑا مذاق کیا تھا اس کے اپنوں نے ہی اس کی وہ ارمانوں کی مالا جسے اس نے نجانے کتنے عرصے سے امید' آس اور حسرت کے موتیوں سے پرویا تھا اسے اتنی بے دردی سے جھٹکا تھا کہ اس کے موتی دور دور تک بکھر گئے تھے۔

روشنی کی لکیر

اقرأ گلزار

تھم گئی رفتارِ ہستی، وقت ساکن ہوگیا
جب نگاہوں کو جھکا کر آپ شرمانے لگے
مرحلے جتنے کڑے تھے حوصلہ بڑھتا ہے
راستوں کے موڑ، منزل پر نکل آنے لگے

''توبہ ہے یااللہ...... کچھ لمحات کا سکون تو عنایت کر......'' ادیبہ خاتون جو تھوڑی دیر پہلے خدا کا شکر ادا کررہی تھیں پھر سے جھنجلا گئیں۔

''ارے امی...... کیوں خود کو ہلکان کرتی ہیں؟ آپ ہی تو کہتی ہیں کہ ہمیں دوسروں کی خوشی میں خوش رہنا چاہیے۔'' عثمان نے صحن میں آتے ہوئے شرارت سے کہا۔

''یقیناً...... لیکن یہ لوگ تو زبردستی ہمیں خوش کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔'' انہوں نے پیچھے مڑتے ہوئے کہا۔

''اب تم کہاں جارہے ہو؟'' انہوں نے نک سک سے تیار کھڑے عثمان کو دیکھا۔

''امی دوستوں کے ساتھ منڈی جارہا ہوں، آتے ہوئے عیدالاضحیٰ کے لیے خریداری بھی کرتا ہوا آؤں گا۔'' عثمان نے جواب دیا۔

''اچھا ٹھیک ہے...... گاڑی دھیان سے چلانا اور ہاں فضول خرچیاں نہ کرنا۔'' وہ نصیحت کرنا نہ بھولی تھیں۔

''اماں آج سے پہلے بھی کی ہیں آپ کے بیٹے نے فضول خرچیاں؟'' وہ جب لاڈ میں آتا تو انہیں امی کے بجائے اماں کہتا۔

''ہاں یہ تو ہے...... چلو ٹھیک ہے اللہ حافظ۔'' انہوں نے بیٹے کی تائید کی۔

''اللہ حافظ۔'' عثمان نے کہا اور باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

ادیبہ خاتون یوں تو کافی خوش مزاج اور دوسروں کی خوشی میں خوش رہنے والی خاتون تھیں۔ غصہ کرنے کے بجائے برداشت کرنے کو ترجیح دیتی تھیں لیکن آج کل ان کی برداشت جواب دینے لگی تھی۔ ہوا کچھ یوں تھا کہ ان کے سامنے والے گھر میں مرینہ بیگم کی اکلوتی بیٹی سارہ کی شادی کی تاریخ طے ہوچکی تھی۔ عیدالاضحیٰ کا چوتھا دن رخصتی کے لیے طے ہوا تھا۔ یہ یقیناً خوشی کی بات تھی اور اہل خانہ اس خوشی کا اظہار فل والیوم میں ڈیک پر گانے بجا کر کررہے تھے۔ ابھی کچھ دیر قبل لائٹ جانے پر ڈیک بند ہوا تو انہوں نے بے ساختہ خدا کا شکر ادا کیا تھا لیکن یہ خوشی عارضی ثابت ہوئی اور چند ہی لمحوں بعد جنریٹر کی مدد سے

دوبارہ محلے والوں کے کانوں میں سُر بکھیرنے کا سلسلہ شروع کردیا گیا۔

"یاالٰہی......" انہوں نے ایک نگاہ آسمان پر ڈالی اور اندر کی طرف بڑھ گئیں۔

☆......☆☆......☆

"السلام علیکم!" عثمان نے گھر میں داخل ہوکر سلام کیا اور صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گیا۔

"وعلیکم السلام! آگئے برخوردار۔" محسن صاحب نے جواب دینے کے ساتھ اخبار ایک طرف رکھ کر بیٹے کے تھکے تھکے سے چہرے کو محبت سے دیکھا۔

"جی ابو! آپ کو تو پتا ہے کہ آج کل ہائی وے پر ٹریفک کتنا جام ہوتا ہے اور شہر میں بھی ایک سڑک پر ترقیاتی کام ہورہا ہے جس کی وجہ سے مزید دشواری کا سامنا ہے بس اسی لیے دیر ہوگئی ورنہ میں کب کا پہنچ چکا ہوتا۔" عثمان نے کالر کا بٹن کھولتے ہوئے جواب دیا۔

"کوئی بات نہیں......اب جلدی سے منہ ہاتھ دھوکر دسترخوان پر آجاؤ......تمہاری امی کھانا لگا رہی ہیں۔" انہوں نے کچن میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"اچھا ابو بس ابھی آیا' پھر سب بیٹھ کر خریداری دیکھتے ہیں۔" عثمان شرٹ کے کف فولڈ کرتا صحن میں موجود واش بیسن کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆☆......☆

ذی القعد کی انتیس تاریخ تھی۔ امکان یہ تھا کہ آج چاند نظر آجائے گا۔ ادیبہ خاتون نے عثمان اور محسن صاحب کے کپڑے تیار کردیئے تھے۔ ان لوگوں کو آج رات منڈی جانا تھا قربانی کے لیے جانور خریدنے۔ عثمان اور محسن صاحب مغرب کی نماز ادا کرکے آئے تو صحن میں بیٹھ گئے' آج موسم گزرے دنوں کی نسبت کافی بہتر تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ابھی چاند کا اعلان نہیں ہوا تھا۔ ادیبہ خاتون آج کافی پُرسکون تھیں کیونکہ سامنے والوں کا ڈیک آج دوپہر ہی سے خاموش ہوگیا تھا ورنہ تو عام طور پر آدھی آدھی رات تک اس پر نجانے کون کون سے انجان سنگر مدح سرا رہتے تھے۔ دراصل دوپہر کو جب تقریباً سب لوگ آرام کررہے ہوں گے ڈیک اپنی پوری آواز کے ساتھ محلے والوں کو بے آرام کرنے میں مصروف تھا۔ نجانے اللہ کے کس نیک بندے کی دعا سے ایک گانا جو صبح سے کوئی پانچویں مرتبہ ری پیٹ ہورہا تھا، عین درمیان میں اچانک بند ہوگیا تھا۔ مرینہ بیگم کا بیٹا اس کی مرمت کروانے ڈے جے ساؤنڈز کی دکان پر لے گیا تھا' یوں فی الحال محلے والوں کو ڈیک سے چھٹکارا ملا تھا۔

محسن صاحب اور عثمان کو امام صاحب کے پاس بھی جانا تھا تاکہ قربانی کے دن کا بتا سکیں۔ یوں تو سب ہی جانتے تھے کہ ان کے ہاں قربانی عید کے تیسرے دن ہوتی ہے لیکن وہ دونوں ہر سال امام صاحب کو بطور خاص دعوت دینے جاتے تھے کہ وہ آکر قربانی کے وقت تکبیر کہیں۔ مسجد میں چاند کا اعلان ہوا' محسن صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔

"چلو بھئی عثمان......اب تو نکلتے ہیں، اچھا بھئی بیگم، اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔" ادیبہ خاتون دروازہ بند کرکے پلٹی ہی تھیں کہ ڈیک کی تیز آواز پھر سے آنی شروع ہوگئی۔ لگتا ہے مرمت کروالی گئی تھی۔

"میرے درزی سے آج میری جنگ ہوگئی۔ کل سلائی تھی چولی آج تنگ ہوگئی۔"

گانا عین وہیں سے شروع ہوا جہاں سے دوپہر کو سلسلہ منقطع ہوا تھا۔ ادیبہ خاتون بے ساختہ استغفار پڑھتی اندر کی طرف بڑھ گئیں۔

☆......☆☆......☆

"ارے یہ شور کیسا ہے؟" ادیبہ خاتون عشاء کی نماز پڑھ کر واپس صحن میں آکر بیٹھی تھیں کہ اچانک شور سنائی دیا۔ ڈیک تقریباً ایک گھنٹہ قبل بند ہوا تھا۔ انہوں نے نماز بہت اطمینان سے ادا کی تھی لیکن اب یہ شور......وہ چادر لے کر باہر نکلیں۔

شور سامنے والے گھر میں ہورہا تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اندر سے کسی کے چلانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ انہوں

نے ہمت کر کے اندر قدم رکھ دیا۔ صحن سے گزر کر آگے آئیں تو پہلے کمرے میں ہی مرینہ بیگم حیران و پریشان بیٹھی دکھائی دیں۔ ایک طرف سارہ بیٹھی بے تحاشا رو رہی تھی اور کھڑکی کے سامنے والے صوفے پر بیٹھا اس کا بڑا بھائی مزمل فون پر کسی کو گالیاں دے رہا تھا۔ سارہ نے ان کو دیکھ کر جلدی سے اپنا چہرہ صاف کیا اور مزمل کی آواز بھی قدرے ہلکی ہوگئی۔

"کیا ہوا بہن؟" وہ ڈرتے ڈرتے اندر داخل ہوئیں اور پوچھا۔

"ارے کیا بتاؤں ادیبہ...... لوگوں کی نظریں کھا گئیں میرے گھر کی خوشیوں کو۔" مرینہ بیگم پھٹ پڑیں۔

"ارے گولی ماریں ان لوگوں کو...... اور تم بھی چپ ہوجاؤ سارہ...... لڑکوں کا کوئی کال نہیں پڑا ہے دنیا میں...... اور ویسے بھی یہ اچھا ہی ہوا کہ ان لوگوں نے ابھی اپنی اوقات دکھادی ورنہ پانی سر سے اونچا ہوجاتا تو......" مزمل شدید غصے سے کہتا ہوا باہر نکل گیا۔ ادیبہ خاتون کو بات کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگی تھی لیکن وہ چپ رہیں اور بس مرینہ بیگم کو دیکھتی رہیں۔

"ارے ہونا کیا ہے...... یہ سارہ کے سسرال والوں نے رشتہ ختم کردیا ہے۔" ادیبہ خاتون کی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں مرینہ بیگم رودیں۔

"وہ کیوں؟" ادیبہ خاتون نے دریافت کیا۔

"ارے معمولی سی بات تھی...... سارہ کی رخصتی کا جوڑا آیا تھا اس کی سسرال سے...... وہ سارہ کو پسند نہیں آیا، اس نے نبیل (منگیتر) کو کال کر کے بتایا تو اس نے کہا کہ اب یہ چینج نہیں ہوگا۔ میں نے بھابی کی پسند سے خریدا ہے۔ اگر تبدیل کروایا تو ان کو برا لگے گا۔ ابھی تو گزارا کرلو۔ کپڑے تو بنتے ہی رہیں گے۔" بات مکمل کرتے کرتے مرینہ بیگم کے چہرے کے زاویے بگڑنے لگے تھے۔

"پھر؟" ادیبہ خاتون نے مرینہ بیگم کی خاموشی لمبی ہوتے دیکھی تو سوال کیا۔

"پھر کیا؟ سارہ نے اس کو کنجوس کہہ دیا اور کہا کہ میں

بھابی کی پسند کا سوٹ ہرگز نہیں پہنوں گی۔ فضول پسند ہے بھابی کی۔ ویسے بھی شادی میری ہے بھابی کی نہیں۔ اس پر نبیل نے کہا کہ میری بھابی میری ماں جیسی ہیں۔ انہوں نے امی کی وفات کے بعد سارے گھر کو سنبھالا ہے تم کو بھی ان کی عزت کرنا ہوگی لہٰذا ان کے بارے میں عزت سے بات کرو۔" سارہ یہ سن کر بگڑ گئی۔

"بھابی کی اتنی طرف داری کر رہے ہو تو شادی بھی ان سے کرلو۔ اس نے تڑخ کر کہا اور کھٹ سے فون بند کر دیا۔ اس بات کو تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ نبیل برات کا جوڑا جو ہماری طرف سے بھیجا گیا تھا اور دوسرا سارا سامان گھر دے گیا اور کہہ گیا کہ اس کو سارہ سے شادی نہیں کرنی۔" مرینہ بیگم پھر رونے لگیں۔

"چلیں اب حوصلہ کریں آپ لوگ....." ادیبہ خاتون نے مرینہ بیگم کو دلاسا دیا اور ایک پُر تاسف نگاہ سارہ پر ڈالی جواب شرمندگی سے سر جھکائے بیٹھی تھی۔

"ساری غلطی اس سارہ کی ہے، کیا ضرورت تھی اس کو فالتو بولنے کی؟" مرینہ بیگم نے غصے سے بیٹی کو گھورا۔

"بیٹا.....تم اٹھو اب..... جاؤ جا کر منہ ہاتھ دھوؤ اور اپنا حلیہ درست کرو۔ اللہ سے دعا کرو وہ بہتری کا راستہ نکالے گا۔" ادیبہ خاتون نے سارہ کو وہاں سے اٹھایا۔

"یا اللہ.....اب کیا کروں؟ کیسی ہنسی اڑے گی پورے خاندان میں؟ یہ سارہ کو....." مرینہ بیگم پھر سارہ کو کچھ کہنے لگیں تھیں کہ ادیبہ خاتون نے ان کو ٹوک دیا۔

"مجھے غلطی سارہ کی نہیں..... بلکہ تمہاری لگتی ہے۔"

"میری وہ کیوں؟" مرینہ بیگم جی بھر کر حیران ہوئیں۔

"لو بھلا نبیل سے فون پر بات میں تو نہیں کر رہی تھی ناں؟" ناک چڑھا کر کہا۔

"لیکن کیا تم نے کبھی سارہ کو سسرال والوں کا ادب کرنے کو کہا؟" ادیبہ بیگم نے بات شروع کرنے کے لیے تمہید باندھی۔

"لو بھلا یہ بھی کوئی بتانے والی بات ہے؟" مرینہ بیگم حیران ہوئیں۔

"بالکل نہیں..... یہ کوئی بتانے والی بات نہیں ہے، بچے بڑوں کو دیکھ کر سیکھتے ہیں۔ برا نہ مانیے گا لیکن سارہ نے یہ سب آپ سے ہی سیکھا ہے آپ بھی تو علینہ بھابی کا اکثر مذاق اڑاتی رہتی ہیں۔" ادیبہ خاتون نے ان کو ان کا اپنی جٹھانی کے ساتھ برتاؤ یاد دلایا۔

"وہ.....وہ تو میں....." وہ چور بن گئیں۔

"سارہ نے بھی یہی کیا۔ کیونکہ ہمارے بچے ہم سے سیکھتے ہیں۔"

"ارے کہاں..... آج کل کے بچے تو ٹی وی انٹرنیٹ اور فیس بک وغیرہ سے سیکھتے ہیں۔ ہماری کہاں سنتے ہیں یہ لوگ۔" مرینہ بیگم نے اپنا دفاع کیا۔

"اس میں بھی آپ کی غلطی ہے۔" ادیبہ خاتون نے پھر کہا۔

"اچھا جی، اب یہاں بھی میں غلط۔ میں بھی تو سنوں کہ کیوں؟"

"بات ساری یہ ہے کہ آپ نے بچی کو بہت زیادہ چھوٹ دے رکھی ہے۔ میں یہ نہیں کہہ رہی کہ اس کو قید کر کے گھر میں بٹھائیں۔ میں تربیت کی بات کر رہی ہوں۔" انہوں نے مرینہ بیگم کے چہرے کے زاویے بگڑتے دیکھے تو جلدی سے کہا۔

"بتاؤ مجھے کہ میری تربیت میں کہاں کمی رہ گئی ہے۔" مرینہ بیگم نے تنک کر کہا۔

"یاد ہے آپ کو کہ پچھلی عید پر آپ کی جٹھانی آپ کے گھر آئی تھیں، انہوں نے گہرے رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے حالانکہ گرمی کافی شدید تھی۔" ادیبہ خاتون نے یاد دلانا چاہا تھا۔

"ہاں یاد ہے۔" مرینہ بیگم کچھ یاد کر کے ہنس دیں۔

"آپ ان کے کپڑے دیکھ کر ہنس رہی تھیں اور جب انہوں نے سارہ کو آواز دی تو سارہ بڑبڑاتی ہوئی ان کو نظر انداز کر کے وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی کہ مجھے کسی ایسے شخص سے بات نہیں کرنی جس کو اتنا بھی نہیں پتا کہ گرمیوں میں گہرے رنگ نہیں پہنے جاتے۔ وہ آواز میں

نے بھی بخوبی سنی تھی تو ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا کہ انہوں نے نہ سنی ہو کیونکہ سارہ آپ کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی لیکن اس وقت آپ سارہ کو ڈانٹنے کے بجائے خود بھی ہنس پڑی تھیں۔" ادیبہ خاتون نے لہجے کو حتی المقدور نرم رکھا تاکہ ان کو برا نہ لگے۔

"یہ اسی کا حسد ہے جو میری بچی کی خوشیاں اجڑ گئیں۔ اتنی سی غلطی کی اتنی بڑی سزا کوئی دیتا ہے۔" وہ فوراً بدگمان ہوئیں۔

"یہ بات نہیں ہے' وہ بھلا آپ سے کیوں حسد کرنے لگیں۔ ان کی تو ساری بچیوں کی شادیاں ہوچکی ہیں۔ خیر..... ہر چیز میں اللہ کی کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔ اس میں بھی ضرور کوئی بہتری رکھی ہوگی میرے رب نے۔" ادیبہ خاتون نے بات سنبھالنا چاہی۔

"لو بھلا اس میں کیا بہتری ہوگی؟ جوان بچی کی بات ختم ہوگئی۔ خاندان بھر میں رسوائی الگ ہوگی۔ اب اس سارہ کی شادی کہاں کروں گی میں؟ ہمارے خاندان میں اگر کسی لڑکی کی بات ختم ہوجائے تو پھر برادری سے اس لڑکی کا رشتہ نہیں آتا' اگر کسی نے سوچا بھی تو سیما سب کو ایک کی چار لگائے گی میری سارہ کے بارے میں۔" انہوں نے نند کی بیٹی کا نام لیا جو نبیل کے کزن کی بیوی تھی۔

"بات سنو..... ناراض مت ہونا لیکن سچ تو یہ ہے کہ....." ادیبہ خاتون نے جب ان کو اتنا پریشان اور بدگمان دیکھا تو خاموش رہنا مناسب نہ جانا۔

"ہم لوگ گلہ کرتے ہیں کہ ہمارے بچے بگڑ گئے ہیں اور یہ سب ٹی وی' انٹرنیٹ اور فیس بک وغیرہ کا کیا دھرا ہے۔ یہ سچ نہیں ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہماری تربیت میں کہیں کوئی کمی رہ گئی ہے جس کی وجہ سے ایسا ہورہا ہے....." وہ سانس لینے کو لمحہ بھر کو رکیں۔

"بچوں کا ذہن تو ایک کورا کاغذ ہوتا ہے۔ وہ اپنے آس پاس جو دیکھتا ہے وہ اس کے ذہن پر نقش ہوجاتا ہے اور پھر بچہ اپنی باقی زندگی میں ان یادداشتوں کو استعمال کرکے زندگی گزارتا ہے۔ اسی لیے پرانے زمانے کی مائیں اپنے بچوں کو خود سے دور نہیں کیا کرتی تھیں لیکن آج کل کی مائیں..... وہ اپنی مصروفیات میں سے بچوں کے لیے وقت ہی نہیں نکال پاتیں۔ نوکری' گھر' شوہر' ذمہ داریاں' خاندان' ذاتی شوق' ان سب کے درمیان بچوں کی اصل ضروریات نظر انداز ہوجاتی ہیں اور......"

"ہم نے اپنے بچوں کو کب بھوکا سلایا؟ یا ان کی کون سی فرمائش یا ضرورت ہے جو ہم نے پوری نہیں کی؟" مرینہ بیگم ان کی بات کاٹ کر فوراً بولیں۔

"ضرورت صرف یہ نہیں ہوتی کہ کھانا اور کپڑے مل جائیں۔ بڑھتی عمر کے بچوں کو ایک راز دار' غم گسار اور عقل مند دوست کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے' جس سے وہ اپنی فیلنگز بنا کسی جھجک کے بانٹ سکیں۔ جس سے وہ ہر بات کرسکیں۔"

"تو ان کے اتنے دوست ہیں تو سہی۔" ادیبہ خاتون سانس لینے کو خاموش ہوئیں تو مرینہ بیگم بول اٹھیں۔

"یہی تو غلطی ہے۔ ان کچے ذہنوں کو کسی اور کے حوالے کرنے کے بجائے اگر ماں خود ہی اپنے بچوں کی دوست بن جائے تو مستقبل میں پیش آنے والے کئی خطرات کو ٹال سکتی ہے۔ اگر تم نے سارہ کو اپنے ساتھ رکھا ہوتا' اپنی نوکری کے ساتھ ساتھ اس پر بھی توجہ دی ہوتی' اسے ٹی وی یا انٹرنیٹ وغیرہ کے سہارے تنہا نہ چھوڑا ہوتا تو آج شاید سب کچھ مختلف ہوتا۔" انہوں نے جیسے کسی غلطی کی نشاندہی کی تھی۔

"سارہ تم سے بھی متنفر ہوسکتی تھی کہ تم نے اسے اس طرح وقت نہیں دیا جیسا اس کا حق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو گھر سے باہر محبتیں یا دوست تلاشنے پڑے جو اس پر توجہ دیں اور اس کی بات سنیں۔ وہ کتنا وقت فیس بک پر ضائع کرتی رہی۔ وہ تو اس کی قسمت اچھی تھی کہ اس کی ملاقات نبیل سے ہوئی۔ وہ اچھا لڑکا ہے۔ لیکن سارہ کی بیوقوفی کی وجہ سے وہ بھی اس کو چھوڑ گیا۔ (سارہ کی پہلی بار نبیل سے بات فیس بک پر ہوئی تھی۔ یہ بات بعد میں پتہ چلی تھی کہ نبیل اس کی پھوپو کی بیٹی کا رشتے میں دیور لگتا ہے کیونکہ

سیما کی شادی کے وقت نبیل ملک سے باہر تھا) ہم ہمیشہ اپنی غلطی دوسروں پر تھوپ دیتے ہیں اور یہ بتاؤ کہ تم نے آج سے پہلے بھی ساہ کو اس کی زبان درازی پر ٹوکا؟" ادیبہ خاتون گویا آج صاف بات کرنے کے موڈ میں تھیں۔

"تم خود اپنے سسرال والوں کی عزت نہیں کرتیں ان میں عیب تلاش کرتی ہو اس لیے اس نے بھی یہی کیا۔ وہ تو شکر ہے کہ سارہ ٹی وی وغیرہ کو صرف اناپ شناپ فیشن اپنانے کی حد تک ہی لیتی ہے ورنہ وہ جتنا بھی غلط سیکھ جاتی کم تھا۔ جن ماں باپ کا وطیرہ ٹی وی پر فلمیں دیکھنا ہو اور ان کے فیورٹ ہیروز سلمان خان یا انیل کپور وغیرہ ہوں گے تو ان کی اولادیں کیوں کر انٹرنیٹ اور فیس بک کا مناسب استعمال کریں گی؟ میں یہ نہیں کہتی کہ ٹی وی نہ دیکھو میں یہ کہہ رہی ہوں کہ صرف ٹی وی دیکھنے کا شوق رکھنا مناسب بات نہیں ہے۔ باغبانی' سلائی کڑھائی' کھانا پکانا' کتابیں پڑھنا اور بھی کتنے ہی فائدہ مند مشاغل ہیں ان کو بھی اپناؤ۔" اب مرینہ بیگم بت بنی ان کی ہر بات غور سے سن رہی تھیں۔

"اور پھر یہ کہ ہم بیٹی کا فرض ادا کرنے جارہے ہیں تو شروعات اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے کریں نہ کہ صبح شام بیہودہ گانوں سے کانوں کو نوازا جاتا اور سارہ کو بھی چاہیے کہ وہ اب ہوش کے ناخن لے۔ سارہ از خود بری نہیں بس کچھ بری عادتیں اس نے اپنالی ہیں۔ فرض تو اس کا بھی تھا کہ ماں باپ کی تربیت کی عزت رکھنے کی خاطر اور ہونے والے شوہر اور سسرال والوں کی خوشی کے لیے تھوڑا برداشت کرلیتی نہ کہ واویلا مچاتی' خیر...... اب تو جو ہونا تھا ہوچکا لیکن اب بھی وقت ہے' اللہ سے رجوع کرو وہ بڑا کارساز ہے ضرور بہتری کی راہ نکالے گا۔" ادیبہ خاتون مزید بھی بولنا چاہتی تھیں لیکن مرینہ بیگم کی آنکھوں میں شرمندگی کے آنسو دیکھ کر وہ خاموش ہوگئیں اور ان کو دلاسہ دینے لگ گئیں۔

"اور سارہ بیٹی تم بھی اللہ سے دعا کرو کہ وہ بہتری کی راہ نکالے۔" انہوں نے سارہ کو مخاطب کیا جو ابھی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"جی آنٹی۔" سارہ نے اداس مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اچھا بہن اب چلتی ہوں۔ بہت دیر ہوگئی ہے۔ ان شاء اللہ پھر آؤں گی بہت جلد۔" انہوں نے مسکرا کر سارہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور اٹھ گئیں۔

انہوں نے سارہ کے لیے عثمان سے بات کرنے کا سوچا تھا۔ کوئی اپنی غلطی پر شرمندہ تھا تو اب اس کی مدد کرنا ان کا فرض تھا۔ ان کو یقین تھا کہ خدا ان کی نیک نیتی کو بے ثمر نہیں رہنے دے گا اور ان کا سعادت مند بیٹا ان کی بات نہیں ٹالے گا اور ہوا بھی یہی تھا۔

☆......☆......☆

عثمان اور سارہ کی شادی کو بیس دن اور عید کو گزرے مہینہ ہوچکا تھا۔ وہ دونوں آج رات کے کھانے پر عثمان کے دوست کے گھر مدعو تھے' مدعو تو محسن صاحب اور ادیبہ خاتون بھی تھے لیکن انہوں نے عید اور پھر شادی کی مصروفیات اور اس کے بعد دعوتوں میں ہوجانے والی تھکن کی وجہ سے معذرت کرلی تھی۔

"اچھا امی چلتے ہیں۔" وہ دونوں ان سے اجازت لینے آئے تھے۔

"جاؤ بیٹا اللہ تم دونوں کو سدا خوش اور شاد و آباد رکھے۔" انہوں نے اجازت کے ساتھ ہی ڈھیروں دعائیں بھی دے ڈالیں۔

"چلیں مسز۔" عثمان نے مسکرا کر سلیقے سے چادر اوڑھ کر کھڑی سارہ کا ہاتھ تھاما اور دونوں ایک دوجے کے سنگ زندگی کی شاہراہ پر آگے بڑھنے لگے۔ دونوں کی ماؤں کی دعائیں ان کے سنگ تھیں۔ خوشیاں بارش کی طرح برس رہی تھیں۔ وہ دونوں اپنے رب کے شکر گزار تھے۔

"اور بے شک اللہ شکر کرنے والوں کو اور زیادہ عطا کرتا ہے۔"

خوشیوں کا موسم

شبانہ شوکت

درسِ الفت دے رہے تھے پتھروں کے شہر میں
تھے مگر احساس اپنے کانچ کے کمزور تھے
عشق کی لمبی مسافت اس لیے نہ طے ہوئی
سخت تھی منزل ہمارے حوصلے کمزور تھے

صبغہ اور داؤد یونیورسٹی جانے کے لیے تیار کھڑے تھے' ماں کو الوداع کر کے مڑے تو نازیہ پیچھے سے آیتہ الکرسی پڑھ کر پھونکتیں' ڈائننگ روم میں واپس آ گئیں۔ مسعود آفس جانے کے لیے ابھی تک نہیں اٹھے تھے' نازیہ نے انہیں جگایا' وہ تیار ہو کر ناشتہ کرنے آ بیٹھے' جلدی جلدی ناشتہ کر کے وہ بھی اٹھ گئے۔

''اچھا نازیہ میں چلتا ہوں۔ دیر ہو گئی ہے۔'' اپنا فون اور والٹ لیتے وہ باہر کی طرف بڑھے۔

''لنچ بھجواؤں؟'' وہ پیچھے آئیں۔

''نہیں مجھے آج ایک دوست کی طرف جانا ہے تو وہیں لنچ بھی کروں گا...... تم رہنے دو۔''

''چلیں ٹھیک ہے۔'' وہ چلے گئے تو نازیہ دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئیں۔ آج مشین لگوانی تھی تو واش روم سے کپڑے لا کر مشین کے پاس ڈھیر کر دیے۔ برتن سمیٹ کر سنک میں رکھے اب جب تک ماسی اور اس کی بیٹی صفائی' برتنوں اور کپڑوں سے فارغ ہوتیں' نازیہ کھانا

پکانے سے فارغ ہوجاتی تھیں۔ گنتی کے چار ہی تو افراد تھے ان کے گھر میں لیکن پسند سب کی الگ الگ تھی۔ سو وہ دو طرح کے کھانے ضرور پکاتی تھیں۔ جن سے یہ معاملہ خوش اسلوبی سے نمٹ جاتا تھا۔ مسعود کی ایک مشہور و معروف مارکیٹ میں تین دکانیں تھیں جن میں سے ایک میں تو وہ خود الیکٹرک اپلائنسز کا کاروبار کررہے تھے دو دکانیں کرائے پر دی ہوئی تھیں۔ جن کا کرایہ خاصہ اچھا آتا تھا۔ ہارون اور عبید جوان کے کرائے دار تھے ان سے اتنے پرانے تعلقات ہوچکے تھے کہ وہ سب آپس میں فیملی فرینڈز بن گئے تھے۔ ہارون گورنمنٹ جاب کرتے اور یہ دکان لے رکھی تھی اسی طرح عبید نے اس دکان کے ساتھ ایک کمپیوٹر سینٹر کھول رکھا تھا ان تینوں کے بچے داؤد، ماموں اور شنید آپس میں نہ صرف کلاس فیلوز تھے بلکہ بہت گہرے دوست بھی تھے۔ آپس میں سب اتنے کلوز تھے کہ نیا آنے والا تو انہیں ایک ہی خاندان سے سمجھتا تھا۔

⌘......☆......⌘

"ایکسیوزمی یہ انگلش ڈپارٹمنٹ کس طرف ہے؟" گھبرائی ہوئی نسوانی آواز پر داؤد ٹھٹک کر مڑا۔ گرین اور بلو کنٹراسٹ کے لباس میں وہ بلاشبہ ایک خوب صورت لڑکی تھی۔ بڑی خوب صورت سرمئی آنکھوں والی اسے متوجہ دیکھ کر گھنی پلکیں تیز تیز جھپکانے لگی۔ داؤد کا دل تو ان پلکوں میں ہی کہیں الجھ گیا تھا۔

"آپ اکیلی ہیں؟" اس کا پوچھنے کا مطلب تھا کوئی دوست وغیرہ ساتھ نہیں ہے۔

"بھائی ساتھ آئے تھے اس طرف گئے ہیں پانچ منٹ کا کہہ کر ابھی تک نہیں آئے۔" اس نے مایوسی سے دائیں طرف اشارہ کیا۔

"تو میں آپ کو لے تو چلوں ڈیپارٹمنٹ دکھانے کے لیے لیکن آپ کے بھائی آئے اور یہاں آپ کو نہ پاکر پریشان ہوجائیں گے۔"

"نہیں میں انہیں کال کرکے بتادوں گی۔ اب میں یہاں اور کتنی دیر کھڑی رہوں؟" اس نے یوں شکایتی انداز میں کہا جیسے سارا قصور ہی داؤد کا ہو۔

"چلیں آئیں۔" وہ اسے ساتھ لیے آگے بڑھا تو ایک دم سے شنید آگیا۔

"یہ تو اس طرف کہاں جارہا ہے؟"

"ان محترمہ کو انگلش ڈیپارٹمنٹ دکھانے جارہا ہوں۔ نیوانٹری ہیں نا۔" اس نے آہستہ سے بتایا۔

"اوہ...... ویلفیئر......" اس نے شرارت سے آنکھیں گھمائیں۔

"بس اللہ کی توفیق ہے۔" اس نے عاجزی سے سینے پر ہاتھ رکھا۔ شنید ہنستا ہوا ساتھ ہولیا۔

"ماموں کہاں ہے ابھی تک دکھائی نہیں دیا؟"

"وہ آیا کب ہے؟" داؤد نے جواباً سوال کیا۔

"ہیں میں تو سمجھا آچکا ہے۔ ٹھہر میں پوچھتا ہوں اس سے۔" شنید نے فون کان سے لگایا۔

"کہاں ہے تو؟ ہاں وہ میرے ساتھ ہی ہے اور بڑی نیکی کے موڈ میں ہے ایک بھولی بھٹکی سی محترمہ ہیں جو غالباً نیوانٹری ہیں ان کو انگلش ڈیپارٹمنٹ پہنچانے جارہا ہے۔" اس کی آواز مزید دھیمی ہوگئی۔ وہ تھوڑا ہٹ کر چل رہا تھا تاکہ فون پر کی گئی بات لڑکی کے کان میں نہ پڑے۔ داؤد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ کنکھیوں سے ساتھ چلتی لڑکی کو دیکھا وہ سامنے دیکھتی ہوئی چل رہی تھی۔ یعنی متوجہ نہیں تھی۔

"ہاں...... ہاں آجا تو بھی اوکے۔ ہم ویٹ کرتے ہیں۔" شنید ابھی تک بات کررہا تھا پھر فون بند کرکے داؤد کی طرف مڑا۔

"کہہ رہا ہے میری بھی بہن آئی ہوئی ہے انگلش ڈپارٹمنٹ ہی آنا ہے۔" وہ اس لڑکی کو ڈیپارٹمنٹ کے عین سامنے پہنچا کر واپسی کے لیے پلٹے تو سامنے سے ماموں کو تقریباً بھاگتے ہوئے اپنی طرف آتے دیکھ کر رک گئے۔

"کیا ہوا؟ خیریت تو ہے ایسے......"

"حبہ......" اس نے شنید کی بات ان سنی کرکے اس لڑکی کو پکارا وہ اندر جارہی تھی اس کی آواز پر پلٹی ماموں کو

دیکھ کر اس کی آنکھوں اور چہرے سے ناراضگی ظاہر ہوئی اور وہ پلٹ کر اندر چلی گئی۔ مامون نے دائیں ہاتھ کا مکا بنا کر بائیں ہتھیلی پر دے مارا۔

"تو تم کچھ بتانا پسند کرو گے کہ ہوا کیا ہے؟ تم کیسے ان محترمہ کو جانتے ہو؟"

"وہ بہن ہے میری حبہ۔ اسی کو تو پہنچانا تھا انگلش ڈیپارٹ میں، صبح اسے لے کر آیا تو شایان نے بلا لیا بلڈ ٹیسٹ کے لیے۔ میں نے بھی سیمپل دے دیا۔ میری بھلکو عادت کا تو پتا ہے نا' حبہ کو وہاں ایک طرف کھڑا کر کے خود وہاں جا کر سب سے ہیلو ہائے کرنے میں بھول ہی گیا کہ اسے بھی ساتھ لایا ہوں' یہ تو تمہارے فون سے مجھے یاد آیا تو میں اسے ڈھونڈتا ہوا یہاں تک آ گیا اور اسے دیکھو مارے غصے کے اکیلی ہی یہاں تک پہنچ گئی۔"

"خیر اکیلی تو نہیں' ہم دونوں ساتھ تھے' ہم انہی کو تو چھوڑنے کے لیے آئے تھے۔" داؤد کی بات پر مامون کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"تت...... تم...... تمہیں کیسے پتا چلا کہ یہ میری بہن ہے؟"

"آج سے پہلے ہم کس کس کی بہن کو راہ دکھاتے رہے ہیں محترم خوش فہم صاحب' انہوں نے مجھ سے ریکویسٹ کی کہ انہیں یہاں تک پہنچا دوں اور میں اور شنید دونوں انہیں ساتھ لے آئے۔"

"اوہ اچھا' وہ جو تم کہہ رہے تھے کہ نیکی کے موڈ میں......" بات اب اس کی عقل میں سمائی۔

"چلو شکر ہے' بات سمجھ آ گئی ورنہ تو کلاس نکل جاتی تھی۔" شنید کے طنز پر اسے گھورا۔

"زیادہ شوخی نہیں۔"

"مگر ہم نے تو صرف علشبہ آپی کو دیکھا ہے' یہ والی تمہاری بہن تو ہم نے نہیں دیکھی۔"

"یہ بچپن سے پھوپو کے پاس تھی' اب وہ کینیڈا شفٹ کر گئے تو ابو اسے ساتھ لے آئے۔ پھوپو تو بالکل بھیجنا نہیں چاہتی تھیں پر ابو نے کہا نہیں اب بس۔"

"چلو اب اس نیکی کے صلے میں چائے ہی پلا دو۔"

"حالانکہ بلڈ سیمپل میں دے کر آیا ہوں۔ تم دونوں کو چاہیے تھا کہ میری خاطر تواضع کرتے' کوئی جوس وغیرہ پلاتے' قسم سے ویک نیس فیل ہو رہی ہے۔" اس نے ملامتی نگاہ ان پر ڈال کر چہرے کا زاویہ بدلا۔

"بائی داوے یہ بلڈ سیمپل دیا ہے یا بلڈ بینک۔ ویک نیس کس چیز کی ہوئی؟" شنید اپنا چہرہ اس کے قریب لا کر اس کا معائنہ کر رہا تھا۔

"ایک ہی بات ہے یار' میچ کر گیا تو بلڈ بینک ہی لیں گے نا۔" وہ بیچارگی سے بولا تو پیچھے سے ایک دھپ داؤد نے لگائی۔

"جب دے گا تو جوس' چائے سب مل جائے گا۔ ابھی فی الحال تو ہم کو چائے پلا رہا ہے۔" اس نے ڈرامائی انداز میں آہ و بکا کے ساتھ چائے آرڈر کی۔

⌘......☆......⌘

شنید کے بڑے بھائی جنید کی شادی تھی۔ ہوٹل میں بارات کی ارینجمنٹ کی گئی تھی۔ سب اکٹھے تھے۔ ہارون کی فیملی میں ان کی بیوی رابعہ' بچے علشبہ' حبہ' مامون اور شمعون تھے۔ مسعود کے ساتھ نازیہ' داؤد اور صبغہ تھے اور عبید اور علیزہ تو تھے ہی میزبان اور بچوں میں جنید جو دلہا بنا ہوا تھا' پھر شنید اور پریزے تھے۔ وہ سب تو آپس میں کافی فرینک تھے سوائے حبہ اور پریزے کے کیونکہ پریزے پہلے مری کانونٹ میں تھی اور اب مزید تعلیم کے لیے اپنی خالہ کے پاس لندن میں ہوتی تھی۔ بڑے اسٹائل سے بولتی سیدھی مامون کے دل میں اتر گئی تھی۔ وہ گھوم پھر کر اسی کے پاس آ جا رہا تھا۔ داؤد کے ہونٹوں پر شریر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ مامون بیچارے کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ بعد میں اس کا کیسا ریکارڈ لگنے والا تھا۔

"ہیلو......" اپنے بالکل قریب نسوانی آواز سن کر وہ چونکا۔ دیکھا تو وہ حبہ تھی۔ ریڈ اور اورنج کنٹراسٹ کے کامدار سوٹ میں ملبوس میچنگ جیولری اور میک اپ میں اتنی دلکش' اتنی خوب صورت کہ وہ مبہوت رہ گیا تھا۔ لمبی لمبی

مسکرا کر وہ گھنی پلکیں جھکائیں۔
"میں آپ کو تھینکس کہنا چاہ رہی تھی اس دن کے لیے۔"
"کس دن......؟" داؤد نے آنکھیں سکوڑیں۔
"اس دن کے لیے جب آپ نے مجھے انگلش ڈیپارٹمنٹ تک پہنچایا تھا۔"
"وہ......" داؤد کی آنکھیں اپنی جگہ واپس آگئیں۔
"تو اتنے دن بعد بھی تھینکس کہنے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ ٹپٹائی۔
"مجھے آپ کہیں نظر ہی نہیں آئے۔"
"یہ تو بہت زیادتی کردی آپ نے۔ یعنی میں چھ فٹا بندہ آپ کو نظر ہی نہیں آیا۔ چلیں اب آئندہ سے میں آپ کو کم از کم یونیورسٹی میں تو روز نظر آؤں گا۔" اس کی آنکھیں شرارت سے جگر جگر کر رہی تھیں۔ وہ البتہ حیران ہوئی۔
"وہ کیسے؟"
"بھئی یونی تو ایک ہی ہے نا ڈیپارٹمنٹ الگ ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ اب میں اپنی روٹین میں ایک چکر آپ کے ڈیپارٹمنٹ کا لگانا شامل کرلوں گا۔"
"سچ......!" وہ اتنی خوش ہوئی کہ داؤد حیران ہوگیا۔
"ویسے بائی داوے میں اس دن اکیلا تو نہیں تھا شنید بھی تو تھا میرے ساتھ۔ تو تھینکس صرف میرے لیے کیوں؟"
"وہ تو خود ہی ساتھ چل پڑے تھے۔ کہا تو میں نے صرف آپ سے تھا۔" وہ اسے دیکھتے ہوئے بڑی معصومیت سے مسکرائی۔ ہونٹوں کا خوب صورت خم گالوں میں پڑتے ڈمپل، داؤد پر تو فسوں چھا گیا تھا گم صم سا اسے دیکھ رہا تھا۔ جب قریب ہی شنید کھنکارا۔ داؤد چونک کر سنبھلا۔
"کیسی ہیں آپ اور اسٹڈیز کیسی چل رہی ہیں؟"
"میں ٹھیک ہوں الحمدللہ اور اسٹڈیز بھی اے ون چل رہی ہیں۔" وہ بہت اعتماد سے مخاطب ہوئی۔
"پہلے میں ہم دونوں کا تعارف آپ سے کروادوں۔ میں شنید انصاری ہوں۔ ایم بی اے فائنل کا اسٹوڈنٹ اور یہ داؤد کاظمی ہے میرا ہی کلاس فیلو۔ بڑا اچھا نیک اطوار بچہ ہے، اکلوتا ہے مگر اولاد نرینہ کے حوالے سے۔ ورنہ ایک بہن موجود ہے۔ وہ رہی سامنے پنک کپڑوں میں، بی ایس سی فائنل کی اسٹوڈنٹ ہے۔ جتنا بھی پڑھ لکھ لے گی۔ آخر تو سسرال ہی جائے گی اور پھر داؤد کی بیوی ایکس وائے زیڈ کوئی بھی ہو وہ اکیلی پورے گھر پر راج کرے گی۔" شنید کی زبان میرٹھ کی قینچی کو کہیں پیچھے چھوڑے ایسی اسپیڈ سے رواں تھی کہ وہ دونوں تو منہ کھولے اسے صرف دیکھ رہے تھے۔
"کیا مطلب ہے تمہارا اس بکواس سے؟" داؤد دبی دبی زبان میں غرایا۔ اس ڈھیٹ پر خاک اثر ہونا تھا۔
"ویسے تو یہ اتنا پیارا اور اتنی خوبیوں کا مجموعہ ہے کہ جو اس کی بیوی بنے گی، اپنی قسمت پر ناز کرے گی......"
"کون...... کس کی بیوی بنے گی؟" مامون اچانک ٹپکا۔
"وہ...... مم...... میرا مطلب......" وہ ایک لمحے کو گڑبڑایا۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس کا شیطانی چرخہ چل پڑا۔
"میرا کہنے کا یہ مطلب ہے کہ جو ہم تینوں کی بیویاں بنیں گی، اپنی اپنی قسمت پر ناز کریں گی۔ کیونکہ ہم تینوں ہیں ہی اتنے ٹیلنٹڈ اور شاندار۔" وہ بات بدل کر اپنا کالر چھو کر اتنے فخر سے اترایا کہ حبہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

⌘......☆......⌘

"السلام علیکم!" داؤد آج اکیلا ہی آیا تھا۔ صبغہ نزلے زکام اور بخار میں مبتلا ہونے کے سبب نہیں آئی تھی۔ وہ گاڑی سے باہر آیا تو سائیڈ سے حبہ کی آواز سن کر پھرتی سے پلٹا، وہ فولڈر سینے سے لگائے شولڈر پر ہینڈ بیگ لٹکائے اتنے اطمینان سے کھڑی تھی کہ داؤد کو شک ہوا کہ وہ اسی کے انتظار میں وہاں موجود ہے۔
"وعلیکم السلام! کیسی ہیں آپ اور یہاں کیوں کھڑی ہیں؟"
"کچھ کام تھا اور آپ کیسے ہیں؟"

"فرسٹ کلاس' کیا کام ہے آپ کو بتائیں' میں کوئی مدد کرسکوں تو......"

"کام تو ہو گیا اب جا رہی ہوں۔"

"چلیں آئیں...... چلتے ہیں۔"

"آپ کی بہن نہیں آئیں؟" اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔" اس کے ڈیپارٹمنٹ کے سامنے پہنچ کر وہ رکا۔ "مامون آیا ہے نا؟"

"نہیں بھائی نہیں آئے' انہیں کسی کام سے پاپا کے ساتھ جانا تھا تو مجھے ڈراپ کر کے چلے گئے۔"

"اوہ اچھا...... چلیں اب کلاس میں جائیں' میں بھی چلتا ہوں۔ پھر ملیں گے۔"

"کب؟" اتنی بے اختیاری سے پوچھے گئے سوال پر داؤد بے ساختہ ٹھٹکا۔ بہت غور سے اس نے حبہ کو دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ داؤد کو ایک پل لگا تھا سمجھنے میں کہ وہ جذبہ جس نے بڑے بڑے بہادروں کو منہ کے بل گرا دیا تھا۔ وہ اس چھوٹی سی لڑکی کو اپنی مضبوط گرفت میں یوں لے چکا ہے کہ وہ بے بسی سے بار بار اس کے راستے میں آتی ہے' وہ پارکنگ میں کس کام سے کھڑی تھی' یہ بھی سمجھ میں آ گیا اور جنید بھائی کی شادی والے دن اس کے پاس آ کر شکریہ ادا کرنے کا مطلب بھی' وہ بہت دل سے مسکرایا تھا۔

"ایک بجے کیفے میں ملتے ہیں۔"

"شیور......" وہ بھی کھل کر مسکرائی۔

داؤد کو تو لیکچر نوٹ کرنے میں' پروفیسر سے سوال جواب کے تبادلے میں یاد ہی نہ رہا کہ ایک بجے کا وعدہ بھی کیا ہے کسی سے ملنے کا' وہ تو ایک بجے انجان نمبر سے اس کے سیل پر کال آئی اس نے اٹینڈ کرلی۔

"ہیلو......"

"ہیلو۔ میں حبہ بات کر رہی ہوں۔"

"اوہ آپ یہ میرا نمبر آپ نے......؟"

"بھائی کے فون سے لیا تھا' وہ سمجھ گئی کہ وہ کیا پوچھنا چاہ رہا ہے۔ ایک دلفریب مسکراہٹ نے داؤد کے ہونٹوں کا احاطہ کرلیا۔

"تو آپ فری ہیں' کیفے چلیں۔"

"جی' میں یہی پوچھنا چاہ رہی تھی۔"

"بالکل چلیں۔ پوچھنے کی تو کوئی بات ہی نہیں۔" وہ سرشاری سے مسکراتا ہوا باہر آ رہا تھا کہ پیچھے سے شنید نے گردن دبوچ لی۔

"ہم سے چھپ چھپ کر یہ ڈرامہ بلکہ پوری فلم چل رہی ہے۔ فونوں پر باتیں' کیفے میں ملنا۔"

"شنید چھوڑ یار مجھے' کیا اول فول بک رہا ہے۔"

"ہاں یہاں اول فول اور وہاں پھول جھڑ رہے تھے۔ مسکرا مسکرا کر باچھیں چری جا رہی تھیں۔" وہ مزید خونخوار ہوا۔ داؤد صحیح پھنسا تھا۔

"سوری یار' غلطی سے بول دیا' معاف کردے' اول فول تو میں بک رہا ہوں۔ تو تو فرما رہا ہے۔"

"شاباش...... تیرے اعتراف نے تجھے بچالیا۔" بالآخر شنید نے اس کی گردن چھوڑی۔ داؤد نے دائیں' بائیں سر ہلا کر گردن کو ریلیکس کیا۔ دونوں ہاتھوں سے کالر صحیح کیے اور اسے دیکھا جو کمر پر دونوں ہاتھ رکھے بڑے جارحانہ موڈ میں تھا۔

"اب بتاؤ' کب سے چل رہا ہے یہ سلسلہ؟"

"ک...... کون سا سلسلہ؟" وہ گڑبڑایا۔

"پھر چکر۔" وہ بڑے خونخوار انداز میں آگے بڑھا۔ داؤد نے جلدی سے مدافعانہ انداز میں دونوں ہاتھ اٹھا لیے۔

"پلیز...... پلیز۔"

"یہ فون کے دوسری طرف حبہ ہارون تھی نا؟" اس کے اتنے درست اندازے پر داؤد کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

"تمہیں کیسے پتا چلا؟"

"موصوفہ کے اطوار بتاتے ہیں کہ وہ تمہارے عشق میں گرفتار ہو چکی ہے۔" داؤد جھینپ گیا۔

”بکواس نہیں کر‘ کسی پر تہمت لگانا......“

”بہت بری بات ہے اور مجھے بچپن سے پتا ہے لیکن میں بچی بات کررہا ہوں۔ جنید بھائی کی شادی میں وہ جس طرح تمہارے آگے پیچھے ہورہی تھی میں تو اسی وقت سمجھ گیا کہ بچی گئی۔ اب نوبت فون پر بات کرنے اور کیفے میں ملنے ملانے تک بھی آ گئی ہے تو اب کیفے اسی کے ساتھ جایا کرو گے۔“

”توبہ کرو یار‘ یہ تو بس آج......“

”ہاں آج مامون جو نہیں آیا۔“ اس کے کھرے جواب نے داؤد کی طبیعت صاف کردی۔

”میں بھی ساتھ چلوں؟“

”نہیں یار‘ میں کیا محاذ پر جارہا ہوں جو کمک ساتھ لے کر جاؤں۔“ شنید کی منہ پھٹ عادت سے واقف داؤد اس کی آفر پر بدک کر پیچھے ہوا۔ وہ کچھ دیر اسے گھورتا رہا پھر کچھ سوچ کر سر ہلایا۔

”چل جا کیا یاد کرے گا۔“ اس کے شاہانہ اجازت نامے کے ملتے ہی وہ وہاں سے رفو چکر ہوا۔ مبادا شنید ارادہ بدل کر ساتھ ہی نا چل پڑے۔

⌘......☆......⌘

”داؤد‘ کیسے ہو بیٹا؟“ وہ شنید کے ساتھ اس کے کمپیوٹر سینٹر میں موجود تھا۔ جب ہارون کی کال آئی‘ وہ کچھ حیران ہوا۔

”جی ٹھیک ہوں انکل۔“

”بیٹا ذرا تحمل اور حوصلے سے میری بات سننا۔“ وہ رکے تو داؤد کا دل بھی جیسے رکنے لگا۔ ”مسعود کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔ وہ ہاسپٹل میں ہے‘ تم بھی آ جاؤ۔“

”ابو کا ایکسیڈنٹ......“ وہ کھڑا ہوا۔ ”کیسے ہوا اور ابو کیسے ہیں۔ زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں۔“

”بہت سیریس کنڈیشن ہے۔ تم جلدی سے آ جاؤ۔“ فون بند ہوگیا۔ داؤد کے اردگرد جیسے دھماکے ہورہے تھے۔ ٹانگوں سے جان نکلتی محسوس ہوئی تو اس نے کرسی کو پکڑ لیا۔ شنید تیزی سے اس کے پاس آیا۔

”کیا ہوا داؤد‘ خیر تو ہے؟“

”ابو کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔“ وہ بہت مشکل سے بول پایا۔

”اب کہاں ہیں وہ؟“ داؤد نے ہاسپٹل کا نام بتایا۔

”جلدی چلو آؤ میں بھی چلتا ہوں۔“ شنید اسے لیے گاڑی میں آ بیٹھا۔ ہوا کی رفتار سے تیز گاڑی چلاتے ہوئے وہ منٹوں میں ہاسپٹل جا پہنچے۔ ہارون اور عبید دونوں وہاں موجود تھے۔ پریشان اور گھبرائے ہوئے۔ داؤد کو گلے لگا کر تسلی دی۔

”میں ابو کو دیکھنا چاہتا ہوں۔“ خوف و اندیشوں نے اس کی آواز کو کپکپا دیا تھا۔ عبید نے اس کی پیٹھ تھپکی۔

”بیٹا‘ ابھی وہ اندر ہیں آپریشن ہورہا ہے‘ زخموں کی سرجری کی جارہی ہے۔“ ساتھ ہی انہوں نے شنید کو اشارہ کیا۔ وہ اسے کندھوں سے تھام کر پیچھے رکھے صوفوں پر آ بیٹھا۔ مامون بھی اتنے میں آ پہنچا تھا۔ دونوں اسے تسلی‘ تشفی دے رہے تھے۔

”ہم بھی دعا کررہے ہیں داؤد تم بھی کرو۔ انکل ٹھیک ہوجائیں گے ان شاء اللہ۔“ ہارون نے مامون سے کہا کہ وہ رابعہ کو مسعود کے ہاں چھوڑ دے تاکہ نازیہ کو نہ صرف اطلاع دی جاسکے بلکہ حوصلے کے لیے بھی کسی کا ہونا ضروری تھا۔ ان کی اور صبغہ کی بے چینی اور بے قراری کا اندازہ داؤد کے فون پر آتی ان کی کالوں سے ہورہا تھا۔ وہ کوئی فون ریسیو کرتا اور کوئی نہیں۔ ہرچند کہ ہارون اور عبید ہر صورت حال کے لیے تیار کھڑے تھے مگر پھر بھی جب ڈاکٹر نے آ کر بتایا کہ مسعود اتنی شدید چوٹوں سے جانبر نہیں ہو پائے تو داؤد کو سنبھالنا ان کے لیے بہت مشکل ہوگیا تھا۔ وہ خبر سنتے ہی چیختا ہوا اندر بھاگا تھا۔ مامون اور شنید نے اسے کتنی مشکلوں سے قابو کیا۔ کس طرح اسے کاؤچ پر بٹھایا۔ وہ مسلسل ابو نہیں‘ ابو نہیں کہہ کر رو رو کر ہلکان ہورہا تھا۔

”داؤد حوصلہ کرو۔ ہمت پکڑو یار۔“ دونوں اسے جھٹکے دے دے کر حواسوں میں لانے کی کوشش کررہے تھے مگر

وہ یونہی چیختا ہوا بے ہوش ہوگیا تھا۔ ہارون اور عبید ہاسپٹل کے ڈیوز وغیرہ نمٹا رہے تھے۔ عبید نے فون کرکے جنید کو اطلاع کردی تھی کہ وہ ماں کو لے کر مسعود کے گھر پہنچ جائے۔ پھر انہوں نے مسعود کے بھائیوں کو بھی فون کردیے تھے۔ اتنی دیر میں مامون ڈاکٹر کو لے آیا تھا۔ جس نے داؤد کو ٹریٹ منٹ دی تھی۔ جب میت لے کر وہ لوگ رات کے گیارہ بجے گھر پہنچے تو گھر محلے والوں اور رشتے داروں سے بھرا ہوا تھا۔ میت دیکھتے ہی کہرام مچ گیا۔ عورتوں کے رش میں سے کہیں سے نکل کر بری طرح روتی ہوئیں نازیہ آ کر داؤد سے لپٹ گئیں تھیں۔

''یہ کیا..... کیا تمہارے ابو نے داؤد، یہ کیسا ظلم کرگئے ہمارے ساتھ، وہ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔'' ایک تو وہ جس طرح رو رہی تھیں وہی داؤد کا کلیجہ شق کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس پر مستزاد ان کو اوڑھایا گیا سفید دوپٹہ (ہمارے معاشرے کے فضول رسوم و رواج میں سے ایک رسم کہ بیوہ ہوجانے والی عورت کی چوڑیاں توڑ کر اسے فوری طور پر سفید دوپٹہ اوڑھا دیا جائے۔ حالانکہ جس عورت کے سر کا سائبان ہر سکھ کا ساتھی، زندگی بھر کا ہم سفر یوں بیچ راستے میں چھوڑ کر چلا جائے تو سارے رنگ تو اس کے ساتھ ہی چلے جاتے ہیں۔ وہ تو خود ہی بے رنگ ہوجاتی ہے) داؤد نے انہیں اپنے ساتھ لگا کر بھینچ لیا۔ دوسری طرف سے زور سے روتی ہوئی صبغہ آ کر لپٹ گئی تھی۔ داؤد جو ہاسپٹل میں اپنے حواس کھو بیٹھا تھا، یوں بلکتی ہوئی ماں اور بہن کے لیے ایک دم اتنا مضبوط ہوگیا کہ سارے آنسو اپنے اندر اتار لیے تھے۔

''مجھے اب نہیں رونا، مجھے خود کو سنبھالنا ہے۔ ابو کی جگہ اب مجھے ہی ان دونوں کا سہارا بننا ہے۔ یا اللہ مجھے ہمت دے، یا اللہ مجھے حوصلہ دے..... مگر جب انہیں غسل دے کر کفن پہنایا گیا اور میت کو آخری دیدار کے لیے گہوارے سمیت رکھا گیا تو اسے اپنا دل پھٹتا محسوس ہوا۔ آنسو قطار کی صورت رخساروں پر بہہ رہے تھے اور پھر وہ دل شکن مرحلہ آیا جب مسعود کو قبر میں اتارا جانے لگا تو داؤد وہیں گھٹنوں کے بل گر پڑا۔

''ابو.....'' وہ تڑپ تڑپ کر رونے لگا۔ محمود چاچا اور انیس چچا جو دائیں بائیں اسے اٹھانے آئے ان کے بھی آنسو بہنے لگے تھے۔

''داؤد حوصلہ کرو بیٹا، کلمہ پڑھو اس طرح تو تم انہیں تکلیف پہنچا رہے ہو۔ ہمت کرو میرا بچہ اٹھو۔'' وہ کلمہ پڑھتا اٹھ تو گیا مگر سسکتا، بلکتا سب کو رلا گیا تھا۔

⌘......☆......⌘

دن گزرنے لگے۔ آہستہ آہستہ سارے رشتے دار واپس چلے گئے، گھر میں سناٹا چھا گیا تھا۔ نازیہ ہمت کرکے داؤد کے پاس آئیں۔ وہ برآمدے کی سیڑھیوں پر سامنے گملوں میں لگے پودوں پر نظر جمائے گم صم بیٹھا تھا۔ وہ بھی ساتھ بیٹھ گئیں۔

''داؤد، بیٹا اب تم یونیورسٹی جانا شروع کردو، آخری سمسٹر ہے تمہارا۔'' اس نے گردن گھما کر انہیں دیکھا اور یونہی سر ہلا دیا۔ ''اور اپنے ابو کی دکان بھی سنبھالو جا کر اتنے دن سے بند.....'' ان کی اپنی آواز بھی بند ہوگئی۔ اس نے ماں کا سر اپنے کندھے سے لگالیا۔

''کل سے جاؤں گا امی، آپ پریشان نہ ہوں۔''

''صبغہ ہر وقت روتی رہتی ہے۔ اسے سمجھاؤ اور یونیورسٹی جانے کے لیے بھی تیار کرو۔ میری تو نہیں سنتی۔''

''میں سمجھاتا ہوں امی، میں جاتا ہوں اس کے پاس۔'' وہ نازیہ کو ساتھ لیے کچن میں چلا آیا۔ ''آپ چائے پکائیں میں اسے لے کر آتا ہوں۔'' وہ صبغہ کے کمرے میں آیا تو وہ سپارہ پڑھ رہی تھی اور آنسو گالوں پر رواں تھے۔

''اونہوں..... یہ تو کوئی طریقہ نہیں ہے قرآن پاک پڑھنے کا۔ یہ تو سخت بے ادبی ہے۔ چلو منہ صاف کرو۔'' اس نے ہلکا پھلکا انداز اپنایا۔ صبغہ کے آنسوؤں میں اور روانی آگئی۔ ''تم فی الحال ایسا کرو، سپارہ بند کرکے یہاں میرے پاس آ کر بیٹھو، بعد میں آرام سے پڑھ لینا۔'' وہ چپ چاپ اس کے کہے پر عمل کرکے اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

’’ابو کے جانے کا غم ہرگز ایسا نہیں کہ کچھ دنوں میں بھلا دیا جائے یا خود بخود بھول جائے۔ وہ ہمارے ابو تھے۔ پھر ایسی اچانک جدائی لیکن پھر بھی ہمیں خود کو سنبھالنا ہے۔ اپنی امی کے لیے ہمیں خود کو مضبوط بنانا ہے۔ ابو یاد تو ہمیشہ آتے رہیں گے۔ اب ہم انہیں اسی صورت خوش کرسکتے ہیں کہ وہ جو ہمیں بنانا چاہتے تھے وہ ہم بن کر دکھائیں۔ ہم حوصلہ کریں اور نارمل روٹین میں واپس آئیں گے تو ہی امی بھی نارمل ہو پائیں گی ورنہ سوچو ان کی کیا کیفیت ہوگی۔ وہ اگر اپنا حوصلہ جمع کرتی بھی ہوں گی تو ہمیں دیکھ کر پھر سے بکھر جاتی ہوں گی۔ اس لیے ابو کو یاد کرو لیکن جذبات کو اعتدال میں رکھ کر۔ میں امی سے چائے کا کہہ کر آیا ہوں۔ وہ تیار کرچکی ہوں گی چل کر ساتھ پیتے ہیں اور معمول کی باتیں کرتے ہیں تاکہ زندگی کو نارمل روٹین میں لایا جاسکے۔‘‘ وہ اسے ساتھ لیے لاؤنج میں آیا جہاں نازیہ چائے سمیت ان کی منتظر تھیں۔

⌘......☆......⌘

’’داؤد! ہارون بھائی اور عبید سے کرایہ تو لے آتے‘ خود سے تو انہوں نے بھجوایا نہیں۔‘‘

’’خود سے کون بھجواتا ہے امی۔‘‘ داؤد کے ہونٹوں پر افسردہ سی مسکراہٹ پھیلی تھی۔ وہ پچھلے کئی دنوں سے دکان جا رہا تھا اتنا مال تھا‘ کتنے دن ملازموں پر بھروسہ کیا جاتا۔ شام کو وہ ہارون کے پاس پہنچا۔

’’انکل میں ایکچولی اس لیے آیا ہوں......‘‘ وہ جھجکا۔

’’رینٹ نہیں دیا آپ نے؟‘‘

’’رینٹ‘ کون سا رینٹ؟‘‘ وہ یوں چونکے جیسے اس نے پتا نہیں کتنی غیر متوقع بات کردی ہو۔ ان کے ردعمل نے تو داؤد کو بھونچکا کردیا تھا۔

’’اس شاپ کا رینٹ انکل جو آپ ہر ماہ ابو کو دیتے تھے۔ وہ لینے آیا ہوں میں۔‘‘

’’تو تمہیں یہ علم ہی نہیں کہ مسعود بھائی نے یہ دکانیں بیچ دی ہیں۔ میں نے اور عبید بھائی نے یہ دونوں دکانیں ان سے خرید لی تھیں۔‘‘ داؤد ایک دم اٹھا۔

’’یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں انکل۔ ایسا کب ہوا؟ ہمیں کیوں نہیں پتا؟‘‘

’’اب میں کیا کہہ سکتا ہوں کہ مسعود بھائی نے آپ لوگوں کو کیوں نہیں بتایا؟ ہوسکتا ہے پریشان نہ کرنا چاہتے ہوں۔ اصل میں پچھلے کچھ ماہ سے وہ بہت پریشان تھے۔ لوگوں نے ادھار لے کر پیسے نہیں دیئے تھے۔ ان کا مال بھی پھنس گیا تھا اور وہ جو بحریہ ٹاؤن میں بنگلہ بک کروایا تھا اس کی اقساط بھی دینی تھیں‘ کچھ اور مسائل بھی تھے تو وہ بہت پریشان تھے۔ انہوں نے یہ دکانیں بیچنے کا سوچا تو ہم دونوں سے مشورہ کیا کہ اگر ہم انٹرسٹڈ ہیں تو خرید لیں ورنہ وہ کسی اور سے رابطہ کریں۔ میں نے اور عبید بھائی نے ان سے بات کی پیسوں کا انتظام کیا اور یہ دکانیں خرید لیں۔‘‘ انہوں نے تمام تفصیل سے آگاہ کیا۔

’’دونوں دکانیں بیچ دیں۔ ایسی بھی کیا ضرورت پڑ گئی تھی آخر؟‘‘ داؤد کے کانوں میں سائیں سائیں ہو رہی تھی وہ کیسے مان لیتا جبکہ ابھی ڈھائی مہینے پیشتر اس کی فیس دیتے ہوئے مسعود نے مسکرا کر بتایا تھا کہ وہ ہارون اور عبید سے کرایہ لے کر آئے ہیں‘ ان کے پیسے ایک پارٹی کے پاس رکے ہوئے ہیں۔ وہ عبید انکل کے پاس آیا ان کے پاس بھی وہی کہانی تھی۔ وہ ماؤف ہوتے دماغ کے ساتھ وہاں سے اٹھ آیا تھا۔

⌘......☆......⌘

’’ایسا کیسے ہوسکتا ہے‘ چھوٹی چھوٹی بات پر مشورہ کرنے والے تمہارے ابو اتنی مہنگی دکانیں بغیر کسی سے مشورہ کیے کیسے بیچ سکتے ہیں۔ میں یہ مان ہی نہیں سکتی۔‘‘ نازیہ تو سچ مچ چکرا گئی تھیں۔ داؤد ماں کو سب بتا کر ایک طرف سر پکڑے بیٹھا تھا۔ ’’تم اپنے چاچو کو بلاؤ انہیں ساری بات بتاؤ...... انہیں ساتھ لے جا کر ان دونوں سے بات کرو۔‘‘ نازیہ کے کہنے پر داؤد نے محمود چاچو کو فون کرکے ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ وہ خود آئے۔ داؤد کے ساتھ وہ ہارون اور عبید سے ملے اور ان سے دکان کی خرید وفروخت سے متعلق تمام کاغذات دکھانے کا کہا۔

انہوں نے نہ صرف مطلوبہ کاغذات دکھائے بلکہ گواہان کو بھی پیش کیا' جنہوں نے باقاعدہ گواہی دی کہ مسعود صاحب نے اپنی یہ دونوں دکانیں ہارون اور عبید کو فروخت کردی تھیں۔ اب اور کیا رہ گیا تھا کہنے کو وہ چپ چاپ وہاں سے چلے آئے تھے۔ داؤد کا تو دل ہی نہیں مان رہا تھا کہ ہارون اور عبید کوئی بے ایمانی کر بھی سکتے ہیں۔ وہ جو مسعود کے ایکسیڈنٹ کے بعد ہاسپٹل میں اس کے ساتھ کھڑے تھے بلکہ تمام بھاگ دوڑ انہوں نے بھائیوں کی طرح ہی کی تھی۔ پر یہ صرف اس کی سوچ تھی دوسروں کی نہیں۔ محمود نے بہت پریشانی سے نازیہ سے پوچھا۔

"بھابی آپ کو کیا لگتا ہے مسعود بھائی کو کوئی ایسی ضرورت آن پڑی ہوگی کہ دکانیں بیچنے کی نوبت آئی ہو یا انہوں نے کہیں اور پیسہ انویسٹ کیا ہو؟" نازیہ چونکہ عدت کی وجہ سے پردے میں تھیں' تو محمود دروازے کے باہر کھڑے تھے اور وہ اندر کمرے سے جواب بیٹے کو دے رہی تھیں جوان تک پہنچا رہا تھا۔

"نہیں...... انہیں ہرگز ایسی کوئی ضرورت نہیں تھی ایک ایک دکان پچاس' پچاس لاکھ کی ہے۔ انہیں ایک ساتھ اتنے پیسوں کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔ وہ دونوں بے ایمان ہوگئے ہیں اور دونوں جھوٹ بول رہے ہیں۔"

"اب ہم یہ کیسے ثابت کرسکتے ہیں' ان کے پاس مکمل کاغذات ہیں بلکہ گواہیاں بھی ہیں۔ اتنا بڑا اور مضبوط ثبوت کے ساتھ بولا گیا تو جھوٹ بھی سچ لگتا ہے۔ کیا پتا بھائی کو کوئی ایسی مجبوری درپیش ہوئی ہو کہ انہوں نے دکانیں بیچ ہی دی ہوں۔"

"وہ تو چھوٹی چھوٹی باتیں بھی گھر آکر بتاتے تھے۔ اتنی بڑی بات نہ مجھے' نہ تم لوگوں کو کسی کو بھی بتائے بغیر کیسے کرسکتے تھے۔ میں نہیں مان سکتی۔" محمود بے بسی سے داؤد کو دیکھ کر رہ گئے تھے۔

⌘......☆......⌘

یہ بھی شکر تھا کہ اس کا آخری سمسٹر تھا۔ سو جیسے تیسے ایگزیم دے کر فارغ ہوا تو پورا دھیان الیکٹرونکس کی دکان پر لگایا کہ اب یہی آمدن کا واحد ذریعہ رہ گیا تھا۔ مامون' شنید اور داؤد نے ایک ساتھ جاب کے لیے اپلائی کیا تھا مگر جاب صرف مامون کو مل پائی تھی۔ شنید اپنے والد کے کمپیوٹر سینٹر کو ٹائم دینے لگا۔ داؤد تو ویسے ہی اپنی دکان چلا رہا تھا۔ دکانوں کے موضوع پر تینوں کے درمیان بھی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ ایسے متنازعہ موضوع کو چھیڑتے ہی نہیں تھے۔ دن گزر رہے تھے کہ اس دن نازیہ نے سکوت میں پتھر پھینکا۔

"داؤد! تم سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔" اس نے منتظر نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"شمیلہ کا فون آیا تھا وہ شاویز کے لیے صبغہ کا رشتہ مانگ رہی ہے اور ادھر حاتم (نازیہ کا بھائی) بھی حازم کے لیے کہہ چکا ہے۔ میں تم سے مشورہ کرنا چاہتی ہوں کہ کون صبغہ کے لیے بہتر رہے گا؟"

"دونوں ہی بہت اچھے ہیں امی! پھر بھی آپ جو زیادہ مناسب سمجھیں۔"

"دیکھو بیٹا بہترین طریقہ تو استخارہ ہے اور وہ میں ضرور کروں گی ویسے میں اس لیے شاویز کو پسند کروں گی کیونکہ حازم تو میرے بھائی کا بیٹا ہے اور میرے بھائی مجھ سے اپنا تعلق کسی بھی طرح نبھائیں گے ضرور لیکن تمہاری پھوپو کا ہم سے شاید وہ تعلق نہ رہ پائے جو تمہارے ابو کی زندگی میں تھا' ہمیں تمہارے ابو کے حوالے سے اس رشتے کو مزید مضبوط بنانا ہے۔ انہیں خود سے جوڑے رکھنا ہے اور یہ نسبت اس سلسلے میں بہت اہم ثابت ہوگی۔" داؤد نے بے اختیار تحسین بھری نظروں سے ماں کو دیکھا جو اپنے مرتبے سے کچھ اوراوپر جا کھڑی ہوئی تھیں۔

"امی...... اس سلسلے میں صبغہ کی رائے تو سب سے اہم ہے نا' آپ دونوں پروپوزلز اس کے سامنے رکھ کر اس کی رائے لیں۔"

"ہاں بالکل...... وہ میں ضرور لوں گی۔ پھر وہ جو بھی کہے گی وہ تمہیں بھی بتادوں گی۔" اور صبغہ نے سارا اختیار

ماں کے حوالے کر دیا تھا۔

"جو آپ کی پسند امی...... وہی میری بھی مرضی ہوگی۔" نازیہ نے اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

"سدا خوش رہو آمین۔" سب کی رضامندی سے یہ رشتہ طے پا گیا۔ شمیلہ نے شادی کے لیے چھ ماہ کا وقت دیا تھا تاکہ مسعود کی برسی بھی گزر جائے۔ اس وقت داؤد کو لگ رہا تھا چھ ماہ کافی ہیں، سب ہو جائے گا۔ مگر اب لگ رہا تھا کہ وقت تو بہت تیزی سے گزرتا جا رہا ہے اور اس سے کچھ بچت نہیں ہو پا رہی ہے بلکہ وہ تو اخراجات پورے کرنے کے لیے ہی ہلکان ہوا جا رہا تھا۔

"داؤد...... شمیلہ اب دن طے کرنے آنا چاہتی ہے۔" نازیہ نے اسے بتایا۔

"اتنی جلدی؟" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

"جلدی کہاں ہے بیٹا یہی طے ہوا تھا کہ چھ ماہ بعد شادی رکھ دی جائے گی، تو اب چھ ماہ ہو چکے ہیں۔" وہ پھیکا سا مسکرائیں۔

"وہ تو ٹھیک ہے امی لیکن......؟" وہ رک گیا۔

"لیکن کیا بیٹا، کھل کر بات کرو، میں ماں ہوں تمہاری، کوئی غیر تو نہیں۔"

"وہ امی شادی کے لیے تو بہت روپیہ چاہیے ہوگا نا؟"

"وہ تو ظاہر ہے...... پر تم پریشان نہیں ہو، میں نے دو، دو لاکھ کی کمیٹیاں ڈالی ہوئی ہیں، زیور بھی کافی رکھا ہوا ہے میرے پاس۔ وہ دے کر نیا بنوا لوں گی، ریفریجریٹر اور واشنگ مشین تمہاری دکان سے آ جائیں گے۔ فرنیچر کے لیے صائم نے کہہ رکھا ہے وہ دے گا۔ باقی اخراجات کا بھی اللہ مالک ہے۔" وہ ہلکا سا مسکرائیں تو وہ بھی بہت کوشش سے مسکرا دیا۔

اتوار کے دن شمیلہ پھوپو اپنے سسرالیوں کے ساتھ آئیں اور تاریخ طے کر کے چلی گئیں۔ شادی کی تیاریاں شروع ہوئیں تو داؤد کو اندازہ ہوا کہ پیسہ پانی کی طرح کیسے استعمال ہوتا ہے۔ نازیہ کے بقول تو بہت کم اخراجات ہونے تھے اور یہاں یہ صورت حال تھی کہ ان کا بازار کا ہر چکر تقریباً ساٹھ، ستر ہزار روپے کا پڑ رہا تھا۔

پیسوں کا انتظام کرنے میں ہلکان داؤد دکان میں موجود بڑے بڑے اپلائنسز رعایت میں دے دے کر دکان تقریباً خالی کر چکا تھا۔ پر یہ موقع نہیں تھا کہ وہ کسی پر اپنی پریشانی ظاہر کرتا، سو چپ چاپ مصنوعی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے سب فنکشن اٹینڈ کرتا رہا۔ اس پر کیا گزر رہی تھی، اس کی چاہنے والی ماں کو بھی یہ معلوم نہیں ہو پایا تھا۔ شادی ہو گئی، صبغہ رخصت ہو گئی، گھر میں صرف دو افراد رہ گئے تھے۔ داؤد اور نازیہ۔ دن جو اتنی تیزی سے گزر رہے تھے اب ایک دم سست روی کا شکار ہو گئے تھے۔ حالانکہ وہی چوبیس گھنٹے کا دن تھا جو اپنی مخصوص رفتار سے ہی گزرتا تھا...... مگر یہ انسان کے اپنے احساسات ہیں جو اسے وقت کی تیزی اور سستی کا تعین کرواتے ہیں۔ سو اب یہی داؤد کے ساتھ ہو رہا تھا۔

⌘......☆......⌘

اس دن وہ ماموں کی طرف آیا تھا۔ ماموں اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر اپنے کمرے میں گیا تھا۔ وہ خاموشی سے صوفے کی بیک پر سر ٹکا کر چھت پر نظریں جمائے اپنی الجھنوں میں کھویا ہوا تھا کہ حبہ کی آواز پر چونکا جو اسے سلام کر رہی تھی۔

"کیا بات ہے آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟" حبہ یہ سنتے ہی کہ داؤد آیا ہے چائے کی ٹرالی لیے آن پہنچی تھی۔ پر اب اس کا پریشان چہرہ دیکھ کر خود اداس ہو گئی تھی۔

"نہیں، پریشان تو نہیں ہوں، بس تھکن سی ہے۔" داؤد نے ایک نظر اسے دیکھا۔ پنک شرٹ، وائٹ ٹراؤزر اور دوپٹے میں کتنی خوب صورت دکھائی دے رہی تھی کہ اسے نگاہ ہٹانے میں دشواری ہوئی۔

"مجھے تو آپ پریشان ہی دکھائی دے رہے ہیں۔" اس نے چائے کی پیالی اس کی طرف بڑھائی، داؤد نے خاموشی سے تھام لی۔ وہ بغور اسے دیکھ رہی تھی۔ "صبغہ تو ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں، شکر ہے اللہ کا۔"

"کچھ ہی دنوں میں رمضان شروع ہونے والے ہیں تو صبغہ آ جائے گی۔ اکلوتی شادی کے بعد پہلی بار رمضان آ رہے ہیں نا تو وہ آئے گی رہنے کے لیے؟"

"پتا نہیں، مجھے تو کچھ علم نہیں۔" اس نے کندھے اچکا کر اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ اتنے میں ماموں آ گیا، پھر دونوں چائے پینے اور اپنی باتوں میں ایسے مصروف ہوئے کہ وہ تو وہاں ہوتے ہوئے بھی نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔ پہلے ہی وہ بڑی مشکل سے بات سے بات نکال رہی تھی۔ اب اس سے بھی گئی تو اٹھ کر باہر آ گئی۔ کتنا مشکل ہو گیا تھا اسے دیکھنا، اس سے ملنا اور اس سے بات کرنا تو اور زیادہ مشکل، صبغہ کی شادی میں بھی کھویا کھویا، گم صم، اداس، اتنے لوگوں میں حبہ کے لیے بہت مشکل تھا اس سے ملنا...... بات کرنا، پھر بھی وہ دو تین بار زبردستی اس کے سامنے جا کر اس سے مخاطب ہوئی تھی۔ وہ جواب میں اتنا کم بولا اور بہانے سے اس کے سامنے سے ہٹ گیا تھا کہ وہ کتنی ہی دیر خفت کا شکار رہی تھی پر دل کے ہاتھوں ایسی مجبور کہ...... ابھی بھی وہ ڈرائی فروٹ کے بہانے دوبارہ ڈرائنگ روم کی طرف آئی تو باتوں کی آواز پر باہر ہی رک گئی۔

"امی نے تو کہہ دیا ہے کہ صبغہ کی عیدی بھیجنی ہے۔ نہ صرف صبغہ بلکہ شاویز، پھوپو اور پھوپا جی سب کے لیے سوٹ بھیجنے ہیں۔ اب یہ کم از کم بھی کروں تو چالیس ہزار تک کا خرچہ ہے۔ دو، دو کمیٹیاں امی نے ڈال رکھی ہیں جو صبغہ کی شادی میں کام آ گئیں۔ پر اب ان کے ماہانہ پیسے تو دینا ہیں نا۔ دس ہزار وہ دینے ہوتے ہیں، گھر بھی چلانا ہوتا ہے۔ میں کیا کروں، کیسے یہ سب مینیج کروں۔ مجھے تو لگتا ہے میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

"ریلیکس یار داؤد! تو کیوں اتنی ٹینشن لے رہا ہے، میں کس مرض کی دوا ہوں، میرے پاس کم پیسے ہیں، تو چالیس چھوڑ پچاس ہزار لے لے، بس پریشان نہ ہو۔"

"کیوں لوں میں تجھ سے، میں نے اس لیے بات نہیں کی تجھ سے، میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ امی کو سمجھنا چاہیے کہ یہ سب اسراف ہے۔ بلاوجہ کا فضول خرچہ

حالانکہ ہمارے دین میں ان فضول رسومات کا کوئی ذکر ہی نہیں نہ اس سے معاشرے میں بلند مقام ملتا ہے بس دوسروں کی دیکھا دیکھی بلاوجہ کے اخراجات کے بوجھ سے مرد کے لیے اذیت کا سامان تیار کرو وہ وسائل کی فراہمی کے لیے اپنی ضرورت سے زائد بوجھ اٹھا کر چاہے سولی چڑھ جائے۔ یہ رسومات ضرور پوری ہونی چاہئیں۔''

وہ پھٹ پڑا تھا۔ اس کے لہجے کی ساری تلخی حبہ کو اپنے اندر اترتی محسوس ہوئی۔ اسے اس کی خاموشی کا سبب پتا چل گیا تھا۔ وہ وہیں سے بوجھل دل کے ساتھ پلٹ گئی تھی۔

⌘......☆......⌘

عبید کے ہاں ایک ساتھ دو خوش خبریاں آئی تھیں۔ ایک تو جنید کی بیٹی کی پیدائش اور دوسرے شنید کی جاب کا مل جانا۔ انہوں نے اس خوشی کو سیلبریٹ کرنے کے لیے چھوٹی سی تقریب منعقد کی تھی۔ سب ہی گئے تھے۔ ہارون کی بھی ساری فیملی تھی۔ واپسی پر رابعہ نے ہارون کو مخاطب کیا۔

''یہ جنید کی بیٹی آپ کو ٹھیک لگ رہی تھی۔ میرا مطلب ہے نارمل؟''

''کیا مطلب؟'' وہ حیران ہوئے۔ ''ٹھیک ہی تھی۔''

''بہت زیادہ رو رہی تھی۔ عموماً بچے اتنا تو نہیں روتے؟''

''مجھے تو کوئی اندازہ نہیں اس بارے میں۔'' ہارون نے اپنی لاعلمی کا اعتراف کیا۔

''ہوسکتا ہے کوئی تکلیف ہو۔'' رابعہ نے قیاس آرائی کی۔ آج ان دونوں نے مامون کے لیے پریزے کے رشتے کی خواہش کا ذکر بھی کیا تھا۔ عبید اور علیزے نے اس پر خوشی کا اظہار کیا تھا۔ یعنی رشتہ طے تھا بس رسمی باتیں ہونی تھی۔

⌘......☆......⌘

''داؤد پیسوں کا انتظام ہوا؟''

''جی امی یہ لیں۔'' اس نے رقم ان کے حوالے کی۔

''اب میں بے فکر ہو کر شاپنگ کرلوں گی۔ تم اور میں جا کر بعد میں دے آئیں گے۔ آج اگر فارغ ہو تو لے چلو مجھے بازار۔''

''دیکھتا ہوں امی۔'' وہ بجھے ہوئے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ نازیہ نے بغور اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

''کیا بات ہے داؤد...... اتنے خاموش اور اداس کیوں ہو؟''

''کچھ نہیں امی ایسے ہی سست ہو رہا ہوں۔''

''ایسے تو نہیں...... یہاں آؤ میرے پاس بلکہ میں ہی آجاتی ہوں۔'' وہ اس کے اٹھنے سے پہلے اس کے پاس آبیٹھیں۔ ''تمہیں کیا لگتا ہے مجھے تمہاری مشکلات کا کوئی علم نہیں میں جان بوجھ کر تمہاری مشکلات بڑھاتی ہوں۔ تمہیں اور پریشان کرتی ہوں۔''

''کیسی باتیں کررہی ہیں امی۔'' وہ شرمندہ ہوا۔

''صحیح کہہ رہی ہوں بیٹا کیا کروں۔ صبغہ کی شادی کے بعد پہلی عید ہے کچھ اہتمام کرلیا جائے تو اور کچھ نہیں اس کا سر فخر سے بلند ہوجائے گا۔ ہمارے معاشرے میں لڑکیوں کے حوالے سے کچھ ایسے رسوم ورواج فروغ پاگئے ہیں جو سوائے ان کے والدین کی مشکلات بڑھانے کے کوئی اچھائی نہیں کررہے یہ عیدی دینے کی رسم بھی انہی کا حصہ ہے۔ میں نہیں چاہتی میری صبغہ کو کوئی بات سننے کو ملے اور اسے اپنے ابو کی کمی محسوس ہو۔ اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ میں تمہیں پریشان کردوں۔'' آخر میں ان کا انداز خود کلامی کا سا ہوگیا۔

''پلیز امی...... ڈونٹ وری۔''

''تو پھر تم کیوں اتنے مرجھائے ہوئے ہو؟''

''بس یونہی امی ایک بات پوچھوں پھوپو تو ہماری اپنی ہیں نا اگر ہم یہ سب نہ کریں تو کیا وہ بھی صبغہ کو طعنے دیں گی۔''

''شاید...... ویسے میں ایسی نوبت آنے نہیں دینا چاہتی کہ اپنوں کو بھی آزمائش کی کسوٹی پر پرکھنا پڑے۔ یہ پہلی عید ہے صبغہ کی اپنے سسرال میں یہ اچھی ہوجائے

آگے کا اللہ مالک ہے۔" وہ پیسے رکھنے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ اسی اثناء میں کال بیل کی آواز آئی تو وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

نازیہ کمرے سے باہر آئیں تو شمیلہ، شاویز اور صبغہ کو لاؤنج میں کھڑے دیکھ کر اپنی جگہ پر جم سی گئیں۔

"ارے کیا ہوا بھابی تمہیں دیکھ کر بہت حیرت ہوئی ہے کیا؟" شمیلہ آگے بڑھ کر ان سے لپٹ گئیں۔

"تم لوگ اتنے اچانک، نہ اطلاع، نہ فون......"

"بس دل چاہا ملنے کو اٹھ کر آگئے۔ کیوں کیا اجازت لے کر آنا چاہیے تھا؟" شمیلہ مصنوعی ناراضگی سے بولیں۔

"اجازت کیوں، تمہارا اپنا گھر ہے جم جم آؤ۔" سب مل کر تسلی سے بیٹھے تو شمیلہ نے صبغہ سے کہا۔

"جاؤ...... بھابی اور داؤد کے گفٹس لے کر آؤ نا۔"

"ہیں...... ہیں کیسے گفٹس...... پاگل تو نہیں ہوگئی ہو۔"

"عید کے گفٹس اور کیسے گفٹس...... رمضان شروع ہوگئے تو آیا نہیں جائے گا۔ اس لیے میں نے سوچا ہم پہلے ہی ہو آتے ہیں۔ پچھلے رمضان اور عید بھائی کی وجہ سے......" ان کی آواز بھیگ گئی۔ نازیہ کا دل تو پہلے ہی ہلکی سی ٹیس کا منتظر رہا کرتا تھا ان کے آنسو بہنے لگے۔ صبغہ جو بیگ لے کر آچکی تھی۔ نازیہ سے لپٹ گئی۔ شاویز نے اٹھ کر ان دونوں کے سر تھپتھپائے اور انہیں الگ کیا۔ کافی دیر لگی تھی سب کو نارمل ہوتے ہوئے۔ شاویز نے خود بیگ کھول کر سامان نکال کر ٹیبل پر رکھا اور اس میں سے داؤد کے لیے لائے گئے سوٹ، جوتے اور پرفیوم الگ کر کے اس کے حوالے کیے۔

"تھینکس یار۔" وہ اٹھ کر اس کے گلے لگا۔ نازیہ کے لیے بھی کپڑے، جوتے اور پرس ودیگر سامان تھا۔

"شمیلہ تم نے تو مجھے شرمندہ ہی کردیا...... یہ سب تو میں لانے والی تھی تم سب کے لیے۔"

"ہرگز نہیں مامی، ماموں زندہ بھی ہوتے، میں تب بھی آپ کو یہ سب نہ کرنے دیتا۔ صبغہ اب میری ذمے داری ہے تو اس کی عید کی شاپنگ بھی تو میری ذمے داری ہے نا۔ میں اسے ساتھ لے کر جاؤں گا اور جو کچھ اس کو پسند ہوگا وہ سب دلاؤں گا اور سرپرائز یہ کہ ہم عید بھی یہاں آپ کے ساتھ کریں گے۔ محمود ماموں بھی یہیں آجائیں گے تو ہم سب مل کر عید کو انجوائے کریں گے۔ ان شاء اللہ۔"

"بہت خوشی سے آؤ...... سر آنکھوں پر...... مگر یہ سب بہت زیادتی ہے۔" نازیہ نے سامان کی طرف اشارہ کیا۔

"کوئی زیادتی نہیں۔ یہ تو میرے بھتیجے کا حق ہے۔ چھوٹی سی عمر میں اتنی بڑی ذمے داری اٹھانے سے اس کا حال تو دیکھیں کیا ہوگیا کتنا کمزور ہوگیا ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے کوئی پھول پورا کھلنے سے پہلے مرجھا جائے۔" انہوں نے داؤد کا سر اپنے ساتھ لگا کر چوما۔ شاویز کھلکھلا کر ہنسا۔

"اوئے ہوئے پھول...... امی یہ لفظ تو لڑکیوں کے لیے استعمال ہوتا ہے آئی تھنک۔"

"لڑکیوں نے کیا اس لفظ پر قبضہ کرلیا ہے۔ میرا بچہ کسی پھول کی طرح خوب صورت اور کھلا کھلا ہے، بس آج کچھ کملایا ہوا ہے پر میں مزید کملانے نہیں دوں گی۔" انہوں نے صرف کہا نہیں کر کے دکھایا تھا۔ تنہائی میں داؤد کو پانچ لاکھ کا چیک دیا کہ وہ دکان میں سامان ڈلوائے۔ اس نے احتجاج کرنے کی بہت کوشش کی مگر انہوں نے روک دیا۔ "یہ پھوپو...... بھتیجے کی آپس کی بات ہے۔"

⌘......☆......⌘

اس دن داؤ، ماموں سے ملنے گیا تو وہ پریشان دکھائی دیا۔ شمعون کے پیٹ میں پچھلے دنوں بہت تکلیف رہی تھی۔ دکھانے پر پتا چلا کہ پیٹ کے اندر گلٹی بن گئی ہے جو دن بہ دن بڑھتی جارہی ہے اور درد بھی کررہی ہے۔ ڈاکٹر نے اس کے کچھ ٹیسٹ لیے تھے اور جب ٹیسٹ کی رپورٹ آئی تو ان کا پورا گھر ہل کر رہ گیا تھا۔ اسے High grade sarcoma (کینسر) تھا۔ ڈاکٹر نے انہیں فوراً oncologyst سے ملنے کی ہدایت کی تھی۔ داؤد کو شمعون کی بیماری کے متعلق تھوڑا بہت تو علم تھا مگر بات اس حد تک بگڑ چکی تھی یہ جان کر وہ بھی دکھی ہوا۔

oncologyst نے کچھ اور ٹیسٹ کروائے۔ ان کی رپورٹس آنے کے بعد اس کا علاج تجویز کیا گیا کہ پہلے ریڈیو تھراپی ہوگی تاکہ گومڑ کا سائز چھوٹا کیا جاسکے۔ پھر آپریشن سے اسے ریموو کرکے فوری کیموتھراپی شروع کردی جائے گی سو دل کڑا کرکے یہ سخت ترین علاج شروع کروایا گیا۔ یہ سب مراحل اتنے اذیت ناک تھے کہ شمعون کا تو جو حال ہورہا تھا' اس سے بھی برا حال اس کی فیملی کا ہورہا تھا۔ وہ سب سے چھوٹا' سب کا لاڈلہ شمعون جسے گھر میں کبھی کسی نے جھڑکا تک نہ تھا۔ آج اتنے تکلیف دہ علاج سے گزر رہا تھا اور وہ سوائے اسے تکلیف میں دیکھ کر دعا کرنے کے کچھ اور نہیں کرسکتے تھے۔ علشبہ اپنے ڈاکٹر ہسبینڈ کے ساتھ ہاسپٹل میں ہی اس کے پاس رک گئی تھی مگر ظاہر ہے کب تک' پہلی کیموتھراپی کے بعد وہ واپس چلی گئی تھی۔ فون پر البتہ مسلسل رابطے میں رہتی تھی۔ کیموتھراپی کے 16 گھنٹوں کے بعد الٹیوں کا نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ ساتھ ہی بہت تیز بخار بھی ہوگیا تھا۔ علشبہ نے مامون کو سب سمجھایا تھا کہ کیا کیا سائیڈ اور آفٹر Effects ہوسکتے ہیں۔ اس لیے اس نے پہلے ہی ممی' پاپا اور حبہ کو بہلا پھسلا کر گھر بھجوادیا تھا۔ داؤد اور شنید بھی آگئے تھے اور ساری رات ان کے ساتھ ہی رہے تھے۔ مامون نے آفس سے چھٹی کرلی تھی اور شمعون کے پاس دو دن ہاسپٹل میں ہی رکا رہا تھا۔ تیسرے دن اسے اگلی کیموتھراپی کے لیے ریلیز کردیا گیا تھا۔ دوسری کیموتھراپی کے بعد شمعون کے سارے بال اتر گئے تھے اور وہ خود بھی بہت کمزور ہوگیا تھا۔ تیسری کیموتھراپی کے بعد اس کی طبیعت بہت خراب رہنے لگی تھی اور ڈاکٹر نے آٹھ کیمو ریکمنڈ کی تھیں۔ چوتھی کیموتھراپی کے لیے تو اس کی حالت ہی گوارا نہیں تھی۔ علشبہ بھی آگئی تھی اور شمعون کے ڈاکٹر سے مل کر تو اس کی اپنی حالت خراب ہوگئی تھی۔ پھر وہی ہوا جس کے خوف سے علشبہ کی حالت غیر ہوئی تھی۔ وہ چوتھی کیموتھراپی کے سائیڈ ایفیکٹس برداشت نہ کرتے ہوئے جان کی بازی ہار گیا۔ صدمے

اور غم کی شدت سے ہارون' حبہ اور علشبہ کی جو حالت تھی سو تھی پر رابعہ کا برا حال تھا۔ کتنے دن سے ایک خوف اپنے شکنجے میں لیے ہوئے تھا اور وہ سچ ہوکر سامنے آگیا تھا۔ ہائے ان کا لاڈلہ' ان کا چھوٹا سا شمعون' جسے اولیولز بھی مکمل کرنا نصیب نہ ہوا۔ بس ایک مامون تھا جو پتا نہیں کیسے خود پر قابو پائے ہوئے سب سے بہتر کنڈیشن میں نظر آتا ورنہ وہ تو ہر وقت بھائی کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس کی ہر تکلیف اس نے دیکھی تھی۔ پھر بھی اس کا اتنا حوصلہ دکھانا قابل داد تھا۔ داؤد اور شنید ہر لحظہ' ہر آن اس کے ساتھ تھے' اسے تسلی دیتے اس کا حوصلہ بڑھاتے مگر اندر سے وہ کتنا ڈسٹرب تھا اس کے اعصاب اتنے منتشر تھے کہ شمعون کے انتقال کے آٹھویں دن اس کا بہت شدید ایکسیڈنٹ ہوا۔ اتنا شدید کہ جان کے لالے پڑگئے تھے۔ ہارون تو شمعون کا غم بھول کر زندہ بیٹے کی سلامتی کی خیر مانگنے لگے۔ مامون کی ایک ٹانگ اور ایک بازو بہت گھائل ہوئے تھے۔ انتہائی دکھ کے دنوں میں یہ ایسی پریشانی آپڑی تھی کہ حقیقت میں شمعون کا دکھ ہلکا ہوگیا تھا۔ پھر وہ ٹھیک تو ہوگیا مگر اس کی ٹانگ میں فرق آگیا تھا۔ وہ بہت خاموش ہوگیا تھا۔ داؤد اور شنید آتے' اس سے گپ شپ لگا کر اس کا موڈ بدلنے کی بہت کوشش کرتے مگر اس کی چپ نہیں ٹوٹتی تھی۔ اس وقت بھی خاموشی سے آنکھیں بند کیے لیٹا ہوا تھا کہ فون کی بیل ہونے لگی۔ اس نے بے دلی سے فون اٹھایا۔ داؤد کا نام بلنک ہورہا تھا۔

"ہاں داؤد۔"

"یار مامون غضب ہوگیا' شنید کو کسی نے اغوا کرلیا ہے۔"

"کیا......؟" وہ چلایا۔ "کیا کہہ رہا ہے تو؟"

"ہاں صحیح کہہ رہا ہوں' تو انکل سے پوچھ لے۔ وہ تو کل سے ہی غائب ہے۔ سب ہی تلاش کررہے تھے کہ آج انکل عبید کے پاس اغوا کنندگان کا فون آیا ہے۔ وہ ایک کروڑ روپے کا مطالبہ کررہے ہیں۔"

"ایک کروڑ؟" مامون کی تو آواز ہی گلے میں

پھنس گئی۔

”مجھے جنید بھائی نے بتایا، میں ابھی وہیں جارہا ہوں تو بھی دعا کر شنید خیریت سے گھر آجائے۔“

”اللہ رحم کرے۔“ ماموں نے فون ڈھیلے ہاتھوں سے اپنے برابر رکھا اور خود اپنے دوست کے لیے محو دعا ہوگیا۔ اپنے رحیم پروردگار سے اس کی زندگی کی بھیک مانگنے لگا۔

⌘......☆......⌘

”ایک کروڑ روپے؟“ عبید کو تو ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ جنید الگ پتھرایا سا کھڑا تھا۔ ہارون اتنے میں آن پہنچے تھے۔

”عبید تم سے کچھ کہنا ہے مجھے۔“

”ہاں کہو؟“

”دیکھو اب تو میرے پاس بھی اتنی رقم نہیں ہے کہ میں تمہاری مناسب مدد کرسکوں پھر بھی جو ہیں وہ لے آیا ہوں۔“

”مجھے اچھی طرح سے معلوم ہے کہ تم خود کتنی پریشانی سے گزرے ہو۔“ عبید نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

”اب یہی ہوسکتا ہے کہ تم اپنی دکان بیچ دو، میرے سالے کو اچھی جگہ دکان کی ضرورت ہے۔ وہ فوراً خرید لے گا۔ باقی رقم کا بھی ان شاء اللہ کچھ نہ کچھ ہوہی جائے گا۔ اپنے بچے کی زندگی سے زیادہ اہم تو کچھ بھی نہیں۔“

عبید نے دکھ سے جلتی سانس سینے سے خارج کی اور اثبات میں سر ہلایا۔ دکان بکی' زیور بکے تو بلآخر اسی لاکھ جمع ہوئے۔ ان میں بھی دس لاکھ ہارون نے اور پانچ لاکھ داؤد نے دیئے تھے۔ صد شکر کہ اغوا کنندگان کو کچھ رحم آہی گیا کہ وہ اسی لاکھ پر ہی مان گئے اور شنید بخیریت گھر آگیا۔ پر ایک بدلے ہوئے شنید کے روپ میں جو ہنسنا' بولنا بھول ہی گیا تھا۔

⌘......☆......⌘

ماموں نے ٹانگ کے نقص کی وجہ سے پریزے سے شادی کرنے سے انکار کردیا تھا۔ ہرچند کہ سب نے ہی اس کو سمجھایا مگر وہ اپنی ضد سے پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ پریزے اپنی تعلیم مکمل کرکے پاکستان آچکی تھی اور ہارون، ماموں اور حبہ کے فرائض سے فارغ ہوجانا چاہتے تھے مگر اس سے پہلے کہ وہ حبہ کے لیے کسی رشتے پر غور کرتے' ماموں نے یہ نیا شوشہ چھوڑ کر معاملے کو مزید گھمبیر کردیا تھا۔

داؤد کو بہت اچھی جاب مل گئی تھی اور وہ بہت خوش تھا۔ اس نے نازیہ سے حبہ کے لیے بات کی' وہ کچھ کچھ معاملہ سمجھ چکی تھیں' سو فوراً راضی ہوگئیں۔ انہوں نے شمیلہ اور محمود کی بیوی عرشیہ کو بلایا اور انہیں لے کر ہارون کے ہاں گئیں تو وہاں جاکر پتا چلا کہ ہارون کا پرانا وفادار ملازم' ان کا نہ صرف کیش بلکہ دکان کی بڑی بڑی قیمتی چیزیں لے کر کہیں فرار ہوگیا تھا اور اتنے نقصان پر ہارون کو ہارٹ اٹیک ہوگیا تھا۔ ماموں اور رابعہ انہیں ہاسپٹل لے کر گئے ہوئے تھے اور گھر میں صرف حبہ ہی تھی۔ اس سے کیا بات کی جاتی۔ سو وہ دوبارہ آنے کا کہہ کر چلی آئیں۔ بہرحال شمیلہ اور عرشیہ کو حبہ بہت پسند آئی تھی۔

⌘......☆......⌘

”اب کیسی طبیعت ہے آپ کی انکل؟“ داؤد نے ہارون سے ہاتھ ملایا اور پاس رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ ہارون کی طبیعت پوچھنے کے لیے آیا تھا۔ وہاں عبید اور پریزے بھی موجود تھے۔ داؤد خوشدلی سے ان سے بھی ملا۔

ہارون اور عبید نے اسے نوکری مل جانے کی مبارک باد دی اور اس سے ملازمت سے متعلق تفصیلات پوچھنے لگے۔ اس دوران حبہ چائے لے آئی تھی۔ داؤد نے چور نظروں سے اسے دیکھا وہ بہت تھکی ہوئی' کمزور اور نڈھال دکھائی دے رہی تھی۔ داؤد کے دل کو کچھ ہوا' اسی لمحے ماموں اندر آیا تھا۔ داؤد سے مل کر وہ اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ داؤد نے نوٹ کیا وہ پریزے سے دانستہ نظریں چرا رہا تھا۔ بلآخر اٹھ گیا۔

"آؤ میرے کمرے میں چلتے ہیں۔" اور ابھی دونوں ٹھیک سے بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون..... آجاؤ۔" مامون نے زور سے کہا۔

دروازہ کھلا اور پریزے اندر داخل ہوئی۔ غیر متوقع طور پر اسے دیکھ کر مامون کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔

"کیوں بہت حیرت ہوئی ہے مجھے دیکھ کر..... کیا مجھے نہیں آنا چاہیے تھا؟" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں مامون کے قریب آکر اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

مامون نے بے ساختہ نظریں چرائیں۔

"نہیں مجھے کیوں حیرت ہوگی؟ آؤ بیٹھو۔"

"میں یہاں بیٹھنے نہیں، کچھ باتیں کرنے آئی ہوں۔ کچھ غلط ہوا ہے اسے کلیئر کرنے......"

"میں چلتا ہوں، پھر آؤں گا۔" داؤد کو مناسب نہیں لگا کہ وہ ان کی ذاتی باتوں میں تیسرا فریق بن کر بیٹھا رہے تو وہ اٹھ گیا۔ مامون نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ بٹھادیا۔

"ایسا کچھ نہیں جو تجھ سے چھپا ہوا ہے۔ بیٹھ چپ کرکے..... جی؟" وہ پریزے کی طرف مڑا جو ابھی تک کھڑی تھی۔ داؤد نے ہاتھ سے کاؤچ کی طرف اشارہ کیا۔

"پلیز آپ بیٹھ جائیں پھر آرام سے بات کریں۔"

"نہیں آرام تو اب میری زندگی میں کہیں رہا ہی نہیں۔ آپ کے دوست نے یہ لفظ میری زندگی سے خارج کردیا ہے۔" اس نے ہاتھ سے مامون کی طرف اشارہ کیا۔ "پہلے زبردستی میرے آگے پیچھے پھر پھر کر، اپنی طرف متوجہ کرکے، اپنی محبت میں مبتلا کیا اور پھر اتنے آرام سے انکار کردیا۔ جیسے کہیں کوئی فرق ہی نہ پڑتا ہو۔" اس کی آواز میں لرزش اتر آئی۔ "کتنا آسان ہے مردوں کے لیے کسی لڑکی سے محبت کرنا پھر اسے چھوڑ دینا لیکن ہم عورتوں کے لیے یہ موت ہے۔ ساری زندگی کا روگ بن جاتی ہے یہ محبت اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ محبت مرد کی زندگی کا ایک حصہ ہوتی ہے اور عورت کی پوری زندگی۔"

جہاں پھولوں کو کھلنا تھا

جہاں پھولوں کو کھلنا تھا وہیں کھلتے تو اچھا تھا
تمہی کو ہم نے چاہا تھا تم ہی ملتے تو اچھا تھا
کوئی آکر ہمیں پوچھے تمہیں کیسے بھلایا ہے
تمہارے خط کو اشکوں سے شب غم میں جلایا ہے
تم ہی کو ہم نے چاہا تھا تم ہی ملتے تو اچھا تھا
ہزاروں زخم ایسے ہیں اگر سلتے تو اچھا تھا
تمہیں جتنا بھلایا ہے تمہاری یاد آتی ہے
بہار تو جو آئی ہے خوشبو لاتی ہے
تمہارے لب میری خاطر ہلتے تو اچھا تھا
تم ہی کو ہم نے چاہا تھا تم ہی ملتے تو اچھا تھا
ملا ہے لطف کبھی ہم کو جن یادوں کے جھلمل میں
کٹی ہے زندگی تمہارے بن مگر اتنی سی ہے
اگر آتے تو اچھا تھا اگر ملتے تو اچھا تھا
تم ہی کو ہم نے چاہا تھا تم ہی ملتے تو اچھا تھا

جی کنول خان..... موسیٰ خیل

لرزش اس کی آواز سے اس کے وجود میں منتقل ہوگئی تھی۔

داؤد دم بخود تھا اور مامون، وہ بے ساختہ آگے بڑھ کر پریزے کے پاس کھڑا ہوا۔

"یہ محبت ہی تھی جس نے یہ انکار کروایا ہے..... جب تک میں ٹھیک تھا اپنی پوری توجہ اور محبت تمہیں دیتا رہا لیکن اب میں مکمل نہیں رہا، لنگڑا ہوگیا ہوں۔ ایک لنگڑے کے ساتھ چلنے میں تم شرم محسوس نہیں کروگی۔"

"نہیں..... کبھی نہیں۔" وہ چیخ اٹھی۔

"دیکھو..... ایموشنل مت بنو۔"

"بنوں گی نہیں، میں ہوں اموشنل اور میں اموشنل ہی رہنا چاہتی ہوں۔ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اگر تمہاری ٹانگ میں کوئی فرق آیا بھی ہے تو..... اگر دل میں فرق آتا تو میں کبھی چل کر تمہارے پاس نہ آتی۔ دل میں جذبات میں فرق نہیں آنا چاہیے۔ جسمانی کمی بیشی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔" وہ ایک ایک

لفظ پر زور دے کر بولی۔ مامون کتنی ہی دیر اسے دیکھتا رہا۔ پھر ہلکا سا مسکرایا۔ ”تمہیں تو وکیل ہونا چاہیے تھا۔ بہت اچھا آرگومنٹ کرتی ہو۔“

”ہاں مگر اپنے لیے صرف دوسروں کے لیے بولنا مجھے نہیں آتا۔“

”دوسروں کو فی الحال تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ وہ اپنے لیے خود بول سکتے ہیں۔“ مامون نے اسے چڑایا اور وہ جو بہت سنجیدہ کھڑی تھی، سچ مچ چڑ گئی۔

”تو بولتے کیوں نہیں؟“

”داؤد کے سامنے ہی بول دوں۔“ وہ اتنی معصومیت اور بیچارگی سے بولا کہ داؤد کو ہنسی چھپانے کے لیے تیزی سے اٹھ کر باہر آنا پڑا۔ بس اڑتی ہوئی نظر پریزے پر پڑی تھی، جس کا چہرہ مامون کی بات پر قندھاری انار کی طرح سرخ ہوگیا تھا۔ وہ اجازت لینے کے لیے ہارون کے پاس آیا جہاں حبہ بیٹھی انہیں دوائیں کھلا رہی تھی۔ اس نے حیرت سے داؤد کے مسکراتے چہرے کو دیکھا۔ وہ باہر اپنی گاڑی کے پاس آیا ہی تھا کہ حبہ، مامون اور پریزے کو اپنی طرف آتا دیکھ کر رک گیا۔

”کیوں اتنی جلدی جا رہا ہے؟“

”بس چلوں، امی نے گروسری کا سامان لینا ہے، تو انہیں لے کر جاؤں گا۔ ان کا فون بھی آچکا ہے۔“

”ہم تو تم سے ٹریٹ لینے کے لیے آئے ہیں۔“

”چلو ڈن ہے۔ تم لوگ دن اور ٹائم طے کر کے مجھے بتادو۔“

”اوکے پھر میں تجھے فون پر بتادوں گا۔“

”اوکے اللہ حافظ۔“

⌘......☆......⌘

”بائی داوے مسٹر مامون، یہ پریزے کے صرف ایک بار کہہ دینے سے تمہارا انکار، اقرار میں بدل گیا تو اتنا کمزور سا انکار کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ جس کے لیے خود کا دل بھی راضی نہیں تھا۔“ اس وقت داؤد اور مامون بڑی فرصت میں بیٹھے تھے۔ جب باتوں باتوں میں داؤد نے مامون کو آڑے ہاتھوں لیا۔ مامون بے اختیار کھلکھلا کر ہنس دیا۔

”دل تو واقعی راضی نہیں تھا مگر میں پریزے کو یہ گلٹ نہیں دینا چاہتا تھا کہ اس کا شوہر لنگڑا کر چلتا ہے۔ میں نے سختی سے ہی انکار کیا تھا اور اس پر قائم بھی تھا پر اس کے ایک جملے نے مجھے جیسے باندھ سا دیا۔“

”ایک جملے نے، کون سے جملے نے؟“ داؤد نے یاد کرنے کی کوشش کی۔

”یہ کہ محبت مرد کی زندگی کا صرف ایک حصہ ہوتی ہے اور عورت کی پوری زندگی بن جاتی ہے۔ اس ایک جملے نے وہ سحر طاری کیا کہ میں مزید اپنی بات پر قائم ہی نہیں رہ پایا۔ ایک تو اس کی محبت کی شدت، جس نے مجھے بہت متاثر کیا۔ دوسرے میں اسے بتانا چاہتا ہوں کہ مرد بھی عورت سے اتنی محبت کرتا ہے کہ اسے اپنی زندگی سمجھ لیتا ہے، میں نے تو انکار بھی اس کی محبت میں ہی کیا تھا، اسے دکھ سے بچانے کے لیے لیکن جب وہ خود دل سے آمادہ ہے تو میں خود کو محروم کیوں رکھوں، تو بس میں بھی مان گیا۔“

”بہت بہترین فیصلہ ہے تمہارا۔ ورنہ دوسری صورت میں تم بھی دکھی رہتے اور وہ بھی۔“ داؤد نے خلوص سے مامون کا ہاتھ دبایا۔ مامون سرشاری سے مسکرایا۔ اتنے دکھوں کے بعد ملنے والی خوشی کی قدر کوئی اس سے پوچھتا۔

”مجھے تم سے کچھ اور بھی کہنا ہے۔“ داؤد نے کچھ دیر بعد مامون کو مخاطب کیا تو اس کے لہجے میں جھجک محسوس کر کے وہ چونکا۔

”ہاں کہو نا کیا کہنا ہے؟“

”امی تمہارے گھر آنا چاہ رہی ہیں۔“

”ہیں یہ کہنا تھا تو نے؟“ مامون ہکا بکا رہ گیا۔

”نہیں یار میرا مطلب ہے میرے لیے...... میرے اور حبہ کے پرپوزل کے لیے دراصل وہ اس دن بھی اسی لیے آئی تھیں لیکن انکل ہاسپٹلائزڈ تھے تو واپس چلی گئیں۔“ اس نے جھجک کر بات کی تو مامون کھلکھلا کر ہنس دیا۔

”یار داؤد تو نے تو لڑکیوں کو بھی مات کردیا۔ حد ہوگئی یار میرے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی کیا بات ہوگی کہ میرا بہترین دوست میرا بہنوئی بنے۔ تو بھیج آنٹی کو پھر بات کرلیں گے۔“ وہ کوئی بے وقوف تو نہیں تھا کہ ان دونوں کے ڈھکے چھپے جذبات کو جان نہ پاتا اور داؤد جیسا ہیرا لڑکا جس کو وقت نے آزمائش کی بھٹی میں تپا کر تراش کر مزید چمکا دیا تھا' مامون بہت خوش تھا۔

⌘......☆......⌘

جنید بھائی کی پہلی بیٹی ایب نارمل ہی تھی اور اب ایک اور بیٹی پیدا ہوئی' وہ ایب نارمل تو نہیں تھی مگر اس کا چہرہ ایک طرف سے جلے ہوئے چہرے کی طرح تھا۔ آدھا ہونٹ' ناک اور پیشانی۔ اسی سائیڈ کی آنکھ بھی ترچھی تھی۔ ڈاکٹرز کے مطابق ایسی آنکھ کی بینائی بھی بہت کم ہوتی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ بینائی مکمل ختم بھی ہوسکتی ہے۔ جنید دکھ سے ساکت ہوگیا تھا اور اس کی بیوی انشراح' وہ تو رو رو کر نڈھال ہوگئی تھی۔ دو دو بیٹیاں' دو دو آزمائشیں' وہ کیسے پوری اترے گی ان آزمائشوں پر۔

”یا اللہ...... یہ کیا ہو رہا ہے ہمارے ساتھ؟“ عبید نے بے بسی سے آسمان کی طرف دیکھا۔

”آپ کو ابھی بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ ہمارے ساتھ یہ سب کیا اور کیوں ہو رہا ہے؟“ شنید نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔ عبید نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”کیا کہنا چاہتے ہو کھل کر کہو؟“

”یہ پے در پے مشکلات' یہ نئی سے نئی آزمائش کیوں ایک کے بعد ایک چلی آرہی ہیں اور صرف ہم پر یا ہارون انکل کی فیملی پر...... داؤد کے ساتھ کیوں کچھ نہیں ہو رہا؟“ شنید کے لہجے میں ٹوٹے ہوئے کانچ کی کرچیاں تھیں۔ عبید اور ہارون نے چونک کر اسے دیکھا اور مامون نے ہونٹ بھینچے۔ ”کبھی تنہائی میں یا ایک دوسرے کے پاس بیٹھ کر بھی آپ دونوں نے یہ نہیں سوچا کہ یہ پریشانیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ کیسے شروع ہوا؟ ابتدا کہاں سے ہوئی۔ کسی یتیم کا مال ہڑپ کرنا اتنا بھی آسان نہیں...... وہ تو بے بس تھا کچھ کر نہیں پایا تو سب چھوڑ دیا۔ پر اللہ نے نہیں چھوڑا۔ اس نے گرفت کرلی اور ابھی تو آغاز ہوا ہے۔ یہیں سے توبہ کرلیں اور حق دار کو اس کا حق لوٹا دیں ورنہ وقت گزر گیا تو کہیں در توبہ بھی بند نہ ہوجائے اور ہم آزمائش کی چکی میں پستے چلے جائیں۔ یہ ہمارے ساتھ جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس کا دوسرا نام مکافات عمل ہے۔“ شنید کا ٹوٹا لہجہ' مامون کی آنکھوں میں آنسو لے آیا......

ہارون اور عبید دم سادھے بیٹھے رہ گئے۔

”پاپا اور انکل' سوری ٹو سے مگر شنید بالکل صحیح کہہ رہا ہے' ہم ابھی بھی توبہ کرسکتے ہیں۔ ابھی بھی وقت ہاتھ سے گیا نہیں ہے۔ ہم داؤد کو سب کچھ لوٹا سکتے ہیں۔ میں نے بہت بار پاپا سے یہ کہنا چاہا مگر اتنی پریشانیاں تھیں کہ کہہ نہ پایا مگر شنید نے آج ہمت کرلی اور وہ بات کہہ دی جو اندر کہیں ہمارے دلوں میں تھی مگر ہم اعتراف کرتے ہوئے ڈر رہے تھے۔ بہرحال ابھی تلافی کی جاسکتی ہے۔“ عبید اور ہارون نے بے ساختہ ایک دوسرے کو دیکھا اور ایک ساتھ نظریں چرائیں۔

⌘......☆......⌘

داؤد اور حبہ کا رشتہ طے اور شادی بھی طے پاگئی تھی۔ وہ ہواؤں میں اڑ رہا تھا جب شادی سے دو دن پہلے ہارون

نظم

جب شام کے سائے منڈلاتے ہیں
پنچھی گھروں کو لوٹتے ہیں
تب یاد بہت تم آتے ہو
جب بارش کی بوندیں زمیں پہ گرتی ہیں
مٹی کی سوندھی خوشبو من کو بہلاتی ہے
تب یاد بہت تم آتے ہو
جب ساحل کی ٹھنڈی ریت پر
قدموں کے نشاں ابھرتے ہیں
تب یاد بہت تم آتے ہو

انیلا سخاوت...... تحصیل پپلاں ضلع میانوالی

نے اسے بلایا۔

”یہ میں تمہیں دے رہا ہوں اور اس کے لیے اس سے اچھا موقع پھر نہیں ملے گا۔“ انہوں نے ایک فائل اس کے آگے رکھی۔ وہ حیران ہوکر انہیں دیکھنے لگا۔

”یہ کیا ہے؟“

”یہ تمہاری امانت ہے۔ تمہاری دکان کے کاغذات جو میرے پاس غلط ہیں۔ انہیں اپنے جائز وارث کے پاس ہونا چاہیے۔“

”مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہا۔“ وہ مزید الجھا۔

”تو بس پھر سمجھنے کی کوشش بھی نہ کرو اور نہیں اپنے پاس رکھ لو۔ یہ میری طرف سے تمہاری سلامی ہے۔ اس سے اچھی سلامی میں تمہیں دے بھی نہیں سکتا تھا۔“

”مگر انکل میں یہ نہیں لے سکتا' آپ نے تو یہ ابو سے خریدی تھی نا تو اب مجھے کیوں دے رہے ہیں؟“

”اس لیے کہ یہ جو عذاب بلکہ ایک سلسلہ ہے عذابوں کا جو تم پر کی گئی زیادتی کے سبب ہم پر نازل ہوتے چلے آرہے ہیں وہ رک جائے۔ یہ کفارہ تو نہیں ہے کہ میں تمہاری ہی چیز تمہیں لوٹا رہا ہوں مگر کفارے کے لیے کی جانے والی ایک کوشش ضرور ہے۔ شاید کہ تم معاف کردو تو اللہ تعالیٰ بھی ہمیں معاف کردے۔“ وہ بات کے اختتام پر رو پڑے۔

داؤد جو سکتے میں بیٹھا ان کی یہ باتیں سن رہا تھا گھبرا کر اٹھا اور ان کے ساتھ بیٹھ کر ان کے کندھے کے گرد بازو پھیلایا۔

”پلیز انکل مجھے شرمندہ نہ کریں اور میں کیا کروں گا دو دو دکانوں کا۔ اب جبکہ میں جاب بھی کررہا ہوں تو مجھے تو وہ ایک ہی سنبھالنی بہت مشکل لگ رہی ہے۔“

”میں چلاؤں گا نا اسے' میں کرایہ دار بن کر اس میں بیٹھا رہوں گا اور تمہیں کرایہ پہنچاتا رہوں گا۔“ وہ سنبھل کر ایک عزم سے بولے۔

”مجھے بالکل اچھا نہیں لگے گا انکل پلیز۔“

”یہ تمہاری اعلیٰ ظرفی ہے لیکن اب اگر میں سیدھے راستے پر چل پڑا ہوں تو میری راہ کھوٹی نہ کرو' یہ تمہاری چیز ہے' تمہیں لینی ہی پڑے گی۔“ انہوں نے فائل اس کے ہاتھ میں تھمائی۔

”واہ میرے اللہ تیرے رنگ اس وقت جب پریشانی اور بے بسی کا یہ حال تھا کہ گھر کا خرچہ بھی ایک اضافی خرچ لگنے لگا تھا' جسے پورا کرنے کے لیے اپنی ساری توانائیاں خرچ کرنی پڑتی تھیں۔ تب ہارون وعبید انکل نے ایسے کیا جیسے وہ دکانیں تھیں ہی ان کی اور اب جب ہر طرف سے خوش حالی اور سکون ہوچکا ہے تو جیسے اپنی مرضی سے لیں تھیں ویسے ہی اپنی مرضی سے دے بھی دیں۔“ داؤد کو ہنسی آرہی تھی۔ اب تو وہ سیٹ ہوچکا تھا۔ دکان بہت اچھی چل رہی تھی کیونکہ پہلے اس میں سے صرف نکالا جارہا تھا۔ ڈالا کچھ بھی نہیں تھا۔ اب اس کی جاب اتنی اچھی تھی کہ اس کی سیلری بھی صحیح خرچ نہیں ہوپاتی تھی اور دکان میں سامان وہ بڑھائے جارہا تھا تو خوش حالی تو آنی ہی تھی۔ ویسے یہ سرپرائز تھا تو خوش گوار اور چونکا دینے والا مگر ابھی بھی کچھ باقی تھا۔ اس کی بارات والے دن عبید انکل نے ایک مہنگی برانڈ کی گاڑی کی چابی اس کے حوالے کی تھی۔

”یہ میری طرف سے تمہارے لیے گفٹ۔“

”انکل پلیز یہ بہت زیادہ ہے۔“ اس نے احتجاج کیا۔ انہوں نے ہونٹوں پر انگلی رکھی۔

”خاموش بڑوں کو انکار کرنا بھی بدتمیزی میں شمار ہوتا ہے۔“ سب ہنس پڑے تھے۔

⌘......☆......⌘

داؤد کمرے میں آیا تو اس لیے تھا کہ حبہ سے آؤٹنگ پر چلنے کے لیے کہے مگر وہ تو اتنی گہری سوچ میں گم تھی کہ اسے اس کے آنے کی خبر ہی نہیں ہوئی۔ وہ ہلکے سے کھنکارا۔ وہ چونک کر متوجہ ہوئی۔

”آپ کب آئے؟“

”ابھی ابھی' بڑی گہری سوچوں میں گم تھیں۔“

”ہاں......“ آہ کی صورت سانس خارج کی۔

”کیا بات ہے حبہ' کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟“

”نہیں...... نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔ گھر میں ایک امی ہی تو ہیں اور وہ اتنی اچھی ہیں کہ اگر کچھ کہیں گی تو میں سمجھوں گی ضرور میری ہی غلطی ہوگی۔ بہرحال ایسی کوئی بات نہیں۔“

”چلو چھوڑو ساری سوچیں...... آؤ گھوم پھر آتے ہیں۔“

”آپ اتنے اچھے کیوں ہیں داؤد۔ آپ کو غصہ کیوں نہیں آتا۔ آپ کو ہم سے نفرت کیوں نہیں محسوس ہوتی۔ میرے پاپا نے آپ کے ساتھ کھلی زیادتی کی۔ آپ نے کوئی احتجاج کیوں نہیں کیا۔ کورٹ میں کیس کیوں نہیں کیا؟“ وہ پھٹ پڑی۔ داؤد اسے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے یقین نہ آ رہا ہو کہ وہ حبہ ہے۔

”تمہارا دماغ ٹھیک ہے حبہ...... تم ہوش میں تو ہو؟“

”ہاں میں مکمل ہوش وحواس میں ہوں۔ آپ نے اتنا صبر کیوں کیا‘ آپ کے صبر نے ہمیں لوٹ لیا۔ اس سے تو اچھا تھا آپ ہمیں کوستے‘ لڑائی کرتے اپنے حق کے لیے تو ہماری سزا میں کچھ تو کمی ہو جاتی۔ آپ کے خیال میں ہم لوگ اپنے والدین کی زیادتی کا حصہ بن کر چپ تھے نہیں۔ ہمارے بولنے کا ان پر کچھ اثر نہیں ہونے والا تھا۔ بولنا آپ کو چاہیے تھا‘ آپ احتجاج کرتے تو انہیں کہیں کوئی پن بھی چبھتی۔ آپ کے یوں ہاتھ پیر چھوڑ دینے سے تو وہ بھی اپنے آپ کو حق بجانب سمجھنے لگے۔ وہ کیا شعر ہے۔

کچھ نہ کہنے سے بھی چھن جاتا ہے اعزازِ سخن
ظلم سہنے سے بھی ظالم کی مدد ہوتی ہے......!

تو آپ نے لاشعوری طور پر ہی سہی‘ نادانستگی میں ہی مگر انہیں مضبوط کر دیا۔ پر کیا پایا...... پاپا نے جو کچھ کمایا وہ سب شمعون پر لگا دیا اور وہ پھر بھی نہ بچ پایا۔ کیسے بچتا۔ حرام پیسے سے وہ کیسے روبہ صحت ہوتا‘ ممی جو اسے یاد کر کر کے روتی رہتی ہیں‘ وہ پاپا کو روک دیتیں تو یہ نوبت کیوں آتی۔ عبید انکل سے تو سب کچھ ہی شنید بھائی کو اغوا کرنے والوں نے نکلوا لیا۔ وہ تو آپ کو کچھ لوٹانے کے قابل بھی نہیں رہے۔ بس ساری زندگی کی شرمساری رہ گئی ان کے لیے بھی۔“

”حبہ پلیز...... جانے دو ان باتوں کو اب تو وقت نے بھی گرد ڈال دی ہے۔ تم کیوں دہرا رہی ہو؟“

”ان دنوں مجھے ایسا لگتا تھا کہ آپ مجھ سے بھی نفرت کرنے لگے ہیں نہ فون نہ سامنا ہونے پر کوئی بات جب تک میں زبردستی آپ کو مخاطب نہیں کرتی تھی‘ آپ تو میری طرف دیکھتے تک نہیں تھے۔“

”تم سے نفرت......“ وہ ہکا بکا رہ گیا۔ ”تم ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہو‘ یااللہ ان دنوں میں اتنا پریشان تھا کہ دوا اور دو چار کرنے میں کسی چیز کا ہوش نہیں تھا اور جب میں خود ایسی ڈانوا ڈول پوزیشن میں تھا تو تمہیں کیسے کوئی آس دلاتا‘ ہاں دیکھتا میں جان بوجھ کر نہیں تھا اور نہ دل بہت کرتا تھا۔“ اس نے شرارت سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ ”اب تمہیں یہ شکایت نہیں ہوگی۔“

”کون سی شکایت؟“ اس نے حیرت سے داؤد کو دیکھا۔

”یہی نہ دیکھنے والی۔ ایسا پکا پرمٹ لیا ہے کہ اب گھنٹوں کے حساب سے دیکھتا رہوں گا تو کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔“ حبہ بری طرح جھینپ گئی اور داؤد کھلکھلا کر ہنس دیا کہ بلآخر خوشیوں کا موسم آ گیا تھا۔

ہومیو کارنر

طلعت نظامی

رحم کا کینسر

بعض اوقات رحم کی عضلی ساخت و رگوں میں ورم ہوجاتا ہے اور اسی ورم حار کی صحیح تدابیر اختیار نہ کرنے کے نتیجے میں رحم میں ایک خاص قسم کا سخت ورم پیدا ہوجاتا ہے جس میں سختی کے باوجود شدت کا درد اور جلن ہوتی ہے۔

اس قسم کے ورم کے قرب و جوار کی رگیں بھی فاسد مواد سے بھر جاتی ہیں جس کی وجہ سے ورم کی مجموعی شکل کیکڑے کی شکل کے مشابہہ ہوجاتی ہے اس لیے اس ورم کو سرطان (کیکڑے) کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

کینسر کی کئی اقسام ہیں جو اپنی خاص نمودوں کے لحاظ سے عام قسم کی عضوی بیماریوں سے بالکل مختلف ہے۔ کینسر کی نمودوں کو ہم تین حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

(۱) سخت گانٹھ کینسر

(۲) نرم گانٹھ کینسر

(۳) پلپلی گانٹھ کینسر

یہ ایک غیر طبعی پیدائش ہے جو کہ Epithelium کی تقسیم در تقسیم سے وجود میں آتی ہے یہ ایک قسم کا Epithelial Neoplasm ہوتا ہے۔ رحم کی (body) میں سرطان بہت کم دیکھنے میں آتا ہے، عام طور پر (Cervix) سرطان کی زد میں آتا ہے۔

یہ مرض اکثر رحم کی گردن (Cervix) سے شروع ہوتا ہے پھر اس کے اثرات رحم کے منہ کے اندر پہنچ کر آہستہ آہستہ رحم کے جسم اور پیندے دیواروں تک پہنچ جاتے ہیں اور ماؤف کردیتے ہیں۔

کینسر کی یہ نشوونما صرف رحم تک محدود نہیں ہوتی بلکہ دوسرے اعضاء مثانہ، امبرزکی نالی سے ہوتے ہوئے خصیۃ الرحم (Ovaries) میں جا پہنچتی ہے اور سب کے سب کو ماؤف کردیتی ہے بعض اوقات اس کی وجہ سے ان نالیوں میں ناسور بھی پیدا ہوجاتے ہیں جس سے مریضہ کی حالت نہایت بدتر ہوجاتی ہے اس قسم کی تکلیفات اس وقت تک بڑھتی رہتی ہے جب تک کہ ٹھیک ادویات سے ان تکلیفات کو روک نہ لیا جائے۔

بہنے والا کینسر

بعض اوقات کینسر کی نمودوں میں سیلان خون ہوتا ہے۔ زخم کے بہنے کی صورت میں رحم سے نہایت سخت، متعفن سبز، یا نیلگوں یا زرد یا سیاہی مائل رطوبت خارج ہوتی ہے اور بے حد بدبو ہوتی ہے۔ گوشت گل گل کر سیاہ سڑے ہوئے ٹکڑوں کی صورت میں خارج ہوتا ہے۔ معمولی سی رگڑ سے زخم سے خون خارج ہوجاتا ہے جو بعض اوقات بہت زیادہ مقدار میں برآمد ہوتا ہے۔ سوئیوں کی سی چبھن جیسا درد ہوتا ہے، آخر میں اس قدر شدید درد متواتر لاحق رہتا ہے کہ مریضہ سخت بے چین ہوجاتی ہے نیند نہیں آتی۔ بھوک ختم ہوجاتی ہے کھانا ہضم نہیں ہوتا، قے بار بار آتی ہے، شدت کی حالت میں مثانہ اور مقعد تک اثرات پہنچ جاتے ہیں۔ چہرہ زرد یا سیاہ ہوجاتا ہے، خون میں زہریلے اثرات پہنچ جانے کی وجہ سے بخار کی شکایت بھی ہوجاتی ہے۔

کینسر کی تولید بہت آہستہ آہستہ بھی ہوسکتی ہے ممکن ہے اس میں سالوں لگ جائیں اور کچھ مدت تک یہ بالکل ایک گلٹی کی صورت بنی رہے بس میں افزائش ہی نہ ہو۔ یہ اندر ہی اندر نشوونما پاتی رہتی ہے یہ بات

قابل ذکر ہے کہ رحم کے کینسر میں تولید اور نشوونما کبھی نہیں رکتی بلکہ رحم کا کینسر بڑھتا ہی رہتا ہے۔

اس قسم کا ورم زیادہ تر رحم کے منہ سے شروع ہو کر نیچے کی طرف بڑھ کر اندام نہانی میں اور اوپر کی طرف بڑھ کر رحم کے اندرونی حصہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور ایک عرصہ تک اسی حالت پر قائم رہ کر پھر سے گلنے سڑنے کا عمل جاری کر دیتا ہے۔ متعفن رطوبت جاری ہو جاتی ہے جو زخم کی قرب و جوار میں سرعت کے ساتھ فساد پیدا کرتی ہے اس قسم کی شکایت اکثر تیس سال کی عمر ہو جانے کے بعد ان عورتوں کو لاحق ہوتی ہے جن کے بچے زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔

اگر کینسر پستان میں یا جسم کے کھلے حصہ میں ہو تو اس کی تشخیص فوراً ہو جاتی ہے اور علاج بھی آسان ہو جاتا ہے لیکن کینسر آلات تناسل زنانہ کے اندر ہوں تو ان کی پہچان بہت مشکل ہوتی ہے اور نتیجہ عموماً موت ہوتا ہے۔

رحم کے کینسر میں سب سے زیادہ اور تمام نمود والا (Scirrhus) کینسر ہے۔

زخم والا کینسر
(Uleerated Cancer)

یہ سب سے عام قسم ہے اور بہت تیزی سے ترقی یافتہ ہونے والا کینسر ہے' اس کا علاج بہت مشکل ہے' جب تک کہ پہلے مرحلوں میں ہی اس کی تشخیص نہ ہو جائے اور اس کا باقاعدہ علاج جب تک نہ ہو اس وقت تک یہ کینسر درست نہیں ہوتا۔

رحم کا سخت اور بے زخم والا کینسر
(Non Weenated Cancer)

یہ رحم کا سخت قسم کا کینسر ہے یہ رحم کے منہ کے قریب رحم کی گردن سے شروع ہوتا ہے بعض اوقات رحم کے جسم یا رحم میں بذات خود اس کی ابتدائی نمو دیکھی گئی ہے۔ کینسر بذات خود ورم یا دردی تکلیف کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ اس کا اثر طبیعت میں موجود ہوتا ہے اور جب اس طبعی اثر کو بیرونی اثرات سے تحریک ملتی ہے تو کینسر کی نمود ہوتی ہے اور جب یہ سختی والا کینسر ادھیڑ عمر کی عورت کو سن یاس کے زمانہ میں یا اس کے بعد حملہ آور ہوتا ہے تو اس کی نشوونما آہستہ ہوتی ہے لیکن نوجوان عورتوں میں یکایک شروع ہو جاتا ہے اور اس کی تکالیف اور علامتیں سخت ترین ہوتی ہیں۔

رحم کے اندر کینسر کے گومڑ یا نمودیں جب بغیر کسی زخم کے ہوتی ہیں تو مریضہ کو کسی قسم کا احساس یا تکلیف نہیں ہوتی اس لیے اس کی موجودگی کا علم اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ یہ کافی حد تک بڑھ نہ جائے۔ ماؤف جگر میں ورم' ورم میں سختی' درد کا نہ ہونا' سن یاس کے زمانہ میں اس سختی کا نمودار ہونا یہ کینسر کے آغاز کی علامت ہے۔

جن عورتوں کو ابھی حیض بند نہیں ہوئے ان کے اندر کینسر کی نشوونما اور تولید بہت تیزی کے ساتھ ہوتی ہے اور اس وقت تک اس کا پتا نہیں چلتا جب تک کہ کینسر کافی حد تک بڑھ نہ جائے اور گردونواح کے حصوں کو ماؤف نہ کر دے۔ یہ ضروری ہے کہ مریضہ کی عام طبعی کیفیت اور علامات سے کینسر کی موجودگی کو سمجھا جائے۔

(جاری ہے)

بیاض دل

میمونہ رومان

سباس گل......رحیم یار خان

ہم بھی دیکھیں کہ کب پکارو گے؟
ہم بھی آواز اب نہیں دیں گے

حمیرا قریشی......حیدرآباد سندھ

درد جب سینے میں کروٹیں بدلتا ہے
قلم میرا بدکتا ہے درد تحریر کرتا ہے

حمیرا نوشین......منڈی بہاؤالدین

شب فراق مجھے آج یوں ڈراتی ہے
تیرے بغیر میری پہلی رات ہو جیسے
اس کی یاد کی یہ بھی تو اک کرامت ہے
ہزار میل پہ ہو کر بھی ساتھ ہو جیسے

تمنا بلوچ......ڈی آئی خان

مجھ کو پتا ہی نہ چلا تمنا
کہ کب وہ میری تمنا بن گیا

کبریٰ مہتاب......بوسال سکھا

تا عمر کون کرتا ہے چاہت میرے حضور
ملتے ہیں کب جہاں میں زلیخا مزاج لوگ

شبنم کنول......حافظ آباد

دل تجھ سے آشنا ہے شناسا تو نہیں ہے
یہ میری زندگی ہے یار افسانہ تو نہیں ہے
تو میرے ماضی کی بھولی بسری کہانی ہو جیسے
پھر بھی میرا ماضی اتنا پرانا تو نہیں ہے

سامعہ ملک پرویز......خانپور ہزارہ

موج عشق کی وہ تلاطم خیز روانی
جیسے اجڑا ہوا دریا بکھرا ہوا پانی
تیری آنکھوں کی سرخی کا بیاں
تیری شب بھر کی اداسی کی کہانی

شاہ رسول ہاشمی......صادق آباد

ہم ہیں ظلمت میں کہ ابھرا نہیں خورشید اب کے
کوئی کرتا ہی نہیں رات کی تردید اب کے
کون سنتا تھا حدیث غم دل یوں تو مگر
ہم نے چھیڑی ہے تیرے نام کی تمہید اب کے

فوزیہ سلطانہ......تونسہ شریف

وقت پر کافی ہے اک قطرہ بھی آب خشک ہنگام کا
جل گیا جب کھیت برسا مینہ تو پھر کس کام کا

ارم کمال......فیصل آباد

یہاں ہر طرف ہے عجب سماں سب ہی خود پسند سب ہی خودنما
دل بے سکون کو نہ مل سکا کوئی چارہ گر بڑی دیر تک
مجھے زندگی ہے عزیز تر اسی واسطے میرے ہمسفر
مجھے قطرہ قطرہ پلا زہر جو کرے اثر بڑی دیر تک

کرن شبیر......کراچی

ہر بار یہ سوچ کر دل بھر آیا
اتنی عمر میں کیا کھویا کیا پایا

پارس شاہ......چکوال

احساس کے میخانے میں کہاں اب فکر و نظر کی قندیلیں
آلام کی شدت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
اب اپنی حقیقت بھی محسن بے ربط کہانی لگتی ہے
دنیا کی حقیقت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

عائشہ پرویز......کراچی

نومبر ہو دسمبر ہو یا صحرا میں سمندر ہو
میرے دل میں ہمیشہ سے خزاں کی راج دھانی ہے

نجم انجم......کراچی

ہلکی ہلکی سی سرد ہوا اور ذرا سا درد دل
انداز اچھا ہے اے دسمبر تیرے آنے کا

ایس نجم گوہر طور......تاندلیانوالہ فیصل آباد

میں نکلا تھا گھر سے سکون کی تلاش میں
دیکھا تو جنگلوں میں تھے میلے لگے ہوئے

نجمہ خان......مانسہرہ

جب مکان کچے تھے تو دل بھی پکے تھے

قابل ذکر ہے کہ رحم کے کینسر میں تولید اور نشوونما کبھی نہیں رکتی بلکہ رحم کا کینسر بڑھتا ہی رہتا ہے۔

اس قسم کا ورم زیادہ تر رحم کے منہ سے شروع ہوکر نیچے کی طرف بڑھ کر اندام نہانی میں اور اوپر کی طرف بڑھ کر رحم کے اندرونی حصہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور ایک عرصہ تک اسی حالت پر قائم رہ کر پھر سے گلنے سڑنے کا عمل جاری کردیتا ہے۔ متعفن رطوبت جاری ہوجاتی ہے جو زخم کی قرب و جوار میں سرعت کے ساتھ فساد پیدا کرتی ہے اس قسم کی شکایت اکثر تیس سال کی عمر ہوجانے کے بعد ان عورتوں کو لاحق ہوتی ہے جن کے بچے زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔

اگر کینسر پستان میں یا جسم کے کھلے حصہ میں ہوتو اس کی تشخیص فوراً ہوجاتی ہے اور علاج بھی آسان ہوجاتا ہے لیکن کینسر آلات تناسل زنانہ کے اندر ہوں تو ان کی پہچان بہت مشکل ہوتی ہے اور نتیجہ عموماً موت ہوتا ہے۔

رحم کے کینسر میں سب سے زیادہ اور تمام نمود والا (Scirrhus) کینسر ہے۔

زخم والا کینسر
(Uleerated Cancer)

یہ سب سے عام قسم ہے اور بہت تیزی سے ترقی یافتہ ہونے والا کینسر ہے' اس کا علاج بہت مشکل ہے' جب تک کہ پہلے مرحلوں میں ہی اس کی تشخیص نہ ہوجائے اور اس کا باقاعدہ علاج جب تک نہ ہو اس وقت تک یہ کینسر درست نہیں ہوتا۔

رحم کا سخت اور بے زخم والا کینسر
(Non Weenated Cancer)

یہ رحم کا سخت قسم کا کینسر ہے یہ رحم کے منہ کے قریب رحم کی گردن سے شروع ہوتا ہے بعض اوقات رحم کے جسم یا رحم میں بذات خود اس کی ابتدائی نمو دیکھی گئی ہے۔ کینسر بذات خود ورم یا دری تکلیف کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ اس کا اثر طبیعت میں موجود ہوتا ہے اور جب اس طبعی اثر کو بیرونی اثرات سے تحریک ملتی ہے تو کینسر کی نمود ہوتی ہے اور جب یہ سختی والا کینسر ادھیڑ عمر کی عورت کو سن یاس کے زمانہ میں یا اس کے بعد حملہ آور ہوتا ہے تو اس کی نشوونما آہستہ ہوتی ہے لیکن نوجوان عورتوں میں یکایک شروع ہوجاتا ہے اور اس کی تکالیف اور علامتیں سخت ترین ہوتی ہیں۔

رحم کے اندر کینسر کے گومڑ یا نمودیں جب بغیر کسی زخم کے ہوتی ہیں تو مریضہ کو کسی قسم کا احساس یا تکلیف نہیں ہوتی اس لیے اس کی موجودگی کا علم اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ یہ کافی حد تک بڑھ نہ جائے۔ ماؤف جگر میں ورم' ورم میں سختی' درد کا نہ ہونا' سن یاس کے زمانہ میں اس سختی کا نمودار ہونا یہ کینسر کے آغاز کی علامت ہے۔

جن عورتوں کو ابھی حیض بند نہیں ہوئے ان کے اندر کینسر کی نشوونما اور تولید بہت تیزی کے ساتھ ہوتی ہے اور اس وقت تک اس کا پتا نہیں چلتا جب تک کہ کینسر کافی حد تک بڑھ نہ جائے اور گردونواح کے حصوں کو ماؤف نہ کردے۔ یہ ضروری ہے کہ مریضہ کی عام طبعی کیفیت اور علامات سے کینسر کی موجودگی کو سمجھا جائے۔

(جاری ہے)

جب مکان پکے ہوئے تو دل کچے ہوگئے

مشاغل مسکان......قمر شانی

دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کردیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

عنزہ یونس آباد......حافظ آباد

اک دل کا درد تھا کہ رہا زندگی کے ساتھ
اک دل کا چین تھا کہ صدا ڈھونڈتے رہے

رانی کوثر رانی......ہری پور

جب بھی مشکل پڑی تو میں نے صبر کیا رانی
شاید اسی کے وسیلے سے میرے رب نے مجھ پر کرم کیا

ادیبہ ارشد......ملتان

فکر تو تیری آج بھی کرتے ہیں
بس ذکر کرنے کا حق اب نہیں رہا

عائش کشمالے......رحیم یار خان

خطائیں دیکھتا بھی ہے عطائیں کم نہیں کرتا
سمجھ میں یہ نہیں آتا وہ اتنا مہرباں کیوں ہے

مدیحہ کنول سرور......چشتیاں

اور کیا ثبوت دوں میں تجھے اپنی محبت کا کنول
تُو کیا ہے میری زندگی میں ذرا میری شاعری میں دیکھ

کوثر خالد جڑانوالہ......فیصل آباد

حقیر سمجھ کر جن کو بجھا دیا تُو نے
یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی

نورین انجم......کراچی

دلوں میں خدا کا ہونا لازم ہے اقبال
سجدوں میں پڑے رہنے سے جنت نہیں ملتی

صائمہ ذوالفقار......چکمنبر

اک محبوب بے پروا اک محبت بے پناہ
دونوں کافی ہیں سکون برباد کرنے کے لیے

شمع مسکان......جام پور

چشم میں سمندر اتر آیا ہے
کوئی خوشی کی جوت جگاؤں کیسے
ہجر نے تیرے مار ڈالا مسکان
میں تم بن عید مناؤں کیسے

پروین افضل شاہین......بہاولنگر

موسموں کا تشدد تو جاری رہا زندگی تھک گئی
سرد راتیں بدن پہ جھوٹا جھیترا زندگی تھک گئی
آنکھوں میں اُگے وحشتوں میں گھرے جسم و جان دیکھ کر
رات چاند اور ستاروں نے بھی کہہ دیا زندگی تھک گئی

ایم فاطمہ سیال......محمود پور

شب تنہائی میں وہ اک خواب سہانا تھا
دیکھنے کو تجھے نیند کا بہانہ تھا
ستاروں نے جو پوچھا موندی پلکوں کا سبب ایم
دل چیخ اٹھا ابھی اس نے خواب میں آنا تھا

ملک غزالہ عالم......کلورکوٹ

محبت ناز ہے یہ ناز کب ہر دل سے اٹھتا ہے
یہ وہ سنگ گراں ہے جو بڑی مشکل سے اٹھتا ہے
لگن میں عشق کی شعلہ کوئی مشکل سے اٹھتا ہے
جلن رہتی ہے آنکھوں میں دھواں سا دل سے اٹھتا ہے

جویریہ وسی......ڈونگہ بونگہ

پلکوں کی حد کو توڑ کر دامن پر آ گرا
اک آنسو میرے صبر کی توہین کر گیا

قرۃ العین حسن......ڈیرہ غازی خان

شمع پر چلا مقدمہ پروانے کے خون کا
شمع سے پوچھا کیا قصور اس معصوم کا
شمع بولی یہ میرے آگے پیچھے گھوم رہا تھا
بھری محفل میں مجھے چوم رہا تھا

biazdill@aanchal.com.pk

ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

چکن حلیم

اجزاء:

گیہوں	ایک پاؤ
چنے کی دال	آدھا پاؤ
چکن	تین پاؤ
دہی	آدھی پیالی
پسی ہوئی مرچ	۲ چائے کے چمچ
سیاہ مرچ پسی ہوئی	آدھا چائے کا چمچ
گرم مصالحہ (پسا ہوا)	آدھا چائے کا چمچ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
نمک	ایک چائے کا چمچ
پکوان تیل	آدھا پاؤ
تیز پات	۲ چھوٹے ٹکڑے
پیاز	۴ عدد باریک کٹی ہوئی
ہرا دھنیا، ہری مرچ	باریک کٹا ہوا

ترکیب:۔

گیہوں اور چنے کی دال کو دھو کر رات بھر کے لیے بھگو دیں صبح گیہوں اور دال میں ایک چٹکی نمک اور ۲ کھانے کے چمچ آئل ڈال کر گلنے کے لیے چڑھا دیں جب گاڑھا ہو جائے تو بلینڈ کر لیں (اگر حلیم میں کھڑے دانے اچھے لگتے ہوں تو گیہوں اور چنے کی دال الگ الگ گلنے کے لیے چڑھا دیں۔) دال بلینڈ کر لیں اور گیہوں جب گلنے پر ہو تو اس میں آدھا چائے کا چمچ بیکنگ پاؤڈر ڈال دیں گیہوں گل کر مل جائے گا پھر چکن کا قورمہ ڈال کر گھونٹ لیں چکن کو دھو کر ایک گلاس پانی میں گلا لیں۔ اب چکن کی یخنی اگر بچی ہو تو وہ الگ کر کے چکن کے ریشے کر لیں ہڈی نکال دیں ۲ پیاز سنہری مائل فرائی کریں اب اس میں ریشہ کی ہوئی چکن یخنی اور باقی مصالے ڈال کر اتنا بھونیں کہ یخنی خشک ہو جائے اور آئل نظر آنے لگے اب چکن بلینڈ کیے ہوئے گیہوں میں ڈال لیں اور اچھی طرح مکس کر کے پکائیں کہ حلیم گاڑھی ہو جائے اب ایک پیالے میں حلیم نکال کر اس پر ہرا دھنیا، ہری مرچ اور فرائی کی ہوئی پیاز ڈال کر کھائیں۔

صبا عیشل ...... بھگووال

پسندے کی بریانی

اجزاء:۔

چاول	ایک سیر
گوشت	ایک سیر
گھی	ایک پاؤ
دہی	ڈیڑھ پاؤ
پیاز	ایک پاؤ
ادرک	ایک چمچ
لہسن	دو جوئے
کالی مرچ (پسی ہوئی)	آدھا چمچ
زیرہ	آدھا چمچ
لونگ	چار عدد
زعفران	نصف چمچ
مغز بادام	بیس عدد
ناریل	نصف چھٹانک
نمک	حسب ذائقہ
سرخ مرچ	آدھا چمچ

ترکیب:۔

بغیر ہڈی کے گوشت کے تکونے پسندے بنوالیں۔ ان کو دھو کر چھری کی نوک سے چھید لیں۔ آدھی دہی میں نمک، ادرک اور لہسن پیس کر ملائیں اور پسندوں پر لگا دیں۔ ایک گھنٹہ تک رکھا رہنے دیں۔ پتیلی میں گھی گرم کر کے پیاز سرخ کر لیں۔ ناریل اور بادام کا مغز کاٹ کر ڈال دیں۔ اچھی طرح بھوننے کے بعد گوشت اور دہی بھی ڈال دیں۔ ڈھکن مضبوطی سے بند کر کے ہلکی آنچ پر گوشت کو پکنے

دیں۔ جب دہی کا پانی بالکل خشک ہو جائے تو تین پاؤ پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر نصف گھنٹہ تک پسندے پکائیں۔ جب پانی خشک ہو جائے اور پسندے گل جائیں تو پتیلی اتار لیں۔ چاول صاف کر کے ایک گھنٹہ تک بھگوئے رکھیں۔ دوسری پتیلی میں گھی گرم کر کے ثابت سیاہ مرچ ایک چمچ سیاہ زیرہ لونگ اور ثابت گرم مسالا ڈال کر کڑکڑائیں اور ڈیڑھ سیر پانی ڈال دیں۔ جب پانی ابلنے لگے تو چاول ڈال دیں۔ چاول گلنے پر اتار لیں۔ اب دوسری پتیلی میں نصف چاول ڈالیں اور اس کے اوپر ایک تہہ چاولوں کی اور ایک تہہ پسندے کی بچھائیں پھر باقی چاول بھی اوپر ڈال دیں اور دس منٹ تک پتیلی دم پر رکھنے کے بعد اتار لیں گرم گرم بریانی پیش کریں۔

طلعت نظامی ...... کراچی

بیف حلیم

اجزاء:۔

گوشت تیار کرنے کے مصالحے

گوشت	ڈیڑھ کلو
گیہوں	آدھا کلو (ڈیڑھ گھنٹے کیلئے بھگو دیں)
چنے کی دال	ایک پیالی (ابال کو بلینڈر میں پیس لیں)
ادرک لہسن پیسٹ	۲ کھانے کے چمچ
لال مرچ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچ
ہلدی	ایک چائے کا چمچ
دھنیا پاؤڈر	۲ کھانے کے چمچ
پیاز	۲ عدد باریک کٹی ہوئی
نمک	حسب ذائقہ
گرم مصالحہ پسا ہوا	ایک چائے کا چمچ
میٹھا سوڈا	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
گھی	ایک پیالی

حلیم میں ساتھ رکھنے کے لیے

ہرا دھنیا	دو گٹھی باریک کٹا ہوا
پودینہ	دو گٹھی باریک کٹا ہوا
ہری مرچ	۶ عدد باریک کٹی ہوئی
ادرک	باریک کٹی ہوئی
لیموں	چھ عدد
سفید زیرہ	ایک کھانے کا چمچ بھون کر پیس لیں
گرم مصالحہ پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچ
پیاز	۴ ڈلی باریک کٹی ہوئی
تیل	۲ پیالی

ترکیب:۔

سب سے پہلے ایک دیگچی میں گوشت گھی اور مصالحے ڈال کر ہلکی آنچ پر چڑھا دیں گیہوں کو الگ دیگچی میں بہت سا پانی ڈال کر ابلنے رکھ دیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد چمچ چلاتے رہیں۔ جب گیہوں میں لیس آنا شروع ہو جائے تو میٹھا سوڈا ڈال دیں اس سے گیہوں اندر تک گل جائیں گے۔

جب گیہوں اچھی طرح گل جائیں تو گوشت میں ملا دیں ہلکی آنچ میں پکنے دیں جب دونوں چیزیں یک جان ہو جائیں تو پسی ہوئی دال میں دو پیالی پانی ڈال کر گوشت میں ملا دیں۔ اچھی طرح سے ہلا کر توے پر دم پر رکھ دیں۔ حلیم کے اوپر تھوڑا ہر مصالحہ، ادرک گرم مصالحہ بھی ڈال دیں حلیم جتنی دیر پکے گا اتنا ہی مزے دار ہوگا فرائی پین میں پیاز فرائی کر لیں جب پیاز براؤن ہو جائے تو نکال کر اخبار پر پھیلا دیں جب حلیم کھانے کے لیے نکالنا ہو تو سارے مصالحے تلی ہوئی پیاز اور بہت تیز گرم تیل کے ساتھ رکھیں۔

حنا مہر ...... کوٹ ادو

رس ملائی

اجزاء:۔

دودھ	ایک کلو
خشک دودھ	ایک کپ
بیکنگ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ

انڈہ	ایک عدد
چینی	ایک کپ
گھی	ایک کھانے کا چمچ
الائچی	پانچ عدد
بادام/پستے	حسب ضرورت

ترکیب:

دودھ میں چینی، الائچی اور بادام پستے ڈال کر ابال لیں۔ خشک دودھ میں بیکنگ پاؤڈر، انڈہ اور گھی ملا کر گوندھ کر رکھ لیں۔ (اگر گھی جما ہوا ہے تو زیادہ بہتر ہے) ہاتھ چکنے کر کے چھوٹی چھوٹی ٹکیہ بنائیں۔ دودھ میں جوش آ جائے تو درمیانی آنچ کر کے ساری ٹکیاں ڈال دیں۔ چمچ چلاتے رہیں تھوڑی دیر بعد جب یہ پھول جائیں اور دودھ گاڑھا ہو جائے تو اتار لیں اور ٹھنڈا کر کے پیش کریں اور مجھے دعاؤں میں یاد رکھیں۔

طیبہ غلام نبی...... بھاگووال، فیصل آباد

کیری کی میٹھی چٹنی

اجزاء:

کیری	آدھا کلو
چھیل کر بالکل باریک کاٹ لیں	
چینی یا گڑ	ڈیڑھ پیالی
کشمش	پندرہ عدد
ادرک	کھانے کا ڈیڑھ چمچ
لمبی باریک کٹی ہوئی	
نمک	حسب ذائقہ
سفید سرکہ	آدھی پیالی
کلونجی	چائے کا ایک چمچ
لال مرچ ثابت	دس عدد
لیموں	دو عدد

ترکیب:

ایک اسٹیل کی پتیلی میں سوائے لیموں کے باقی تمام مسالاجات ایک ساتھ ڈال کر لکڑی کے چمچے کے ساتھ ہلکی آنچ پر رکھ لیں۔ جب چینی یا گڑ کا شیرا بن جائے تو اتار کر ٹھنڈا کر لیں جب یہ ٹھنڈا ہو جائے تو لیموں کا رس ڈال کر مرتبان میں رکھ لیں۔ لیموں سے چٹنی محفوظ ہو جاتی ہے۔

جویریہ ضیاء..... ملیر کراچی

قیمہ گھوٹالا

اجزاء:

گائے کا قیمہ	آدھا کلو
دہی	آدھا پاؤ (پھینٹی ہوئی)
پسا ہوا کچا پپیتا	2 کھانے کے چمچ
دہی کی بالائی	2 کھانے کے چمچ
پسی ہوئی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچ
پسا ہوا لہسن، ادرک	ایک کھانے کا چمچ
پیکٹ والا تندوری مصالحہ	2 کھانے کے چمچ
ہری مرچیں	2 عدد (باریک کٹی ہوئی)
لیموں	4 عدد
ہرا دھنیا	ایک گڈی چوپ کیا ہوا
نمک	حسب ذائقہ
تیل	آدھی پیالی
ہرا دھنیا، لیموں کی قاش	سجانے کے لئے

ترکیب:

قیمے میں ۲ کھانے کے چمچ تیل اور باقی اجزاء ملا کر آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ دیگچی میں تیل گرم کریں، اس میں قیمہ ڈال کر خوب بھونیں اور ڈش میں نکال لیں۔ مزیدار قیمہ ہرے دھنیے اور لیموں سے سجا کر پیش کریں۔

سدرہ شاہین...... پیرووال

انڈے کی بریانی

اجزاء:

چاول	آدھا کلو
انڈے (ابلے اور درمیان سے کٹے ہوئے)	آٹھ عدد
ثابت گرم مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ
پسا ہوا لہسن ادرک	ایک کھانے کا چمچ
پیاز	2 عدد (باریک کٹی ہوئی)

ٹماٹر — 2عدد (باریک کٹے ہوئے)
پسی ہوئی لال مرچ — ڈیڑھ چائے کا چمچ
پسی ہوئی ہلدی — ایک چوتھائی چائے کا چمچ
پسا ہوا دھنیا — ایک چائے کا چمچ
پسا ہوا سفید زیرہ — ایک چائے کا چمچ
پسا ہوا گرم مصالحہ — آدھا چائے کا چمچ
ناریل کا دودھ — آدھی پیالی
ہرا دھنیا — (چوپ کیا ہوا) 2 کھانے کے چمچ
پودینہ — چند پتے
ہری مرچیں — چار عدد
پانی — آدھی پیالی
گھی — دو کھانے کے چمچ
نمک — ایک چائے کا چمچ
تیل — آدھی پیالی

ترکیب:

دیگچی میں تیل گرم کر کے ثابت گرم مصالحہ ایک منٹ تک بھونیں۔ پھر پیاز سنہری کرلیں۔ اس میں لہسن، ادرک، ٹماٹر، لال مرچ، ہلدی، دھنیا، زیرہ، پسا ہوا گرم مصالحہ اور نمک ڈال کر بھونیں۔ پھر ناریل کا دودھ اور پانی شامل کر کے آمیزہ گاڑھے ہونے تک پکائیں۔ ایک علیحدہ دیگچی میں آدھے چاول، تیار مصالحہ، انڈے، ہرا دھنیا، پودینہ اور ہری مرچوں کی تہہ ڈال کر اوپر سے باقی چاول ڈال دیں۔ اس پر گھی ڈال کر دم پر رکھ دیں۔

ثمیعہ علی......لاہور

کچے قیمے کے کباب

اجزاء:۔

قیمہ — آدھا کلو
پیاز — آدھا کپ (تل کر براؤن کرلیں)
لہسن ادرک پیسٹ — ایک کھانے کا چمچ
بیسن (بھون لیں) — چار کھانے کے چمچ

انڈا — ایک عدد
ہرا دھنیا (چوپ کرلیں) — دو کھانے کے چمچ
ہری مرچیں (چوپ کرلیں) — دو عدد
پیاز (باریک چوپ کی ہوئی) — آدھا کپ
پپیتا پیسٹ — ایک چائے کا چمچ
نمک — حسب ذائقہ
ثابت لال مرچیں — دس عدد
ثابت دھنیا — ایک چائے کا چمچ
ثابت زیرہ — ایک چائے کا چمچ
لونگ — چار عدد
دار چینی — ایک عدد
چھوٹی الائچی — تین عدد
بڑی الائچی — ایک عدد

ترکیب:۔

ثابت لال مرچ، ثابت دھنیا، ثابت زیرہ، سیاہ مرچ پاؤڈر، دار چینی، چھوٹی الائچی اور بڑی الائچی کو بھون کر پیس لیں۔ قیمہ میں براؤن کی ہوئی پیاز، لہسن، ادرک پیسٹ، بیسن، انڈا، ہرا دھنیا، ہری مرچیں، نمک، پیاز، پپیتا پیسٹ اور بھون کر پسا ہوا مصالحہ ڈال کر مکس کر کے آدھا گھنٹہ میرینیٹ ہونے کے لیے چھوڑ دیں۔ اب آمیزے کے چھوٹے چھوٹے کباب بنا کر تھوڑے گرم تیل میں فرائی کریں۔ مزے دار کچے قیمہ کے کباب تیار ہیں۔ ہری چٹنی، پیاز اور روٹی کے ساتھ سرو کریں۔

نزہت جبین ضیاء......کراچی

اچاری قورمہ

اجزاء:۔

گائے کا گوشت — آدھا کلو
نمک — حسب ذائقہ
ہلدی — ایک چوتھائی چائے کا چمچ
تیل — آدھا کپ
لال مرچ (ثابت) — ۸ عدد
رائی — آدھا چائے کا چمچ

پیاز (تلی ہوئی)	آدھا کپ
لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
زیرہ	آدھا چائے کا چمچ
کلونجی	آدھا چائے کا چمچ
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
گڑ	دو کھانے کے چمچ
دہی	آدھا کپ
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچ

ترکیب:۔

ایک برتن میں گائے کا گوشت ڈال کر تین کپ پانی، نمک اور ہلدی کے ساتھ اتنا اُبالیں کہ گوشت گل جائے اور ایک کپ یخنی رہ جائے۔ ایک برتن میں آدھا کپ تیل گرم کریں۔ اس میں ثابت لال مرچ اور رائی ڈال کر ایک منٹ تک فرائی کریں پھر اس میں ابلا ہوا گوشت، تلی پیاز، پسی لال مرچ، زیرہ، کلونجی، ادرک لہسن کا پیسٹ اور گڑ ڈال کر اچھی طرح بھونیں۔ اس کے بعد بچی ہوئی یخنی، دہی اور لیموں کا رس ڈال کر دس منٹ تک ڈھک کر پکائیں۔ اس کے بعد ڈھکن ہٹا کر اتنا بھونیں کہ تیل اوپر آجائے۔ گرم نان کے ساتھ پیش کریں۔

شکیلہ فیاض......فیصل آباد

کشمیری دہی گوشت

اجزاء:۔

گوشت انڈر کٹ	ایک کلو
تیل	ایک پیالی
پیاز تین عدد	باریک کٹی ہوئی
دہی	ایک پیالی
لال مرچ ثابت	۸ عدد کچلی ہوئی
ادرک لہسن کچلا ہوا	ایک کھانے کا چمچ
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچ
ثابت دھنیا	ایک کھانے کا چمچ
ثابت کالی مرچ	ایک چائے کا چمچ
ہری مرچ	چار عدد
نمک	حسب ذائقہ
مکھن	آدھا کھانے کا چمچ

یخنی کے لیے

ثابت پیاز	ایک عدد
ثابت لہسن	ایک عدد
ادرک	ایک ٹکڑا
دار چینی	ایک ٹکڑا
ثابت دھنیا	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:۔

یخنی کے لیے: ایک دیگچی میں تین پیالی پانی، انڈر کٹ، ثابت پیاز، ثابت لہسن، ادرک، دار چینی، ثابت دھنیا اور نمک ڈال کر ابال لیں۔ پانچ سے دس منٹ کے بعد گوشت الگ کر کے یخنی چھان لیں۔ اب ایک دیگچی میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز گولڈن براؤن کریں اور نکال کر ٹشو پر پھیلا دیں۔ پھر تیل میں گوشت ڈال دیں۔ اس کے بعد دہی اور پیاز کو ملا کر بلینڈر میں پیس لیں۔ جب گوشت کا پانی خشک ہو جائے تو اس میں دہی ڈال دیں۔ پھر لال مرچ، ادرک لہسن، سفید زیرہ، ثابت دھنیا، ثابت کالی مرچ اور ہری مرچ کو پیس کر شامل کر دیں۔ پھر نمک ڈال کر ہلکا سا بھون لیں اور یخنی ڈال کر ہلکی آنچ پر دم پر رکھ دیں۔ جب تیل اوپر آجائے تو مکھن ڈال کر دس منٹ دم پر رکھیں۔ مزے دار دہی کشمیری گوشت گرم گرم نان کے ساتھ سرو کریں۔

ارم صابرہ......تلہ گنگ

بیوٹی گائیڈ

روبین احمد

آئی میک اپ

کاجل، ہر زمانے میں مقبول رہا ہے۔ عرصہ دراز سے خواتین، کاجل کا استعمال کرتی رہتی ہیں۔ قدیم تہذیب میں بھی اس کے استعمال کا ذکر موجود ہے۔ 70 کی دہائی کی فلموں میں بالی ووڈ کی ہیروئنیں کاجل کے ساتھ دیکھی گئی ہیں۔ کاجل، آنکھوں کی خوب صورتی میں اضافہ کا کام کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کسی کے دل میں بسنے کے لیے آنکھوں کا خوب صورت ہونا بہت ضروری ہے۔ کاجل، آنکھوں کی خوب صورتی میں اضافہ اور اس کو پرکشش بنانے میں اہم رول ادا کرتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کاجل آنکھوں کو رعنائی بخشتا ہے اور اسے جاذب النظر بھی بناتا ہے۔ آئی میک اپ میں کاجل کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کاجل کی باریک لکیر نہ صرف خوب صورت آنکھوں کو نمایاں کرتی ہے بلکہ یہ آپ کے چہرے کو چمک اور رونق بھی بخشتی ہے کاجل کا استعمال مختلف امراض کے علاج میں بھی کیا جاتا ہے۔ کاجل لگانے سے آنکھیں نرم تاثر دیں گی بلکہ چہرہ بھی خوشنما دکھائی دینے لگے گا۔ کاجل لگانے سے قبل آنکھوں کو ٹھنڈے پانی سے دھولیں تاکہ پلکوں اور آنکھوں کے اطراف گرد صاف ہوجائے۔ آنکھوں کے اطراف جلد خشک ہے تو آپ موئسچرائزنگ لوشن لگائیں یا اس لوشن کا آنکھوں کے اطراف ہلکا مساج کریں۔ اس کے خلاف آپ کی جلد روغنی ہے تو آپ اس شکایت کو دور کرنے کے لیے پاوڈر بھی استعمال کرسکتی ہیں۔ بازار میں کاجل کے مختلف برانڈ دستیاب ہیں مگر معیاری کاجل ہی خریدیں یا پھر گھر میں کاجل بنائیں۔ غیر معیاری اور سستا کاجل قطعی استعمال نہ کریں اس سے آئی انفیکشن کا خدشہ لگا رہتا ہے۔ گھر کی بڑی بوڑھی عورتیں نیم لہسن کا کاجل تیار کرنے کا فن جانتی ہیں۔ بہتر رہے گا کہ بڑی اور معمر عورتوں سے کاجل بنوائیں۔ نیم کے پھولوں سے تیار کردہ کاجل آنکھوں کی صحت کے لیے بہتر مانا جاتا ہے زچہ اور بچہ دونوں کو بھی کاجل تجویز کیا جاتا ہے۔ اگر آپ کاجل سازی کے طریقہ سے واقف نہیں ہیں تو یہ منصوبہ ترک کردیں بازار سے معیاری کاجل خرید کر اسے استعمال کریں۔

وائٹ اسکن لڑکیوں کا خواب

پھلوں سے تیار کردہ فیشل اسکرب:

ایکسفولی ایشن جلد کو تروتازہ اور جواں سال رکھنے کے لیے اہم اور بنیادی ضرورت ہے۔ اگر جلد کی مناسب طریقے سے دیکھ بھال نہ کی جائے تو جلد سطح پر موجود مردہ خلیات مساموں کو بند کردیتے ہیں جس کی وجہ سے چہرے پر بلیک اور وائٹ ہیڈز بننے لگتے ہیں اگر انہیں وقفے وقفے سے نہ نکالا جائے تو یہ چہرے کو دانے دار، چکنا اور بے رونق بنادیتے ہیں۔ ایسے میں ضروری ہے کہ ایکسفولی ایشن یا جلد کی رگڑائی کو اپنی روزمرہ اسکن کیئر کا ضروری حصہ بنائیں تاکہ مستقبل میں جلد سے متعلق کسی بھی قسم کے مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

ٹماٹر اسکرب:

صحت مند اور لچکدار جلد کی سب اہم ضرورت اینٹی اوکسیڈینٹ لائیکوپین ہے جو جلد کو نرم وملائم اور لچکدار رکھنے میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے اور عمر بڑھنے کے عمل کو سست کردیتا ہے۔ یہ مرکب ٹماٹر میں وافر مقدار میں پایا جاتا ہے۔ ٹماٹر کا استعمال انسانی صحت کے لیے بے حد مفید تصور کیا جاتا ہے۔ یہ جلد کے لیے سن اسکرین کا کام کرتا ہے اور اسے سورج کی مضر شعاعوں سے بچاتا ہے۔

فیس مساج بنائیں:

ایک چمچ چنے کا آٹا، ایک عدد لیموں کا رس اور چار باداموں کا چورا لے کر دودھ میں مکس کرکے چہرے اور گردن پر ہلکے ہاتھوں سے مساج کریں اور دس منٹ بعد دھولیں۔

سکن وائٹنگ ٹپس:

سفید، نرم اور فیئر جلد ہر مرد اور عورت کا خواب ہوتا ہے۔ سفید جلد کے لیے لوگ مختلف ٹوٹکے اور طریقوں کا انتخاب کرتے ہیں مگر بعض اوقات ان کی کوشش بے سود جاتی ہے کیونکہ بازار میں ملنے والی کریمیں اور لوشن کوئی خاص اثر نہیں دکھاتیں اور اکثر اوقات ان کے استعمال سے ہماری جلد سفید ہونے کی بجائے اور خراب ہوجاتی ہے۔

اگر آپ خوب صورت اور سفید جلد کی خواہاں ہیں تو ان بازاری چیزوں کے بجائے گھریلو ماسک اور طریقے اختیار کریں جو مضر صحت نہ ہوں۔ اگر آپ گھریلو ماسک سے جلد کی رنگت ہلکی اور سفید بنانا چاہتی ہیں تو ان گھریلو ٹوٹکوں پر عمل کریں۔

انڈے کی سفیدی لیں اور اس میں پانچ قطرے لیموں کا جوس ڈالیں اور ان کو اچھی طرح مکس کرلیں اس ماسک کو دس منٹ تک جلد پر لگائیں اور اس کے بعد ٹھنڈے پانی سے دھو لیں۔ یہ ماسک خشک جلد کے لیے مفید ہے اس ماسک کو حساس اور آئلی جلد کی حامل خواتین نہ لگائیں۔

تین چمچے میدہ لیں اس میں ایک چمچ خشک دودھ اور ایک چمچ لیمن جوس ڈالیں اور ایک کریمی باؤل لیں۔ اس پیسٹ کو برش کی مدد سے گردن اور چہرے پر بیس منٹ تک لگائیں۔ اس کے بعد نیم گرم پانی سے دھولیں یہ طریقہ نارمل جلد کے لیے بہتر ہے۔

ایک کیلا میش کرکے دودھ میں ملالیں۔ اب اس محلول کو جلد پر لگائیں اس کو لگاتے وقت زیادہ گہرے حصوں کو مدنظر رکھیں اور گہرے حصوں پر زیادہ لگائیں۔ اس پیسٹ کو آدھے گھنٹے تک لگا رہنے دیں۔ اس کے بعد پانی سے دھولیں۔ کچھ ہی دنوں میں آپ کو جلد کی رنگت میں واضح فرق نظر آئے گا۔

گردن بھی آپ کی توجہ کی طلب گار

خواتین چہرے کی جلد کی حفاظت و نگہداشت کے ساتھ ساتھ گردن کی حسن و خوب صورتی کو برقرار رکھنے کے لیے اس پر بھی خصوصی توجہ دیں۔

خواتین اپنے چہرے کی طرح گردن کی صفائی کا بھی خیال رکھیں اور کسی بھی بیوٹی پروڈکٹ کا استعمال کرتے ہوئے گردن کو نظر انداز نہ کریں۔ اگر گردن چھوٹی نظر آتی ہے تو V شیپ والے گلے سلوائیں۔ گردن گلاب ہم وزن لے کر رات سوتے وقت مالش کریں۔ اس کے علاوہ لیموں کا چھلکا رگڑنے سے بھی گردن کی سیاہی کم ہوجاتی ہے۔ دھوپ میں نکلنے سے پہلے سن اسکرین کریم یا لوشن کا استعمال چہرے اور ہاتھوں کے ساتھ ساتھ گردن پر بھی کریں خصوصاً موسم گرما میں گردن آپ کی خصوصی توجہ کی طالب ہے۔ موسم کی شدت اور دھوپ کی تیزی سے بچنے کے لیے جہاں آپ جسم کے دیگر کھلے حصوں کو تحفظ دیتی ہیں۔ گردن کو بھی خصوصاً ان میں شامل رکھیں۔

اپنی گردن کو جھریوں سے محفوظ بنائیے:

ہم میں سے اکثر خواتین اپنے چہرے کی جلد کے لیے بے حد حساس ہوتی ہیں۔ چہرے کی جلد کی تروتازگی کے لیے وہ اپنے چہرے پر بے حد توجہ دیتی ہیں لیکن بدقسمتی سے وہ چہرے کے ساتھ اہم حصے یعنی گردن کو نظر انداز کردیتی ہیں۔

جس کی وجہ سے عموماً ان کی گردن بدنما اور شکن دار نظر آنے لگتی ہے اور وہ اپنی عمر سے کئی گنا بڑی دکھائی دیتی ہیں لیکن اگر آپ ہمارا تیار کردہ یہ ماسک ہفتے میں دو دفعہ 10 منٹ کے لیے اپنی گردن پر لگائیں آپ خود اس کے جادوائی اثرات سے لطف اندوز ہوں گی۔

لینولین۔ ایک کھانے کا چمچہ۔ گلیسرین۔ ایک کھانے کا چمچہ۔ وہیٹ جرم آئل۔ ایک کھانے کا چمچہ۔ شہد ایک چائے کا چمچہ۔ وٹامن A اور D کیپسول۔ UD_25000UD_1000۔ لیونڈر آئل۔ 6 قطرے۔

تمام اجزا کو ملا کر ڈبل بوائیلر میں گرم کرلیں۔ اچھی طرح مکس کرکے چولہے سے اتار کر ٹھنڈا کرلیں۔ اب اسے کسی بوتل یا جار میں محفوظ کرکے ریفریجریٹر میں رکھ دیں۔ اپنی انگلیوں کی پوروں کی مدد سے اپنی انگلیوں کو گلے پر ہنسی کی ہڈی سے اوپر کی جانب حرکت دیتے ہوئے تھوڑی پر لگائیں۔ کچھ دیر بعد پانی سے دھولیں۔ اس کے نتائج آپ کے لیے حیران کن ثابت ہوں گے۔

گردن کی شکنیں دور کریں

اگر آپ کی گردن عمر رسیدگی کے باعث بہت زیادہ جھریوں والی ہورہی ہے تو آپ 4 اونس کولڈ کریم یا کوئی نائٹ کریم (جو آپ استعمال کرتی ہوں) لے کر کسی برتن میں گرم کیجیے۔ ٹھنڈا کرکے ریفریجریٹر میں محفوظ کیجیے۔ گردن کی جھریوں کے لیے بہترین ماسک تیار ہے۔

نیرنگِ خیال

ایمن وقار

غزل

زندگی کا نشان نہیں ہوتا
تو جہاں میری جاں نہیں ہوتا
جانے کیوں تیری بے رخی پر بھی
دل میرا بدگماں نہیں ہوتا
میں غموں کا سہارا لیتی ہوں
جب میرا مہرباں نہیں ہوتا
دل کے جلنے کو کس نے دیکھا ہے
جلتے دل میں دھواں نہیں ہوتا

فریدہ فری......لاہور

غزل

بے اماں ہوتے ہوئے سر نہیں دیکھے جاتے
جا بجا خون کے منظر نہیں دیکھے جاتے
جن میں خوشیاں تھیں محبت کی مہک تھی ہر سو
ہم سے جلتے ہوئے وہ گھر نہیں دیکھے جاتے
سچ کی خاطر بھی تو آواز اٹھائے کوئی
ہر گھڑی جھوٹ کے پیکر نہیں دیکھے جاتے
صرف چہرے سے تو اندازۂ غم مشکل ہے
رہ کے ساحل پہ سمندر نہیں دیکھے جاتے
اب نہ غالب ہے سودا نہ کوئی میر یہاں
اب وہ پہلے سے سخن ور نہیں دیکھے جاتے
دل کی نگری میں بچھی ہے صفِ ماتم کب سے
ظلم ہر روز ستم گر نہیں دیکھے جاتے
کس سے گلِ شکوۂ اغیار کریں کیسے کریں؟
اب تو اپنوں کے بھی تیور نہیں دیکھے جاتے

سباس گل......رحیم یار خان

غزل

ذرا سی رات ڈھلتی ہے ذرا آنسو نکلتے ہیں
شمع کی مانند ہم ساری رات پگھلتے ہیں
نگاہیں بے قراری سے ڈھونڈتی ہیں تجھے
تیری راہ گزر سے ہم جب بھی گزرتے ہیں
نجانے اسے سکھ میسر ہے کہ نہیں
یہی سوچ کے ہم راحت سے بچتے ہیں
سوکھ جاتے ہیں جب دریا تمام تر
اشک ہماری آنکھوں میں جب بھی چمکتے ہیں
شاید میرے ضبط کی حد چاہتا ہے جو
ہنس ہنس کر میرے سامنے غیروں سے ملتے ہیں
رائے یہ دی اہلِ وفا نے حال میرا دیکھ کے
اشک تیرے دامن پر حمیرا خوب سجتے ہیں

حمیرا قریشی......حیدر آباد

سلام محبت آئے وادی کشمیر

میرے کشمیر بے نظیر تیری وادیوں کو سلام
لہلہاتے چناروں مرغزاروں کو سلام
ظفران کے لال گوں خوشبو لٹاتے شجر خاص
اور ان اشجار کی رنگیں بہاروں کو سلام
وقت پڑنے پر آنچل کو ہی پرچم بنا لیتی ہے جو
آج ان بہنوں کی لٹتی رداؤں کو سلام
دشمنوں نے آج تمہارے پھول تن چھلنی کیے
زخم زخم ان پھول چہرہ بے نور آنکھوں کو سلام
عالمِ اسلام تو ہے بے خبر اور بے فکر
اور تو قربان ہوا ایمان پر میرے شہدائے دین
رائیگاں نہ جائے گا ہرگز مجاہد تیرا یہ عشق وطن
تیری الفت کو سلام تیری شہدت کو سلام

فہمیدہ غوری......گلشن اقبال، کراچی

غزل

وہی ذات ہے جو ہر وقت میرے ساتھ ہے
ہر اندھیرے میں ہر سویرے میں
ہر ستارے میں ہر نظارے میں
ہر حوصلے میں ہر فیصلے میں

ہر عبادت میں ہر ریاضت میں
وہی ذات ہے جو ہر وقت میرے ساتھ ہے
ہر بوند میں ہر اونگھ میں
ہر راہ میں ہر چاہ میں
ہر موڑ میں ہر شور میں
ہر دکھ میں ہر سکھ میں
وہی ذات ہے جو ہر وقت میرے ساتھ ہے
ہر سفر میں ہر بھنور میں
ہر نظیر میں ہر تعبیر میں
ہر کتاب میں ہر نصاب میں
ہر سوال میں ہر جواب میں
وہی ذات ہے جو ہر وقت میرے ساتھ ہے
ہر کہانی میں ہر نشانی میں
ہر سانس میں ہر آس میں
ہر صبح میں ہر شام میں
ہر راحت میں ہر چاہت میں
وہی ذات ہے جو ہر وقت میرے ساتھ ہے
ہر امتحان میں ہر طوفان میں
ہر نقش میں ہر عکس میں
ہر آزمائش میں ہر آسائش میں
ہر گاؤں میں ہر چھاؤں میں
وہی ذات ہے جو ہر وقت میرے ساتھ ہے
ہر شام میں ہر نام میں
ہر ذکر میں ہر فکر میں
ہر سچائی میں ہر اچھائی میں
ہر حق میں ہر سچ میں
وہی ذات ہے جو ہر وقت میرے ساتھ ہے

رانی کوثر رانی...... ہری پور

نظم

اب رک جائے دل کی دھڑکن
کہ اب اسے آنا نہیں یہاں
کہ اب سو جاؤں خوابوں میں کھو جاؤں
کہ اب اسے آنا نہیں یہاں
بہت روکا تھا اسے جانے سے پر
وہ چلا گیا چھوڑ گیا تنہا یہاں
وہ تھا تو میری سانسوں میں مگر
اب دل سے بھی نکل گیا مجھے روتا چھوڑ کر یہاں
اب سونا ہے کچھ دیر رونا ہے مجھے
کہ اب اسے آنا نہیں یہاں
میں رات بھر روتی ہوں کبھی نہ سوتی ہوں
یہ سوچ کر کہ شاید اک دن آ جائے مجھے ملنے
میرے دوستوں میرے ہمدرد میری اک التجا سنو!
میں جب مر جاؤں مجھے دفنانا یہاں
مجھے یقین ہے میرے مرنے کی جب خبر ملے گی اسے
اب نہیں ہوں تو پھر اسے لوٹ آنا ہے یہاں

اقراء حسن...... چیچہ وطنی

ایک لمحہ

ایک دن میں نے کہا
مجھے تم سے پیار ہے جاناں
میں سمجھا جواب میں
وہ تھوڑا گھبرائے گی
وہ تھوڑا شرمائے گی
اور کہے گی......
مجھے بھی تم سے پیار ہے جاناں!
مگر......
وہ ہنستی ہی رہی
اور پھر......
حیراں حیراں سی آنکھوں سے دیکھ کر
اپنی آنکھوں سے
دل میں اتارتی ہوئی مجھے
اپنے شیریں لب و لہجے میں
دھیمے سے بولی
یہ پیار محبت کچھ نہیں ہے
اک ادھورا رشتہ ہے

سب بھول جاتے ہیں اس رشتے کو
بس کچھ عرصہ لگتا ہے
تم مجھ کو بھول جانا
میں تم کو بھول جاؤں
اور پھر وہ......
اداس سی یکدم مسکرادی
اور میں
حیراں سا اسے دیکھے گیا
اور بولا......
کیا تم مجھے بھول سکتی ہو؟
اور وہ مجھے چپ چاپ دیکھے گئی
اور ہمیشہ کے لیے چلی گئی
اور میں......
اس کی خاموشی سے
درد بھری ہنسی سے
اور ہنستے ہوئے
اس کی آنکھوں میں موجود نمی سے
سب کچھ جان گیا
اس لمحے
وہ نہ بھی کہے تو مجھے معلوم ہے
اسے بھی مجھ سے پیار ہے
اسے بھی مجھ سے پیار ہے

دعا رانی...... اسلام آباد

موڑ

زندگی کے اس موڑ پر
تم مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو
مگر میری ایک بات سنتے جاؤ
یہ جو زندگی تمہیں اب
خوشیوں کی راہ گزر لگتی ہے
کبھی تمہیں یہ اپنا اصل رنگ دکھائے تو
جو تم نے میری سنگت میں خواب دیکھے تھے
اب تنہا ان کے حصول کے لیے نکلو تو
اور دکھوں کے طوفان تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لیں
تمہیں اپنے خوابوں کی تعبیر تک جاتی شاہراہ پر خار لگے تو
کبھی بھولے بسرے تمہاری سماعتوں میں
میری یہ ان کہی سرگوشی ابھرے تو
تم واپس چلے آنا
تمہیں یہیں، یہیں اسی جگہ زندگی کے موڑ پر کھڑی ملوں گی
جہاں تم مجھے چھوڑے جا رہے ہو

سمیرا تعبیر...... سرگودھا

غزل

مجلسیں ہیں اور ماتم ہر جگہ
دیکھتا ہوں یہ بھی عالم ہر جگہ
ہر طرف سہمے ہوئے ہیں لوگ بھی
اک سلگتی آنکھ کا غم ہر جگہ
کرب موسم کی اداسی کا جہاں
روبرو ہے ہجر پیہم ہر جگہ
شہر کی سب رونقیں کبھی کھو گئیں
شہر کی ہے آنکھ پُرنم ہر جگہ
تم مسیحا ہو ہماری قوم کے
ہو رہا ہے خیر مقدم ہر جگہ
کس کے بالوں میں سجاؤں پھول بھی
ہو چلی ہے زلف برہم ہر جگہ

راشد ترین...... مظفر گڑھ

غزل

تھم گیا درد کا طوفان غم رہنے دے
دل ہے اب بے سروسامان غزل رہنے دے
یہ حقیقت ہے کوئی خواب نہیں ہے جاناں
میں ہوں تیرا مجھے پہچان غزل رہنے دے
لٹ گیا راہ محبت میں مرا شوق سفر
بہہ گئے اشکوں میں ارمان غزل رہنے دے
شیشۂ دل میں کوئی عکس گریزاں بھی نہیں
کون ہے اپنا مری جان غزل رہنے دے
میں نے کب تم سے محبت کی تمنا کی ہے

اپنے دشمن کا کہا مان غزل رہنے دے
کیا ملا ہے محبت کے سفر میں مجھ کو
جاں سلامت ہے نہ ایمان غزل رہنے دے
پھر کسی قاسم و طارق کی ضرورت ہے مجھے
گلشن حق کے نگہبان غزل رہنے دے
جان جائے گی تو سب ختم مسائل ہوں گے
عشق ہوتا نہیں آسان غزل رہنے دے
حکیم خان حکیم...... اٹک

غزل

ایک تنہائی کلم عالم ہے کسی کو ڈھونڈیے
دوستوں کی جھمگھٹے میں دوستی کو ڈھونڈیے
راستہ دکھلا نہیں سکتی ستاروں کی ضیاء
چاند گہنایا ہوا ہے روشنی کو ڈھونڈیے
چل پڑی ہے پھر چمن میں سرپھری پاگل ہوا
کونہ کونہ چھانیے اور پنکھڑی کو ڈھونڈیے
آج شاہراہوں پہ رقصاں ہیں بگولے موت کے
ڈھونڈ سکتے ہو تو ان میں زندگی کو ڈھونڈیے
کٹ ہی جائے گا کٹھن راہوں کا یہ لمبا سفر
اب نشان منزل مقصود ہی کو ڈھونڈیے
اکثریت بنے غلامانِ ہوس کی آج کل
دور فیشن دار میں اب سادگی کو ڈھونڈیے
ہیں مریضانِ ہوس کوچہ بکوچہ کو بکو
دیکھیے اس مرض کی چارہ گری کو ڈھونڈیے
ریاض حسین قمر...... منگلا ڈیم

غزل

درد سے دکھ سے جو عبارت ہے
زیست اک کھوکھلی عمارت ہے
دل بے اعتبار دیکھ سنبھل
یہ رقیبوں کی اک شرارت ہے
ٹال دے بات مسکرا کر وہ
اس کو اس بات میں مہارت ہے
جشن برپا کیا مقتل میں
یہ بڑی قیمتی جسارت ہے
پیار جس میں ملے ہمیں اصغر
کیا کوئی ایسی بھی تجارت ہے
نعیم اصغر ہاشمی...... جھنگ

نظم

بہت ہی شوق ہے جاناں
میرا دل دکھانے کا
اپنی یاد میں ہر پل
لہو لہو رلانے کا
بہت ہی شوق ہے جاناں
کہ......
میرے جذبات کے دریا میں
تغیانی تم برپا کردو
میری چشم کناروں کو
اشکبار تم کردو
سسک، تڑپ، کسک میری
منسلک ذات سے تم کردو
پر یہ سب تو جاناں
آثار ہجر لگتے ہیں
تمہارے شوق سے میرے
قلب میں خار چبھتے ہیں
تو سنو جاناں......
یہ شوق چھوڑ دو نا تم
سنو یہ شوق چھوڑ دو نا
گر ایسا ہو گیا تو پھر......
وِچھوڑا آ گیا تو پھر......
دو دلوں میں جانِ جاں
فاصلہ بڑھ گیا تو پھر
میں یہ سب نہ سہہ پاؤں گی
اس بار جدائی سے مر ہی جاؤں گا
اگر یہ بھی شوق ہے جاناں
کہ مر تا تم مجھے دیکھو......

تو اپنے ہاتھوں سے میری
زیست کا خاتمہ کردو......
محبت کی کہانی کا
یہی انجام تم کردو......

شمع مسکان...... جام پور

انا

ہم انا کے مارے
نہ جانے کیوں ہیں
انا میں کتنے رشتے کھوئے
انا میں کتنے دل ہیں توڑے
انا ہے کیا......
ذات کا غرور
ذات...... ذرہ بے نشاں ہے
اس بے نشاں کا کیا غرور کرنا
ہم انا کے مارے
پھر بھی ہارے
کس سے ہارے......؟
دل سے ہارے
ضد سے ہارے
کہ خود سے ہارے......؟
ہم انا کے مارے
کسی کی انا سے ہی ہارے......

ثوبیہ بلال صبح...... ظاہر پیر

التجا

چاند نگر کو جانے والو
ایک گزارش سنتے جاؤ
چاند کے باہر بورڈ لگا دو
جس پہ یہ پیغام لکھا ہو
منع ہے اندر دکھ لے جانا

انا احب......

غزل

کی تمنا جس شاخ نے بھی سنگت تمازت کی

سنگ پھول کے پھر اس کو کبھی چنتے نہیں دیکھا
جانے کیوں دراز ہے قریب چمن میں وہ مسافر ازل کا
سفر دشت اس منظر ہے گلشن بھی ہے یا ہم نے ہی کبھی
اشک ابر کو شبنم گل سے ملتے کہیں دیکھا
رات بھر جاگے اداس گلاب کے شانے پر
دست تسلی بن شبنم کے کسی اور کو دھرتے نہیں دیکھا
چاندنی کو رات کے پچھلے پہر قرطاس شب پہ
احوال مہکی تنہائی کے کسی نے لکھتے نہیں دیکھا
بعد تیرے جانے کے بھی رتیں روٹھ کے ویران کر گئیں
نگری دل کو پھر آج تک بھی ہم نے بستے نہیں دیکھا
بیت چلی اس سے بھی بہار اور ہم نے رنگ تو کیا
مہک کو بھی سانسوں میں رچتے نہیں دیکھا
زمانے کے ہاتھوں نے دل پر زخم وہ دھرے
وقت کی چالوں سے بھی جنہیں اب تک بھرتے نہیں دیکھا

مدیحہ اکرم کشش...... کیلگ ہری پور

نظم

ابھی کچھ خواب باقی ہیں
میری نمناک آنکھوں میں
بہت سے درد باقی ہیں
میری زخمی ہتھیلی میں
مجھے دامن چھڑانے دو
مجھے اس پار جانا ہے
میری قسمت کے وہ ڈورے
جو دریا پار بکھرے ہیں
انہیں تنہا، شکستہ پا
میں واپس لا دلاؤں گی
میری ناؤ میں موتی ہیں
چندا ہے ستارے ہیں
تم مانو یا نہ منو
میرے سب غم تمہارے ہیں
ابھی کچھ دیر رہنے دو
میرے کچھ کام باقی ہیں

مجھے ساحل کے پتھروں سے
بہت سے سیپ چننے ہیں
میں عورت ذات ہوں دیکھو
مجھے کچھ خواب بننے ہیں
نازسلوش ذیشے...... میرپور آزاد کشمیر

غزل

کچھ لوگ اپنے کردار میں رنگ بھر جاتے ہیں
اپنے نام کو تاحیات امر کرجاتے ہیں
نام دیتی ہے یہ دنیا کسی کسی کو
مجھ جیسے تو اکثر گمنام ہی مرجاتے ہیں
دلوں میں رہنا ہو تو وفا کی بنو مثال
بے وفا لوگ تو جلد ہی دل سے اتر جاتے ہیں
خوب پرکھ لینا کسی پر اعتماد کرنے سے پہلے
یہاں لوگ اکثر اپنی بات سے مکر جاتے ہیں
کوئی لاکھ چھپالے اپنے درد لیکن
دل کے زخم تو اکثر سوچوں پر ابھر جاتے ہیں
جو عزت سے جینا ہے تو زبان میں پیدا کرو مٹھاس
یہاں لوگ ذرا سی بات پر وحشیوں کی طرح بپھر جاتے ہیں
بہت خوش نصیب ہوتے ہیں وہ جنہیں ملتی ہے محبت
ورنہ کئی لوگ تو اس راہ میں ہمیشہ کے لیے اجڑ جاتے ہیں
بہت حساس ہوتے ہیں کنول یہ پیار کرنے والے
جو ٹوٹ جائیں تو پھر دور تک بکھر جاتے ہیں
مدیحہ کنول سرور...... چشتیاں

غزل

وہ جو میرے کبھی بنے تو تھے
چھوڑ تنہا وہی گئے تو تھے
دیکھ کر ہم ہجوم لوٹ آئے
آستاں تک تیرے گئے تو تھے
حال پوچھا نہ ایک واقف نے
راستے میں کئی ملے تو تھے
دیکھ کر اس شتی کو ساتھ تیرے
دل میں طوفاں کئی اٹھے تو تھے

ہم بھی تہذیب تیری دنیا میں
یونہی کچھ دیر کو روکے تو تھے
راؤ تہذیب تحسین تہذیب...... رحیم یار خان

یہ کیسا عذاب ہے

میری روح بھی ہے فنا فنا کہ یہ شدتیں بھی عذاب ہیں
مجھے نفرتوں کا سبق سکھا' یہ محبتیں بھی عذاب ہیں
مجھے خاردار کا ڈر نہیں' بھلا کہہ سکیں گے یہ کیا مجھے
مجھے ڈس رہا ہے تو بس وہی جو چمن کے بیچ گلاب ہے
نہیں بھول کہ ہے مری زباں جو نہیں ہے لفظوں سے ماورا
ہے شدید طوفان خامشی' یہی خامشی تو عذاب ہے
بے انتہا ہوں محبتیں جو ہوں نفرتیں تو ہوں بے پناہ
مری روح میں جو جنون ہے یہ جنون شدت کی آگ ہے
میں کہ ریت ہوں اور اڑا دے تو میں کہ پانی ہوں اور بہا دے تو
میں کہ راستوں میں ہوں دربدر' میری منزلیں بھی سراب ہیں
نہ اصل ہیں مسکان چاہتیں' نہ بعد کی پہچان نفرتیں
نہ جبیں جھکانا عبادتیں' اگر جو چہرے نقاب ہیں
نورین مسکان سرور...... سیالکوٹ' ڈسکہ

دعا

خدا کرے کہ میرے ملک کے
ہر باسی کی
کبھی آنکھ نم نہ ہو
زیست میں کوئی غم نہ ہو
ہر لمحہ گلاب ہوجائے
ہر چہرہ شاداب ہوجائے
کوئی بھی کلی کبھی نہ مرجھائے
ہر باسی کھلتا ہوا مسکرائے
یاالٰہی!
کردے مقبول میری ہر دعا
معاف کردے' ہم سب کے گناہ
آنسہ شبیر...... ڈوگہ گجرات

نظم

آنکھوں ہی آنکھوں میں کہانی بن گئی تھی

نہ کبھی لب ہلے نہ دل وا کیے
بس سامنے دیکھ کر جو
آنکھوں ہی آنکھوں میں دیپ جل اٹھے
تو کہانی چل اٹھی
کبھی مسکراتی آنکھیں، کبھی اداس آنکھیں
کبھی بے وجہ ہنستی خوش آنکھیں
کبھی نم اور خاموش آنکھیں
تو کبھی سنجیدگی کا لبادہ اوڑھے
غرض کہ دل کا عکس تھیں آنکھیں
یوں ہی پلکوں کی جھالر گراتے اٹھاتے
کہانی بن گئی
نہ جانے یہ کیسا رشتہ تھا؟
کبھی جو سامنے تنہائی ملتی
تو دل اداس ویران سا ہو جاتا
یونہی اسے اچانک دیکھ کر آنکھیں چمک سی اٹھتیں
لبوں پر مسکان ابھرتی
اور پھر نظریں جھک جاتیں
کبھی پہروں تکتے آنکھوں میں آنکھیں
کبھی مسکراتی آنکھوں کی تاب نہ لاتے
نہ کبھی اور کوئی خواہش کی
چہرہ دیکھنے کی یا بات کرنے کی
بس ایک نظر کافی ہوتی تھی
شاید یہ مخلص دوستی تھی مگر کہانی بن گئی تھی
یہ خاموش کہانی تھی کسی کو نہ پتا چلی تھی
اور پھر دور بھی ہو گئے
نہ دل میں کوئی اور جذبہ تھا
بس آنکھوں میں قندیل جلتے تھے
یونہی آنکھوں ہی آنکھوں میں
کہانی بن گئی تھی

بنت حوا...... چوک سرور شہید

اسکا کہنا

اک جذبہ چاہت کا

من میں میرے جاگا ہے
چھوڑ کے دل کی دھڑکن خالی
جب دل لے کے وہ بھاگا ہے......
میں بیٹھا تھا سوچوں میں گم
زوروں پہ اس دن بارش تھی
سارے موسم کھل اٹھے تھے
دور کہیں اک سازش تھی......
تب جو تم سے پیار ہوا تھا
جینا اب دشوار ہوا ہے
فرصت جب بھی ملتی ہے
نام تیرا پرچار ہوا ہے......
کیا فرمانا وہ عجب تھا
جب یہ پوچھا نام بتا دو
دل دیا ہے جاں بھی دیں گے
گر یہ احساں تم جتا دو......
میں نے پوچھا کیسے جانا
اس کا کہنا دل نے مانا
خلق پہ تیرے مر مٹے ہم
اب نہ کرنا کوئی بہانہ......
سوال ہوا اب منزل کا
جواب ملا بہت قریب
رہتے ہیں ہم سانسوں میں
پھر بھی ہم ہیں بدنصیب
کوشش اس کی اب بھی جاری
ہے بات کرنے کی تیاری
اب بھی گھنٹی بج اٹھتی ہے
کبھی کبھی تو رات ساری......

اعجاز احمد لودھی...... اسلام آباد

biazdill@aanchal.com.pk

دوست کا پیغام آئے

حما احمد

اپنوں کے نام

ڈیئر آنچل فرینڈز آل ریڈرز رائٹرز آنچل اسٹاف سب کو کیوٹ سی عائشہ رحمٰن ہنی کی طرف سے الفتوں، چاہتوں اور محبتوں سے بھرپور سلام قبول ہو۔ سب سے پہلے صائمہ قریشی کیسی ہیں آپ؟ ماشاء اللہ بہت زبردست لکھتی ہیں آپ "کناڑی پیار" ہائے فائے۔ فصیحہ آصف خان گریٹ ہو آپ، ماروی یاسمین آپ سنائیں؟ ایس گوہر کمال ہیں آپ، عاصمہ اقبال نازی آپی کا خیال رکھیے گا اور اپنا بھی۔ شبنم کنول آپ بھی فٹ ہیں ناں، وثیقہ زمرہ آپ کا نام اچھا لگا۔ پروین افضل آپا! اللہ آپ کو اولاد نرینہ عطا کرے اسپیشل دعا کرتی ہوں۔ شمع مسکان آپ اچھی لگتی ہیں، کرن شبیر دلی لگاؤ ہے آپ سے۔ کرن ملک تسی وی گریٹ ہو، ثوبیہ ملک خوش رہو۔ ارم کمال، کرن آپ کی بیٹی شادی شدہ ہے واہ میں تو آپ کو بھی کنواری دوشیزہ سمجھی تھی۔ مدیحہ کنول کیسی ہیں آپ؟ سدرہ بتول یو آر سویٹ۔ طیبہ نذیر کیسی ہیں خوش رہیں، فوزیہ سلطانہ آر یو اوکے؟ مدیحہ نورین ٹھیک ہیں آپ بھی؟ کوثر خالد آنٹی ماشاء اللہ بہت بہادر ہیں آپ۔ فائزہ بھٹی اینڈ گل مینا خوشیاں بانٹیں ہمیشہ اینڈ آنچل کی جان شاہ زندگی نام تو بہت زبردست ہے اور آپ خود بھی۔ حرا قریشی آپ لکھتی ہیں تو جی چاہتا ہے پڑھتی ہی رہوں، کاش آپ جیسی بن سکوں۔ صدف آصف ہمیشہ اچھا لکھتی رہیے گا سباس گل آپ تو آپ ہیں نا، طلعت نظامی سویٹی ہاؤ آر یو۔ ام ہانی، عائشہ پرویز ہمیشہ مسکراتی رہو، عقیلہ رضی نزہت جبیں سو نائس۔ رشک حنا، ماہ رخ سیال، گریٹ ہو تسی وی۔ شازیہ ہاشم عرف...... ہائے مرجاواں۔ صبا اعوان، حمیرا قریشی، سعدیہ رمضان، فوزیہ سلطانہ ایس بتول شاہ، سارہ یہ چوہدری سب لش پش ہیں نا۔ نجم انجم آپ بہت اچھی ہیں، اے جنگلی بلی نورین انجم کیسی ہو چندا! حافظہ سمیرا بشریٰ باجوہ، سیدہ لوبا سجاد، دلکش مریم، سنیاں واقصیٰ زرگر، دعائے سحر، سامعہ ملک اعوان سب لوگ خوش رہیں اپنے خرچے پر۔ جاذبہ عباسی کہاں گم ہو یار مس یو۔ صائمہ ذوالفقار، حنا اشرف کیسی ہیں آپ؟ کدھر گم ہیں ہمیرا شریف طور بہت بہت مبارک باد اتنا گریٹ ناول لکھنے پر۔ نازی آپی آپ کیسی ہیں؟ پارس شاہ ہاؤ آر یو؟ ایمن میر کیا مصروفیت ہے آج کل؟ جیا عباس آپ بھی یاد ہیں یارا! لاریب انشال آپ کا نام اچھا لگا۔ ماریہ کنول ماہی یو آر اے نائس بچی! آپی فریدہ جاوید فری آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ کاجل شاہ آپ کدھر ہیں؟ جن جن کے نام لکھے دوستی کرنا چاہے کوئی تو دل کا دروازہ کھولو پلیز سب لوگ دعا کریں میری پیاری سی "مس پریشے" اچھی بچی بن جائیں تا کہ الو کی شہزادی اور بھیا کی پری مس عروسہ کیسی ہو ممی جی؟ اور میرے پیا کی سسٹر مس زرمہ ام فروئی کی پھوپو مس یوہاہا۔ مس فوزیہ اینڈ مائی آل ٹیچرز اینڈ کولیگ آئی لو یو بچی پچی او کے رب دا کھا۔

عائشہ رحمٰن ہنی...... دریالی مری

آنچل فرینڈز صائمہ قریشی کے نام

السلام علیکم! تمام آنچل رائٹرز اینڈ ریڈرز کو میرا دل سے سلام۔ میری بیسٹ اینڈ فیورٹ آپی صائمہ قریشی صاحبہ میں آپ کی بڑی فین ہوں، کیا حال ہے آپ کا؟ میں بہت خاموش طبع ہوں پہلی بار آپ کو مخاطب کر کے پیغام لکھا ہے جواب ضرور دینا۔ آپی صدف آصف آپ کیسی ہیں؟ اور آنٹی کوثر خالد آپ کے حال چال کیسے ہیں؟ جاذبہ عباسی آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں، سرور فاطمہ ہنی، لاریب انشال، مشی بہت زبردست ہیں۔ آپی سباس گل، آپی حرا قریشی سب کو سلام، اور طیبہ نذیر آپ کی شادی کی خبر سن کے دل کو کچھ ہونے لگا۔ ایک نہ ایک دن ماں باپ کو چھوڑ کے جانا ہی ہوتا ہے، خوش رہو، شاد رہو۔ کاجل شاہ آپ کا نام تو بہت ہی دلکش ہے، اصل میں بالکل نئی ہوں آنچل میں۔ اس لیے مجھے نہیں پتا کہ کون میری آپی ہے یا میں کس کی آپی ہوں اگر بڑوں کو خالی نام سے مخاطب کرلیا ہو تو معذرت چاہوں گی۔ آخر میں اپنی ممانی جو کہ بالکل آپی جگن کاظم کی طرح ہیں یعنی عطیہ ممانی انہیں بہت بہت سلام۔ غازی، مہ پارہ مہک، ایمان، مژگان، فاطمہ،

ملائکہ، اشنا، آپی آمنہ، صبغہ، ارشمان، علی حیدر، ایمان، بتول آئمہ، بتول سب کزنز کو خوش رہنے کی دعا، رب کے حوالے۔

انیلا طالب...... گوجرانوالہ

سب اپنوں کے نام

السلام علیکم! سب کو میری طرف سے ڈھیروں دعائیں۔ لیقہ میڈم اللہ آپ کو دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی سے نوازے اور ہمارے تمام اساتذہ کرام کو بھی۔ ذرا بات ہوجائے باتونی کی تو اقراء باتونی کیسی ہو؟ کبھی کال بھی کرلیا کرو اور بی ایس سی کا کیا بنا؟ باقی سب وی ٹی آئی والی دوستوں کیسی ہو؟ امید ہے سب زندگی کے رنگ میں مست ہوں گی اور کچھ پرانی دوستوں کو بھی پیار بھرا اسلام۔ زندگی رہی تو پھر لکھوں گی تب تک کے لیے اللہ حافظ۔

شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی

دو عظیم ہستیوں کے نام

امید ہے آپ صحت و ایمان کی بہترین حالت میں ہوں گے ہیپی برتھ ڈے ڈیئر ٹیچر اینڈ ڈیئر امی! میری امی کا بھی اسی ماہ میں برتھ ڈے ہوتا ہے اس لیے میں نے سوچا اس مرتبہ آپ دونوں کو اکٹھا وش کروں۔ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو صحت و تندرستی والی لمبی زندگی عطا کرے اور دین و دنیا دونوں میں سرخرو کرے آمین۔

میرے دل کی ہے آرزو آپ ہر وقت مسکرائیں
ہر کانٹا آپ کی راہ میں پھول بن کر آئے

آمین۔ ٹیچر جی آپ نے کبھی نہیں بتایا کہ آپ کو کارڈ کبھی پسند بھی آیا یا نہیں، کارڈ میں ہمیشہ خود تیار کرتی ہوں جیسا بھی بنے اچھا یا پھر...... مجھے معلوم ہے یہ کہ سب چیزیں آپ کو وقت کا ضیاع لگتی ہیں مگر میرے نزدیک یہی زندگی کا اثاثہ ہیں۔ ہوسکتا ہے ہمارا ایک چھوٹا سا عمل دوسروں کو خوشی سے ہمکنار کردے تو پھر اس سے بڑھ کر کوئی بات نہیں۔ یہ بات میں نے اس لیے کہی ہے کیونکہ ہر مرتبہ ملنے پر آپ ایک ضیاع کی ہی بات کرتے ہیں تو پھر مجھے بہت دکھ ہوتا ہے۔ اینڈ پر سوری کچھ زیادہ ہی بول جاتی ہوں، اصل میں مجھے پتا نہیں چلتا کہ کیا کہنا ہے بعد میں یاد آتا ہے کہ ایسا نہیں کرنا تھا بلکہ کچھ اور کرنا تھا یا کہنا تھا۔ ایک مرتبہ پھر ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ اپنا خیال رکھیے گا اور دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

ایس ستیانہ......

اسامہ اسکول کے نام

السلام علیکم! سب سے پہلے اسامہ اسکول کے لیے بہت سی دعائیں، میری دعا ہے کہ اسامہ اسکول بہت زیادہ کامیابیاں حاصل کرے آمین۔ ہمارے اسکول کے پرنسل سر اکرم صاحب اور میم افشاں آپ اپنی فیملی کے ساتھ ہمیشہ خوش رہیں جس اسکول کی بنیاد مس روزی (اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے) اور آپ نے رکھی تھی وہی اسکول آج ایک باقاعدہ تعلیمی ادارہ بن گیا ہے اور اس کی ترقی میں زیادہ ہاتھ میم افشاں اور سر اختر صاحب کا بھی ہے۔ میری دعا ہے کہ آپ کا اسکول اور زیادہ ترقی کرے اور اسکول کا رزلٹ ہمیشہ شاندار آتا رہے۔ میری طرف سے سپروائزر آصفہ کو اور باقی اسٹاف کو سلام۔ نہم کلاس اب جو کہ دہم کلاس ہے امتحان کی کامیابی پر مبارک باد۔ رافیہ میری طرف سے تمہیں بہت زیادہ مبارک باد آخرتم نے ہمارے اسکول کا نام روشن کیا ہے، تمہارے جیسی اسٹوڈنٹ ہی ہمارے اسکول کی شان ہیں۔ میرے پیارے سے بھائی صدام امتحان کی کامیابی پر بہت مبارک باد۔ تمہارا اور نمرہ کا گفٹ ڈیو ہے پکا پرامس۔ تحریم میری نخریلی سی سسٹر اور شازمہ امتحان کی کامیابی پر مبارک باد۔ یاسمین اور آمنہ میری نیک تمنائیں تمہارے ساتھ۔ ثناء، پروین اور آصفہ بہت بہت مبارک باد، نگینہ تمہیں اپنا پرامس یاد ہے نا، ثوبیہ میری پیاری کزن بہت مبارک ہو کس لیے یہ تمہیں پتا ہے۔ عارفہ کزن میری بات مان لو اور آگے پڑھ لو۔ روبی، انعم اور حنا دل لگا کر پڑھا کرو، میری پیاری سی سابقہ کلاس کو بہت بہت پیار اور دعائیں۔ حمزہ میری جان خوشی خوشی اسکول جایا کرو اپنی پھوپو کی طرح، فی امان اللہ۔

انیلہ اکرم...... لودھراں

رشک حنا اور ماہ رخ سیال کے نام

السلام علیکم! آل فرینڈز کیسی ہے آنچل پارٹی؟ اس بار پیغام لکھنے کی خالصتاً وجہ رشک حنا اور ماہ رخ سیال ہیں۔ آپ کا

فرمائش کرکے پیغام لکھوانا بلاشبہ پسند آیا اور ہم چاہ کر بھی آپ کی فرمائش کو اگنور نہیں کرسکے آپ نے تو صرف پیغام کی فرمائش کی لیکن ہم نے تو یہ بھی ڈیسائیڈ کرلیا ہے کہ میں اپنی آئندہ تحریر میں آپ دونوں کے نام استعمال کروں گی۔ (اب آپ دونوں تصور کرلیجیے کہ آپ کا یوں کہنا مجھے کس قدر پسند آیا ہے) لیکن آپ کو یہ بتانا پڑے گا کہ اصل میں پیغام لکھا کس نے تھا۔ رشک حنا یا پھر ماہ رخ سیال؟ (میرے خیال سے تو رشک حنا) طیبہ نذیر شادی مبارک ڈیئر بلایا بھی تو کس طرح؟ (ایک دم غیروں کی طرح) اب یہاں کہنا کہ پھوپو کی والے اعتراض کررہی ہو ہاہاہا۔ سب دوستوں کو سلام اجازت دیجیے۔

فوزیہ سلطانہ..... تونسہ شریف

آنچل کے ریڈرز کے نام

السلام علیکم! سب سے پہلے اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ جس نے مجھے اتنی ہمت دی کہ میں بھی کچھ لکھ سکوں۔ تو جی جناب آنچل کی تمام رائٹرز کو محبت اور خلوص سے بھرا سلام ارے یہ ریڈرز کے منہ کیوں ٹیڑھے ہوگئے بھئی آپ کو بھی فابیہ مسکان کی طرف سے چاہتوں سے بھرپور سلام قبول ہو اور جھولی بھر کے اس ننھی سی جان کو ڈھیری دعائیں دیں اور بدلے میں بھی دعائیں بالکل سچی کہہ رہی ہو۔ ہائے بسمہ 24 اگست کو تمہاری سالگرہ تھی بیسٹ آف لک فار یو۔ میری اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈھیروں خوشیاں عطا کرے اور ساتھ میں مجھے بھی ہاہاہا۔ "صاف چھپتے نہیں سامنے آتے بھی نہیں" اس مصرعے کے مطابق بالکل بھی بات نہیں کروں گی بلکہ سیدھی اور صاف بات کروں گی میں نے آنچل میں انٹری ماری کہ ڈھیروں دوستیں بناؤں گی پرناں جی کسی نے بھی ہاتھ نہیں تھاما کوئی گل نئیں جی وقت وہ نہیں رہا تو یہ بھی نہیں رہے گا۔ ہمیشہ امید ہی رکھوں گی آخر کوئی تو دوستی کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو تھام ہی لے گا۔ سنیاں زرگر میں نے آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا لیکن آپ تو آنچل سے غائب ہی ہوگئی۔ یار دوستی نہیں کرنی تو ناں سہی لیکن پلیز آنچل میں دوبارہ انٹری دو۔ عائشہ نور محمد (آپ کی اسٹوریز کے تو کیا کہنے جب بھی آتی ہیں چھا جاتی ہیں کوئی سلسلے وار ناول بھی شروع کرو) پروین افضل شاہین (آپ کی فین ہوں بچی) جویریہ جی (شکریہ آپ نے میرے لکھے گئے الفاظ کو پسند کیا) شمع مسکان، حرا قریشی، شائستہ جٹ، دلکش مریم، کوثر خالد (جولائی کا شمارہ "پھول میگزین" میں جو تصویر ہے وہ آپ کی ہی ہے ناں) حنا زمان سے دوستی کی خواہش مند ہوں جو بھی اس محبت سے بھرپور دوستی کا ہاتھ تھامے گا اس کا بہت شکریہ اللہ آپ کو صحت و تندرستی والی زندگی عطا فرمائے اور آنچل و حجاب کو دن دگنی چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین۔

فابیہ مسکان..... قلعہ میاں سنگھ

آنچل کی پریوں، منزہ اینڈ عنضہ آپی کے نام

السلام علیکم! کیسی ہو سویٹ کیوٹ سی سسٹرز! آئی ہوپ فٹ فاٹ ہوں گی جب سے آپ نے بتایا کہ ہم کراچی سے واپس آرہے ہیں بس مت پوچھو جی ایک ایک دن گنا جارہا ہے ہاہاہا ابھی تو اُف...... بہت سارے دن رہتے ہیں۔ کوئی بات نہیں جی ان شاء اللہ جلدی سے گزر جائیں گے۔ منزہ آپی آپ کو بہت بہت تھینکس کہنا تھا ہاں ناں آپ نے جو ڈریس میرے لیے بھیجا تھا بہت ہی نائس تھا اس کا کلر واؤ مائی فیورٹ کلر تھا پرپل۔ عید والے دن جب میں نے فراک پہنا تو بس کیا بتاؤں بہت ہی داد وصول کی ہے ہم...... ہر کسی نے پوچھا کہ عنبر ماشاء اللہ یہ آپ کا سوٹ تو زبردست ہے کہاں سے لیا تھا تو میں نے کہا جی ہاں یہ کراچی سے آیا ہے ناں تو سب نے کہا اچھا تو کراچی سے آیا ہے ہم...... بہت ہی زبردست لگ رہا ہے ہاں تو کیوٹ آپی تھینکس آپی بہت زیادہ عشال کو بہت پیار کرنا او کے جی عشال کو بہت مس کرتی ہوں اب بس جلدی آجاؤ۔ ارے ہاں اریشہ غزل اینڈ عبدالرزاق اب اسکول جانے لگے ہیں ماشاء اللہ مائی کیوٹ سویٹ سے بھانجا بھانجی اللہ آپ دونوں کو کامیابی عطا کرے آمین۔ اچھا اب ذرا کچھ آنچل کے ذریعے دوست بناتے ہیں کیا کوئی ہے جو مجھ سے دوستی کرے آنچل کی شہزادیوں میں بہت ہی دل سے چاہت سے خلوص سے آپ سب لڑکیوں سے دوستی کرنا چاہتی ہوں آئی ہوپ آپ مجھ سے دوستی کریں گی چلو جی اگلے ماہ دیکھتے ہیں کہ کون کون ہماری دوستی قبول کرے گا اچھا جی اب اجازت اللہ حافظ۔

عنبر مجید......کوٹ قیصرانی

طیبہ نذیر کے نام

السلام علیکم! طیبہ آپی کیسی ہو امید ہے کہ ٹھیک ہوگی آپ کو شادی مبارک ہو سوری آپی میں آپ کو پہلے مبارک باد نہ دے سکی اس کی وجہ میری پڑھائی ہے کہ مجھے زیادہ وقت نہیں ملتا سدا خوش رہو سدا سہاگن رہو میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں اللہ آپ کو اتنی خوشیاں دے کہ جس کا کوئی حساب نہیں کوئی دکھ یا کوئی تکلیف آپ کے پاس سے بھی نہ گزرے اور مجھے دعائیں دینے کا شکریہ اور میری آپ سے گزارش ہے کہ میرے لیے دعا کرتی رہنا خصوصی طور پر میری پڑھائی کے لیے اور میں تو آپ کے لیے دعائیں کرتی ہوں کہ میری پیاری سی آپی سدا پھولوں کی طرح ہنستی مسکراتی رہے آمین اللہ حافظ۔

ثمین فضل......احسان پور

آنچل سکھیوں کے نام

سب سے پہلے تو ڈیئر شازیہ آنچل کے توسط سے تم سے مخاطب ہوں، میری پیاری سی، کیوٹ سی دوست ہمیشہ خوش رہو۔ بشریٰ افضل فرام بہاولپور آپ سسپنس، جاسوسی والی بشریٰ افضل ہو ناں۔ مجھے آپ سے دوستی کرنی ہے، طیبہ نذیر شادی مبارک ہو لیٹ ہوگئی ہوں مبارک باد دینے میں معذرت۔ دعائے سحر آپ نے تو نہیں بتایا آپ کی آپی نے بتادیا آپ کی منگنی کا اچھا کیا جو بھانڈا پھوڑ دیا؟ یقیناً اچھا کیا۔ حافظہ صائمہ کشف مجھے بھی قرآن پاک حفظ کرنے کا بہت شوق تھا جو پورا نہ ہوسکا۔ البتہ خود سے کافی سورتیں یاد کی ہیں۔ آپ نے مجھے یاد رکھا بہت بہت شکریہ۔ اب تو آپ میری دوستی ہوئیں ناں؟ اتنا بڑا لیٹر تھا آپ کا پچھلے ماہ، بہت اچھا لگا۔ امبرین ملک آپ کی کیوٹ سی باتیں اچھی لگیں یقیناً آپ خود بھی کیوٹ سی ہوں گی۔ ارم کمال آپ ہمیں بڑی اچھی، بڑی اپنی سی لگتی ہیں۔ پروین افضل ڈیئر آپ کیسی ہیں؟ مدیحہ نورین مہک آپ شہر کا نام ''برنالی'' کیوں نہیں لکھتیں؟ شادی ہوگئی ہے یا یہ گجرات کا ہی قصہ ہے۔ آخر میں سب کے لیے ڈھیروں دعائیں، زندگی کی تمام خوشیاں آپ کو نصیب ہوں۔

شاد رسول ہاشمی......صادق آباد

فریدہ جاوید فری اور عائش کشمالے کے نام

السلام علیکم! قابل احترام پیاری آپا جان فریدہ جاوید فری، سینے میں دل، دل میں درد، درد میں نشہ، نشے میں آرزو، آرزو میں حسرت، حسرت میں امید، امید میں خیال، خیال میں تصور، تصور میں تم، تم میں ادا، ادا میں وفا، وفا میں خلوص، خلوص میں پیار، پیار میں عبادت، عبادت میں خدا، خدا سے ہے دعا کہ آپ ہمیشہ خوش رہو۔ پھولوں کی طرح ہنستی مسکراتی رہو شاد رہو آمین۔ آپ کے قلم سے اپنا نام لکھا دیکھا بے حد خوشی ہوئی آپ جیسی مایہ ناز مشہور شاعرہ نے نجم انجم اعوان کو یاد کیا، سچ بے حد حیران ہوئی کہ آپ آنچل میں مجھے پڑھتی ہیں اور اپنا قیمتی وقت میرے لیے بھی نکالتی ہیں بے حد شکریہ۔ امید کرتی ہوں کہ آئندہ بھی ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گی، آپ کے لیے اللہ تعالیٰ سے خصوصی دعا ہے کہ آپ کو اپنی رحمت سے ڈھیروں خوشیاں، عمر دراز، اچھی صحت عطا فرمائے۔ ڈیئر عائش کشمالے ہمیشہ خوش رہو۔ کشمالے آپ کی بات درست ہے واقعی میں ہر کسی کو دل سے یاد رکھتی ہوں، تمام دوستوں کو یاد رکھنے سے میرا دل بھرا بھرا سا رہتا ہے بس......

آرزو ہونی چاہیے کسی کو یاد کرنے کی
لمحے اور وقت تو اپنے آپ ہی مل جاتے ہیں

اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کو آباد رکھے آپ نے ہمیں یاد کیا اب دیکھنا کہ ہر پیغام میں آپ کا نام ضرور جگمگائے گا اور فوزیہ سلطانہ ڈھیر سارا پیار۔ ثوبیہ سحر حسنین میں بھی آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ ویلکم کیجیے حیا عباس کہاں گم ہوگئی۔ دلکش مریم آپ تو غائب ہوگئیں، طیبہ نذیر، تمنا بلوچ، انعم زرین، سارہ زرین، نورالہدیٰ، مغل، ارم کمال سب کو سلام۔

نجم انجم اعوان......کراچی

آنچل کے چاند چہروں کے نام

السلام علیکم! کیسی ہیں سب فرینڈز؟ کافی ماہ بعد آنچل کی محفل میں شرکت کررہی ہوں، سب سے پہلے تو ان سب دوستوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جنہوں نے

مجھے یاد رکھا۔ طیبہ نذیر، میرا سواتی، سار یہ چوہدری، رشک حنا، ماہ رخ (بالکل مصروف نہیں ہوں) آپ سب کی محبت پر آنکھیں نم ہوگئیں، طیبہ نذیر شادی کے لیے مبارک باد اللہ آپ کو دونوں جہانوں کی کامیابی اور خوشیاں عطا کرے۔ کاجل شاہ اپنی مصروفیت میں سے تھوڑا سا وقت آنچل فرینڈز کے لیے بھی نکال لیا کریں، شاہ گروپ کہاں گم ہو آپ لوگ؟ شاہ زندگی ڈیئر یاد رکھنے کے لیے شکریہ آپ سب کی محبت اور پُرخلوص دوستی میرے لیے انرجی کا کام کرتی ہے، نورین شاہد، جاناں ملک، شمع مسکان آپ لوگ بھی جلدی سے آنچل کی محفل میں انٹری دو۔ سنیاں زرگر شادی مبارک ہو، جیتی رہو خوش رہو۔ انا احب، دعائے سحر، دلکش مریم، اقصیٰ زرگر، جیا عباسی، حرا قریشی، لاڈو ملک (آئی مس یو پلیز کم بیک)۔ صبا زرگر (آنچل کی محفل میں خوش آمدید، آپ بھی ہمارے دوستوں کی لسٹ میں شامل ہوچکی ہیں، امید ہے آپ کو اعتراض نہیں ہوگا؟)۔ اریبہ شاہ، ثمر عباس، پروین افضل شاہین (اس محفل کی رونق آپ سے ہے، جیتی رہیں، خوش رہیں) تمنا بلوچ، ایس انمول، سباس گل (آپ سولہ سال سے آنچل میں لکھ رہی ہیں جان کر حیرت ہوئی، ہم آپ کو اپنی ہم عمر سمجھتے تھے)۔ جیزی شاہ، صنم شاہ سب کو سلام جن کے نام رہ گئے ان سے معذرت، دعاؤں میں یاد رکھیے گا، اللہ نگہبان۔

پارس شاہ...... چکوال

مس عاصمہ روبینہ (فیصل آباد) کے نام

السلام علیکم! آپ کیسی ہیں؟ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ آپ کو سدا خوش رکھے، آمین۔ مجھ مس فائزہ امیر لودھی نے بتایا کہ آپ کا ٹرانسفر ہوگیا ہے کچھ لمحوں کے لیے مجھ سے کچھ بولا ہی نہ گیا۔ آپ کو اتنی جلدی تھی جانے کی؟ آپ جیسے لوگ گلاب کی طرح ہوتے ہیں جو ہاتھوں میں نہ بھی رہیں تو خوشبو ضرور چھوڑ جاتے ہیں۔ میں کالج آئی تو مجھے ایسا لگا جیسے چارسوں خاموشی کا بسیرا ہو، ہر چیز مجھے اداس اور ناخوش سی دکھائی دی بالکل میرے دل کی طرح۔ جب میں کوریڈور سے گزری تو مجھے ایسا لگا جیسے ابھی مس مجھے آواز دیتی ہوں۔ ہمارے روم سے لے کر کنٹرولر روم تک ہر چیز مجھے خود سے لپٹ کر روتی محسوس ہوئی۔ مس عاصمہ کالج وہی ہے جو چیز جہاں تھی وہیں ہے سب کچھ ہونے کے باوجود ایسا لگتا ہے جیسے کچھ نہیں ہے۔ کالج کی فضائیں آپ کو یاد کرتی ہیں، کالج کی ہر راہداری ہر آہٹ پر چونک جاتی ہے کیا خبر آپ ہوں، کالج کے کوریڈور میں مجھے آج بھی آپ کے قہقہے سنائی دیتے ہیں۔ کنٹرولر روم میں کسی کو بیٹھے دیکھ کر آپ کا گمان ہوتا ہے، لائبریری کا گوشہ گوشہ اداس نظر آتا ہے۔ مس راحت کے ٹیبل پر پڑی کتابیں آپ کے ہاتھوں کے لمس کو ترستی ہیں، ہال جس میں آپ کی موجودگی محفل کو چار چاند لگا دیتی تھی اور آپ کے ہر شعر پر تالیوں کی گونج تھمنے کا نام نہ لیتی تھی۔ آج وہ ہال ویران اور بین کرتا دکھتا ہے۔ کالج میں جو بھی لڑکیاں آتی ہیں سب یہی پوچھتی ہیں، مس عاصمہ سے ملنا ہے، مس عاصمہ آئی ہیں؟ جب ان کو پتا چلتا ہے کہ آپ کا ٹرانسفر ہوگیا ہے تو سب کے چہرے مرجھا جاتے ہیں اور سب مجھے یہی کہتی تھیں (خاص کر کے آپ کے ایم ٹو کی لڑکیاں) "سدرہ تم تو آنچل میں لکھتی ہو نا مس سے کہہ دو ایک بار آ کر مل ہی جائیں" میں ان سے کیا کہوں آنچل میں لکھ سکتی تھی وہ لکھ دیا ہے۔ ہماری یہ بڑی بدنصیبی ہے کہ ہم نے آپ کو کھو دیا اور فیصل آباد کی ان لڑکیوں کے نصیبوں کو سلام جن کو آپ ملی۔ آپ جیسی ذہین، ہنس مکھ اور اعلیٰ اخلاق کی ٹیچر ان کو پڑھا رہی ہیں۔ کالج کا اسٹاف اور کالج آپ کی خدمت کو فراموش کردے تو کردے مگر میں آپ کی محنت، محبت اور خدمت کو خراج تحسین پیش کرتی ہوں اور آنچل کی ذریعے میں صرف پاکستان کے ہی نہیں بلکہ دیگر ممالک کے ٹیچر سے بھی کہنا چاہوں گی کہ اپنے اسٹوڈنٹ کے ساتھ نرم برتاؤ کریں، اپنے اسٹوڈنٹ کی حوصلہ شکنی کرنے کے بجائے حوصلہ افزائی پیدا کریں ان میں ڈر خوف اور بے اعتمادی ختم کریں تاکہ وہ زندگی میں جس پوسٹ پر ہوں آپ کے ممنون رہیں اور دعاؤں کی بارشیں آپ پر سدا کرتے رہیں۔ میں اپنے کالج کی پرنسپل میڈم رقیہ کوثر سے یہ درخواست کرتی ہوں کہ آٹھ دس سال کسی ادارے کے ساتھ منسلک رہنا، پڑھانے سے لے کر کالج کے دیگر امور پر نظر رکھنا اور اپنی ذمہ

داریوں کو احسن طریقے سے سرانجام دینا کوئی معمولی بات نہیں۔ میں آپ سے گزارش کرتی ہوں کہ آپ ہمارے ٹیچرز کو کالج میں انوائٹ کریں اور ان کی خدمات جو انہوں نے اتنے سال اس کالج کے لیے سرانجام دیں اس کے لیے پارٹی رکھیں اور اس پارٹی میں ہمارے ٹیچر کی حوصلہ افزائی کی جائے باقی کے نئے اسٹاف اور جونیئر اسٹوڈنٹ سے مس کا تعارف کروایا جائے۔ میڈم خالدہ لطیف صاحب (سابقہ پرنسپل آف کالج) ہر فنکشن کے اختتام پر کہتی تھیں "عاصمہ ہرفن مولا ہے جتنے بھی پروگرام منعقد کیے جاتے ہیں سب سے زیادہ بھاگ دوڑ عاصمہ ہی کرتی ہے" میڈم پلیز میں آنچل کے ذریعے آپ سے کہہ رہی ہوں کہ آپ ایک مس عاصمہ کے لیے فنکشن رکھیے گا اور اپنے سارے آنچل اسٹاف اور فرینڈز سے کہتی ہوں کہ دعا کریں میرے ٹیچرز جہاں رہیں سدا خوش رہیں۔ مس عاصمہ میں پھر سے ہاتھ باندھ کر نگاہوں کو جھکا کر سر کو خم دے کر آپ کو سلام پیش کرتی ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ آپ سدا خوش رہیں آمین۔ اللہ حافظ۔

ایس گوہر طور...... تاندلیانوالہ فیصل آباد

پیارے دوست اویس منیر کے نام

السلام علیکم! ستمبر میں آپ کی سالگرہ تھی میں آپ کو آنچل کے ذریعے وش کررہی ہوں۔ امید ہے سرپرائز پسند آئے گا اللہ پاک سے دعا ہے آپ کی زندگی کے اس نئے سال کے آنے والے دن آپ کے لیے مسرتوں کے پیغام لے کر آئے۔ آپ کو آپ کی من پسند ملازمت مل جائے اور آپ کی تمام نیک اور جائز خواہشات پوری ہوں آمین۔ آنچل کی تمام مصنفین اور قارئین کو میرا سلام اس سب کے ساتھ اللہ حافظ۔

صبا قمر...... سرگودھا

فیملی کے نام

السلام علیکم! قاسم فرام دبئی کیا حال ہے اور سناؤ صحت تو ٹھیک ہے نا اور دن کیسے گزر رہے ہیں ویسے تم تیسرے مہینے کا بڑی بے چینی سے انتظار کررہے ہو کیونکہ تیسرے مہینے میں پاکستان جو آنا ہے (اللہ تعالیٰ ہر دلی آرزو تمہاری پوری کرے) آمین۔ مصباح 7 ستمبر کو تمہاری سالگرہ تھی تمہیں مبارک ہو۔ ہیہ 10 ستمبر کو تمہاری سالگرہ تھی ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ آنچل کے توسط سے میرے بہنوئی بھائی جمیل کو سلام ہیلو بھائی جی کیا حال ہے۔ کشمیر کے موسم کا کچھ حال چال سناؤ بھائی جی ہیہ کا خیال رکھا کرو اوکے بھائی آپ کی 11 مارچ کو سالگرہ ہوتی ہے سالگرہ مبارک ہو سوری جی آپ کو جلدی وش کررہی ہوں کیونکہ اس وقت شاید ایسے حالات نہ ہوں (سمجھ گئے ہونا)۔ نور الہدیٰ مغل (حیدرآباد سندھ) کو سلام۔ ارم کمال میرا تعارف پسند کرنے کا بہت بہت شکریہ۔ شیریں گل (ثمن)، ماہ رخ سیال، سرگودھا، تم دونوں کدھر غائب ہو سب خیر ہے نا۔ شاہ ویز، شازم، زاوش کو پیار۔ عیشہ تم کیسی ہو آخر میں اللہ تعالیٰ میرے دونوں بھائیوں کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین، اللہ حافظ۔

عروسہ...... کالس

چاند چہروں کے نام

ہیلو عنزہ ڈیئر کیسی ہو بتانا ضرور کیسی لگی انٹری سوری بتایا نہیں تھا تمہیں کہ میں آنچل کی ذریعے وش کروں گی، یہی تو ہوتا ہے نا سرپرائز۔ یاد ہے اپنی برتھ ڈے یا میں ہی یاد کراؤں، ارے ستمبر میں تمہاری برتھ ڈے تھی سوئٹی مٹی ہیپی برتھ ڈے۔ دیکھ لو میں تو آج تک تمہاری برتھ ڈے نہیں بھولی اور تمہیں کبھی میری یاد نہیں آئی (دیکھ لو اس لڑکی کو سسرال میں جا کر نام ڈبوئے گی میرا کہ اتنی کمزور یادداشت لے کر آئی ہے میکے سے) کیا کہا میرا نام کیوں ڈبوئے گی جناب ماں باپ سے زیادہ میری کمپنی میں جو رہی ہے تم رائٹر بنو گی ضرور ان شاء اللہ محنت جاری رکھو صبر کا پھل میٹھا اور محنت کا صلہ کامیابی جو تمہیں ضرور ملے گی اور ہاں مجھے خوشی ہے کہ خوابوں سے حقیقت کی دنیا میں لوٹ آئی ہو (بھئی جاگ گئی ہو ناں) اچھا ضرور بتانا گفٹ میں کیا چاہیے۔ کیا کہا میم سمعیہ! ہاں بھئی کیوں نہیں ضرور وش کریں گے اور بتاؤ یہ عاصمہ بھی میری کاپی کررہی ہے کہہ رہی ہے میری طرف سے بھی لکھو۔ چلو جی ہیپی برتھ ڈے ٹو یو فرام عاصمہ۔ عاصمہ نسیم تم سناؤ شافع کیسا ہے (اب تمہارا حال چال پوچھنا بند اب تمہارے بیٹے اور ہمارے بھانجے کی باری ہے) مصباح تم سناؤ عین غین

سے فرصت ملی یا ابھی بھی ویسی ہو علیز ے خوابوں سے حقیقت میں آ ؤ یہاں پریاں شہزادے نہیں ہوتے اینڈ بی سیریس رمشہ تم میں اچھا چینج آ رہا ہے بدل رہی ہو (سمجھ رہی ہونا سمجھدار بندی) اس کے علاوہ تمام نوگری والوں کو سلام تھرڈ ائر اور فرسٹ ائر والوں کو خوش آمدید سیکنڈ ائر اور فورتھ ائر والوں کو الوداع تمام ٹیچرز کو سلام۔ میم سمعیہ آپ کیسی ہیں کبھی یاد بھی نہیں کیا بھولیے گا بالکل نہیں ورنہ بہت دکھ ہوگا آپ بھی کبھی آنچل میں انٹری دے دیں۔ میم زیب آپ کیسی ہیں؟ جاب کیسی جارہی ہے۔ میم قمر آپ کیسے ہیں بیٹی کی بہت بہت مبارک باد کافی بڑی ہوگئی ہوگی نا میم حنا آپ سنائیں کیسے ہیں (وہ تو مجھے پتا ہے کہ بہت خوب صورت ہیں آپ لیکن کیا حال چال ہے) گاڈ بلیس یو صدا مسکراتی رہیں کوئی غم قریب نہ آئے ہمیشہ خوش رہیں۔ میم تخمینہ آپ سے ملاقات ہوگی ان شاء اللہ (کالج میں) امید ہے آپ کی نگرانی میں انگلش کی تیاری اچھی ہوجائے گی اور میم عمارہ آپ کی کوئی کلاس تو اٹینڈ نہیں کی لیکن یقین ہے کہ آپ بہت اچھا پڑھاتی ہوں گی آفٹر آل سسٹر تو میم ساریہ کی ہی ہیں نا میم فاطمہ آپ کی بہت تعریف سنی ہے جلد ملاقات ہوگی اس کے علاوہ تمام نیو اسٹاف کو سلام۔ اینڈ پر شبنم سمیعہ عنزہ لاریب انشال انا احب دعائے سحر (دعا ہاشمی) طیبہ نذیر شاہ زندگی ارم کمال سحرش رانا حرا قریشی میں آپ سب سے دوستی کرنا چاہتی ہوں جواب ضرور دینا لیکن مثبت اوکے اللہ حافظ۔

اقراء لیاقت چدھڑ...... حافظ آباد

کنول ستیانہ......

دعائے سحر کے نام

پیاری دعائے سحر امید کرتی ہوں مزاج بخیر ہوں گے تمہارا نام مجھے بہت پسند آیا ہم دوست بن سکتے ہیں اگر ہاں تو جواب ضرور دینا مجھے انتظار رہے گا اس کے علاوہ کوئی بھی قاری دوستی کرنا چاہے تو پیغام بھیج سکتی ہیں شکریہ۔

کرن بشیر...... کراچی

سمیرا شریف طور کے نام

السلام علیکم! سب سے پہلے دعا ہے کہ اللہ کریم آپ کے بیٹے کو تندرستی عطا فرمائے آمین۔ میں نے بہت انتظار کیا کہ جوبات میں نے آپ کو بتانی ہے کوئی اور بتادے میری ضرورت نہ پڑے مگر میری ضرورت پڑ ہی گئی بات کچھ "ٹوٹا ہوا تارا" کے متعلق ہے ناول بہت اچھا تھا کوئی بات قابل تنقید نہیں تھی سوائے اس کے کہ "انا" کو نکاح کے وقت دلہا کا نام نہیں بتایا گیا حالانکہ نکاح کے وقت لڑکی سے دلہے کا نام لے کر پوچھا جاتا ہے کہ "قبول ہے؟" آپ نے ایسا کچھ نہیں کہا آپ کو کوئی اور طریقہ لکھنا چاہیے تھا جس سے انا کو پتا بھی نا چلتا اور بات بھی قابل ہضم ہوتی آخر کار مجھے تکلیف کرنی ہی پڑی خوش رہیں اللہ حافظ۔

نسرین علی...... لکانوالہ میاں چنوں

اپنوں کے نام

اسلام علیکم میری پیاری پیاری فیملی! آنچل رائٹرز اور آنچل انتظامیہ کو بھی میرا پیار بھرا سلام۔ سب سے پہلے تو میری پیاری بہن اقراء رشید کی ۲ نومبر کو شادی کی سالگرہ اور اسی دن میری پیاری آپی عائشہ رشید کے ہسبینڈ جاوید کی سالگرہ بھی ہے سو اقراء آپی آپ کو شادی کی سالگرہ اور جاوید بھائی آپ کو اپنا جنم دن بہت بہت مبارک ہو۔ اس کے بعد میری آپی عائشہ کا نو نومبر کو جنم دن ہے سو آپی آپ کو اپنا جنم دن بہت بہت مبارک ہو۔ اکیس نومبر کو میری پیاری بھتیجی آمنہ غفار کی سالگرہ اور تیس کو میرے پیارے بھائی عبدالستار کی شادی کی سالگرہ اس کے بعد انتیس کو میری سب سے پیاری دوست ثناء ادریس کا جنم دن ہے سو آمنہ غفار اور ثناء ادریس آپ دونوں کو جنم دن بہت بہت مبارک ہو۔ بھائی جان آپ کو شادی کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ میری فیملی ہمیشہ خوش رہے میری فیملی پر کبھی کوئی دکھ تکلیف نہ اور دنیا کی ہر فیملی یونہی رہے آمین ثم آمین۔

سدرہ عروج...... لودھراں۔ چک ہمتہ

یادگار لمحے

جویریہ مالک

تشریح آیات

42 تا 52 سورۃ بنی اسرائیل

زمین وآسمان کی بہت سی قوتیں مل کر گھاس کا ایک تنکہ یا گیہوں کا ایک دانہ تک پیدا کر پاتی ہیں جو اس کائنات پر ایک ہی حکمران ہونے کی دلیل ہے۔ اللہ کا کوئی شریک ہوتا تو کائنات کا یہ نظام اتنی ہم آہنگی، تناسب و توازن سے ایک پل نہ چل پاتا۔

اللہ کی ذات ہر عیب، نقص اور کمزوری سے پاک ہے۔

اللہ نافرمانوں کو بھی رزق اور سنبھلنے کی مہلت دیئے جاتا ہے۔ ان کی رہنمائی کے لیے انبیاء اور کتب نازل کیں اور نادم ہو کر تائب ہونے والوں کے پچھلے گناہ معاف کر دیتا ہے لیکن نافرمانی پر قائم لوگ مزید گمراہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔

لوگ مر کر خاک ہو جانے والوں کا آخرت میں دوبارہ زندہ کیا جانا ناممکن سمجھتے ہیں جبکہ یہ خاک اگر پتھر لوہے سے بھی زیادہ سخت ہو جائے تو بھی اللہ کے ایک اشارے پر سب دوبارہ زندہ ہو جائیں گے اور سمجھیں گے کہ شاید وہ ایک گھڑی بھر کے لیے ہی بے جان رہے تھے۔

ثناء رسول..... کراچی

دیکھی جائے گی؟

یہ انسان بھی کتنی سمجھ دار ہے، جو گاڑی تک پہنچنے سے پہلے ریموٹ سے گاڑی کھول لیتا ہے سردی آنے سے قبل گرم کپڑوں کا بندوبست کر لیتا ہے۔ رات کو گھر آنے سے پہلے ناشتا کے لیے انڈے، ڈبل روٹی لے آتا ہے۔ بچے کی پیدائش سے پہلے کپڑے تیار کر لیتا ہے۔ افطار سے قبل عصر سے ہی چیزیں تیار کرنا شروع کر دیتا ہے۔ بارش میں نکلنے سے پہلے چھتری لے لیتا ہے۔ لمبے سفر پر روزانہ ہوتے وقت گاڑی، ہوا، پانی اور پیٹرول چیک کر لیتا ہے۔ اندھیرے میں نکلنے سے پہلے ٹارچ تھام لیتا ہے۔ مگر ...... مگر ...... قبر میں اترنے سے پہلے کوئی تیاری نہیں کرتا، کہتا ہے ...... دیکھی جائے گی۔

صفیہ بشیر..... لنگوی

خوب صورتی کے بہترین راز

☆ ہاتھوں کی خوب صورتی کے لیے اپنے ہاتھوں سے صدقہ دیں۔

☆ آواز کی خوب صورتی کے لیے قرآن پاک کی تلاوت کریں۔

☆ آنکھوں کی خوب صورتی کے لیے اللہ کے خوف سے آنسو بہائیں۔

☆ چہرے کی خوب صورتی کے لیے وضو کی عادت ڈالیں۔

☆ دل کی خوب صورتی کے لیے اپنے دل میں "اللہ کی یاد" بسائیں۔

☆ دماغ کی خوب صورتی کے لیے "اللہ کی بارگاہ" میں سجدہ کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی خوب صورتی سے مالا مال کر دے، آمین ثم آمین۔

فوزیہ سلطانہ..... تونسہ شریف

میرے لفظوں میں

کبھی ایسا ہو سکتا ہے سورج اور چاند ایک ساتھ نکلیں اور ایک ساتھ غروب ہو جائیں، نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ "چاند اور سورج حساب مقرر سے چل رہے ہیں اور ان میں ایک آڑ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے یعنی یہ چیز قدرت کے قانون میں ہی شامل نہیں بالکل اس طرح سے اچھائی اور برائی بھی ایک ساتھ نہیں چل سکتے جہاں پر اچھائی کا غلبہ ہوگا۔ برائی وہاں اپنا پڑاؤ کبھی نہیں ڈالے گی اور جہاں

پر برائی ہوگی اچھائی وہاں سے کوسوں دور بھاگے گی یہ سب جاننے کے باوجود ہم یہ کیوں چاہتے ہیں کہ ہم ان دونوں چیزوں کو ساتھ لے کر چلیں۔ ہم میں سے اکثر بہنیں ایسا کرتی ہیں نماز بھی پڑھ لی ساتھ میں اسٹار پلس کا کوئی ڈرامہ بھی دیکھ لیا نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حمد پاک بھی سن لی اور ساتھ میں گانے بھی سن لیے۔

چند تسبیحات بھی جاری رکھیں اور غیبت بھی جاری رکھی آخر ہم کیوں دو چیزیں کو ساتھ لے کر چل رہے ہیں؟ اور جب ہم دونوں چیزوں کو ساتھ لے کر چل رہے ہیں ہم اپنی پسند سے مرضی سے اپنی منشا سے پھر کیوں بضد ہیں کہ ہماری عبادتوں میں لذت نہیں سکون نہیں اور وہ مسرت نہیں جو ہونی چاہیے۔ یہ اس لیے ہے کہ ہم دو کشتیوں کے مسافر بننا پسند کرتے ہیں حالانکہ بزرگ کہتے ہیں دو کشتیوں کا سوار ہمیشہ ڈوبتا ہی ہے اس لیے ایک رستہ چنو جو اچھا ہے۔ نیکی کرو تو برائی کو قریب بھی نہ بھٹکنے دو پھر دیکھنا تم لوگوں کو کس طرح عبادتوں میں قلبی سکون ملے گا اجازت اس چھوٹی سی بات کے ساتھ خوش رہو خوش رکھو۔

ایس گوہر طور...... تاندلیانوالہ فیصل آباد

موسیقی عذاب الٰہی

کہا جاتا ہے کہ جس قوم میں موسیقی پھیل جائے، جس قوم میں عورتوں کا پردہ اٹھ جائے، جس قوم میں معیشت سود پر آجائے اس قوم میں زنا ضرور آئے گا وہ قوم زنا سے نہیں بچ سکتی اور جس قوم میں زنا عام ہو جائے تو وہ بے حیا ضرور ہوگی پھر وہ بے حیائی سے بچ نہیں سکتی اور جب وہ بے حیا ہوگی تو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوڑا بے قرار ہوگا پھر تلوار میان سے نکلے گی وہ کوڑا نکلے گا۔

بجلیاں تڑپیں گی، موسم بدلیں گے، ملک کی آنکھ بدلے گی زمین کے تیور بدلیں گے، کائنات کی گردش بدلے گا۔

وہ زمین جو مسلمانوں کے لیے اپنا سینہ بچھاتی تھی وہ زمین زلزلے لائے گی۔ وہ پانی جو موتیوں کی طرح برستا تھا وہ پانی برف بن کر ان پر آگ برسائے گا وہ فرشتے جو ان کی دعاؤں پر آمین کہتے تھے ان کی مدد کو اترتے تھے وہی فرشتے ان کے لیے قہر بن کر نازل ہوں گے وہ ہوائیں جو ان کا پیغام لے کر چلتی تھیں انہی ہواؤں سے اللہ تعالیٰ طوفان کی شکل پیدا کرے گا وہ پانی جو ان کو راستے دیتا تھا وہ پانی ان کو ڈبوئے گا اور وہی کائنات جو ان کے تابع تھی ایسی کائنات کو اللہ تعالیٰ ان پر مسلط کردے گا۔

ارم کمال...... فیصل آباد

اقتباس

زندگی میں ایک چیز ہوتی ہے جسے کمپرومائز کہتے ہیں۔ پرسکون زندگی گزارنے کے لیے اس کی بہت ضرورت پڑتی ہے، جس چیز کو تم بدل نہ سکو اس کے ساتھ کمپرومائز کرلیا کرو مگر اپنی کی خواہش کو کبھی بھی جنون مت بنانا کیونکہ زندگی میں کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو ہمیں کبھی نہیں مل سکتی، چاہے ہم روئیں یا چلائیں، بچوں کی طرح آنکھیں رگڑیں وہ کسی دوسرے کے لیے ہوتی ہیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ زندگی میں ہمارے لیے کچھ ہوتا ہی نہیں۔ کچھ نہ کچھ ہمارے لیے بھی ہوتا ہے۔

عمیرہ احمد "امربیل"

انیلہ اکرم...... لودھراں

لغت

لفظ شیر...... کیا آپ جانتے ہیں؟

عربی لغت میں شیر کے لیے بہت سے نام موجود ہیں، شیر جب اپنی کچھار میں اپنے پاؤں کو سمیٹ کر بیٹھا ہو تو اس کیفیت کو "اسد" کہتے ہیں۔

اور جب وہی اسد جب اپنی کچھار سے نکل کر چہل قدمی کرنے لگے تو اس کیفیت کو فرغام کہتے ہیں۔

اور وہی فرغام جب چہل قدمی کرتے کس خاص سمت کی جانب دیکھنا شروع کرے تو اس کیفیت کو "غضنفر" کہتے ہیں۔

اور جب وہی غضنفر دھاڑتے ہوئے اپنی کچھار سے کسی مخصوص سمت میں چل پڑے تو اس کیفیت کو "ضیغم" کہتے ہیں۔

اور جب وہی ضیغم اپنے شکار پر حملہ آور ہو جائے تو اس

کیفیت کو "حمزہ" کہتے ہیں۔
اور جب وہی حمزہ اپنے شکار کو اپنے شکنجے میں اس طرح کس لے کہ اس کا سانس لینا دوبھر ہو جائے تو اس کیفیت کو "عباس" کہتے ہیں۔
اور جب وہی عباس اپنے شکار کو ٹکڑوں میں بانٹ دے تو اسے "حیدر" کہتے ہیں۔
ثانیہ عبدالغفور، اقراء وکیل.....للیانی، سرگودھا

ماں تجھے سلام

ذرا سی چوٹ لگی تو وہ آنسو بہا دیتی ہے
اپنی سکون بھری گود میں مجھ کو سلا دیتی ہے
ہوتے ہیں خفا ہم تو وہ دنیا کو بھلا دیتی ہے
مت گستاخی کرنا اس ماں سے کیونکہ
جب وہ چھوڑ کے جاتی ہے تو گھر کو قبرستان بنا دیتی ہے،
اللہ پاک ہم سب کی ماؤں کو سلامت رکھے۔ آمین
"ماں تجھے سلام"
مجھے جب بھی وقت ملتا ہے میں اپنی مما کے پاس بیٹھ جاتی ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ ماں کے پاس گزارا ہوا وقت آخرت والے دن بخشش کا ذریعہ بنتا ہے۔
نورین انجم اعوان.....کورنگی، کراچی

دو تین اور......

بیوی: "تم میرے ساتھ کتنا پیار کرتے ہو بتاؤ ناں میں تمہیں کتنی اچھی لگتی ہوں، پلیز بتاؤ ناں۔
شوہر: "اتنی اچھی لگتی ہو کہ دل کرتا ہے کہ تم جیسی دو تین اور لے آؤں۔"
فابیہ مسکان.....قلعہ میاں سنگھ

انمول باتیں

☆ دل ہزار خوب صورت چہروں سے بہتر ہوتا ہے اس لیے زندگی میں ہمیشہ ایسے لوگوں کو چنو جن کے چہرے سے زیادہ دل خوب صورت ہوں۔
☆ اپنی سوچ کو پانی کے قطروں کی طرح شفاف رکھو کیونکہ قطرے قطرے سے دریا بنتا ہے اور سوچ سے کردار۔

☆ بہت دور تک جانا پڑتا ہے صرف یہ جاننے کے لیے کہ نزدیک کون ہے؟
☆ نفرت کو ہزار موقع دو کہ وہ محبت بن جائے لیکن محبت کو ایک موقع بھی نہ دو کہ وہ نفرت بن جائے۔
عائشہ رحمٰن ہنی.....دریالی، مری

برسات کا موسم

وہ برسات کا موسم
وہ بارش کا آنا
وہ بارش میں بھیگنا
اور......
اک دوجے میں سمانا
کاش......
پھر آ جائے
وہ برسات کا زمانہ
ایم فاطمہ سیال.....محمود پور

ایسا بھی ہوگا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے نوجوان بدکار ہو جائیں گے۔ تمہاری لڑکیاں اور عورتیں تمام حدود پھلانگ جائیں گی۔"
صحابہ کرامؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ایسا بھی ہوگا؟"
فرمایا...... "اور اس سے بڑھ کر اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا؟ جب نہ تم بھلائی کا حکم دو گے نہ برائی سے منع کرو گے۔"
صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ایسا بھی ہوگا؟"
فرمایا...... "ہاں اور اس سے بھی بدتر، اس وقت تم پر کیا گزرے گی؟ جب تم بھلائی کو برائی کو اور برائی کو بھلائی سمجھنے لگو گے۔"
(کتاب الرقائق، ابن مبارک ص: ۴۸۴)
ریما نور رضوان.....کراچی

جمعہ کا روزہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"تم میں سے کوئی بطور خاص جمعہ کے دن روزہ نہ رکھے اگر رکھنا ہو تو اس سے ایک دن پہلے یا اس کے بعد بھی ایک دن روزہ رکھے۔
(صحیح بخاری)

صباء شریف...... ساہیوال

یاد رکھیں

☆عقیدت اور اعتدال بظاہر متضاد الفاظ ہیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ عقیدت سے مراد کسی چیز کی تہہ میں جانا' جو اعتدال پسند ہوتا ہے وہ صحیح معنوں میں تعلق پسند کرتا ہے۔
☆ہر زوال اور شکست کے بعد ہنس پڑنا جرأت ہے۔
☆ہمیشہ ہار کو ہار اور فتح کو فتح کی طرح تسلیم کیا جائے لیکن ان میں سے کسی کو بھی دائمی نہیں سمجھنا چاہیے۔

اقتباس...... جینے کا فن
مشا علی مسکان...... کمر مشانی

مجسم عورت

خداوند کریم نے چاند سے چاندنی' سمندر سے گہرائی' موجوں سے روانی' سورج سے گرمی' شبنم سے تراوٹ' گلاب سے رنگت' پھولوں سے دل کشی' شہد سے مٹھاس' ہیرے سے سختی' زمانے سے بے وفائی' ہرن سے چال' طوطے سے آنکھیں' خرگوش سے شرم' مور سے خوب صورتی اور شیر سے طاقت لے کر عورت کا مجسم تیار کیا ہے۔

عائشہ پرویز...... کراچی

احتیاط لازم ہے

اپنی کمزوریاں بیان کرتے وقت احتیاط کریں کیونکہ بعض لوگ آپ کی کمزوریاں آپ ہی کے خلاف استعمال کرنے کے انتظار میں رہتے ہیں۔

حرا رمضان...... اختر آباد

یادیں

یہ یادیں بھی ناں' چنبیلی کے بوٹے کی مانند ہوتی ہیں' بس آنکھیں موندو اور آن کی آن خوشبوؤں کی نگری میں جا پہنچو جہاں ہر طرف کے علامتی غنچے کھلے رہتے ہیں' کبھی نگاہ غنچہ انتظار کو فوکس کر لیتی ہے تو اس سے منسوب کئی یادوں کے در وا ہوتے ہیں اگر کبھی نظر سرخ گلاب کی علامتی محبت بھرے پھول پر جا ٹھہرے تو بس پل بھر میں فضائیں افسانوی و رومانوی سی ہو جاتی ہیں اور پتا بھی نہیں چلتا کہ اچانک کتنی ساعتیں گزر گئیں۔

تحریر: نرجس ملک
انتخاب: پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

سپلی والوں کے نام

یہ کون پھر سے انہی راستوں پر چھوڑ گیا
ابھی ابھی میں عذاب سفر سے نکلا تھا
میں رات ٹوٹ کے رویا تو چین سے سویا
کہ دل کا زہر میری چشم تر سے نکلا تھا

ثناء رسول ہاشمی...... صادق آباد

غلطی

اگر آپ کا کوئی دوست غلطی کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ غلط ہے بلکہ اس کا مطلب ہے کہ وہ انسان ہے فرشتہ نہیں اور غلطیاں انسانوں سے ہی ہوا کرتی ہیں فرشتوں سے نہیں۔

انعم فاروق...... قائد آباد

✿

آئینہ

شہلا عامر

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! اللہ تعالیٰ کے پاک وبابرکت نام سے ابتدا ہے جو وحدہ لاشریک ہے۔ نیا اسلامی سال آپ سب کو مبارک ہو' وقت کو جیسے پَر لگ گئے ہوں ابھی سال شروع ہوا اور اب اختتام کی جانب گامزن ہے۔ ہر انسان بھاگتے ہوئے وقت کو تھامنے میں لگا ہوا ہے بہت سی باتیں' بہت سے واقعات اس وقت کی نذر ہو جاتے ہیں' ان شاء اللہ آنچل کا آئندہ شمارہ دسمبر کے حوالے سے ہوگا۔ آپ بہنیں جلد از جلد اسی حوالے سے اپنی نگارشات ارسال کردیں' اب بڑھتے ہیں آپ بہنوں کے تبصروں کی جانب جو آئینہ میں ستاروں کی مانند جھلملا رہے ہیں۔

عائشہ اختر بٹ...... سرگودھا۔ السلام علیکم! اس بار اپنے پسندیدہ رسالے آنچل کا مطالعہ کرنے کے لیے نشست سنبھالی اور ورق گردانی شروع کردی۔ حمد ونعت ہمیشہ کی طرح زبردست' درجواب آں میں قیصر آرا آپی نے خوش خبری سنائی بہت شکریہ مگر سب سے بڑی بات میں آپ کی محبتوں کی مقروض ہوں' اونچی ذات' ہمیشہ رہنے والی ذات صرف میرے پروردگار کی ہے میرے لیے ایک دعا ضرور کیا کریں کہ خدا تعالیٰ ان سب کامیابیوں پر مجھے فخر' غرور' تکبر سے بچائے اور عاجزی والا بنائے کیونکہ میرے خیال میں جب انسان کامیابیوں پر پہنچ کر شکر ادا کرتا ہے تو بہت اچھے مگر جب یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ بہت بڑی ہستی بن گیا ہے تو منہ کے بل زمین پر آتا ہے علم خاک ہو جاتا ہے کہ اتنی عمر علم حاصل کرتا رہا مگر اصل نقطہ تک نہ پہنچ سکا کہ سب تعریف میرے پروردگار کے لیے ہے۔ دانش کدہ' علم و دانش سے بھرپور باتیں مشتاق انکل' اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزائے خیر عطا کرے۔ میرے پاس اس سلسلے کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں ہیں' اس لیے کچھ نہیں بولوں گی کہ میرے الفاظ اس عظیم کاوش کے آگے مجھے ہیچ معلوم ہوتے ہیں۔ ہمارا آنچل' ہاہاہا...... امبرین ملک' ملکہ صاحبہ اللہ کرے آپ کو ہمیشہ زندگی کا احساس ہوتا رہے۔ بشریٰ ایمان' آپ کے لیے کیا بولوں یار...... میرے مدر کا نام بھی بشریٰ ہے مگر ایک بات بولوں گی اپنے اندر قوت برداشت پیدا کریں' زندگی میں بہت سے مقام ایسے آتے ہیں کہ ہماری شدت پسندی کی عادت ہمیں لے ڈوبتی ہے کبھی میں بھی یونہی جذباتی تھی' یقین مانیں مجھے بھی اعتبار تھا کہ میری سوتیلی امی بابا کو ہم سے دور نہیں لے جاسکتیں وہی جو میرا ہے بس میرا ہے مگر ایک دن یہ اعتبار ٹوٹ گیا' دراصل اعتبار نہیں ٹوٹا میری وہ توقعات (ماضی ہوگئیں اب تو) جو میں وابستہ کر بیٹھی تھی خود سے ہی وہ ٹوٹ گئیں تو قصور کس کا ہوا؟ میرے یا اگلے بندے کا؟ باقی آپ بہت اچھی لگیں ہاں مائنڈ مت کیجیے گا میری باتوں کا بس آپ میں اپنا ماضی نظر آیا تو تجربے کی بناء پر سوچا کہ سب کہہ دوں' آپ کے لیے دعا کا تحفہ بھیج رہی ہوں ہمیشہ خوش رہیں' آمین۔ شبانہ اسحاق' یار میرے دل میں آ گھسی ہو مگر یہ زبردستی دل کو بھائی' تمہیں لیکچرار ضرور بننا ہے' ان شاء اللہ۔ رابعہ اکرم' تمہارا تعارف جو تم نے لکھ مارا' ہمیں ٹھاہ کرکے لگا ہے تمہارا نام بہت پسند آیا اور سوچ بھی۔ عید سروے اُف میں بٹ فیملی سے ہوں آگے چلیں یار ایویں دل برا کروں گی (اپنا) خالی ڈشز کا ذکر

کرکے ہاہاہا۔ ''چراغ خانہ'' کہانی اپنے اختتام کی جانب گامزن ہے' اچھی اسٹوری۔ ''موم کی محبت'' شکر خدا کا اینڈ ہوا راحت جی میں ضرور کہوں گی بے جا طوالت نہ ہوتی تو یہ کہانی اچھی جارہی تھی مگر بیچ بیچ میں ایسا لگا کہ کہانی کو لٹکایا جارہا ہے بلاوجہ مگر انجام بہرحال اچھا ہوا۔ اسٹوڈنٹ ہوں ابھی اتنا ہی پڑھا ہے آہستہ آہستہ باقی بھی پڑھوں گی (کورس کی بکس کے ساتھ' ہاہاہا)۔ ہاں یاد آیا آئینہ میں جھانکا تو اپنی شبیہ بھی نظر آئی مانو جی' آپ نے ہمارا شاہانہ مزاج پسند کیا اس کو آپ کی وسعت نظر نہ کہوں تو اور کیا کہوں؟ مدیحہ نورین مہک' تعارف پسند کرنے کا شکریہ۔ ارم کمال صاحبہ آپ کا دل شاہی میوزیم کے اعلیٰ ترین قسم کے نوادرات میں محفوظ کروا چھوڑا ہے اب ہمیشہ ہمارے پاس محفوظ رہے گا' ہاہاہا۔ سمعیہ رانی...... رانی صاحبہ...... آپ ہمیں ایک عدد بوری بھجوائیے آپ کو ہیرے جواہرات اور اشرفیوں کا تحفہ بھیجنا چاہتے ہیں' آپ کا سہرا لکھنے کا انداز اچھا لگا' محبتیں سر آنکھوں پر' دعا کے لیے دل سے شکریہ۔ لائبہ میر...... آئی تھنک آپ وہی ہو جنہوں نے نومبر 2015ء (اے خدا میرے ابو سلامت رہیں) میری نظم کو پسند کیا تھا آپ کو تعارف بھی پسند آیا (ہمارا شاہی سلام کے دوش پر لائبہ میر کو پہنچایا جائے)۔ اب آپ نے حجاب میں میری تحریر پڑھ کر رائے دینی ہے ضرور' میں انتظار کروں گی آپ کی رائے کا' جیتی رہو۔ باقی جن لوگوں کو ہمارا تعارف پسند آیا تھا سب کا بے حد شکریہ۔ اللہ حافظ۔

ارم کمال...... فیصل آباد۔ پیاری شہلا جی ایوری ٹائم ہپی ہپی رہیں' آمین۔ السلام علیکم! امید ہے کہ بفضل خدا خیریت سے ہوں گی' اس دفعہ کا ٹائٹل خوب مست مست تھا دیکھ کر ہمیں بھی مستی آگئی۔ سرگوشیاں سے ہوتے ہوئے درجواب آں میں پہنچے سب کی خیر خیریت سے آگاہی حاصل کی۔ ہمارا آنچل میں بشریٰ ایمان اور شبانہ اسحاق بلے بھئی بلے' عید قرباں کا عید سروے بہت ہی دلچسپ اور انٹرسٹنگ رہا۔ سلسلے وار ناول ''چراغ خانہ'' میں مشہود میاں کو تو خوش ہونا چاہیے کہ بہن کا فرض احسن طریقے سے ادا ہوگیا الٹا اودری ایکٹ کررہا ہے۔ ''میرے نصیب کا اجالا'' میں کیا ڈرامائیک طریقے سے شائزل' عائزل کو ملا۔ ''ذرا سی مسافت'' میں طلعت نظامی نے مردوں کے لیے آگہی کے در کھول دیئے۔ ''محبت حرف آخر'' میں نزہت جبین ضیاء محبت کی چاشنی سے لبریز تحریریں لاتی ہیں۔ ''پس دیوار کا منظر'' نے رُلا کر رکھ دیا' ایسی خوشی سے تو بندہ دکھی ہی اچھا۔ ''موم کی محبت'' کی آخری قسط نے سارے گلے' شکوے دور کردیئے۔ شرمین اور عارض کی محبت میں دھنک کے سارے رنگ قوس وقزح کی طرح جھلملائے۔ زیبا اور صفدر کو بیچ سے ہی اڑا دیا بہرحال آخری قسط نے ریکارڈ توڑ دیئے۔ ''تیرے ساتھ چلنا ہے'' میں بروقت گوری نے سمجھ کی راہ پر قدم رکھ دیا۔ فاخرہ گل کا ''ذرا مسکرا میرے گمشدہ'' اے ون جارہا ہے دیگر کہانیوں میں ''عید قرباں' قربانی'' اور ''بادل آنکھیں'' زوردار رہیں۔ ہومیو کارنر میں بہت ہی مفید معلومات سے استفادہ کیا۔ بیاض دل میں رشک حنا' لائبہ میر اور نرمین نعیم چھا گئیں۔ ڈش مقابلہ میں گوشت ہی گوشت کی تراکیب دیکھ کر کچن کی طرف دوڑ لگائی' بیوٹی گائیڈ سے کم کم استفادہ کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ویسے ہی حسین بنا کر اتارا ہے (آہم) نیرنگ خیال میں فرح بھٹو' نادیہ خان بلوچ' شیریں ملک' فرحین ناز طارق اور مریم رمضان نے دل موہ لیے۔ دوست کا پیغام آئے میں سب کے مہکتے کھلتے پیغامات پڑھ کر دل گارڈن گارڈن ہوگیا خصوصاً رشک حنا' حافظہ صائمہ کشف' عائش کشماہلے اور مدیحہ نورین مہک کے پیغامات اور مجھے یاد کرنے کا بہت جزاک اللہ۔ یادگار لمحے میں ایم فاطمہ سیال' پروین افضل شاہین' ایس

اے صنم اور سمیرا تعبیر کے اقتباسات حاصل مطالعہ ٹھہرے۔ آئینہ میں مجھ سمیت سب ہی لائنیں مار رہے تھے ہم سے پوچھئے میں گوکہ ہم نہیں تھے پھر بھی بڑا مزا آیا۔ الغرض آنچل کے اس شمارے نے دھماکے دار پرفارمنس دی' اچھا اب اجازت فی امان اللہ۔

☆ ارم ڈیئر! آنچل کی پسندیدگی شکریہ۔

عائشہ پرویز...... کراچی۔ السلام علیکم! تمام آنچل اسٹاف اینڈ آنچل قارئین کو میرا محبت بھرا سلام قبول ہو۔ 3 مہینے بعد حاضری دے رہی ہوں' امید ہے سب سیٹ ہوں گی اپنی زندگانی میں۔ بہن کے فرض سے سبکدوش ہونے کے بعد فرصت کے لمحات جاگے تو سوچا تفصیلی تبصرہ کر ہی لوں۔ اس ماہ آنچل مقررہ تاریخ سے پہلے مل گیا' سرورق ماڈل نک سک سے تیار جلوہ افروز نظر آئی۔ جھٹ سے پھر سرگوشیوں کو کان لگا کر دل سے پڑھا اور قیصر آرا آپی کی بات پر عمل کرنے کی ٹھانی' جناب نجم کی ''حمد'' نے دل پر گہرا اثر کیا' خالد محمود کی نعت نے قلب وروح کو عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے منور کردیا۔ آنچل کی پاکیزگی اس کے ہر لفظ سے جھلکتی نظر آتی ہے۔ درجواب آں کی راہداری سے گزرے اور مشتاق انکل کی محفل میں حاضری لگوائی' ہمارا آنچل میں سب کے تعارف اچھے لگے۔ بشریٰ ایمان آپ کافی حد تک میری جیسی ہیں پھر دوڑ لگائی سلسلہ وار ناولز کی طرف۔ ''شب ہجر کی پہلی بارش'' نازیہ آپی زاویار کا نکاح ہوگا عائلہ سے واؤ اب آئے گا اصلی مزہ۔ ویسے سچ بتاؤں تو شہرزاد کے غم پر ملول ہونے کے بجائے درمکنون کی طرح میرے اندر بھی ایک اطمینان سا اتر گیا ہے' ہی ہی ہی۔ ''تیری زلف کے سر ہونے تک'' بھی کافی دلچسپ ہے آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟ امید ہے کہ یہ بھی بہت زبردست ناول ہوگا۔ ''موم کی محبت'' راحت آپی اتنی جلدی اینڈ ہوگیا۔ زیبا اور صفدر کی کہانی تو ادھوری سی لگی خیر شرمین اور عارض کی شادی پڑھ کر بہت خوشی ہوئی وہاں تھوڑا دکھ بھی ہوا کہ مجھے انوائٹ تو کیا ہی نہیں' ہاہاہا۔ مکمل ناول ''ذرا مسکرا میرے گمشدہ'' فاخرہ آپی بہت خوب صورت لکھ رہی ہیں لیکن بہت کم صفحات ہوتے ہیں۔ آپ کا ایک ایک لفظ جادو بکھیر دیتا ہے لیکن کان کھول کر سن لیں اربش اور راجیہ کے درمیان کوئی نہ آئے نہیں تو شوٹ کردوں گی' غزنی کو کباب میں ہڈی مت بنائیں۔ ''چراغ خانہ'' رفعت آپی یہ ناول پڑھ کر میری ہارٹ بیٹ کبھی تیز ہوجاتی ہے کبھی سلو کیوں ہوجاتی ہے' ذرا بتائیے گا؟ ''میری عید میری خوشی'' بہت ہی شاندار شاہکار جس میں دولت کے لیے سگے رشتوں کی بے حسی نے دل لرزا دیا۔ وہیں پھوپو کو سات سلام جنہوں نے آخر کار دادا جی کے ذریعے سب کو ملوا دیا۔ ناولٹ ''میرے نصیب کا اجالا'' بہت ہی پُرمزاح اسٹوری تھی' نادیہ آپی عائزہ اور شانزل نام بھی یونیک سے لگے تھینک یو فیوچر میں میرے کام آئیں گے' ہاہاہا۔ ''محبت حرف آخر'' اچھی کاوش تھی' مطرت اور عارش کی جوڑی اور نزہت آپی کی شاعری کا تڑکا مزہ آ گیا واہ۔ باقی افسانے سب ایک سے بڑھ کر ایک لگے' بیاض دل' یقین جانئے جتنے اچھے شعر ہمیں پڑھنے کو ملتے ہیں کسی جریدے کے سلسلے سے نہیں ملتے اکثر فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ کس کا بہترین قرار دیا جائے۔ ڈش مقابلہ میں شاہی ٹکڑے اور پوٹھوہاری پلاؤ کی ترکیب اچھی لگی' خیالوں ہی خیالوں میں پکا کے چکھ بھی لیا مزہ آ گیا۔ بیوٹی گائیڈ حسن کو دوآتشہ کرنے کے ٹوٹکے اچھے لگے مگر عمل کبھی نہیں کیا۔ نیرنگ خیال نئی اچھوتی شاعری پڑھنے کو ملتی ہے ہر شاعر کا اپنا انداز اپنی سوچ ہوتی ہے۔ دوست کا پیغام آئے کیا کہوں یہ سلسلہ بہت ہی دل اچھوتا ہے جو دوست یاد کرتی ہیں ان کا تہہ دل سے شکریہ۔ یادگار لمحے ہمارے قارئین کافی باذوق قسم کے ہیں' اعلیٰ

انتخاب بھیجنا ضروری سمجھتے ہیں جو کہ خوش آئندہ بات ہے۔ آئینہ میں جن بہنوں نے پوچھا تھا کہ میں شادی شدہ ہوں؟ تو میں بتاتی چلوں کہ میں منگنی شدہ ہوں اور ایک سال تک آپ لوگوں کو یونہی تنگ کرتی رہوں گی ہاہاہا۔ ہم سے پوچھنے میں شائلہ آپی آپ کی تو کیا بات ہے اتنے اچھے جواب کہاں سے بناتی ہیں آپ بالکل کرارے کرارے جواب پڑھ کر ہنسی کے فوارے نکل پڑتے ہیں۔ کام کی باتیں میری امی بھی بتاتی رہتی ہیں ہی ہی ہی۔ مہندی کے ڈیزائن بہت پیارے تھے' اُف باپ رے باپ کافی لمبا تبصرہ ہوگیا' اچھا تو اب ہم چلتے ہیں پھر ملیں گے تب تک کے لیے رب راکھا۔

☆ ڈیئر عائشہ! اتنی طویل غیر حاضری کے بعد اتنا تبصرہ تو ہونا ہی چاہیے تھا ناں۔

فابیہ مسکان...... قلعہ میاں سنگھ۔ السلام علیکم! شہلا جو کیسی ہو؟ یقیناً میری طرح فٹ فاٹ ہی ہوگی سب سے پہلے اس رب کا شکر ادا کرتی ہوں' چھوٹا موٹا لکھ سکتی ہوں لیکن ابھی تو چھوٹا چھوٹا ہی لکھ رہی ہوں خدا خیر کا وقت لائے تو کچھ بڑا بھی کر کے دکھا ہی دوں گی اس کے بعد آنچل کے ادارے کے ساتھ آنچل کی ننھی منی پیاری سی تتلیاں ریڈرز اور رائٹرز کو فابیہ مسکان کی طرف سے سلام قبول ہو۔ آنچل میں میری موسٹ فیورٹ رائٹرز نازیہ کنول نازی' سمیرا شریف طور اور عشناء کوثر سردار ہیں لیکن دوسری رائٹرز دل چھوٹا نہ کریں وہ بھی بہت اچھا لکھتی ہیں' اپنی تین موسٹ فیورٹ رائٹرز میں دو رائٹرز کی اسٹوریز تو پڑھی ہیں لیکن عشناء جی آپ کی اسٹوریز بہت کم پڑھی ہیں پلیز میری اور ان ریڈرز کی خاطر ایک بہت ہی اچھا اور سب سے منفرد سلسلے وار ناول لے کر انٹری مارو جو ہمیشہ ہی تمہارے ناولز کا ویٹ کرتی رہتی ہیں کاش عشناء جی کی طرح میں بھی ایک اچھی رائٹر بن جاؤں (بلی کے خواب میں چھیچھڑے) ہاہاہا۔ اچھا جی اب بس کر دیتی ہوں' اللہ پاک سے میری دعا ہے کہ وہ آنچل اور اس کے اسٹاف کی محنت کو یوں ہی ترقی کی منزل عطا کرے' آنچل جھلملاتے رنگوں سے یوں ہی ہماری زندگی سجی رہے' آمین' آئی لو یو آنچل اور پاکستان۔

☆ ڈیئر فابیہ مسکان! پہلی بار آنچل کی محفل میں شامل ہونے پر خوش آمدید اور عشنا کوثر کا سلسلہ وار ناول آپ نئے افق میں پڑھ سکتی ہیں۔

ایس گوہر طور...... تاندلیانوالہ' فیصل آباد۔ السلام علیکم! شہلا آپی کیسی ہیں آپ؟ آنچل اسٹاف اور تمام قارئین کو میرا محبتوں بھرا سلام قبول ہو۔ دعا ہے اللہ آپ سب کو خوش رکھے' آمین۔ اس ماہ کا آنچل بھی معمول کی طرح 27 کو ہی ملا' ٹائٹل کچھ خاص پسند نہیں آیا' سب سے پہلے میں عظمٰی شاہین کو ''جراتوں کے امین'' ناولٹ لکھنے پر مبارک باد پیش کرتی ہوں' اتنا اچھا لکھا کہ میرے پاس الفاظ نہیں کہانی کا پلاٹ کردار' منظر نگاری کہیں بھی جھول نظر نہیں آیا ایسے لگا جیسے یہ کردار جیتے جاگتے ہوں کسی کی تخلیق ہو ہی نہیں سکتے۔ وطن سے محبت کا قرض تم نے چکا دیا' بیسٹ آف لک عظمٰی' سب سے پہلے دوڑ لگائی ''شب ہجر کی پہلی بارش'' کی طرف' شکر ہے اللہ پاک کا صیام نے شہزاد کی غلط فہمی کو ختم کر دیا۔ درمکنون کے دل میں جس طرح سے اطمینان اترا مجھے لگا جیسے میں ہلکی پھلکی ہوگئی ہوں۔ صمید حسن کی یہ کیسی محبت تھی کہ انہوں نے ایک ماں کو اس کے بیٹے کی نظروں میں گرا دیا' آخر صمید صاحب بھی خود غرض ہی نکلے میں نے تین ماہ پہلے کہا تھا نازی آپی آپ نے عائلہ کا نکاح زاویار سے ہی کرنا ہے وہ آپ اب کر رہی ہیں جبکہ سدید بھی زندہ ہے' چلو جو بھی کریں اچھا ہی کیجیے گا۔ ''چراغ خانہ'' مشہود کو اتنا بھی بدگمان نہیں ہونا

چاہیے کہ برسوں کی دوستی کو لمحوں میں ختم کردے اور یہ جو عالی جاہ ہے اس کو تو دو چھتر لگنے والے ہیں' بدتمیز نہ ہو تو ماں اتنی اچھی اور بیٹا...... اس کے بعد دل کڑا کرکے ''ذرا مسکرا میرے گمشدہ'' پڑھی' پتا نہیں حاجیہ کی مشکلات کب آسان ہوں گی مجھے لگتا ہے اجیہ کے ابا کی شادی زبردستی کی گئی تھی جس کا بدلہ وہ اس کی ماں سے لے رہے ہیں' اچھے لوگ ہمیشہ اچھے لوگوں کو ہی ملتے ہیں ان شاء اللہ اجیہ اربش کی ہے جبکہ حنین غزنی کو پسند کرتی ہے آگے رائٹر کو پتا ہے۔ اقراء صغیر احمد کا ناول بھی بہت اچھا جارہا ہے تبصرہ ادھار رہا' اس کے علاوہ ناول اور ناولٹ ویسے ہی تھے جو ہر سال پڑھتے آرہے ہیں تھوڑی سی ردوبدل کے ساتھ۔ ''میرے نصیب کا اجالا'' نادیہ فاطمہ کا یہ ناولٹ اچھا تھا ہلکی پھلکی سی تحریر ہونٹوں پر تبسم لے آئی۔ افسانے سب ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ ''عید قرباں'' اور ''بادل آنکھیں'' ٹاپ لسٹ پر رہے۔ حرا قریشی نے بھی اچھا لکھا۔ ''تحفہ خاص'' سویرا فلک نے اچھا سبق دیا ہے جو بندہ اپنے رب سے تجارت کرتا ہے وہ ہمیشہ اسے زیادہ ہی دیتا ہے۔ یادگار لمحے میں عشاء چوہدری' سدرہ کشف اور صائمہ سکندر کی نگارشات پسند آئیں۔ بیاض دل میں صابر خان' لائبہ میر اور کنول خان کے اشعار پسند آئے۔ لاریب انشال کی نظم بہت پسند آئی یار' اتنا سیڈ مت لکھا کرو مجھے اداس کردیتی ہو۔ دوست کے نام پیغام آئے' میں کیوں نہیں شرکت کررہی ہو وجہ...... ہمارا آنچل میں چاروں بہنوں کے تعارف پسند آئے' بشریٰ ایمان اور شبانہ اسحاق میں آپ دونوں کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھاتی ہوں۔ بشریٰ ایمان آپ نے سب کچھ بتایا مگر اپنا شہر نہیں بتایا' اچھے لوگوں کے ساتھ برا ہوتا رہتا ہے' کسی کے ساتھ اچھائی کرو تو اچھائی کی امید مت رکھو کیونکہ جو خاردار جھاڑی ہے اس پر ہم گلاب لگنے کی توقع کریں تو یہ ہماری حماقت ہے ناکہ دوسروں کی' میں بھی تمہاری طرح جس کو چاہوں جان سے بڑھ کے چاہتی ہوں حد سے زیادہ مخلص ہوجاتی ہوں۔ میرے خیال میں بھی اپنوں سے زیادہ غیر اچھے ہوتے ہیں آپ تو ماشاء اللہ ٹیچر ہیں اور اچھی پوسٹ پر ہیں مگر آپ کو روٹیاں نہیں پکانی آتی چچ چچ...... میری ٹیچر فائزہ کو بھی پکانی نہیں آتی' ٹینشن کی کوئی بات نہیں میں آپ کو سکھادوں گی میں ان سے بھی یہی کہتی ہوں۔ فروا' ندا' سمیرا' عائشہ پرویز' آپی ارم کمال اور آپی پروین افضل شاہین آپ سب کو میرا اسلام۔ اگلے ماہ تک کے لیے اجازت اس بات کے ساتھ خوش رہو خوش رکھو' اللہ حافظ۔

ثناء رسول ہاشمی...... صادق آباد۔ اس بار سرورق کچھ خاص پسند نہیں آیا۔ اشتہارات سے صرف نظر کرتے ہوئے آگے بڑھے تو راحت وفا ''موم کی محبت'' کی آخری قسط لیے کھڑی تھیں۔ سب سے پہلے تو ان سے دو دو ہاتھ کیے' اچھا ناول تھا خود ساختہ الجھنوں اور انا کو لیے ہوئے تمام افراد کے ساتھ زیبا کا معاملہ بھی کہیں سیٹ ہوجاتا تو اچھی بات تھی۔ ''چراغ خانہ'' میں رفعت صاحبہ پیاری کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی ہولا رہی ہیں' صورت حال کو مزید خطرناک بنا کے۔ پہلے تو مشہود پر غصہ آیا مگر پھر ٹھنڈے دل سے سوچا تو اس کا ری ایکشن بھی صحیح لگا۔ نیرنگ خیال میں عرشیہ ہاشمی کی شاعری بڑی ہی اچھی لگی۔ حافظ صائمہ آپ نے مجھے یاد رکھا' شکریہ' باقی آنچل زیر مطالعہ ہے پڑھیں گے تو غائبانہ داد دیں گے رائٹرز کو۔ آخر میں محترمہ قیصر آرا صاحبہ سے گزارش ہے کہ اسماء قادری سے کبھی کوئی ناول لکھوائیں۔

☆ ڈیئر آپ کی فرمائش ان سطور کے ذریعے ان تک پہنچ گئی ہے۔

انعم زرین' سارہ زرین...... چکوال۔ السلام علیکم! ڈیئر آنچل فیملی کیسے ہیں سب ممبر' پیاری قارئین ہنرمند اسٹاف اور ہر دلعزیز مصنفین کو ہمارا محبتوں بھرا اسلام قبول ہو۔ امید کرتی ہوں اس بار

کا تبصرہ شامل اشاعت ہوگا' موسم بدل رہا ہے دھیرے دھیرے گرمی کا زور ٹوٹ رہا ہے اور سردیوں کی ٹھنڈی فضاؤں کی آمد آمد ہے۔ دن کی نسبت رات ٹھنڈی ہو رہی ہے ایسے میں دن بھر کی تھکاوٹ اور گرمی مزاج میں بھی اثر آتی ہے سو شام کے سائے پھیلتے ہی سب کاموں سے فراغت پاکر مغرب کی نماز کی ادائیگی کے بعد آنچل کو تھام لیتی ہوں کہ رات گہری اور ٹھنڈی ہونے کے ساتھ ساتھ یہ میرے لیے امرت کا کام کرتا ہے۔ اکتوبر کا شمارہ ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلے آئینہ میں اپنا عکس دیکھنے دوڑی۔ اپنا تبصرہ شامل اشاعت نہ دیکھ کر تھوڑا رنج ہوا لیکن مایوسی کے بادل چھٹ گئے جب سرگوشیوں میں قیصرا آرا آنی نے بتایا کہ عید کی تعطیلات کی وجہ سے آنچل جلدی تیار کرنا پڑا سو وجہ سمجھ میں آ گئی کیونکہ تھوڑی تاخیر میری طرف سے بھی ہوئی تھی۔ آئینہ میں میرے تبصرے کو جن بہنوں نے پسندیدگی کی سند بخشی ان کی بے حد شکر گزار ہوں۔ سمیرا تعبیر' حافظہ صائمہ کشف کی تہہ دل سے مشکور ہوں۔ تمنا بلوچ' سمیرا تعبیر' ارم کمال' عنزہ یونس انا' آسیہ شاہین' سمعیہ رانی' جاذبہ عباسی' لائبہ میر' حافظہ صائمہ کشف کے تبصرے پسند آئے۔ خطوط سے فراغت پاکر در جواب آں میں جھانکتی ہوں' بشریٰ گوندل نئی زندگی کی مبارک باد اور دعائیں قبول فرمائیں۔ سمیرا غزل ننھے شہزادے کی آمد مبارک ہو' سمیرا شریف اللہ آپ کے بیٹے کو جلد صحت یاب کرے۔ ارم کمال آپ کو نانی کے عہدے پر فائز ہونے اور بیٹی کی میٹرک میں شاندار کامیابی پر ڈھیروں مبارک باد۔ دانش کدہ پڑھ کر ایمان تازہ ہوگیا' بات ہو جائے سلسلے وار ناول کی ''تیرے زلف کے سر ہونے تک'' کی دوسری قسط سب سے پہلے پڑھی' جہاں اقرأ صغیر احمد کا نام آئے وہی تحریر کی اچھی ہونے کی ضمانت بھی بن جاتی ہے۔ مشہود نے دانیال اور پیاری پر شک کر کے بالکل اچھا نہیں کیا لیکن بے چارہ ذہنی حالت سے مجبور ہے۔ ''ذرا مسکرا میرے گمشدہ'' میں ارش حد سے زیادہ کیئرنگ ہے اور غزنی حد سے زیادہ کمینہ' ضرور کوئی نہ کوئی واردات کرے گا۔ اجیہ کے اسکالرشپ کی خوشی بھی غرق ہوگئی اتنا ڈرتی کیوں ہیں یہ ماں بیٹیاں غزنی سے؟ ''میری عید میری خوشی'' بے شک ایک عمدہ تحریر تھی۔ عابدہ سبین کو میری طرف سے مبارک باد کے ٹوکرے قبول ہوں۔ ناولٹ میں نادیہ فاطمہ رضوی اور نزہت جبین ضیاء کی تحریریں اچھی لگیں۔ عطرت کچھ زیادہ ہی حساس دل کی مالک نہ تھی؟ بہر حال عارش کو واپس آجانا چاہیے تھا مگر اپنی وفاداری نبھانی چاہیے تھی کیونکہ یہی تو آزمائش ہوتی ہے وفا کی۔ نزہت آنی آپ کی تحریریں بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ افسانوں میں حرا قریشی' طلعت نظامی' تمثیلہ زاہد' عرشیہ ہاشمی کی تحریر خاص نہ ہوں ایسا ہوسکتا ہے بھلا۔ نوفل کا کردار اس تحریر کی جان ہے' سودہ کا کردار بھی پاورفل ہے۔ مائدہ اور زید دونوں بہن بھائی ہیں لیکن مائدہ میں زیادہ سمجھ بوجھ ہے' زید نقصان اٹھائے گا اب مدثر صاحب کا صبر کبھی تو جواب دینا ہی تھا۔ جہاں آرأ کے ماضی میں یقیناً کوئی بہت بڑا طوفان چھپا ہے۔ نوریہ کا ٹاپک بھی پُراسراریت لیے ہوئے ہے۔ ''موم کی محبت'' کا بھی آخر کار اختتام ہوگیا۔ ''شب ہجر کی پہلی بارش'' مریہ رحمان کے دکھ پر بے اختیار دل خون کے آنسو رو پڑا' کیا کوئی اتنا ظالم بھی ہوسکتا ہے مگر کیا کیا جائے یہ دنیا بھری پڑی ہے سفاک لوگوں سے۔ صمید کو ذرا رحم نہ آیا معصوم بچے کو تڑپتی ماں سے جدا کرتے ہوئے۔ سدید زندہ ہے' دیکھا میرا شک درست نکلا نا۔ سدید کا کردار اتنی جلدی ختم نہیں ہوسکتا۔ مکمل ناول میں ''ذرا مسکرا میرے گمشدہ'' اور ''چراغ خانہ'' دونوں ہی ایک دوسرے پر بھاری ہیں۔ چراغ خانہ میں اب دانیال ہی پیاری کے چراغ کی لو کو بچا سکتا ہے۔ دوست کا پیغام آئے میں آرزو چوہدری' لائبہ میر' ساریہ چوہدری' ثناء اعجاز' حافظہ صائمہ کشف' ارم کمال' سمیرا

سواتی، مدیحہ نورین کے پیغامات اچھے لگے۔ مدیحہ نورین آپ کو گریجویشن مکمل کرنے پر ڈھیروں مبارک باد۔ ہم سے پوچھیے میں شمائلہ آپی کے دلچسپ جوابات پڑھ کر طبیعت ہشاش بشاش ہوجاتی ہے' کام کی باتیں میں ذی الحج کے حوالے سے آرٹیکل بہت معلوماتی تھا۔ بیوٹی گائیڈ میں روبین احمد نے بہت عمدہ مشوروں سے نوازا۔ ڈش مقابلہ میں عید قرباں کے حوالے سے سب ڈشز ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ ہومیو کارنر میں طلعت نظامی کا مضمون بھی ہمیشہ کی طرح بیسٹ تھا۔ مجموعی طور پر سارا شمارہ ہی زبردست تھا' میری دعا ہے آنچل و حجاب ترقی کی منازل ایک ساتھ طے کریں اور مزید کامیابیاں ان کا مقدر رہوں' اللہ نے چاہا تو اگلے ماہ حاضر ہوں گے ایک نئے تبصرہ کے ساتھ' تب تک کے لیے اللہ نگہبان۔

نسرین علی...... میاں چنوں۔ السلام علیکم! آنچل کی خاموش قاری ہوں پچھلے کئی سال سے آنچل زیر مطالعہ ہے جس سے کبھی غفلت نہیں برتی۔ سرگوشیاں کے بعد حمد و نعت سے فیض یاب ہوئے۔ درجواب آں بہت مزے کا کالم ہے پھر دانش کدہ مشتاق احمد صاحب اچھی رہنمائی کرتے ہیں۔ ہمارا آنچل میں تعارف کبھی کا اچھا تھا کوئی بھی بہت خاص نہیں لگا۔ عید سروے میں سباس گل کے جواب پسند آئے' آخری سوال کا جواب سبھی کا اچھا تھا۔ سلسلے وار ناول میں ''تیری زلف کے سر ہونے تک'' اقراٗ صغیر احمد صاحبہ کا ناول بہت اچھا جارہا ہے۔ ''موم کی محبت'' راحت وفا صاحبہ نے ناول کو گھسیٹ گھسیٹ کے چیتھڑے ہی اڑا دیئے۔ ناں صفدر اور زیبا کا کچھ اتا پتا' ناں بوبی کا اچھا اینڈ اور عارض اور شرمین کی بھی صرف مہندی اور ناول اچانک ختم؟ ''شب ہجر کی پہلی بارش'' نازیہ کنول کا ناول بہت اچھا جارہا ہے۔ سدید کا دکھ ہوا پتا نہیں عائلہ کا کیا بنے گا؟ رفعت سراج صاحبہ کا ''چراغ خانہ'' اچھا جارہا ہے۔ عالی جاہ کتنا کمینہ نکلا ہے' رفعت صاحبہ سسپنس بہت کری ایٹ کرتی ہیں' باقی دونوں ناول اچھے رہے۔ ''میرے نصیب کا اجالا'' اچھی کاوش تھی' نزہت جبین ضیاء صاحبہ بھی اچھا لکھتی ہیں۔ افسانے سب اچھے تھے مگر حرا قریشی صاحبہ نے محفل ہی لوٹ لی۔ ''پس دیوار کا منظر'' انتہائی مختصر و موثر انداز میں لکھا جانے والا افسانہ بہت منفرد اور اچھا لگا۔ اس افسانے سے آپ کو بہت یاد رکھا جائے گا' میرا کبھی ملتان کا چکر لگا تو آپ سے ضرور ملوں گی۔ بیاض دل بنت حوا صائمہ سکندر سومرو اور صباء عیشل کے اشعار پسند آئے۔ نیرنگ خیال کو گول ہی کرتی ہوں کیونکہ میں ابھی اتنی باذوق نہیں ہوئی۔ آئینہ میں ارم کمال صاحبہ کمال کر گئیں کھٹا میٹھا سا تبصرہ بہت اچھا لگا۔ ہم سے پوچھیے شمائلہ کاشف صاحبہ کا کالم بھی بہت اچھا ہے' اجازت دیجیے۔ اللہ نگہبان

☆ ڈیئر بزم میں خوش آمدید۔

کوثر خالد...... جڑانوالہ۔ پیاری شہلا! عزیز از جان دوستو! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ' جنت حلالہ و دوزخ حرامہ۔ آپ سب کی رنگا رنگ کچھ ملتی جلتی کچھ منفرد بقرہ عید تصور کی آنکھوں سے دل میں اتر گئی' اس بار ایک دو دن پہلے لیا ہوا بکرا سنبھالنے ہمارا بھانجا بلال آیا تھا جو سارا دن اسے لیے تمام گلی کے جانوروں کے ساتھ سنبھالتا رہا۔ اور ہم آنچل پڑھنے میں مصروف رہے۔ دو گھنٹے کے لیے گھر باندھا تو ہم اسے سنبھالتے بے حال ہوگئے مگر فرش پراگندہ نہ ہونے دیا' رات سامنے کارخانے کے بکروں کے ساتھ باندھا۔ بیٹی نے کلیجی ہنڈیا بڑی مزے کی پکائی کہ انگلیاں چاٹتے رہ گئے سب۔ ہمارے ہاتھ کے تیار کردہ کوفتے بیٹے اور دیور نے پسند کیے' گھیا گوشت کی ہنڈیا' ساس اور مانگنے والی سہیلی نے پسند کی اور قیمے والے نان منا لگوا کر لایا تو کسی نے پسند نہ کیے جب ہم لگواتے تھے تو سب ہپ ہپ کھاتے سوائے بیٹی' وہ تو

گوشت کوئی بھی نہیں کھاتی۔ کڑھی یا پھلیاں یا کریلے کھاتی ہے بس' کل پائے پکائے تو بیٹے نے فرسٹ قرار دیئے۔ اب رہ گئیں چانپیں جو پہلی بار دیور نے الگ رکھی ہیں۔ سلمیٰ غزل کا طریقہ پسند آیا ہے' پکا کر بتائیں گے' ہم آٹھ دس دن کے وقفے سے پکاتے ہیں۔ دو تین ہنڈیا محرم تک بھی ختم نہیں ہوتیں اگر مہمان' دوست نہ ہوں تو...... ڈیئر پچھلی بار خط نہ لکھ سکی' لائبہ میر کے ابا کا افسوس کرنا تھا مگر لگتا ہے لائبہ بھانجی ہماری طرح بہادر اور زندہ دل ہے۔ اپنے غموں کو گھاس نہیں ڈالتی' اللہ تمہیں ڈھیروں خوشیاں دے۔ پاپا خواب میں ملتے ہیں کل یہ بتا دو؟ باقی ارم کمال سے حرا قریشی اور نینا سے مینا تک ہر ایک کی بات دل سے سنتے ہیں اور عمل کرتے ہیں۔ محرم آ گیا اور ہم اللہ سے شرمندہ ہیں کہ بعض معاملات میں ہم مجرم دلی دعا ہے کہ سارا سال ساری عمر وہ ہمیں محرم کی حرمت اور اس کے تقاضوں پر پورا اترنے کی توفیق دے' آمین ثم آمین۔ رسالے سے ملحقہ لوگوں کے ایصال ثواب کا قرآن ختم کیا ہے اور چچی کے لیے شروع۔ دسمبر میں خالد کے لیے ان شاء اللہ کروں گی جو خاص ان کے لیے مگر عام تو سب کو فیض پہنچاتا ہے اور نماز...... دعا' ضرور کریں' قائم ہو۔ تمام چھوٹے سلسلے بھی تقریباً پڑھ لیے ہیں جو ایک سے بڑھ کر ایک' کسی کی تعریف زیادہ یا کم تو ہو سکتی ہے مگر تنقید ہم کم از کم رسالوں پر نہیں کر سکتے کہ صرف علم و آگاہی و عبرت کی ہی ضرورت ہے مگر عام زندگی میں ہم ایکشن کمانڈو اور بحث کے انعام یافتہ ہیں۔ 11 ستمبر والی بشریٰ تو ہم تاریخ و ہم مزاج نکلیں مگر ہم دوسروں کے دھوکوں یا سزاؤں سے دل گرفتہ ہو کر بھی قطع رحمی نہیں کرتے بلکہ سب کو ساتھ لے کر چلنے کی کامیابی امید اور نتائج ہمارے ساتھ چلتے ہیں' قیصرہ جی آپ کو الگ سے نہیں لکھ سکتی کہ جلدی ہے بازار جانے کی' کل بھی ہم نے آٹا گوندھا نہ روٹی پکائی۔ بھتیجی عذرا سے پکوا کر ساس کو کھلا دی' میں نے آدھا نان شوربے سے بیٹی نے دال سے کھایا۔ آج بھی ناشتا کے دو گھنٹے بعد ساس روٹی مانگ رہی ہیں' ڈبل روٹی کھلا کر بازار جاؤں گی اور آتے ہوئے نان یا روٹی لاؤں گی۔ وہی دال' وہی شوربہ ضائع کرنا گناہ عظیم باسی پر شکر الحمدللہ۔ ''چراغ خانہ'' پیاری کے رنج و غم پر دل کے چراغ دعا گو ہیں' ضرور روشن ہوں گے۔ حرا قریشی ''پس دیوار'' اک حیران کن جذبہ دکھایا مگر اللہ بچائے ایسی دیوانگی سے۔ اللہ حافظ۔

فزینہ طاہر...... سرائے عالم۔ سب پڑھنے والوں کو میرا پُرخلوص سلام۔ امید کرتی ہوں کہ سب خیریت سے ہوں گے' آنچل اول سے آخر بیسٹ ہے میں تو تین سال سے آنچل کو پڑھ رہی ہوں۔ آنچل کے سب ہی سلسلے بہت اچھے لگتے ہیں۔ عفت سحر طاہر کا لکھنے کا انداز بہت اچھا ہے اور ماشاء اللہ وہ خود کون سا کسی سے کم ہیں۔ اتنی پیاری اور کیوٹ ہیں ان کی ہر کہانی میں پڑھ چکی ہوں ہر ایک میں سے میں نے کوئی نہ کوئی سبق ضرور حاصل کیا ہے۔ ''محبت دل پہ دستک' یارڈ ایڈی' عشق آتش' مجھے کندن کر دو' زندگی دھوپ تم گھنا سایہ'' یہ سب میرے فیورٹ ہیں۔ عفت آپی پلیز آپ کہاں ہیں' جلد سے آجائیں' آئی مس یو۔ میں کیا ہم سب آپ کو بہت یاد کرتے ہیں پلیز جلدی سے کسی اچھے سے ناول کے ساتھ انٹری ماریں۔ عفت آپی کے علاوہ بھی بہت سی رائٹرز بہت اچھا لکھتی ہیں جیسے کہ صدف آصف' نادیہ فاطمہ رضوی' سمیرا شریف طور اور نگہت عبداللہ اور ان سب کے علاوہ بہت سی فیورٹ رائٹرز ہیں۔ پہلی بار آنچل کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں' امید تو نہیں کہ میرا تبصرہ اشاعت ہو پر چلو ہم کیا کر سکتے ہیں اینڈ میں یہی کہوں گی کہ اللہ تعالیٰ آنچل کو ہمارے سروں پر سلامت رکھے اور اس کو ترقی کی بے پناہ منازل عطا فرمائے' آمین۔

☆ فزینہ پہلی بار شرکت پر خوش آمدید۔ آئندہ بھی محفل میں شامل رہیے گا۔ عفت سحر آج کل مصروف

ہیں کوشش ہے کہ وہ جلد ہی آنچل کی محفل میں شامل ہوں۔

فرحت اشرف گھمن...... سید والا۔ السلام علیکم! امید ہے کہ سب اچھے دن ہوں گے‘ اس ماہ کا ٹائٹل بس سو سو تھا۔ سلسلے وار ناول ’’موم کی محبت‘ راحت وفا یہ کیا کیا آپ نے پچھلے ماہ تو آپ نے اپنا کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ آئندہ ماہ آخری قسط پھر یہ ایک دم کیوں؟ اب تو کہانی میں ٹوئسٹ آیا تھا ویسے اگر آپ نے اینڈ کرنا تھا تو شرمین اور عارض کی شادی کا بدلہ گلہ ہوتا جیسے سمیرا نے شہوار اور مصطفیٰ کی تھی۔ صفدر اور زریا کا اینڈ مجھے بہت سیڈ کر گیا اس ماہ ان کا کوئی ذکر ہی نہیں تھا۔ آپ نے تو کوزے میں دریا بند کرنے والی بات کی ہے۔ ’’شب ہجر کی پہلی بارش‘‘ پلیز نازی عائلہ کا نکاح زاویار کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے‘ سدید زندہ ہے۔ ’’تیری زلف کے سر ہونے تک‘‘ دو تین اقساط کے بعد تبصرہ ہوگا۔ مکمل ناول ’’میری عید میری خوشی‘‘ عفت کا کردار اچھا نہیں لگا‘ اتنی بھی مادیت پسندی کیا کہ بندہ رشتوں میں اعتماد ہی کھودے۔ ’’چراغ خانہ‘‘ میں اب مشہود کو حالات کے مطابق کمپرومائز کرنا چاہیے ناولٹ دونوں ہی اچھے تھے‘ افسانے ’’تیرے ساتھ چلنا ہے‘‘ بہت اچھی سبق آموز تحریر تھی۔ باقی افسانے ابھی پڑھے نہیں‘ ہمارا آنچل میں بشریٰ ایمان اور شبانہ کا تعارف اچھا لگا۔ ایمان آپ کی طرح مجھے بھی گاڑی ڈرائیو کرنے کا بہت شوق ہے‘ لیکن گاڑی میری اپنی ہو‘ان شاء اللہ بہت جلد یہ وش بھی ابو جی پوری کردیں گے‘ آئی لو یو ابو جی۔ دوست کا پیغام لائبہ میر کا اچھا لگا کیونکہ مجھے یاد رکھا تھا ریسپی نہیں آتی تو کوئی بات نہیں‘ شکریہ یاد رکھنے کا۔ بیاض دل میں سدید‘ عاصمہ‘ لائبہ‘ صباء‘ صابر اور بیا سحر کے اشعار اچھے لگے۔ نیرنگ خیال رخسار‘ ریمل‘ شیریں‘ کنول کی شاعری اچھی لگی۔ آپ سب سے ایک ریکوئسٹ ہے جب بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائیں تو اپنی دعاؤں میں کشمیر کو ضرور یاد رکھنا‘ اللہ تعالیٰ کشمیر کے حال پر رحم فرمائے‘ آمین‘ اللہ نگہبان۔

کرن شہزادی...... مانسہرہ۔ السلام علیکم! شہلا آپی اینڈ ڈیئر آنچل فرینڈز کیسے ہیں آپ سب‘ مجھے مس تو کیا ہوگا نا (یقیناً) اس دفعہ آنچل 28 کو ملا ٹائٹل گرل عشاء نور دلہن کے گیٹ اپ میں پیاری لگی (ویسے بھی ستمبر کے اینڈ میں شادیوں کا سیزن رہا) بہرحال سرورق کو پھلانگتے ہوئے گزرے راستے میں قیصر آرا آنی کی سرگوشیاں سنیں۔ حمد و نعت سے دلوں کو سکون بخشا در جواب آں سے دل تھام کر گزرے (کیونکہ جہاں پر بہت سی بہنوں کو قبولیت کی سند ملی تھی وہیں پر نا قابل اشاعت کی لائن بھی لگی تھی)۔ دانش کدہ سے مستفید ہوتے ہوئے ہمارا آنچل کی بزم میں چار خوب صورت بہنوں کو براجمان پایا‘ امبرین ملک‘ بشریٰ ایمان‘ شبانہ اسحاق اور رابعہ اکرم آپ سے مل کر اچھا لگا۔ بشریٰ ایمان آپ کا اور میرا اسٹار کیا ڈیٹ آف برتھ بھی ایک ہے یعنی 11 ستمبر اور سائیکاٹرسٹ بننے کا شوق بھی ہے‘ سائیکلوجی پڑھ بھی رہی ہوں۔ عید سروے میں ’’عید قرباں‘‘ کے حوالے سے سب کے چٹ پٹے جوابات کو پڑھا (فیاض اسحاق جی آپ تو ہر دفعہ چونکانے کا کام سرانجام دیتی ہے ایک دفعہ ہی بم بلاسٹ کرلیں‘ میں تو پہلے آپ کو لڑکا سمجھتی رہی لیکن عیدالفطر کے عید سروے میں پتا چلا آپ تو شادی شدہ کیا دادی بھی ہیں ماشاء اللہ) پھر سب سے پہلے سلسلے وار ناولز میں سے ’’شب ہجر کی پہلی بارش‘‘ کی طرف دوڑ لگائی (کیونکہ پچھلے مہینے میں بھی نہیں تھی) یہ کیا شہرزاد بے چاری کے لیے دکھ تو ہوا لیکن کیا کریں اس دل کا جو صیام کو درمکنون کے ساتھ ہی دیکھنا پسند کرتا ہے۔ دوسری طرف پتا نہیں زادیار کا عائلہ سے نکاح ہو پائے گا کہ نہیں۔ ’’موم کی محبت‘‘ آخری قسط دیکھ کر بے ساختہ سکون کا سانس لیا۔ ’’چراغ خانہ‘‘ میں بھی مشہود پیارکی کا دانیال سے نکاح

ہونے پر خوش ہوگا لیکن وہ تو پیاری اور دانیال سے کافی بدگمان ہو رہا ہے کیوں وہ پیاری کی مجبوری اور دانیال کے مخلص پن کو نہیں سمجھ رہا۔ عالی جاہ نے خوب عورتوں کی طرح جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ''ذرا مسکرا میرے گمشدہ'' میں اربش کا مثبت کردار اچھا لگا' لگتا ہے حنین غزنی کو پسند کرتی ہے جبکہ سکندر صاحب پر خوب غصہ آیا۔ پتا نہیں کیسے بندے ہیں باہر لوگوں کی تو خوب بڑھ چڑھ کر مدد کرتے ہیں اور اپنی بیوی اور بیٹی کے لیے پھوٹی کوڑی بھی نہیں دیتے۔ الناجیہ کے جاب کرنے پر سوسو باتیں سناتے ہیں۔ ''تیری زلف کے سر ہونے تک'' ابھی دونوں اقساط نہیں پڑھیں یقیناً بہترین ناول ہوگا۔ مکمل ناول میں ''میری عید میری خوشی'' گھریلو تنازعات پر مبنی کہانی اچھی رہی۔ ''میرے نصیب کا اجالا'' موضوع پرانا لیکن تحریر اچھی تھی بے چاری عائزل اور شانزل کو محبت کے ڈائیلاگ کسی اور کے لیے رٹواتی رہی اور اپنے دل پر چھریاں سہتی رہی۔ ''محبت حرف آخر'' نزہت جبین ضیاء کی تحریر عمدہ تھی۔ بہت زیادہ پیسے کی ہوس بعض دفعہ بہت سی مشکلات بھی پیدا کرسکتی ہیں' افسانوں میں سب سے پہلے فوزیہ سلطانہ کا ''عید قرباں'' پڑھی' عید قرباں کے حوالے سے ماں بیٹی کے روپ میں دو مختلف کردار کو پیش کرتی فوزیہ بہت بہت مبارک ہو آپ کو اس کامیابی پر۔ ''بادل آنکھیں'' سمیرا غزل صدیقی کا افسانہ یعنی ''دیر آید درست آید' پس دیوار کا منظر'' واقعی موت کے آگے کسی کی نہیں چلتی۔ مستقل سلسلوں میں بیاض دل میں صبا زرگر' زرقا زرگر' لائبہ میر اور بنت حوا کے انتخاب پسند آئے۔ ڈش مقابلہ میں سب ایک دوسرے سے بازی لیتی ہوئی لگیں۔ بیوٹی گائیڈ سے علم میں اضافہ کیا' نیرنگ خیال میں سب نے خوب لکھا۔ دوست کا پیغام آئے میں سب کے پیغام پڑھے طیبہ نذیر اینڈ سنیاں زرگر شادی کی مبارک باد ویسے سنیاں اگر صبا نہیں بتاتی تو ہم تو بے خبر ہی رہتے۔ سمیرا سوانی ہمیں یاد کرنے کا شکریہ بخدا ہم نا تو آپ سے انجان بن رہے ہیں اور نہ ہی آپ کو اگنور کررہے ہیں جبکہ دو دفعہ تو دوست کا پیغام آئے میں آپ کے لیے پیغام بھیجا لیکن ردی کی ٹوکری کی زینت بنا اب تو آپ کا شکوہ دور ہوا نا۔ یادگار لمحے میں پروین افضل شاہین' سباس گل' عشا چوہدری' رشک حنا' صبا زرگر اور سمیرا العبیر کے مراسلے پسند آئے۔ آئینہ میں سب کے تبصرے شاندار رہے' ہم سے پوچھیے میں سوال سیر اور جوابات سوا سیر لگے۔ پروین جی اس دفعہ ہم سے پوچھیے میں آپ کی کمی رہی اور نجم انجم اور ارم کمال آپ کے بغیر بھی مستقل سلسلے سونے لگے۔ کام کی باتوں میں حنا احمد نے قربانی کے مفہوم سے روشناس کروایا۔ حنا کے رنگ زینب وخدیجہ کے سنگ بھی اچھے لگے' تبصرے کے اینڈ میں اپنی بھانجیوں انابیہ پرنس اینڈ پرنس پریسہ کے لیے ڈھیروں پیار اور اپنے پیارے وطن عزیز کے لیے۔

خدا کرے کہ تیری ارض پاک پر اترے
وہ فصل گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو
جو پھول کھلا ہے وہ کھلا رہے برسو
یہاں سے خزاں کو بھی گزرنے کی مجال نہ ہو

پاکستان زندہ باد۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات۔ السلام علیکم! اس دفعہ آنچل 22 کو ہی مل گیا واؤ خوب صورت ٹائٹل زبردست' ڈریس خوب صورت' جیولری' پیارا سا میک اپ واقعی یہ عید نمبر لگ رہا تھا۔ خیر جو بھی ٹائٹل تھا بہت پیارا تھا' افسانوں کی لمبی لسٹ دیکھی واہ جی گڈ عید مروڑے میں میرے جوابات بھی

ستے دل خوش ہوگیا۔ بیاض دل میں صباء عیشل' ناہید اختر بلوچ' صائمہ سکندر سومرو کے اشعار پسند آئے۔ نیرنگ خیال میں نادیہ خان بلوچ' عرشیہ ہاشمی' ملیل آرزو' دلکش مریم کی شاعری پسند آئی۔ دوست کا پیغام آئے میں میرا خط شامل تھا خوش ہوگئی میں۔ یادگار لمحے میں ریما نور رضوان' پروین افضل شاہین' رشک حنا کا انتخاب پسند آیا۔ آئینہ میں میرا خط بھی شامل تھا' شکریہ۔ شہلا آپی ہم سے پوچھئے میں آسیہ شاہین' انعم' ادیبہ عارف کے سوالات پسند آئے۔ ڈش مقابلہ میں تندوری تکے اور کلیجی قورمہ پسند آیا۔ اقرأ صغیر آپی کا سلسلے وار ناول ''تیری زلف کے سر ہونے تک'' بہت عمدہ جا رہا ہے۔ ''موم کی محبت'' بہت سلو جا رہا ہے۔ راحت وفا تھوڑا سا فاسٹ ہوجائیں پلیز ''شب ہجر کی پہلی بارش'' ویری گڈ نازیہ کنول نازی۔ ''چراغ خانہ'' رفعت سراج بہت عمدہ لکھا' نادیہ فاطمہ رضوی کو دیکھ کر دل خوش ہوگیا۔ افسانوں میں سب افسانے بہت اچھے لگے' آنچل فرینڈز سارہ یہ چوہدری' طیبہ نذیر' ارم کمال اور تمام قارئین کو ڈھیروں دعائیں اور سلام سب اپنا خیال رکھیے گا' اللہ حافظ۔

☆ مدیحہ جی! لگتا ہے صرف اپنا ہی نام دیکھا پڑھا کچھ بھی نہیں ورنہ آپ ''موم کی محبت'' کی آخری قسط پڑھ کر تبصرہ ضرور کرتیں۔

پرنسز اقو...... تلہ گنگ۔ تمام آنچل اسٹاف' قارئین کو اقو کا سلام شوق۔ امید ہے آپ تمام چاہنے والے بخیر ہوں گے' دعا ہے کہ آنچل سے منسلک تمام نفوس کو سوہنا رب ہنستا مسکراتا اور مہکتے گلابوں کی مانند تروتازہ رکھے' آمین ثم آمین۔ اب سورج جو کہ اپنا رخ چھپا چکا ہے اور رات کی تاریکی اپنے پنکھ پھیلا چکی ہے تو ہم قلم اور کاغذ تھامے آنچل پر تبصرہ کرنے بیٹھے ہیں۔ سب سے پہلے ٹائٹل پر نگاہِ روشن ڈالی تو آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ ماڈل گرل دلکش مسکراہٹ خوب صورت پہناوے اور آرائش وزیبائش اور خوب صورت حنائی ہاتھوں سے اپنے آنچل کو تھامے بہت حسین لگ رہی تھی۔ سو پھر چلے اپنی فیورٹ آنی پلس فرینڈ کی طرف' ان کی سرگوشیاں سنیں اور آخر میں بیگم محمود ریاض (مرحوم) کی رحلت پڑھ کے دل بوجھل ہوگیا اور دکھ سے لبریز ہوگیا۔ پھر حمد ونعت سے روح وقلب کو منور وروشن کیا پھر درجواب آں میں قیصر آنی پلس فرینڈ اپنی محفل سجائے بیٹھی تھیں انہوں نے تمام بہنوں کو زبردست جواب دیئے پڑھ کر مزہ آیا۔ سیرا آپی کے پسر کی علالت کا پڑھ کر دل غمگین ہوگیا۔ رب کریم اس کو صحت دے اور برکت والی زندگی عطا فرمائے تاکہ وہ اپنے ماما بابا کو خوش رکھ سکے اور اپنے ماما بابا کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنے ہمیشہ' آمین۔ پھر جی پہنچ گئے ملکہ طنز وتنقید کی محفل میں ہاں جی صحیح سمجھے شمائل جانو کے پاس مدیحہ نورین مہک کے سوالات پسند آئے اور جانِ من شمائل کے چٹ پٹے جوابات' واہ پڑھ کے مزا آ گیا' جیو شمائل لو یو۔ پھر جی رخ روشن فہرست کی جانب موڑا اور طلعت نظامی کا ''ذرا سی مسافت'' پڑھا جو کہ سبق دے گیا مرد کو کہ عورت اس کی رعایا نہیں ہے' عورت اگر کمزور ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ مرد اس کو اپنی جاگیر سمجھ لے اور ہر جائز وناجائز بات منواتا پھرے خیر فراز کو سبق مل گیا اور وہ جلد لوٹ آیا کہ اس کی وجہ سے اس کی بیگم کی ازلی خود اعتمادی ختم ہورہی تھی' آئے ہائے...... بسم اللہ جی' صدقے جی آیاں نوں حرا جی! کیا شاہکار لے کر حاضر ہوئیں مزہ آ گیا مگر اتنی خوشی دی مونا کو کہ دم ہی نکل گیا اس کا آخر میں اداس ہوگئی میں یہ پڑھ کر۔ ''تیرے ساتھ چلنا ہے'' واہ گوری جی سچی اور مخلص محبت ٹھکرا کر سراب کے پیچھے دوڑ لگائی اور تہی دست وتہی داماں رہ گئی۔ یہی علاج ہے میں تو کہتی ہوں تمام لڑکیاں جو دولت کی چکاچوند میں سچی اور کھری محبت کو ٹھکراتی ہیں

ان کو آبلہ پائی نصیب ہوتا کہ جب مخلص کی قدر آئے۔ آگے عرشیہ ہاشمی کی عید سے پہلے پر چھلاوے کی مانند چھلانگ لگائی اور رانیہ کے صبر اور صدقہ دینے کی عادت سے مرعوب ہوگئے ایک اچھا سبق دیا' عرشیہ جی ویل ڈن۔ آگے بڑھے کے تو فوزیہ سلطانہ ''عید قرباں'' تحریر لیے حاضر محفل تھیں' بے شک صالحہ جیسی لڑکیاں ہی ہوتی ہیں جو غریبوں کی دلجوئی کرتی ہیں دعائیں سمیٹتی ہیں کیونکہ تونگر تو سال کے بارہ ماہ ہی گوشت سے لطف اندوز ہوتے ہیں' یہ غریب ہی ہیں جو محروم رہتے ہیں اور عید پر بھی ان لالچی لوگوں کی وجہ سے گوشت کی لذت سے محروم ونا آشنا رہتے ہیں اور آلائشوں کی ڈھیر سے چن چن کر گوشت کھانے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ آگے بڑھے ''تحفہ خاص'' پڑھا ''جذبہ قربانی'' پسند آیا اور ایک چیز ضرورت مند پر قربان کی تو رب تعالیٰ نے قربانی پسند فرما کر دوبارہ اپنے در کی حاضری کے لیے بلاوا بھیج دیا۔ تمثیلہ زاہد کی قربانی بھی پسند آئی اور سمیرا فلک کی تحریر' بادل آنکھیں'' بھی خاص تاثر قائم کرگئی' پڑھ کر مزا آیا' شکر ہے وقت پر نائلہ بیگم کی عقل ٹھکانے لگ گئی۔ ناولٹ میں جھانکا تو نادیہ فاطمہ براجمان تھیں سو تحریر ''میرے نصیب کا اجالا'' پڑھ ڈالی' عائزل اور شانزل نام پسند آئے اور ان کے مکالمے بھی اور نانو کا کردار پسند آیا' مزا آیا پڑھ کر گریٹ آگے بڑھے تو نزہت جبین ضیاء صاحبہ ''محبت حرف آخر'' لیے کھڑی تھیں۔ جب رخ تاباں موڑا تو عطرت کی داستان پڑھ کر دل دکھ وغم سے نڈھال ہوگیا اور جب عارش اور عطرت کا ہیپی اینڈ ہوا تو خوشی ہوئی پھر عابدہ سبین کے ناول پر گئے اور پڑھ کر مزہ آیا مگر ایک بات کا دکھ ہے کہ ارہد بھی زہر کا شوقین تھا مگر ایک سبق بھی ملا کہ والدین کی بے جا حمایت اور بے جا لاڈ دونوں اولاد پر غلط اثرات مرتب کرتے ہیں۔ اعتدال والا معاملہ ٹھیک رہتا ہے اور پھر جی آئے ہم اپنے موسٹ فیورٹ ناول ''موم کی محبت'' کی طرف جس کی آخری قسط کا پڑھ کر جہاں دل غمگین ہوا وہیں شرمین بی بی کی عارض کے ساتھ نیا پار لگنے کا پڑھ کر بہت خوشی ہوئی' دل بلیوں اچھلا۔ باقی رسالہ ابھی زیر مطالعہ ہے' میں نے کہا تبصرہ کردوں پھر ٹائم نہیں ملنا کیونکہ ناچیز آئی۔ کام میں اعلیٰ کامیابی حاصل کرنے کے بعد بی کام میں داخلہ لینے لگی ہیں سو جلدی جلدی رسالہ پڑھا اور تبصرہ بھی کر ڈالا اور آخر میں کیوٹ سی حرا قریشی' انا احب' دعائے سحر' پروین افضل شاہین' لاریب انشال' ارم کمال' سباس گل' تمنا بلوچ' سامعہ ملک پرویز' لائبہ میر' مونا شاہ قریشی' نازیہ کنول نازی' شاہ زندگی' رشک حنا' ماہ رخ (سرگودھا)' زیست مکرم' اقرا صغیر احمد' سمیرا تعبیر' منزہ عطا میں آپ تمام بہنوں سے دوستی کی متمنی ہوں اگر اس قابل سمجھیں ناچیز کو تو دوستی کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیجیے گا اور اگر کوئی بہن مجھ سے دوستی کرنا چاہے تو موسٹ ویلکم' اچھا جی رب راکھا۔

☆ کامیابی پر مبارک باد قبول کیجیے۔

☆ اب اس دعا کے ساتھ آئندہ ماہ تک کے لیے اجازت' اللہ تعالیٰ پاکستان کو دشمن کے ناپاک ارادوں سے محفوظ رکھے اور اسے ہمیشہ شاد وآباد رکھے' آمین۔

aayna@aanchal.com.pk

ہم سے پوچھیے

شمائلہ کاشف

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

س: میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین بار بار میری سالگرہ کی تعریف اور تاریخ کیوں پوچھتے ہیں؟

ج: انہیں آپ بڑھیا لگنے لگی ہوں گی اس لیے بار بار پوچھتے ہوں گے یقین کرنے کے لیے۔

س: مجھے برسات کے موسم سے اتنا ڈر کیوں لگتا ہے؟

ج: کیونکہ آپ کے میاں جانی برساتی مینڈک جو بن جاتے ہیں۔

س: سنا ہے شادی ساز ہے کیا یہ سچ ہے؟

ج: سو فیصد ایسا ساز ہے جو ساری زندگی بجتا ہے اور آس پڑوس والے سب سنتے ہیں۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

س: آپی! کیسی ہیں؟

ج: بہت خوب صورت' اسمارٹ' فٹ۔ جل گئی تو پوچھا کیوں تھا۔

س: دودھ کا جلا چھاچھ کیوں پھونک کر پیتا ہے؟

ج: تو گرم گرم پی کر اپنا منہ پھر سے جلا لے اور تمہاری طرح جل ککڑی ہو جائے۔

س: بن بادل برسات کب ہوتی ہے؟

ج: جب اماں کسی کام کے نہ کرنے پر دو لگائیں تب۔

س: اگر عورتوں کی گنج اور مردوں کی چٹیا ہوا کرے تو؟

ج: تو آپ نے عورتوں کی گنج پر شاعری شروع کر دینی ہے۔

س: بندر کے دو دماغ کیوں ہوتے ہیں؟

ج: یہ تو آپ ہم سب کو بتائیں' آخر آپ کے دو دماغ کیوں ہیں؟

س: محبت کا پہلا اصول کیا ہے؟

ج: جھوٹ...... وہ بھی ڈھٹائی سے۔

س: تم جو آئے زندگی میں......؟

ج: ادھار کی ضرورت پڑ گئی' بس بھی کرو کب تک ادھار مانگو گی۔

س: محبت اندھی کیسے ہوتی ہے؟

ج: جیسے گنجے کے سر پر بال نہیں ہوتے بالکل ویسے۔

س: دلہن اتنی جیولری پہنتی ہے دلہا کیوں نہیں پہنتا؟

ج: اس کا خرچہ دلہا جو اٹھاتا ہے اس لیے۔

ایس گوہر طور...... ٹانڈلیانوالہ' فیصل آباد

س: شمائلہ جی ایک بات تو بتائیں خوشیوں کی مدت اتنی کم کیوں ہوتی ہے؟

ج: دکھیاری لڑکی کبھی خوش بھی رہا کرو۔

س: آپی! جو بھی لڑکی آپ کے پاس سے ہو کر جاتی ہے وہ یہ کیوں کہتی ہے ''توبہ شمائلہ سے آئندہ کچھ نہیں پوچھنا'' ایسا کیا کہہ دیتی ہیں لڑکیوں سے؟

ج: صاف صاف اور کھری کھری جو سننے کو ملتی ہیں اس لیے یہی کہتی ہیں۔

س: آپی! محبت لفظوں کی محتاج نہیں ہوتی مگر انسان تو محتاج ہوتے ہیں محبتوں کے یا لفظوں کے؟

ج: آج کل سب پیسوں کے محتاج ہو گئے ہیں...... باقی سب باتیں پیار محبت کی آج و باجو والی ہی ہو کر رہ گئی ہیں۔

س: آپی! اگر آپ کی بے رنگ عینک ٹوٹ جائے جواب دیتے ہوئے آپ کے پین کی سیاہی ختم ہو جائے' ٹیبل پر رکھے کاغذ غائب ہو جائیں تو آپ کا ردعمل کیا ہوگا؟

ج: میرے جواب پڑھ کر جو اس وقت تمہارا ہے۔ بہت خوشی والا ہوگا۔ کام ختم' پیسہ ہضم۔

س: آپی! اگلے ماہ تک کے لیے اجازت دیں اور خبردار جو آپ نے سسرال والوں سے متعلق کوئی دعا دی تو آپ کی اتنی کالی زبان ہے کہ طیبہ نذیر (گجرات) کی شادی ہو گئی' بے چاری کی ابھی عمر ہی کیا تھی' اچھا آپی بائے بائے۔

ج: اس کی چھوڑو اپنی فکر کرو ویسے اللہ تمہارے سسرال والوں کو تم سے بچائے...... کہو سب مل کر زور سے آمین۔

سمیرا سواتی...... بھیر کنڈ

س: میڈم (مے آئی کم اِن؟)

ج: یس...... لیٹ آئی ہو اس لیے کان پکڑ کے مرغی بن جاؤ۔

س: پہلی مرتبہ آپ کی محفل میں حاضر ہوئی ہوں کیسا لگا (سچ بتانا میں اُن کی قسم)۔

ج: تمہیں دیکھ کر لگتا ہے پپیتے کے درخت پر تربوز لگا ہو جیسے۔

س: آپی آپ لو میرج کر کے پچھتا تو نہیں رہیں؟

ج: ابھی میرج نہیں ہوئی گھر والے ارینج کرنے کا سوچ رہے ہیں۔

س: آپی کل ایک کوآ کسی شمائلہ کا پوچھ رہا تھا بھئی دادی جو ہوئیں) میں نے آپ کا بتایا تھا ملا یا نہیں؟

ج: اچھا تو وہ کوآ آپ کا پوتا تھا' ہمیں ابھی پتا چلا مبارک ہو۔

س: سنا ہے بقرہ عید میں آپ کے سسرال والوں کی طرف سے عیدی کے بجائے گدھا گفٹ ہوا ہے (اسپیشلی آپ کے لیے)۔

ج: گدھا نہیں گدھی' جس کو جواب دے رہی ہوں' شرماؤ مت پلیز۔

ارم کمال...... فیصل آباد

س: میں جسے دیکھنا چاہتی ہوں وہ مجھے نظر کیوں نہیں آتا؟

ج: چشمہ اچھی طرح صاف کر کے لگا کر دیکھو' صاف نکھرا نکھرا نظر آئے گا بے چارا۔

س: شمائلہ جی جلدی سے میری الجھن سلجھائیں' میں جب آنکھیں بند کرتی ہوں تو مجھے کچھ بھی نظر نہیں آتا؟

ج: آنکھیں بند کر کے ساس کے آگے کھڑی ہو جاؤ دو کس کر لگائیں گی' پھر سب صاف صاف نظر آئیں گا۔

س: پھولوں کی وادی میں' پھولوں سا لباس لینے وہ میرے لیے پھول لے کر آئے اور بولے......؟

ج: اس گوبھی کے پھول کو اپنے جوڑے میں سجاؤ لیکن اب تمہارے بال کہاں۔

س: ایڑی سے چوٹی تک کا سفر کیسے ہوتا ہے جلدی سے بتادیں؟

ج: تمہاری چوٹی ہوتی تو ضرور بتا دیتی۔

س: ظالم سیاں ظالم نظروں سے مجھے کیا کہہ رہے ہیں؟

ج: کبھی منہ بھی دھولیا کرو بل بتوڑی۔

س: وہ کہتے ہیں مجھ سے ابھی عمر نہیں ہے پیار کی کیا واقعی؟

ج: حیران مت ہو فیڈر ریڈی کر دو' ابھی ان کی یہی عمر ہے۔

نجم انجم...... کراچی

س: میں گھر پر بہت بور ہو رہی تھی اس لیے آپ کی محفل میں آگئی ہوں' کیسا لگا میرا آنا؟

ج: اپنی بوریت یہاں سوار کرنے آگئی واہ واہ کیا کہنے۔

س: ویسے میں آپ سے تھوڑی ناراض ہوں آپ کے جوابات کسی تیر کی طرح لگتے ہیں؟

ج: کسے...... تمہیں یا تمہارے میاں کو' وضاحت بھی تھوڑی کردو۔

س: کہتے ہیں کہ درد دینے سے محبت بڑھتی ہے' یہ لو آپ کے پیر کے اوپر اپنا پیر رکھ لیا' اب بتاؤ آپ کے دل میں میرے لیے جگہ بنی؟

ج: نہیں لیکن ہاتھ میں ضرور بن رہی ہے' اب ہٹاؤ پیر ورنہ......

س: میں ایسا کیا کروں کہ آپ کو زندگی بھر یاد رہ جاؤں؟

ج: صرف اتنا کہ اپنی ناک صاف کر لیا کرو۔

عنبر مجید...... کوٹ قیصرانی

س: اُف...... اللہ بتا بھی دیجیے کچھ وجہ بے رخی' تم کیوں خفا خفا سے ہو کیا بات ہوگئی؟

ج: بے شرم ہر وقت کچھ نا کچھ مانگنے جو چلی آتی ہو ڈھلے گھوما گھوما کر۔

س: ہاں تو آپ نے بتایا نہیں کہ آپ ہمارا تعاقب کیوں کر رہی ہیں؟

ج: آپ ہمارا رس لے کر جو چل پڑی تھیں۔

س: ہم ایسے لوگوں کو حوالات میں پہنچانے کے عادی ہیں جو بلاوجہ دوسروں کا تعاقب کرتے ہیں' آپ کو ہمارے ساتھ چلنا پڑے گا؟

ج: اس کو کہتے ہیں ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری'

چلو تمہیں سائیکاٹرسٹ کو دکھاؤں۔

س: شمائل آپی آل ریڈی میں آپ کی محفل میں آچکی ہوں لیکن آپ نے مجھے جگہ نہیں دی' اگر اس بار بھی ایسا کیا تو اچھا نہیں ہوگا سمجھائی؟

ج: جگہ بھی تو تمہارے سائز کو دیکھ کر بنانا ہوتی ہے۔

اناج کی دشمن

س: تم آؤ گی تو کیا لاؤ گی؟ ہم آئیں گے تو کیا دو گی؟ ہاہاہا......

ج: میں آؤں گی تو تمہاری نند کو ساتھ لاؤں گی' تم آنا تو جھاڑو پونچھا کرنا۔

کے ایس رانا......ستیانہ

س: خبردار ہوشیار...... ہم تشریف لا رہے ہیں' ویلکم کریں؟

ج: آؤ ہاتھیوں کی رانی...... تمہارا انتظار تھا۔

س: آپی میرا دل کیوں چاہتا ہے کہ آسمان سے ڈائجسٹوں کی بارش ہو؟

ج: اس کے علاوہ تمہارا دل چاہتا ہوگا کہ سردیوں میں آم ہوں' تم ایک بار پھر جوان ہوجاؤ تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ اکثر پاگلوں کا دل ایسا ہی دل چاہتا ہے۔

س: آپی انسان کے دو ہاتھ ہی کیوں ہوتے ہیں؟

ج: تمہارے تو چار ہاتھ' چار پیر ہوتے پھر بھی تم کچھ نہیں کرتیں' کام چور کہیں کی۔

س: آپی کھانا کھانے کے بعد بھوک کیوں لگتی ہے؟

ج: کم کھاتی ہوگی ناں ہتھنی۔

س: آپی مجھے لوگ ہٹلر کیوں سمجھتے ہیں؟

ج: سمجھنا تو انہیں ہتھنی ہی چاہیے مگر سب کی اپنی اپنی سمجھ ہے۔

نامعلوم......نامعلوم

س: پہلی بار حاضر ہوئی ہوں ویلکم کریں؟

ج: کسے تمہیں یا تمہارے ساتھ آئی ہوئی تمہاری ساس کو۔

س: آپی اتنے فضول جواب کیسے دے دیتی ہیں فضول سوالوں کے؟

ج: جیسے تم امتحانات میں سپلی دیتی ہو بالکل ویسے۔

س: اب بس کریں میری تعریفیں؟

ج: تمہاری تعریفیں...... خدا کبھی ایسا وقت مجھ پر نہ لائے۔

س: اچھا ٹھیک ہے آؤں گی دوبارہ منہ تو ٹھیک کرلیں اپنا؟

ج: اب ہمارا منہ تمہاری رخصتی کے بعد ہی ٹھیک ہوسکتا ہے' جلدی جاؤ۔

س: اچھی سی دعا دیں آپی؟

ج: اس بار سپلی کی جگہ مٹھائی کا ڈبا آئے۔

فوزیہ سلطانہ......تونسہ شریف

س: بزرگو! کیا حال ہے؟

ج: ہمارا حال بالکل درست ہے البتہ تمہارا احوال دیکھ کر ضرور غائب دماغی کا شبہ ہورہا ہے۔

س: دادو! مجھے اپنے زمانے کا کوئی قصہ تو سنائیں ناں پلیز؟

ج: لو میری پردادی کی عمر کی ہوکر عمر چھپا رہی ہو' شرم تو آئی نہیں۔

س: دادو! آپ کی فٹنس کا راز کیا ہے تاکہ میں اپنی دادی کو بتاؤں؟

ج: بہت ننھی بچی بن رہی ہو جیسے ابھی تک فیڈر میں دودھ پیتی ہو۔

س: دادو پلیز جواب دینے کے لیے اپنے ضعیف دماغ کو مشقت میں مت ڈالیے گا؟

ج: ہمیں چھوڑیں اپنے دماغ کے ساتھ آنکھوں کا بھی معائنہ کروائیں۔

س: دادو! دیکھ لیں آپ کی پوتی آپ کا کس قدر خیال رکھتی ہے؟

ج: جب وہ آئے گی اسے بھی دیکھ لیں گے' فی الحال تم جیسی سے نمٹ لیں۔

س: آپ کی روتی صورت دیکھ کر بالآخر ہم نے سوچا کہ آپ کی جان چھوڑ دینی چاہیے' ان شاء اللہ جلد آدھی ملاقات ہوگی' اللہ حافظ۔

ج: صاف اور کھرے کھرے جوابات سننے کے بعد تم اللہ حافظ ہی کہو گی ناں۔

پارس شاہ......چکوال

س: آپی ڈیئر! ہم نے آپ کی محفل میں پہلی بار شرکت کرنے کی ہمت کر ہی لی کیسا لگا آپ کو؟

ج: ڈھیلوں میں ایک آپ کی کمی تھی اور کیا کہوں۔

س: شعر کا جواب شعر سے دیں آپی ڈیئر!

زندگی کس طرح بسر ہوگی
دل نہیں لگ رہا محبت میں

ج: بہت فرسودہ لگتے ہیں مجھے محبت کے قصے۔

س: دسمبر میں موسم اتنا ٹھنڈا کیوں ہوتا ہے جبکہ دل یادوں کی آگ میں جل رہا ہوتا ہے؟

ج: ان یادوں سے اپنی ساس کو آشنا کرادو پھر دماغ جلے گا۔

س: اچھی سی دعا کے ساتھ اپنی محفل سے رخصت کریں آپی! ہمیں جلدی جانا ہے بھلا کہاں؟

ج: اپنے سسرال' ہانڈی روٹی کرنے۔ اب دعا کیا دوں تم بے چاری کو' اللہ تمہاری ساس کو تمہارے عتاب سے بچائے۔

اے بی...... کنڈان سرگودھا

س: ہم آپ کے دربار میں پہلی دفعہ شریک محفل ہیں' کیا مجھ جیسی اسمارٹ کو جگہ ملے گی بتایئے شمائلہ جی!

ج: واقعی تمہاری اسمارٹنس تو پنجابی فلموں کی تمام ٹیاری اداکاروں کو مات دے گئی۔

س: اوہ یہاں تو سارے ہی بے وقوف بیٹھے ہیں' ایک ہم ہی سمجھ دار ہیں' ہاہاہا۔

ج: ہر بے وقوف خود کو یہی سمجھتا ہے۔

س: یہ کون تخت پر بیٹھی ہے بڑھیا؟

ج: وہ تخت نہیں ڈریسنگ ٹیبل ہے اور آئینہ جو آپ کو آئینہ دکھا رہا ہے آنٹی۔

س: چلیں چلتے ہیں نہیں تو یہ سارے مجھے بھی بے وقوف بنادیں گے' نکل اوئے......؟

ج: بنادیں گے سے کیا مطلب...... تم تو پیدائشی......

پرنسز اقو...... تلہ گنگ

س: پرنسز صاحبہ آئی ہیں ویلکم کیجیے شمائل جی؟

ج: بنگال کی پرنسز کو خوش آمدید۔

س: میرا آنا اچھا لگا ناں؟

ج: بجلی کے جھٹکے کی طرح' میک اپ کرتے وقت شیشہ سامنے رکھا کرو پلیز۔

س: شمائل آئی کام میں ٹاپ کیا ہے میں نے' میرا گفٹ......؟

ج: یہ لو جھاڑو' اب اس کام میں بھی ٹاپ کرکے دکھاؤ' پھر اگلے گھر بھیجیں گے' ارے جھاڑو لگانے تم کیا سمجھی......

س: آپی ہر کوئی کیوں میرے حسن کی تعریف کرتا ہے؟

ج: تمہاری جھگڑالو طبیعت کو جانتے ہوئے کردیتا ہے ورنہ تم صاف اور سچ سن کر تو پیچھے ہی پڑ جاؤ۔

س: اتنا موٹا چشمہ لگائے اور یہ بھاری اور موٹی سی لاٹھی اٹھائے کیوں بیٹھی ہیں؟

ج: تمہاری آنکھیں اور دماغ درست کرنے کے لیے۔

س: اچھا جاتی ہوں اب میں' آپ اداس مت ہونا اور رونا تو بالکل مت میں پھر آجاؤں گی پکا' اللہ حافظ۔

ج: جا تو رہی ہو' یہ لاٹھی بھی لیتی جاؤ' راستے میں بہت کام آئے گی۔

ماریہ ایمان ماہی...... طارق کالونی

س: راہ محبت میں عجب سا حال ہوا ہے اپنا؟

ج: مت بتاؤ' نظر آرہا ہے قدیم زمانے کی ممی لگ رہی ہو۔

س: آپی جی رات کو آپ کو خواب میں دیکھا ڈر کے مارے چیخیں مارنے لگی امی نے پانی دم کرکے دیا تو؟

ج: کی اب اکثر چڑیلیں مجھے خواب میں دیکھ کر میری خوب صورتی سے جل جاتی ہیں۔

س: کوئی اچھی سی دعا اپنی خوف ناک شکل سے سمیت...... ہاہاہا۔

ج: اللہ ایسی خونخوار خوف ناک عورت سے سب کو بچائے اور سب سے پہلے مجھے کہو (آمین)

آپ کی صحت

ہومیو ڈاکٹر ہاشم مرزا

اقراء دلمیر احمد سندھو پنڈ وڑائچ کاہنہ نولاہور سے لکھتی ہیں کہ ہمارا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترمہ JODUM-1000 یہ ہومیوپیتھی کی عام دوا ہے اگر آپ کے شہر میں نہیں مل رہی تو آپ دوسرے شہر میں معلوم کرلیں یہ باآسانی مل جائے گی اور قد کے لیے CALCIUM PHOS-6X کی چار چار گولی تین وقت روزانہ اور BARIUM CARB-200 کے دس قطرے ہر آٹھویں دن ایک بار کزن اور بہن کو پلائیں اس کے علاوہ HAIR GROWER کے لیے مبلغ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کریں ہیئر گروور آپ کے گھر پہنچ جائے گا تین چار بوتل کے استعمال سے ان شاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے گا بال مضبوط گھنے اور لمبے ہوجائیں گے۔

ایس ایس خانیوال سے لکھتی ہیں کہ مجھے دائیں بریسٹ میں گلٹی ہے جو بادام سے بڑی ہے کبھی کبھی درد بھی ہوتا ہے اور سوزش بھی ہے بہت پریشان ہوں اس کا علاج بتادیں۔

محترمہ آپ CALC FLOUR-6X کی چار چار گولی تین وقت روزانہ لیا کریں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔

و ع کمالیہ سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

محترمہ آپ PLATINA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔

افشاں طلعت راولپنڈی سے لکھتی ہیں کہ مجھ میں حسن نسواں کی زیادتی ہے میری عمر 50 سال ہے علاج بتادیں۔

محترمہ آپ CHIMAPHILA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

فاطمہ شہباز قصور سے لکھتی ہیں کہ میں بہت امید کے ساتھ آپ کو خط لکھ رہی ہوں میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرا وزن بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے ہر مہینے میں تین چار کلو وزن بڑھتا ہے میں شادی شدہ ہوں میرا بے بی آپریشن سے ہوا تھا آپریشن کی وجہ سے میرا پیٹ بہت لٹک گیا ہے۔ میری عمر تیس سال ہے اور میرا دوسرا مسئلہ لیکوریا کا ہے۔

محترمہ آپ PHYTOLACCA BARRY (Q) کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں دوا کھانے ناشتے سے آدھا گھنٹہ پہلے لیں اور مرغن غذاؤں اور کولڈ ڈرنک وغیرہ بیکری آئٹم سے پرہیز کریں تب وزن کم ہوگا اگر پرہیز نہ کیا تو دوائیں کوئی کام نہیں کریں گی اور لیکوریا کے لیے BORAX-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت پئیں۔

سعدیہ منڈی بہاؤالدین سے لکھتی ہیں کہ میری چن پر بہت زیادہ بال ہیں جو بڑھ رہے ہیں ٹانگوں اور بازوؤں پر بھی بہت لمبے بال ہیں بلکہ سارے جسم پر بال ہیں میری عمر سولہ سال ہے میں ان بالوں کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان ہوں پلیز ایسی دوائیں بتائیں جس سے میری یہ پریشانی دور ہوجائے اور کوئی نقصان بھی نہ ہو دوائی کی مدت اور طریقہ استعمال بھی لازمی بتادیں اور دوسرا مسئلہ میری آپی جن کی عمر بائیس سال ہے ان کی گردن پر براؤن تل ہیں جو بہت زیادہ بڑھ رہے ہیں یہ نشان چہرے اور سینے کی طرف پھیل رہے ہیں۔

محترمہ آپ اپنی بہن کو THUJA-30 کے پانچ پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پلائیں اس کے علاوہ مبلغ 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں APHRODITE آپ کے گھر پہنچ جائے گا ان شاء

انشاءاللہ اس آئل سے آپ کو افاقہ ہوگا اور یہ ہربل نسخہ ہے اس کا کوئی نقصان نہیں اور مدت طریقہ استعمال چار بوتل کا ہوگا کم از کم۔

شاہد اقبال کراچی سے لکھتے ہیں کہ میرے سر کے بال بہت گرتے ہیں آپ کی 2 بوتل ہیئر گروور استعمال کی اس سے بال گرنا بند ہوگئے لیکن نئے نہیں اگ رہے اس کا علاج بتادیں اور میرا دوسرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترم آپ ہیئر گروور کا استعمال ابھی جاری رکھیں اس کے علاوہ ACID PHOS-3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں ان شاءاللہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔

رقیہ بیگم راولپنڈی سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بال ہیں جو کہ سخت اور موٹے ہوتے جارہے ہیں اس کا علاج بتادیں اور میں نے آنچل رسالے میں پڑھا تھا ایفروڈائٹ کے لیے 900 کا منی آرڈر کرنا ہے تو کیا 900 میں ایک بوتل آئے گی یا تین بوتل اور میری عمر 72 سال ہے کیا میں اس عمر میں ایفروڈائٹ استعمال کروں تو مجھے افاقہ ہوگا مجھے اس مسئلے کا جواب دیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

محترمہ آپ 72 سال کی عمر میں بھی ایفروڈائٹ لگا سکتی ہیں ان شاءاللہ فائدہ ہوگا اس کے علاوہ مبلغ 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں تو ایک بوتل ایفروڈائٹ آپ کے گھر پہنچ جائے گا اگر تین بوتل ایفروڈائٹ منگوانا ہو تو اکیس سو روپے کا منی آرڈر کردیں یہ یاد رکھیں کہ منی آرڈر فارم کے لاسٹ میں تین عدد ایفروڈائٹ ضرور لکھ دینا۔

صباء حسن سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ میری والدہ کو ٹائیفائڈ ہوا تھا اس کی وجہ سے ان کے منہ میں کھچاؤ رہتا ہے جب بولتی ہیں تو ہکلاتی ہیں اور زبان پر چھالے ہیں زبان سوجھ کر موٹی ہوگئی ہے گلا خراب رہتا ہے اور معدے میں تیزابیت رہتی ہے خون کی کمی بہت زیادہ ہے مہربانی کرکے کوئی اچھی سی دوا تجویز کردیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

محترمہ آپ اپنی والدہ کو NATRUM PHOS-6X کی چار چار گولی تینوں وقت کھانے سے آدھا گھنٹہ پہلے کھلایا کریں یہ معدے کے لیے ہے دوا جب معدہ ٹھیک ہوگا تو زبان کی تکلیف خود بخود ٹھیک ہوجائے گی سوموجیل کا استعمال کرائیں زبان کے چھالے ٹھیک ہوجائیں گے اور CHINA-3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پلائیں ان شاءاللہ خون کی کمی بھی ٹھیک ہوجائے گی۔

عائشہ فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں بڑی مہربانی ہوگی۔

محترمہ آپ PHYTOLACCA-6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت روزانہ پئیں اس کے علاوہ THRIDION-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے آدھا گھنٹہ پہلے پیا کریں۔

بنت محمد اسلم قصور سے لکھتی ہیں کہ میری بہن کے سر کے بال بہت تیزی سے گر رہے ہیں اور ان کو نسوانی حسن کی بھی کمی ہے اس کا علاج بتادیں۔

محترمہ آپ مبلغ 1300 سو روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں تو آپ کے گھر ہیئر گروور اور بریسٹ بیوٹی پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے سر کے بالوں اور نسوانی حسن کا مسئلہ ان شاءاللہ ٹھیک ہوجائے گا ہیئر گروور کی کم از کم چار پانچ بوتل استعمال کرنا پڑے گی اور بریسٹ بیوٹی کی دو بوتل استعمال کرنا پڑے گی اس کے علاوہ خون کی کمی اور تلوں کی دوا اوپر لکھی ہے اسے پڑھ کر آپ خود استعمال کرلیں۔

طہٰ ارشد خان چکوال سے لکھتی ہیں کہ مجھے یورین کی جگہ پر بہت خارش ہوتی ہے اس کی دوا بتادیں اور بہن کو ہاتھ پیروں میں بہت اینٹھن ہوتی ہے کوئی اچھی سی دوا بتادیں اس کے علاوہ دوست کو ہڈیوں میں کیلشیئم کی کمی ہے اس کی وجہ سے ان کے ناخن بہت ٹوٹتے ہیں اور بڑھتے نہیں کوئی اچھی سی دوا بتادیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی سب کی دوا الگ الگ لکھنا۔

محترمہ آپ CALADIUM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت پیا کریں کھانے سے آدھا گھنٹے پہلے اور بہن کو CUPRUM MET-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں تینوں وقت دیا کریں اور دوست کو CALC PHOS-6X کی چار چار گولی تینوں وقت دیا کریں اس کے علاوہ دوست کو دوسری دوا ناخن کے لیے GRAPHITES-30 دیا کریں ان شاء اللہ ان دواؤں سے آپ تینوں کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

بلال احمد حیدرآباد سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترم STAPHISAGRIA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت روزانہ پیا کریں اس کے علاوہ کھانے میں روزانہ دو کیلے کھا کر اوپر سے دودھ پی لیا کریں ان شاء اللہ مردانہ کمزوری ختم ہوجائے گی اور مبلغ 800 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں تو طلا آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ منی آرڈر کے کوپن کے لاسٹ میں یہ ضرور لکھ دینا کہ تین عدد طلا بھیج دیں اس کے لگانے سے ان شاء اللہ افاقہ ہوگا۔

زرش فاطمہ منڈی بہاؤالدین سے لکھتی ہیں کہ میری ناک سے پانی آتا ہے اور چھینکیں بہت آتی ہیں۔

محترمہ آپ AGRAPHIS-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔

محمد ندیم ہارون آباد سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترم آپ ACID PHOS-3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت روزانہ پیا کریں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔

کائنات حویلی بہادر شاہ سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترمہ آپ JODIUM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت پیا کریں اور اپنی بہن کو ARSANIC-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت پلائیں۔

ثمن بہاولنگر سے لکھتی ہیں کہ میرا رنگ کا مسئلہ ہے میں اپنا رنگ صاف کرنا چاہتی ہوں اس کا علاج بتادیں۔

محترمہ آپ JODUM-1000 کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر 15 دن میں ایک بار پیا کریں کم از کم 6 ماہ تک پئیں۔

سعدیہ بہاولنگر سے لکھتی ہیں کہ تقریباً چھ سال سے نزلہ میرے حلق میں گرتا ہے جسے کیرا بھی کہتے ہیں بہت علاج کرایا ہے مگر وقتی افاقہ ہوتا ہے پھر وہی حال نزلے کی وجہ سے میرے بال بھی بہت گر رہے ہیں برائے مہربانی کوئی اچھی سی دوا بتادیں۔

محترمہ آپ AMMON CARB-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اس کے علاوہ مبلغ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں HAIR GROWER آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے بال گرنا بند ہوجائیں گے بال گھنے لمبے اور مضبوط ہوں گے ان شاء اللہ۔

حور ایمان ٹوبہ ٹیک سنگھ سے لکھتی ہیں کہ میرے ماتھے اور ہونٹ کے اوپر اور نیچے یعنی کہ تھوڑی پر باریک سے دانے نکل آئے ہیں اور جب یہ ختم ہوجاتے ہیں تو نشان چھوڑ جاتے ہیں اور میرا دوسرا مسئلہ مجھے چار ماہ سے ایام نہیں آئے اور جب آتے ہیں تو درد بہت زیادہ ہوتا ہے میں پونستان کی گولی کھالیتی ہوں جس سے وقتی آرام آجاتا ہے دوسرے دن پھر سے درد ہونا شروع ہوجاتا ہے میری عمر اٹھارہ سال ہے اور چہرے کا رنگ بھی زرد ہے اور چہرے پر کبھی کبھار خارش بھی ہوتی ہے اس کا علاج بتادیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

محترمہ آپ NATRUM SULF-6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا

کریں اس کے علاوہ SENECIO-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور CALC PHOS-200 کے 10 قطرے جب مہینہ آئے درد کے اس وقت لیا کریں آدھا کپ پانی میں رات سوتے وقت اور صبح نہار منہ پیا کریں پھر دوبارہ مت لینا صرف ماہواری درد کے ساتھ آنے پر بھی لینا اس کے علاوہ دوا مت لینا ان شاء اللہ آپ کو دواؤں سے آرام آئے گا۔

نوشابہ زینب گجرات سے لکھتی ہیں کہ بہت امید کے ساتھ خط لکھ رہی ہوں میرے والد جن کی عمر 48 برس ہے ان کی دائیں سائیڈ مطلب باز و اور ٹانگ بائیں سائیڈ سے چھوٹی ہوگئی ہے اور خون کا دوران کم ہونے کی وجہ سے وہ سن ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ کام بھی نہیں کرپاتے ابو مزدوری کرتے ہیں جب چلتے ہیں تو ایسے جیسے ایک ٹانگ چھوٹی ہے اور دوسری بڑی ہے 24 گھنٹوں میں 23 گھنٹے ان کی دائیں سائیڈ سن رہتی ہے بہت سارے ڈاکٹرز سے علاج کرایا ٹیسٹ کرائے مگر کوئی مسئلہ سامنے نہ آیا فالج کے اسپیشلسٹ کو بھی دکھایا پر اللہ کا شکر تھا کہ وہ مسئلہ بھی رپورٹ میں نہ آیا برائے کرم اس بیماری کا علاج اگر آپ کے پاس ہے تو ہمیں اچھی سی دوا تجویز کردیں میرے ابو بہت ساری دوائیں کھا چکے ہیں ڈھائی سال سے ان کو یہ بیماری ہے۔

محترمہ آپ ابو کو FERRUM PHOS-6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے آدھا گھنٹہ پہلے دیا کریں تین ماہ کا کورس مکمل کریں دوا جرمنی کی لینا ان شاء اللہ آرام آجائے گا۔

صباء شیریں چکوال سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترمہ آپ ONOSMODIUM-CM ہر آٹھویں دن دس قطرے ایک بار پیا کریں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے گا جب مسئلہ حل ہوجائے گا' دوا استعمال تب بند کرنا۔

کلثوم کراچی سے لکھتی ہیں کہ مجھے بائیں گردے میں بہت درد رہتا ہے اس کا علاج بتادیں۔

محترمہ آپ BERBERIES. VUL 3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے آدھا گھنٹہ پہلے پیا کریں یہ دوا تین ماہ مکمل کریں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔

عائشہ کراچی سے لکھتی ہیں کہ مجھے دونوں گردوں میں سسٹ ہے اور ورم بھی ہے اکثر متلی رہتی ہے تقریباً ایک سال سے یہ مسئلہ چل رہا ہے میں بہت پریشان ہوں اس کا کوئی مناسب علاج بتادیں۔

محترمہ APIS-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے آدھا گھنٹہ پہلے پی لیں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔

قارئین کرام! آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ہمارے کلینک کے نام پر ایک شخص دھوکہ دے رہا ہے اپنے موبائل نمبر پر ایزی پیسہ کے ذریعے رقم منگوا رہا ہے اور بہت سے لوگوں کی رقم ہضم کرگیا ہم نے اسے نوکری سے نکال دیا۔ آپ سے گزارش ہے کہ رقم ہمیشہ منی آرڈر کے ذریعے ارسال فرمائیں۔

نوٹ: ڈاکٹر صاحب ان دنوں علیل ہیں تمام قارئین سے ان کے لیے دعائے صحت کی درخواست ہے۔

ملاقات اور منی آرڈر کرنے کا پتا۔

صبح 10 تا 1 بجے شام 6 تا 9 بجے فون نمبر 021-36997059 ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک دکان نمبر C-5 کے ڈی اے فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن نمبر 2، سیکٹر B-14 نارتھ کراچی 75850

خط لکھنے کا پتا

آپ کی صحت ماہنامہ آنچل کراچی پوسٹ بکس 75 کراچی۔

کام کی باتیں

حنا احمد

جاگنگ سے ذہنی دباؤ دور

گلاسکو یونیورسٹی میں کی گئی حالیہ ریسرچ کے مطابق دماغی امراض اور ذہنی پریشانیوں کے خاتمے کے لیے دن میں دو دفعہ ہرے بھرے درختوں والے پارک میں جاگنگ کرنی چاہیے اس تحقیق کے مطابق پارک میں جاگنگ کرنے والے افراد جم جاکر ورزش کرنے والے افراد کی نسبت اسے پچاس فیصد زائد ذہنی پریشانیوں اور دماغی امراض سے محفوظ رہتے ہیں۔ قدرتی ماحول میں کی جانے والی ورزش دماغ پر مثبت اثرات مرتب کرتی ہے اس سے نیند کے حصول اور اعصابی تناؤ کو کم کرنے میں نمایاں مدد ملتی ہے۔ ریسرچ رپورٹ کے مطابق ڈاکٹروں کو چاہیے کہ وہ ذہنی تناؤ اور دماغی امراض کے مریضوں کو ہرے بھرے اور پرفضا قدرتی ماحول میں سیر اور جاگنگ کی ہدایت کریں تاکہ وہ جلد صحت یاب ہوسکیں۔

سگریٹ نوشی سے دماغ سکڑتا ہے

برطانوی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ سگریٹ نوشی سے یادداشت، سیکھنے اور استدلال کی قوتیں متاثر ہوتی ہیں اور اس کے باعث دماغ گل سڑ جاتا ہے، یہ تحقیق لندن کی کنگز کالج نے کی۔ اس تحقیق میں پچاس برس سے زیادہ عمر کے 8800 افراد کا مشاہدہ کیا گیا۔ ان میں سے زیادہ افراد کو بلڈ پریشر کی تکلیف اور موٹاپے سے بھی دماغ متاثر ہونے کے شواہد ملے لیکن یہ اثرات تمباکو نوشی سے ہونے والے اثرات سے کم تھے۔ اس تحقیق میں شامل سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ لوگوں کو خیال رکھنا چاہیے کہ طرز زندگی سے بھی جسم کے ساتھ ساتھ دماغ متاثر ہوتا ہے۔ اس تحقیق میں سائنس دانوں نے سگریٹ نوش افراد کا ایک ٹیسٹ چار سال بعد اور پھر آٹھ سال بعد لیا گیا۔ مجموعی طور پر یہ دیکھا گیا کہ جن افراد کی سمجھ بوجھ کی قوت میں کمی آئی ان کی بڑی کارکردگی کا تعلق سگریٹ نوشی سے بنتا تھا۔

چھوٹے بچوں کا کھیلنا ضروری ہے

طبی ماہرین نے کہا ہے کہ تندرست رہنے کے لیے چھوٹی عمر کے بچوں کا کودنا بہت ضروری ہے۔ اوہائیو چلڈرن میڈیکل سینٹر کے ایک ڈاکٹر اور ان کی ٹیم نے تحقیق کے دوران ثابت کیا کہ چھوٹی عمر میں بچوں کو کھیلنے کودنے کا موقع نہیں ملتا وہ ان بچوں کی نسبت بہت کم صحت مند ہوتے ہیں جو چھوٹی عمر میں کھیلتے کودتے ہیں۔ ماہرین کے مطابق امریکا میں تین سے پانچ سال کی عمر کے تین چوتھائی بچے نگہداشت کے مرکز میں رہ رہے ہیں انہیں دوسرے بچوں کی طرح جسمانی اعتبار سے مزید حرکات سکنات کی ضرورت ہوتی ہے جس سے بچوں کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور بچے فزیکلی مضبوط ہوتے ہیں اگر وہ جسمانی طور پر مضبوط ہوں گے تو لامحالہ بیماریوں سے بھی بچے رہیں گے اور ذہنی طور پر زیادہ تیز ہوں گے۔

اکٹھے بیٹھ کر کھانا مفید

برطانیہ میں محققین کا کہنا ہے کہ خاندان کے ساتھ کھانا کھانے سے بچوں کی کھانے پینے کی عادات بہتر ہوتی ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ بچوں کی خوراک میں روزانہ پھل اور سبزیوں کے پانچویں حصے ہونے چاہئیں یا انہیں ہر روز تقریباً 400 گرام پھل سبزی کھانی چاہیے۔ تحقیق کے مطابق جو بچے ہمیشہ اپنے خاندان کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں وہ ضرورت کے مطابق پھل سبزی کھاتے ہیں جو خاندان کبھی کبھی ہی ساتھ کھانا کھاتے ہیں وہاں بھی بچوں کی خوراک میں پھل سبزیوں کی مقدار طے شدہ مقدار کے قریب ہوتی ہیں۔ ماہرین کہتے ہیں کہ والدین اور بھائی بہنوں کو دیکھنے سے بچے اچھی عادات سیکھتے ہیں۔ اس تحقیق میں جنوبی لندن کے 52 پرائمری اسکولوں کے تقریباً 2400 طلبا کے کھانے پینے کی عادات کا مطالعہ کیا گیا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ صحت مند طریقے سے کھانے

والے بچے اپنے گھر والوں کے ساتھ اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔

اسّی لاکھ پاکستانی فیس بک پر

ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق پاکستان میں سماجی رابطے کی سائٹس "فیس بک" کے 80 سے زائد اکاؤنٹس ہیں "سوشل بیکرز" ویب سائٹ کے تازہ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ فیس بک سائٹ پر پاکستانیوں کے 80 لاکھ سے زائد یوزرز ہیں۔ سب سے زیادہ یہ سائٹ استعمال کرنے والے مملک میں پاکستان کا شمار 28 ویں نمبر پر ہے' اسی ذریعے کے مطابق گزشتہ 6 ماہ میں پاکستان میں فیس بک استعمال کرنے والوں کی تعداد میں 3 لاکھ سے زائد کا اضافہ دیکھنے میں آیا۔ سماجی رابطے کی سائٹ فیس بک کا استعمال 70 فیصد پاکستانی مرد اور 30 فیصد پاکستانی خواتین کرتی ہیں جب کہ نوجوان طبقہ فیس بک کا سب سے زیادہ استعمال کرتا ہے۔ دنیا کے تمام ممالک میں سب سے زیادہ امریکا میں فیس بک استعمال کرنے کا رجحان دیکھنے میں آتا ہے جہاں اس سماجی ویب سائٹ کا استعمال کرنے والوں کی تعداد 16 کروڑ بتائی جاتی ہے۔

جلدی سوئیں' بلڈ پریشر بھگائیں

برطانوی طبی ماہرین نے کہا ہے کہ جلد سونا اور مناسب نیند ہائی بلڈ پریشر کو معمول پر لانے میں مدد دیتی ہے اس حوالے سے ہونے والی تحقیق سے ثابت ہوا کہ جو لوگ جلدی سوئے اور ایک گھنٹہ زیادہ نیند کی' ان کے ہائی بلڈ پریشر میں واضح کمی آئی اور وہ اسے نارمل حد تک لے آئے۔ ماہرین کے مطابق نیند کی کمی اور دباؤ میں زندگی گزارنے والے افراد کے ہائی بلڈ پریشر میں اضافہ ہوتا ہے اور ایسے افراد نیند کے دورانیے کو بڑھا کر ہائی بلڈ پریشر کو نارمل کر سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ برطانیہ میں ہر پانچ میں سے ایک بالغ شخص ہائی بلڈ پریشر سے متاثر ہے جو دل کے دورے اور فالج کی وجوہات میں سے ایک ہے۔ ڈاکٹروں کے مطابق صحت مند لائف اسٹائل کے ساتھ اس بیماری کو بھگایا جا سکتا ہے۔

کم سونے سے بیماریوں کا حملہ

ایک حالیہ امریکی تحقیق کے مطابق جو لوگ چھ گھنٹے سے کم نیند لیتے ہیں وہ بہت سی بیماریوں کو دعوت دیتے ہیں۔ ان بیماریوں میں ہائی بلڈ پریشر ہائی کولیسٹرول ذیابیطس اور موٹاپا شامل ہے۔ تحقیق دانوں نے نتیجہ اخذ کیا کہ پانچ گھنٹے یا پانچ گھنٹے سے چھ گھنٹے نیند لینے والے افراد کئی بیماریوں میں مبتلا تھے۔ پانچ گھنٹے یا اس سے بھی کم نیند لینے والے افراد میں ہائی بلڈ پریشر اور ہائی کولیسٹرول میں مبتلا ہونے کے امکانات ان لوگوں کی نسبت تقریباً دو گنا تھے جو آٹھ گھنٹے یا اس سے زائد کی نیند لیتے ہیں۔ بہت کم نیند لینے والے افراد میں ذیابیطس میں مبتلا ہونے کے امکانات 75 فیصد جبکہ موٹاپے میں مبتلا ہونے کے امکانات تقریباً 50 فیصد زیادہ تھے۔

ورزش ذہنی اور جسمانی صحت کی اہم ضرورت

ماہرین کہتے ہیں کہ ورزش سے نہ صرف انسانی جذبات پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں بلکہ ورزش انسان کو جذباتی طور پر بھی سہارا دیتی ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ ورزش انسان کی ذہنی صحت کو برقرار رکھنے اور اسے تحریک دینے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ یونیورسٹی آف ٹورنٹو سے منسلک ماہرین نے 26 سال کا ڈیٹا اکھٹا کیا اور اس کا تجزیہ کیا۔ ماہرین کا کہنا تھا کہ وہ لوگ جو دن میں تھوڑی بہت ورزش بھی کرتے ہیں' اپنی زندگی سے ڈپریشن کو ختم کر سکتے ہیں۔ اس تحقیق کی سربراہی کرنے والے جارج تسلیم کرتے ہیں کہ ڈپریشن کے بہت سے عوامل کارفرما ہو سکتے ہیں مگر ڈپریشن کو ختم کرنے کے لیے جو طریقے اختیار کیے جاتے ہیں' ان میں ورزش بہترین طریقہ ثابت ہو سکتا ہے۔ اسی لیے جارج کہتے ہیں کہ ورزش کیجیے اور زندگی سے پریشانیوں کو دور بھگائیے۔